Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نورِ ہدایت

(جلد اول)

آصف جاوید عظیمی

Marfat.com

کتاب	: نورِ ہدایت (جلد اوّل)
مؤلف	: آصف جاوید عظیمی
کمپوزنگ	: عظیمی کمپوزرز، بحریہ ٹاؤن، اسلام آباد
تحقیق و تدوین	: آصف جاوید عظیمی
پرُوف ریڈنگ و معاونت	: عمران الطاف عظیمی، عاشق حسین بٹ عظیمی، ظفر محمود عظیمی
تعدادِ اشاعت	: 1000
سن اشاعت	: اکتوبر 2017ء
ہدیہ	: 900روپے
پیشکش	: مراقبہ ہال اسلام آباد
ای میل	: aj_azeemi@hotmail.com
آئی ایس بی این	: ISBN 978-969-23253-0-1
پتہ	: 1) مراقبہ ہال سواں کیمپ اسلام آباد (بحریہ ٹاؤن فیز 7 اسلام آباد)
	: 2) عظیمیہ دواخانہ، قاضی مارکیٹ، مریڑ حسن، راولپنڈی
برائے رابطہ	: 0515169242,03005186419,03345838315

Marfat.com

انتساب

مرشدِ کریم

حضرت خواجہ شمس الدّین عظیمی صاحب

کے شاگردِ رشید اور نگران مراقبہ ہال اسلام آباد

محترم قاضی مقصود احمد عظیمی

کے نام

Marfat.com

جُملہ حقُوق نوعِ انسانی کے لئے محفُوظ ہیں۔
اِس کتاب کا کوئی بھی حِصّہ یا پوری کتاب،
ہر علم دوست انسان چھاپ سکتا ہے۔

Marfat.com

فہرست مضامین

جلد اوّل

	سورہ مبارکہ مع موضوعات جلد اوّل	2
بِسْمِ اللهِ	**بسم اللہ**	4
	آغاز اللہ کے نام سے	4
سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ	**اِنعام یافتہ لوگ**	9
	خوش نصیبی	11
سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ	**غیب**	24
	غیب اور متقی	24
	غیب اور مظاہر	25
	غیب پر یقین	26
	تسخیر	26
	یقین کا حصول	28
سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ	**اللہ تعالیٰ کی مہر**	30
	لطائف	31
	لطائف کے نام	31
سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ	**اللہ کا نائب**	34
	نائب کے معنی	35
	نائب کے اختیارات	35
	آدمؑ کی حاکمیت اور علم الاسماء	36
	کائنات اللہ تعالیٰ کے علم کا جزو	37
	کائنات اور اللہ تعالیٰ کے اسماء	37
	علم کی تین جہتیں	38
	آدمؑ کا تعارف	39

Marfat.com

فرشتوں کی عاجزی ---------- 39
آدم علیہ السلام کا اظہارِ علوم ---------- 39
آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر برتری ---------- 39
اللہ تعالیٰ کا خزانہ ---------- 40
انسان کا مقصدِ حیات ---------- 40
انسان کا حقیقی شرف اللہ کی نیابت ---------- 41
سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ **تکوین** ---------- 43
چار شعبے ---------- 44
خلاصہ ---------- 45
تکوین کے عہدے ---------- 45
تکوینی شعبے ---------- 46
صدر الصدور ---------- 46
قلندر کا مقام ---------- 48
ابدال اور قطب ---------- 48
قلندر ---------- 49
ملامتی ---------- 49
خضرِ وقت ---------- 49
غوث ---------- 49
ابدال ---------- 49
اوتاد ---------- 49
صوفی ابولوقت ---------- 50
صوفی ابن الوقت ---------- 50
عارف ---------- 50
ولی ---------- 50
اہلِ تفرید ---------- 50

Marfat.com

	انچارج ہفت اقلیم	51
سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ	**جنّت**	52
	درخت	52
	شجرِ ممنوعہ کی روحانی تفسیر	53
	آدمؑ، جنّت اور ابلیس	54
	آدمؑ کا جنّت سے خروج	55
	اعترافِ گناہ	55
	زمین کی مادی زندگی	55
	جنّت کی اقسام / نام	56
سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ	**نماز اور زکوٰۃ کا پروگرام**	57
	صلوٰۃ / نماز	57
	زکوٰۃ	58
	جمع	58
سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ	**انتقال کے بعد**	60
	شعور کیا ہے؟	61
	کیا رُوح شعور ہے؟	61
	کوانٹم فزکس	63
	شعور اور کوانٹم کمپیوٹر	63
	مائیکروٹیوبیولز کیا ہیں؟	64
	Orchestrated Objective Reduction Theory	64
	اعلیٰ فیبرک یا تانا بانا	65
سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ	**پھٹکارے ہوئے بندر**	67
	حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ	68
سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ	**من و سلویٰ**	69
سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ	**اللہ دیکھ رہا ہے**	71

Marfat.com

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ	آزمائش	74
سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ	اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ	76
	ادراک + آواز = الفاظ	76
	کائنات اللہ تعالیٰ کی آواز	76
	ادراک کی وسعت	77
	اللہ تعالیٰ کا علم	78
	اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ	79
	خیالات کا منبع	79
سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ	روزہ	83
	مظاہر کی نفی	84
	دو طرح کے حواس	85
	روزے کے فضائل	87
	قیام الیل	89
	تلاوتِ قرآن	89
	انفاق فی سبیل اللہ	90
	سوچ کا فروغ	90
	لیلۃ القدر	91
	اعتکاف	91
	استقبالِ رمضان	91
	عید الفطر اور عید الاضحیٰ	92
سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ	سریع الحساب	94
سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ	حُرمت والا مہینہ	96
سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ	قانونِ قُدرت	98
	حکمت	99

Marfat.com

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ	**دین میں زبردستی نہیں**	101
	سعید اور شقی ارواح	101
سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ	**حضرت ابراہیمؑ کا نمرود سے مکالمہ**	103
سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ	**حیات و ممات**	107
	حیات و ممات	108
	حکمت	109
	سانس کی سائنس	109
	حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ	110
	کافر شاہ	111
	پہاڑ کا نظام تنفس	114
	مثال	114
	ٹائم اسپیس کا قانون	114
	مثال	115
	مثال	115
سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ	**یقین**	116
	یقین	117
	علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین	117
	مثال 1	118
	مثال 2	118
	مثال 3	118
	چار پرندے	118
	پیغمبرانہ طرزِ فکر	120
سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ	**سود خوری کی ممانعت**	123
	دولت پرستی	124

Marfat.com

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ	**یقین کا پیٹرن**	126
	انبیاء کی طرزِ فکر	127
	خیر یا شر	128
	طرزِ فکر کے حصول کا طریقہ	129
	دوست تک رسائی	131
	اطمینانِ قلب کا حصول	132
سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ	**لیل و نہار**	134
	نیند سے بیداری تک کے مراحل	134
	بیداری سے نیند تک کے مراحل	135
	بیداری میں دیکھنے کا پہلا قانون	136
	بیداری میں دیکھنے کا دوسرا قانون	136
	بیداری میں دیکھنے کا تیسرا قانون	136
	تلوین اور استرخاء	136
سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ	**رات اور دن کے حواس**	138
	رات اور دن کے حواس / شعور اور لاشعور	138
	بیداری اور نیند کی روحانی حیثیت	138
	خواب	139
	خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے	140
	تمام زمینوں پر نشر ہونے والی اطلاع ایک ہے	141
	قانون	142
	قلم لکھ کر خاموش ہو چکا	144
سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ	**وحی**	146
	نبی کی تعریف اور وحی	146
	وحی میں پیغام کے ذرائع	147
	وحی کی اقسام	148

Marfat.com

	جلی وحی	148
	خفی وحی	148
	وحی کی ابتداء	148
	خواب اور نبوت	149
	القاء	149
	الہام	149
	کشف	150
	سچے خواب	150
سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ	**حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ**	151
	حصہ اول	151
	حصہ دوم	152
	تخلیقی فارمولہ	154
سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ	**تخلیق کا علم**	155
	مرحلہ اول	155
	مرحلہ دوم	155
	اسم اطلاقیہ	156
	عالم عینیہ	156
	مٹی	157
	روشنی + مٹی = جسم	157
سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ	**اللہ کی نعمت**	159
	اللہ کی نعمت	159
سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ	**نبی کریم ﷺ کا وصال**	161
سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ	**صاحبِ استقامت لوگ**	163
	مومن اور ناامیدی	164
سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ	**سخاوت**	165

Marfat.com

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ	**اولی الالباب**	168
	اولی الالباب کی تعریف	169
	تخلیقات پر گہری نظر	169
	دو گروہ	169
	انسانی ترقی	170
	موجودہ سائنسی ترقی باعثِ رحمت؟	170
	ایجادات کا قانون	171
	سائنسی علوم کا روحانی علوم سے تعلق	173
	خیال	174
	انتقالِ خیال	174
	مسلمان اور تسخیرِ کائنات	175
سُوْرَۃُ النِّسَآءِ	**حقوقِ نسواں**	178
	خواتین کے حقوق	178
سُوْرَۃُ النِّسَآءِ	**نفسِ واحدہ**	181
	نسبتِ وحدت	181
	لطائف	182
	لطائف کی تفصیل	184
	مخلوقات میں لطائف کی تعداد	184
	لطائف نام اور رنگ	185
	چار نہریں	185
	نہر تسوید	185
	نہر تجرید	185
	نہر تشہید	186
	نہر تظہیر	186
	لطیفہ اخفیٰ	186

Marfat.com

	لطیفہ خفی	186
	لطیفہ سری	186
	لطیفہ روحی	186
	لطیفہ قلبی	187
	لطیفہ نفسی	187
	اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت	187
سُوْرَةُ النِّسَآءِ	**حق مہر**	190
	حق مہر	190
	مہر کی رقم کتنی ہونی چاہیے	191
سُوْرَةُ النِّسَآءِ	**قوامون**	192
سُوْرَةُ النِّسَآءِ	**اللہ کا نور**	195
	ذات اور صفات کا مفہوم	195
	وحدانیت سے مراد	195
	اللہ تعالیٰ کا نور	196
	روح کی شناخت	197
	کائنات اللہ کے علم کا مظاہرہ	197
	وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا کا عکس	198
سُوْرَةُ النِّسَآءِ	**رفع المسیحؑ**	200
سُوْرَةُ النِّسَآءِ	**خوشخبری سنانے والے**	203
	دوہرا پن	204
سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ	**وضو**	205
	مخلوقات میں برقی رو	205
	وضو کی سائنس	206
	ہاتھ دھونا	206
	کلی کرنا	208

Marfat.com

	ناک میں پانی ڈالنا	207
	چہرہ دھونا	207
	کہنیوں تک ہاتھ دھونا	208
	مسح کرنا	208
	گردن کا مسح	208
	پیروں کا مسح کرنا یا دھونا	209
سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ	**ہابیل قابیل**	210
سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ	**وسیلہ**	213
	نیک ہستیوں کے ارادے کی قوت	213
سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ	**صاحبِ جنت و دوزخ**	215
سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ	**چھ دن اور کائنات**	217
	وقت	218
	مثال	220
	علم کی دو طرزیں	221
	قربِ فرائض	221
	مثال	222
	قربِ نوافل	222
	عالم ناسوت	222
	عالم ملکوت	223
	عالم جبروت	223
	عالم لاہوت	223
	یکجائی پروگرام کا ڈسپلے	224
سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ	**تباہی کا سبب**	225
سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ	**ایڈز**	229
	ایڈز	230

Marfat.com

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ	اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْبَلٰى	232
	مقصدِ تخلیق	232
	کن اور قالوبلٰی کا وقفہ	233
	کائناتی پراسس کا آغاز	233
	مائکرو فلم	234
	تصوف کا مقصد	234
	عالمین	235
	دیکھنے کی طرز	236
	وحدت الوجود اور وحدت الشہود	237
	سعید روحیں	238
سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ	مذکر مونث	239
	حضرت اماں حوا کی تخلیق	239
	مونث ومذکر کا تخلیقی راز	239
	غالب اور مغلوب پرت	240
سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ	جنگ بدر	241
سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ	حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	242
	انتخابِ درِ ایوبؓ کی وجہ	243
سُوْرَةُ التَّوْبَةِ	غار ثور	245
سُوْرَةُ التَّوْبَةِ	مشرکین کے لئے مغفرت	247
سُوْرَةُ التَّوْبَةِ	عرش العظیم	248
	لوحِ محفوظ	248
	سات آسمان	248
	کائنات کی چار جہتیں	249
	عرش	249
	بیت المعمور	249

Marfat.com

سدرۃ المنتہیٰ ---------- 249

حجابِ عظمت ---------- 250

حجابِ کبریاء ---------- 250

حجابِ محمود ---------- 250

مقامِ محمود ---------- 250

عین اور صادر العین ---------- 250

مثالیت اور عنصریت ---------- 251

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ **وقت** ---------- 253

وقت ---------- 253

وقت کے بارے میں نظریات ---------- 253

وقت کے بارے میں ارسطو کا نظریہ ---------- 254

نیوٹن کا نظریہ ---------- 254

آئن سٹائین کا وقت کے بارے میں نظریہ ---------- 255

کوانٹم فزکس ---------- 255

وقت کے بارے میں اسٹیفن ہاکنگ کی رائے ---------- 256

وقت الہامی کتابوں کے مطابق ---------- 256

مسلم مفکرین کی وقت کے بارے میں رائے ---------- 257

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی رائے ---------- 258

حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ ---------- 258

وقت کے بارے میں حضور قلندر بابا اولیار حمۃ اللہ علیہ کا نظریہ ---------- 259

زمانِ حقیقی ---------- 259

زمانِ غیر متواتر ---------- 259

زمانِ متواتر ---------- 260

وقت کی زمینی اکائیاں ---------- 261

آٹو سیکنڈ ---------- 261

Marfat.com

	پیکو سیکنڈ	261
	نینو سیکنڈ	261
	مائیکرو سیکنڈ	262
	ملی سیکنڈ	261
	ایک سیکنڈ	261
	ایک گھنٹہ	261
	دن	262
	ہفتہ	262
	سال	262
	زمان میں ردوبدل	262
سُوْرَۃُ یُوْنُس	**شک**	264
	خیال، اطلاع اور وہم	264
سُوْرَۃُ یُوْنُس	**قناعت اور استغناء**	267
	اللہ کے دوست	267
	استغناء	268
	استغناء کے انسانی صحت پر اثرات	269
	خوش رہنے کا فارمولا	270
	غم اور خوف کا قانون	270
	روح کے تقاضے	271
	مسرت اور حزن کی کیفیات کا بغور جائزہ	271
سُوْرَۃُ یُوسُف	**کتاب المبین**	273
	کائنات	273
سُوْرَۃُ یُوسُف	**حضرت یعقوب علیہ السلام**	276
	حکمت	277
	اختیارات کا استعمال یا عجز وانکساری	277

Marfat.com

	استغناء کی تعریف	277
	مثال	278
سُوْرَۃُ الرَّعْدِ	**قرآنی اعلان**	279
سُوْرَۃُ الرَّعْدِ	**اللہ کا ذکر**	281
	ذکرِ لسانی	281
	ذکرِ قلبی	282
	مراقبہ	282
	اسفل کا دماغ	283
	مراقبہ کے مدارج	283
	مراقبہ میں واردات و کیفیات	284
	ورود، مکاشفہ اور مشاہدہ	284
سُوْرَۃُ الرَّعْدِ	**لوحِ محفوظ**	286
	علم لا اور الّا کی نفی	286
	القاء اور اسکی اقسام	286
	کائنات کے چار تنزلات	286
	تنزل نمبر 1 علم القلم	286
	تنزل نمبر 2 تجلیات	287
	تنزل نمبر 3 تقدیر مبرم	287
	تنزل نمبر 4 عنصریت	287
	مثال	288
	لوحِ محفوظ تک رسائی	288
	لوحِ محفوظ پر تبدیلی	289
سُوْرَۃُ الرَّعْدِ	**زمین کے کنارے**	290
سُوْرَۃُ الْحِجْرِ	**علم البروج**	295

Marfat.com

	علم البروج	295
	مثال	296
	سبعہ طلسم	296
	طلسم نمبر 1 یاقوت	296
	طلسم نمبر 2 تیلسان	297
	طلسم نمبر 3	297
	طلسم نمبر 4 حرز	297
	طلسم نمبر 5 موّاج	297
	طلسم نمبر 6 ہلال	297
	طلسم نمبر 7 ہیکل	297
سُوْرَۃُ الْحِجْرِ	سبع مثانی	298
سُوْرَۃُ الْحِجْرِ	اپنے حبیب ﷺ کی دلجوئی	300
سُوْرَۃُ النَّحْلِ	سائے	303
	سائے کا بننا	305
سُوْرَۃُ النَّحْلِ	الوان	306
	انسانی زندگی پر رنگوں کے اثرات	311
سُوْرَۃُ النَّحْلِ	حضرت عمار بن یاسرؓ	312
سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ	معراج	313
	جبریل امینؑ	313
	انبیائے کرام سے ملاقات	314
	مراقبہ شب معراج	315
سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ	نبی اور رسول	316
	پیغمبر ـــ غیب کا نمائندہ	316
	نبی ـــ غیب بین	316
	رسول ـــ غیب کا قاصد	316

Marfat.com

سُوْرَۃُ بَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ	**مقام حیرت**	318
	مقام حیرت	318
	اصحابِ صفہ کی روحانی تربیت	319
	سلاسل طریقت میں تربیت	320
سُوْرَۃُ بَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ	**عمدہ ضابطہ حیات**	321
	سولہ احکام	325
	بارگاہِ رب العزت سے عطیات	326
سُوْرَۃُ بَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ	**رُوح**	327
	مقامات روح	329
	مادی دنیا کی دوئی	330
	قلندر شعور	330
	خلاء اور رُوح	330
	رُوح میں سے رُوح	331
	مثال سے سمجھئے	331
	صورت پر تخلیق کرنے کا مفہوم	332
	بلٹ ان کمپیوٹر	332
	سلسلہ عظیمیہ کا پیغام	334
سُوْرَۃُ الْکَہْفِ	**اصحابِ کہف**	335
	مسیحی روایات کا خلاصہ	337
	کوتوالِ شہر	339
	اصحاب کہف کے نام	339
	حکمت	340
سُوْرَۃُ الْکَہْفِ	**اللہ کے دوست**	341
	کامل	341
	اکمل	341

Marfat.com

	تکمل	342
سُوْرَۃُ الْکَھْفِ	**صاحب باطن**	344
	صاحب باطن	344
	صاحب تکوین	345
	صاحب ارشاد	345
سُوْرَۃُ مَرْیَمَ	**کُن فیکون**	346
	آغاز کائنات	346
	کُن فیکون کی تشریح	347
	کُن اور کائنات کی تخلیق	347
	نسبت اور طرز فکر	348
سُوْرَۃُ مَرْیَمَ	**دوست احباب کے آداب**	351
سُوْرَۃُ مَرْیَمَ	**حضرت ادریسؑ**	353
	نام و نسب اور جائے پیدائش	353
	قلم کے موجد	354
سُوْرَۃُ طٰهٰ	**حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام**	355
	حضرت سعید بن زیدؓ کی تلاوت	356
سُوْرَۃُ طٰهٰ	**ذاتِ مطلق کی روشنی**	359
سُوْرَۃُ طٰهٰ	**جسمِ مثالی**	362
	جسم مثالی اور معنویت	364
	آسیب زدہ شخصیت	365
	نسمہ اور نمک	366
	ماخذ کتب کے حوالہ جات	367

Marfat.com

عرضِ مؤلف:

سائنس غیر مادی، روحانی مسائل METAPHYSICAL ISSUES کو مادی ذرائع سے حل کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور بری طرح سے ناکام ہوئی ہے۔ دنیا میں موجود بے چینی، بد امنی، انتشار اور جنگ و جدل کی وجہ یہی ہے کہ ایک طرف تو سائنس نے کائنات کے ذرہ ذرہ کی چھان بین کا ذمہ لے لیا ہے اور دوسری طرف اُس نے خالقِ کائنات کے متعلق اہم ترین سوالات کا جواب تلاش کرنے میں کوتاہی برت رکھی ہے۔ ساری دنیا یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ کائنات کی اصلیت کیا ہے؟ کس طرح اور کب وجود میں آئی؟ خالق کائنات کون ہے؟ اِس کی حقیقت کیا ہے؟ وہ کہاں ہے؟ کائنات کا، خالق کائنات سے کیا تعلق ہے؟ اِنسان کی حقیقت کیا ہے؟ اِس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ وہ مقصد کس طرح سے حاصل ہو سکتا ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب معلوم کرنے کے لئے دنیا تڑپ رہی ہے مگر کسی وجہ سے سائنسدانوں اور دانشوروں نے اِن سوالات کا جواب تلاش کرنے کے بجائے راہِ فرار اختیار کر رکھی ہے۔ چونکہ اِن اہم ترین سوالات کا جواب تلاش کرنے میں مغربی تہذیب بے بس ہے اِس لئے جگہ جگہ ٹھوکریں کھا رہی ہے۔

یہ اور انہی سے ملتے جلتے دیگر سوالات کا تسلّی بخش جواب خانقاہی نظام کے تحت پڑھائے جانے والے سلیبس میں موجود ہے۔
خانقاہی نظام میں عظیمی SCHOOL OF THOUGHT کے سربراہ محمد عظیم برخیاء المعروف حضور قلندر بابا اولیاءؒ ہیں۔ ایسے لوگ جنہیں حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی قُربت کی سعادت حاصل ہوئی، وہ یہ بات جانتے ہیں کہ بابا صاحبؒ کی شخصیت کا محور توحید باری تعالیٰ، ذاتِ رسالت مآب ﷺ اور قرآن پاک تھا۔ بابا صاحبؒ کو یہ عظیم الشّان اعزاز حاصل ہے کہ آپ دربارِ نبوت ﷺ سے فیض یافتہ تھے۔ اِس فیض سے ہی آپ کو قرآن پاک کی تفہیم کی وہ روشنی حاصل ہوئی جو سیّدنا حضور ﷺ کی طرزِ فکر کی پرتو ہے۔

میرے مُرشد کریم الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی صُوفیانہ اور رُوحانی تعلیم و تربیت حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمائی۔ آپ 16 سال شب و روز حضُور قلندر بابا اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر باش رہے۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے ہی آپ کو خواجہ کا لقب عطا کیا۔ حضُور قلندر بابا اولیاءؒ کے وصال کے بعد سلسلہ عظیمیہ کی سربراہی کا مرتبہ آپ کو ملا۔ آپ سلسلہ عظیمیہ کے مُرشد، روحانی سکالر، ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ اور ماہنامہ قلندر شعور کے چیف ایڈیٹر ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ، روحانیت، پیرا سائیکالوجی اور دیگر موضوعات پر 70 سے زائد کتابوں کے مُصنّف ہیں۔ بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی (ملتان) میں ایسوسی ایٹ پروفیسر بھی رہے۔ آپ کے زیر سرپرستی دنیا بھر میں خانقاہی نظام کی طرز پر مراقبہ ہالز کے نام پر سینٹرز قائم ہیں جن کی تعداد پاکستان میں 61 اور بیرون ممالک میں 23 ہے۔ آپ کی تصنیف "احسان و تصوّف" بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی (ملتان) کے ایم اے اسلامیات کے نصاب میں شامل ہے۔ پاکستان اور بیرون

Marfat.com

پاکستان کی یونیورسٹیز اور تعلیمی اداروں میں لیکچرز کے لئے آپ کو مدعو کیا جاتا رہا ہے۔ آپ نے گلاسگو یونیورسٹی، مغرب میں روحانیت کے مرکز "آرتھر فنڈلے کالج"، کراچی یونیورسٹی، فیصل آباد زرعی یونیورسٹی، لاہور بار کونسل، کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج، ٹاؤن ہال والتھم اسٹو (برطانیہ)، اور دیگر مؤقر اداروں کے طالب علموں اور پروفیشنلز کو لیکچرز دیے ہیں۔ والتھم اسٹو کی LORD MAYORESS کی جانب سے آپ کو والتھم اسٹو کی شیلڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔ سالفورڈ یونیورسٹی یو کے کے ڈیپارٹمنٹ آف REHEBILITATION میں آپ کی تحریر کردہ تین کتابیں شامل نصاب رہی ہیں۔ برطانیہ کے معروف اشاعتی ادارے واٹکنز بکس کے تصوّف، رُوحانیّت اور باطنی علوم کے موضوع پر شائع ہونے والے مجلّے MIND, BODY AND SPIRIT میں موجودہ دور میں مصروفِ عمل دنیا کے 100 بااثر ترین روحانی شخصیات کی فہرست میں آپ کا نام شامل کیا گیا۔ میرے مُرشدِ کریم پر حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا فیض اور سیّدنا حضور نبی کریمؐ کی رحمت سے اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہے۔ آپ کے پیغام کو نہ صرف مخلوقِ خدا نے سنا ہے بلکہ اس پر عمل بھی کیا، نتیجے میں مخلوق کی بڑی تعداد پُر سکون زندگی گزار رہی ہے۔ عظیمی صاحب جس سادگی اور آسان الفاظ میں اسرار و رموز پر سے پردہ اُٹھاتے ہیں بلاشبہ اُن پر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور جس طرح افراد کی توجہ فلاح و بہبود کی طرف مبذول ہو جاتی ہے یہ بھی فضلِ ایزدی ہے۔

نُورِ ہدایت سلسلہ عظیمیہ کی کتب و تحاریر میں موجود قرآنی آیات کی تشریحات کو پیش کرنے کی ایک سعی ہے۔ میں نہ تو کوئی عالم ہوں اور نہ ہی کوئی ادیب بلکہ میری حیثیت سلسلہ عظیمیہ کے ایک ادنیٰ سے طالبِ علم اور خدمت گار کی ہے، مراقبہ ہال اسلام آباد سے منسلک ہوں۔ مجھے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا پوری طرح احساس ہے۔ "نُورِ ہدایت" کو پایہ تکمیل تک پہنچانا میری بساط و بضاعت اور اہلیت و قابلیت سے بالا تھا، لیکن یہ میرے مرشد کی توجہ اور نظرِ کرم کا کرشمہ ہے۔

مجھے اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ تنہا آدمی اتنا بڑا کام نہیں کر سکتا بڑے کام کے لئے ضروری ہے کہ کئی افراد کی صلاحیتیں بطور وسائل، یکجا ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ سلسلہ عظیمیہ کے کسی بھی فرد نے جب بھی حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے مشن اور ترویج و ترقی کے لئے کوئی ارادہ کیا اور ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے قدم بڑھایا تو اللہ تعالیٰ کی مدد اُسے حاصل ہوئی۔ ہمیں کبھی اِس بات کا تردُّد نہیں ہوا کہ ہم سلسلہ کا کام کریں گے تو ہمیں کامیابی ہوگی یا نہیں ہوگی۔

اللہ کا شکر ہے کہ نُورِ ہدایت کی ترتیب و تدوین میں مجھے مخلص دوستوں کی رفاقت نصیب ہوئی۔ میں اپنے محسن قاضی مقصود احمد عظیمی (نگران مراقبہ ہال اسلام آباد) کی رہنمائی و تعاون کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔ میں اپنی شریکِ حیات سارہ آصف عظیمی اور دختران ملائیکہ آصف اور مناحل آصف کی معاونت کا بھی شکر گزار ہوں۔ ان کے علاوہ اپنے رفقاء

Marfat.com

عمران الطاف عظیمی (نائب نگران مراقبہ ہال اسلام آباد) ، عاشق حسین بٹ عظیمی ، قاضی کاشف عظیمی، عرفان فاروقی عظیمی، محترمہ حمیرا شہزادی صاحبہ اور خلیل الرحمٰن صاحب کے تعاون کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینی، دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ روحانی علوم سیکھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

غلطیوں کا رہ جانا لازمہ بشریت ہے، کتاب میں کوئی غلطی محسوس کریں تو تو ازراہِ کرم وعنایت آگاہ فرمائیں۔

کسی نے پوچھا بساط میری — کہا جواباً گدائے مُرشد۔۔۔
یہی ہے میرا کُل اثاثہ — نگاہِ مُرشد دُعائے مُرشد۔۔۔

دعا گو، دعا جو

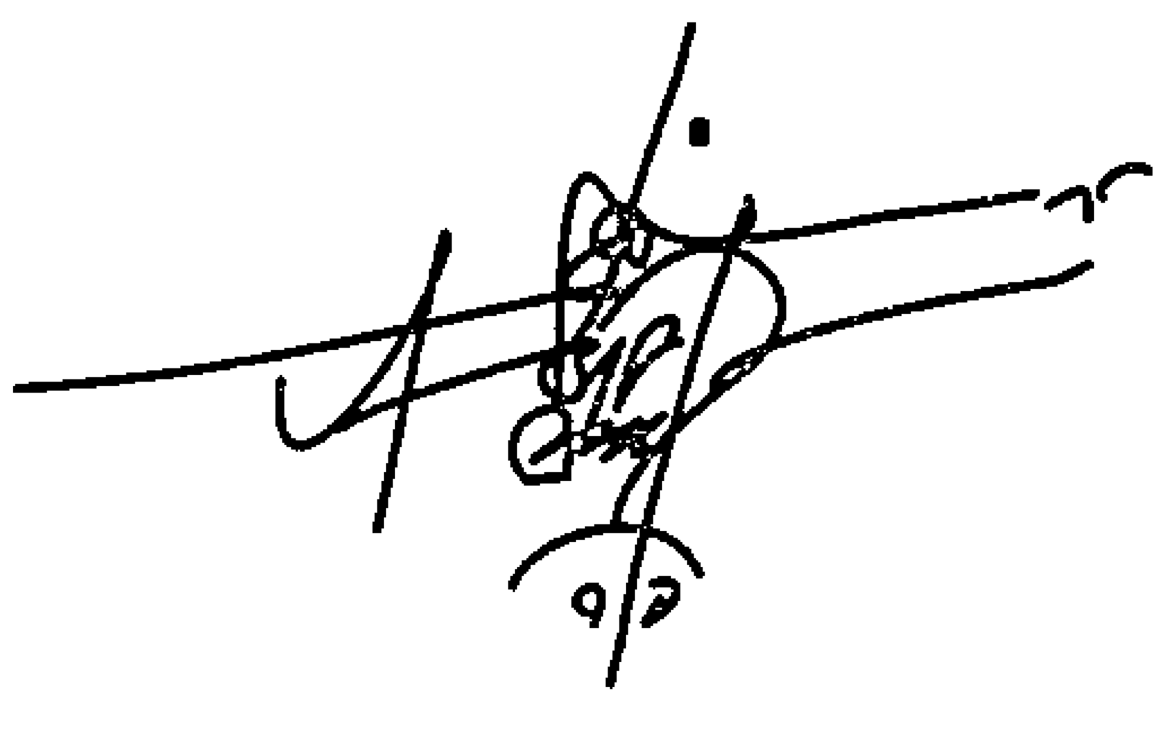

آصف جاوید عظیمی

روحانی فرزند

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

17 اکتوبر، 2017

مراقبہ ہال سوان کیمپ اسلام آباد

Marfat.com

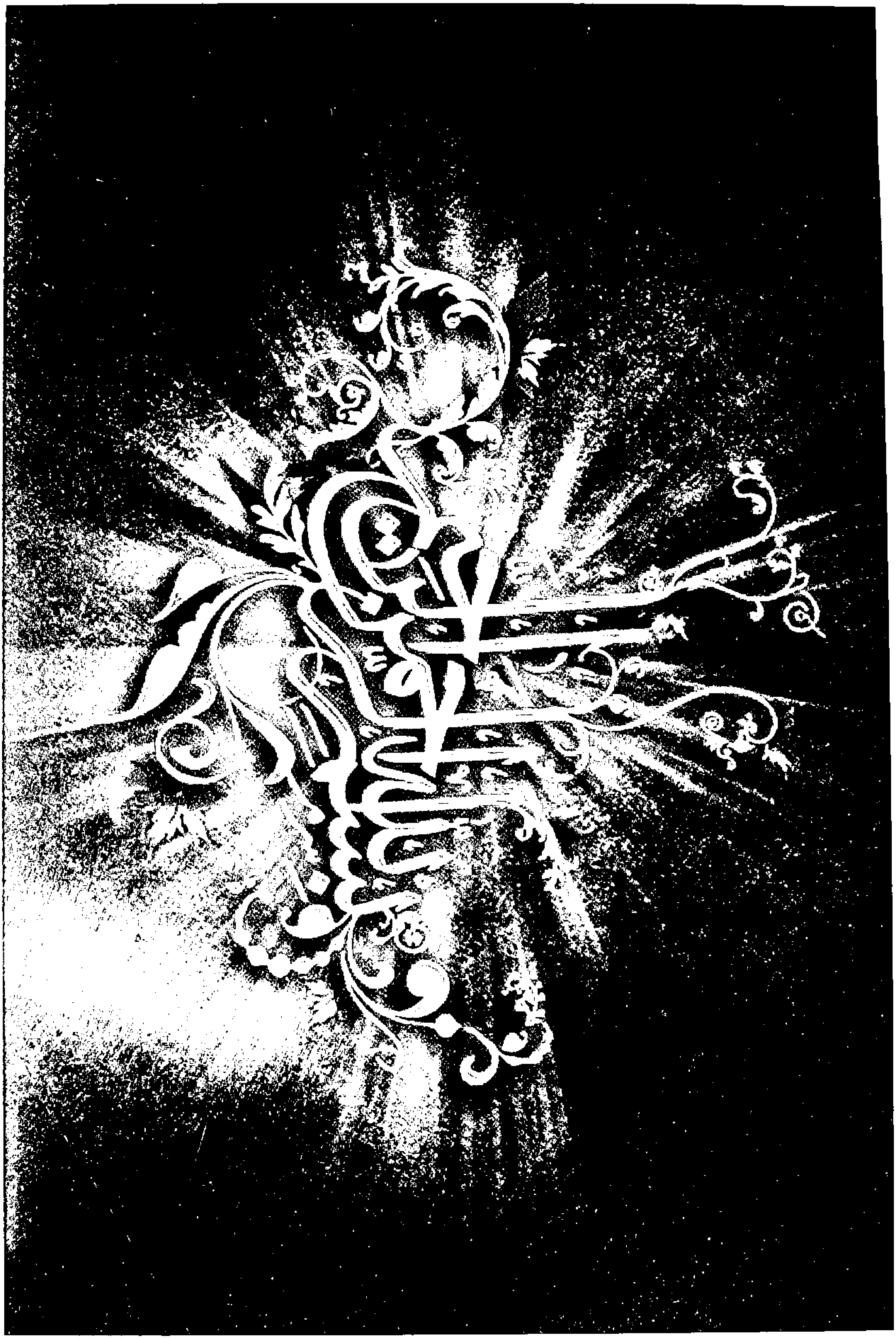

Marfat.com

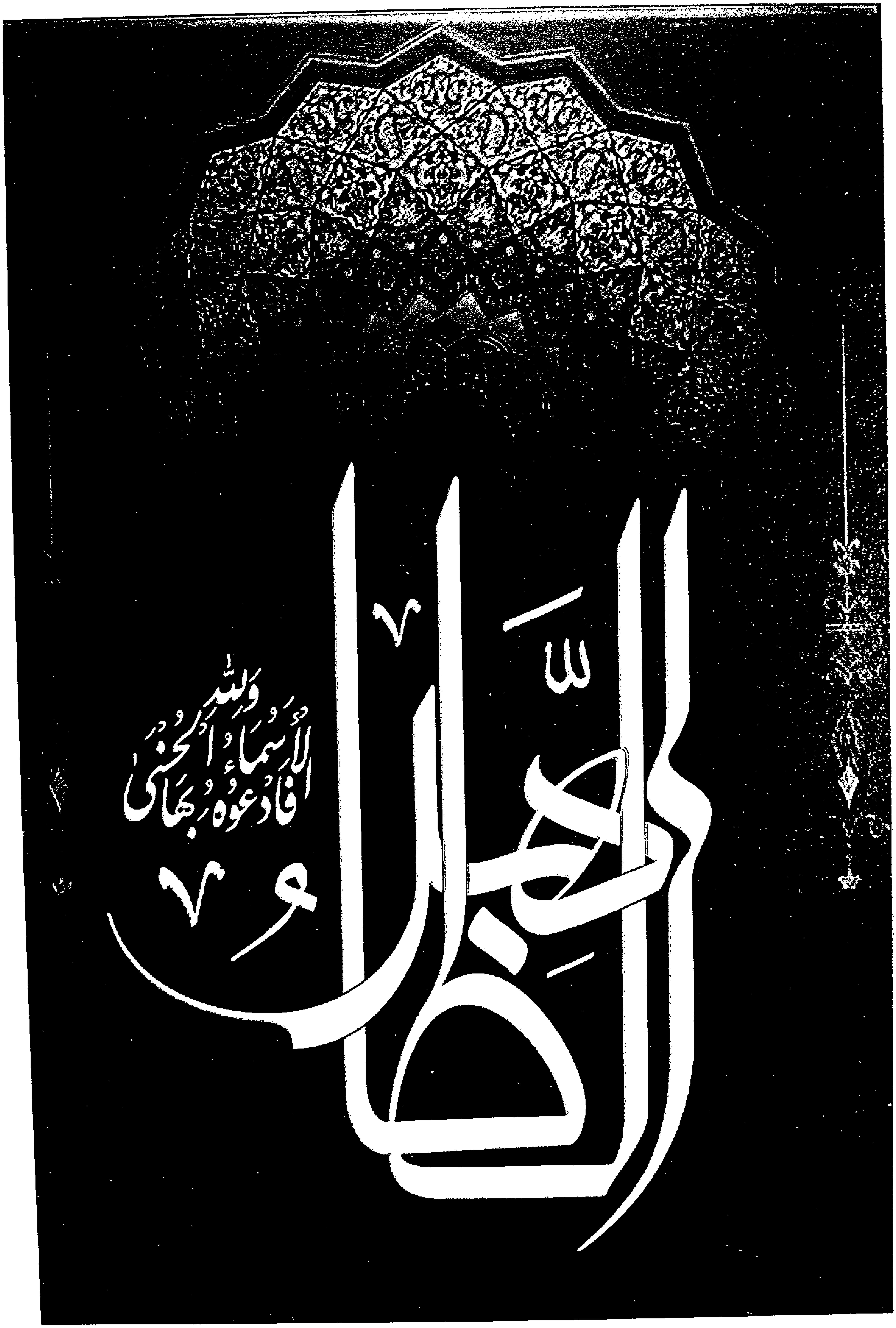

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد اوّل

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ تا سُوْرَۃُ طٰہٰ

Marfat.com

سورہ مبارکہ مع موضوعات جلد اوّل

نمبر	سورہ	موضوع
1)	بِسۡمِ اللّٰهِ	بسم اللہ
2)	سُوۡرَةُ الۡفَاتِحَةِ	اِنعام یافتہ لوگ
3)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	غیب
4)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	اللہ کی مُہر
5)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	اللہ کا نائب
6)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	تکوین
7)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	جنّت
8)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	نماز اور زکوٰۃ کا پروگرام
9)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	انتقال کے بعد۔۔۔؟
10)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	پھٹکارے ہوئے بندر
11)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	من و سلویٰ
12)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	اللہ دیکھ رہا ہے
13)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	آزمائش
14)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ
15)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	روزہ
16)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	سریعُ الحساب
17)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	حُرمت والا مہینہ
18)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	قانُونِ قُدرت
19)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	دین میں زبردستی نہیں
20)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	حضرت ابراہیمؑ کا نمرود سے مکالمہ
21)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	حیات و ممات
22)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	یقین
23)	سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ	سُود خوری کی ممانعت
24)	سُوۡرَةُ اٰلِ عِمۡرٰنَ	یقین کا پیٹرن
25)	سُوۡرَةُ اٰلِ عِمۡرٰنَ	لیل و نہار
26)	سُوۡرَةُ اٰلِ عِمۡرٰنَ	رات اور دن کے حواس
27)	سُوۡرَةُ اٰلِ عِمۡرٰنَ	وحی
28)	سُوۡرَةُ اٰلِ عِمۡرٰنَ	حضرت عیسیٰؑ کا معجزہ
29)	سُوۡرَةُ اٰلِ عِمۡرٰنَ	تخلیق کا علم
30)	سُوۡرَةُ اٰلِ عِمۡرٰنَ	اللہ کی نعمت
31)	سُوۡرَةُ اٰلِ عِمۡرٰنَ	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال
32)	سُوۡرَةُ اٰلِ عِمۡرٰنَ	صاحبِ اِستقامت لوگ
33)	سُوۡرَةُ اٰلِ عِمۡرٰنَ	سخاوت
34)	سُوۡرَةُ اٰلِ عِمۡرٰنَ	اولی الباب
35)	سُوۡرَةُ النِّسَآءِ	حقوقِ نسواں
36)	سُوۡرَةُ النِّسَآءِ	نفسِ واحدہ
37)	سُوۡرَةُ النِّسَآءِ	حقّ مہر
38)	سُوۡرَةُ النِّسَآءِ	قوّامون
39)	سُوۡرَةُ النِّسَآءِ	اللہ کا نور
40)	سُوۡرَةُ النِّسَآءِ	رفعِ المسیحؑ

Marfat.com

41)	سُوْرَۃُ النِّسَآءِ	خوشخبری سنانے والے
42)	سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ	وضو
43)	سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ	ہابیل قابیل
44)	سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ	وسیلہ
45)	سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ	صاحبِ جنت و دوزخ
46)	سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ	چھ دن اور کائنات
47)	سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ	تباہی کا سبب
48)	سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ	ایڈز
49)	سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ	اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ
50)	سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ	مذکر مونث
51)	سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ	جنگِ بدر
52)	سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ	حضرت ابو ایّوب انصاریؓ
53)	سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ	غارِ ثور
54)	سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ	مشرکین کے لئے مغفرت
55)	سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ	عرشِ العظیم
56)	سُوْرَۃُ یُوْنُس	وقت
57)	سُوْرَۃُ یُوْنُس	شک
58)	سُوْرَۃُ یُوْنُس	قناعت اور استغناء
59)	سُوْرَۃُ یُوْسُفَ	کتاب المبین
60)	سُوْرَۃُ یُوْسُفَ	حضرت یعقوبؑ
61)	سُوْرَۃُ الرَّعْدِ	قرآنی اعلان
62)	سُوْرَۃُ الرَّعْدِ	اللہ کا ذکر
63)	سُوْرَۃُ الرَّعْدِ	لوحِ محفوظ
64)	سُوْرَۃُ الرَّعْدِ	زمین کے کنارے
65)	سُوْرَۃُ الْحِجْرِ	علم البروج
66)	سُوْرَۃُ الْحِجْرِ	سبع مثانی
67)	سُوْرَۃُ الْحِجْرِ	اپنے حبیب ﷺ کی دلجوئی
68)	سُوْرَۃُ النَّحْلِ	سائے
69)	سُوْرَۃُ النَّحْلِ	الوان
70)	سُوْرَۃُ النَّحْلِ	حضرت عمار بن یاسرؓ
71)	سُوْرَۃُ بَنِیْ اِسْرَآءِیْل	معراج
72)	سُوْرَۃُ بَنِیْ اِسْرَآءِیْل	نبی اور رسول
74)	سُوْرَۃُ بَنِیْ اِسْرَآءِیْل	مقامِ حیرت
74)	سُوْرَۃُ بَنِیْ اِسْرَآءِیْل	عمدہ ضابطہ حیات
75)	سُوْرَۃُ بَنِیْ اِسْرَآءِیْل	رُوح
76)	سُوْرَۃُ الْکَهْفِ	اصحابِ کہف
77)	سُوْرَۃُ الْکَهْفِ	اللہ کے دوست
78)	سُوْرَۃُ الْکَهْفِ	صاحبِ باطن
79)	سُوْرَۃُ مَرْیَمَ	کُن فَیَکُوْنُ
80)	سُوْرَۃُ مَرْیَمَ	دوست احباب کے آداب
81)	سُوْرَۃُ مَرْیَمَ	حضرت ادریسؑ
82)	سُوْرَۃُ طٰہٰ	حضرت عمرؓ کا قبول اسلام
83)	سُوْرَۃُ طٰہٰ	ذاتِ مطلق کی روشنی
84)	سُوْرَۃُ طٰہٰ	جسمِ مثالی

Marfat.com

موضوع 1/84

بسم اللہ

IN THE NAME OF ALLAH

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

In the name of Allah The Most Compessionate, The Most Merciful.

آغاز اللہ کے نام سے:

لوحِ محفوظ کا قانون یہ ہے کہ جب کوئی فرد کسی دوسرے فرد سے رُوشناس ہوتا ہے تو اپنی طبیعت میں اُس کا اثر قبول کرتا ہے۔ اس طرح دو افراد میں ایک فرد اثر ڈالنے والا اور دوسرا فرد اثر قبول کرنے والا ہوتا ہے۔ اِصطلاح کے لحاظ سے ہم ان دونوں میں سے ایک کا نام حساس اور دوسرے کا نام محسوس رکھتے ہیں۔

حساس محسوس کا اثر قبول کرتا ہے اور مغلوب کی حیثیت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر زید جب محمود کو دیکھتا ہے تو محمود کے متعلق اپنی معلومات کی بناء پر کوئی رائے قائم کرتا ہے۔ یہ رائے محمود کی صِفت ہے جس کو بطور احساس زید اپنے اندر قبول کرتا ہے یعنی انسان دوسرے اِنسان یا کسی چیز کی صِفت سے مغلوب ہو کر اور اس چیز کی صِفت کو قبول کر کے اپنی شکست اور محکومیّت کا اعتراف کرتا ہے۔

یہاں آ کر اِنسان، حیوانات، نباتات، جمادات سب کے سب ایک ہی قطار میں کھڑے نظر آتے ہیں اور اِنسان کی افضلیت گم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اب یہ سمجھنا ضروری ہو گیا کہ آخر اِنسان کی وہ کون سی حیثیت ہے جو اس کی افضلیت کو قائم رکھتی ہے اور اس حیثیت کو حاصل کرنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟ انبیاء اس حیثیت کو حاصل کرنے کا اہتمام اِس طرح کیا کرتے تھے کہ وہ جب کسی چیز کے متعلق سوچتے تھے تو اُس چیز کے اور اپنے درمیان کوئی رشتہ، براہِ راست DIRECTLY قائم نہیں کرتے تھے۔ ہمیشہ اُن کی طرزِ فکر یہ ہوتی تھی کہ کائنات کی تمام چیزوں کا اور ہمارا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی بھی چیز کا رشتہ ہم سے براہِ راست نہیں ہے بلکہ ہم سے ہر چیز کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی معرفت CARE OF ALLAH ہے۔

رفتہ رفتہ اُن کی یہ طرزِ فکر مستحکم ہو جاتی تھی۔ اُن کا ذہن ایسے رُجحانات پیدا کر لیتا تھا کہ جب وہ کسی چیز کی طرف مخاطب ہوتے تھے تو اُس چیز کی طرف خیال جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف خیال جاتا تھا۔ انہیں کسی چیز کی طرف توجہ دینے سے بیشتر یہ احساس عادت کے طور پر ہوتا تھا کہ یہ چیز ہم سے براہِ راست DIRECT کوئی تعلق نہیں رکھتی اس چیز کا اور ہمارا واسطہ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہے۔

Marfat.com

جب اُن کی طرزِ فکر یہ ہوتی تھی تو اُن کے ذہن کی ہر حرکت میں اللہ تعالیٰ کا احساس ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی بحیثیت محسوس کے اُن کا مخاطب اور مدِ نظر قرار پاتا تھا اور قانون کی رُو سے اللہ تعالیٰ کی صفات ہی ان کا احساس بنتی تھیں۔ رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کی صفات اُن کے ذہن میں ایک مُستقل مقام حاصل کر لیتی تھیں۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ اُن کا ذہن اللہ تعالیٰ کی صفات کا قائم مقام بن جاتا تھا۔ یہ مقام حاصل ہو جانے کے بعد اُن کے ذہن کی ہر حرکت اللہ تعالیٰ کی صِفات کی حرکت ہوتی تھی اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی کوئی حرکت قدرت اور حاکمیّت کے وَصف سے خالی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اُن کے ذہن کو یہ قُدرت حاصل ہو جاتی تھی کہ وہ اپنے ارادوں کے مطابق موجودات کے کسی ذرّہ کسی فرد اور کسی ہستی کو حرکت میں لا سکتے تھے۔

بسم اللہ شریف کی باطنی تفسیر اس ہی بنیادی سبق پر مبنی ہے۔ اولیائے کرام میں اہلِ نظامت (اللہ تعالیٰ کی ADMINISTRATION کے کارندے) کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی ذہن عطا کیا جاتا ہے اور قُربِ نوافل والے اولیائے کرام اپنی ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعے ایسے ہی ذہن کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قُرآن کریم کی ہر سورت سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی صِفات کا مظاہرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لاتعداد، بے شمار صِفات ہیں۔ اِن صِفات کا ایک تعارُف اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ذریعے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صِفات کتنی ہیں اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے معروف صِفاتی اسماء کی تعداد ننانوے ہے۔ یہ ننانوے اسماء یا تو قرآن کی آیات میں آئے ہیں یا پھر قُرآن پاک کی آیات سے اَخذ کئے گئے ہیں۔

ہادیٔ عالم، معلّمِ اعظم، حضرت محمد ﷺ نے اپنی اُمّت کو یہ تعلیم دی ہے کہ ہر کام کا آغاز اللہ کے نام سے کیا جائے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ قُرآن کریم کی ایک آیت کا جزو بھی ہے۔

اِنَّہٗ مِنۡ سُلَیۡمٰنَ وَ اِنَّہٗ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ

وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور مضمون یہ ہے کہ شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

(سورہ نمل، پارہ 19، آیت 30)

اس متبرک جملے میں تین اسماء کا ذکر ہے۔ ایک خالق کائنات کا ذاتی نام اللہ اور دو صِفاتی نام رحمٰن اور رحیم۔ عربی زبان اور ادب کے ماہرین نے اسم اللہ کی کئی توجیہات بیان کی ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ اسم "اللہ"، "الٰہ" یعنی "معبود" کے ساتھ "ال" کے اضافے کے ساتھ بنا ہے یعنی اَل + الٰہ = اللہ

قُرآن پاک کے ذریعے یہ آگہی ملتی ہے کہ اس کائنات کے خالق و مالک وحدہٗ لاشریک نے اپنی ذات کے لئے خاص طور پر یہی اسم ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ کے نبی حضرت موسیٰؑ جب کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو وہاں اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:

اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ ﴿۱۴﴾

بیشک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میری عبادت کیا کرو اور میری یاد کے لئے صلوٰۃ قائم کرو۔

(سورہ طٰہٰ، پارہ 16، آیت 14)

Marfat.com

ظہورِ اسلام اور نزولِ قرآن سے پہلے کے اَدوار میں یہ نام "اللہ" عرب میں معبود کے مفہوم میں ہی معروف و مشہور تھا۔ اسم "اللہ" ہمیشہ اس ہستی کے لئے بولا گیا جو اس کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ اہل عرب میں سے جو لوگ شرک میں مبتلا تھے انہوں نے کئی کئی معبود بنا رکھے تھے۔ وہ اپنے شرک کے باوجود اس کائنات کے خالق اور منتظم "اللہ" ہی کو مانتے تھے۔ اِس حقیقت کو قرآن نے کئی مقامات پر بیان کیا ہے:

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝٦١

اور اگر ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا۔ اور سورج چاند کو کس نے تمہارے زیر فرمان کیا تو کہہ دیں گے اللہ نے۔ تو پھر یہ کہاں اُلٹے جا رہے ہیں۔

(سورہ العنکبوت، پارہ 20، آیت 61)

آگے ارشاد ہوتا ہے:

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝٦٣

اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان سے پانی کس نے برسایا پھر اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد کس نے زندہ کیا تو کہہ دیں گے اللہ نے۔ کہہ دو کہ اللہ کا شکر ہے لیکن ان میں اکثر نہیں سمجھتے۔

(سورہ العنکبوت، پارہ 20، آیت 63)

قرآن کی تلاوت کے آغاز میں اور دنیا کے دوسرے کاموں کی شروعات میں اللہ کے اسماء رحمٰن اور رحیم کا واسطہ لانا نہایت اہم نقطہ ہے۔

رحمٰن اور رحیم دونوں اسماء کا مصدر ROOT WORD "رحم" ہے۔ اب بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جملے میں اللہ تعالیٰ کی ایک ہی صفت یعنی رحمت کو دو مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔ زبان کی فصاحت اور بلاغت سے بہرہ مند ایک عرب کو یا عربی زبان و ادب سے بخوبی واقف کسی شخص کو اس جملے کے مفہوم کو سمجھنے میں مشکل نہیں ہوگی لیکن عربی نہ جاننے والے افراد کے لئے اس جملے کا ترجمہ کرتے وقت اس کے مفہوم کی منتقلی کا اہتمام ضروری ہے۔

اگر اس متبرک جملے کا سیدھا لفظی ترجمہ کیا جائے تو یہ کچھ اس طرح بنتا ہے۔ اللہ کے نام سے جو رحم والا ہے اور رحم کرتا ہے۔ ہمارے ہاں الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ عام طور پر بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا کیا جاتا ہے اور اُردو دان طبقوں کی اکثریت میں رائج یہ ترجمہ اس مقدس اور متبرک کلمے کا وسیع تر مفہوم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ رحمٰن اور رحیم اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا اظہار ہیں۔ ان دونوں اسماء کا بنیادی لفظ ایک ہی ہے یعنی "رحم" یہاں یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ صفت رحمت کی ایک دفعہ بہت زیادتی کے ساتھ بصورت رحمٰن، ذکر کے بعد اب اسی صفت کا بیان رحیم کے لفظ کے ساتھ کیوں کیا گیا ہے؟

قرآن ایک صفت کو ایک ہی جگہ دو مختلف انداز سے بیان کے ذریعے دراصل ایک بہت بڑی حقیقت سے اِنسان کو آگاہ کر رہا ہے۔

Marfat.com

اِنسان کو ملنے والی آگہی کا فطری نتیجہ ـــــ ایمان کی پختگی، معاملات دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قدرت کی مدد پر مکمل بھروسے، جدوجہدِ مسلسل کے لئے عزم و توانائی، کامیابیوں اور ناکامیوں پر درست ردِّ عمل کا اظہار، اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی کے احساس کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ اس مختصر جملے میں بندگی اور دنیاداری کے معاملات کس طرح سموئے ہوئے ہیں۔ عربی زبان میں کسی اسم کا کوئی معنی ہوتا ہے اور اس اسم کا طرزِ بیاں دراصل اس کی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کیفیات کا اظہار اوزان کے ذریعے ہوتا ہے۔

فَعلان اور فعیل دونوں مبالغے کی صیغے ہیں۔ عربی زبان میں اس مبالغے کا مطلب ہے کسی صِفت کا بہت زیادہ ہونے کا اظہار۔ فَعلانُ کے وزن پر جو بھی اسم ہو گا وہ اپنی صِفت میں بہت زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ جوش و خروش کی کیفیت کو بھی ظاہر کرے گا۔ فعیل کے وزن پر جو اسم ہو گا وہ اپنی صِفت میں بہت زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ استقلال اور پائیداری کی کیفیت کو بھی ظاہر کرے گا۔ ان نکات کو ذہن میں رکھتے ہوئے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اِنسان اپنی محدود عقل سے اور خود اپنے جذبات اور احساسات کے مشاہدات سے یہ اَخذ کرتا ہے کہ کسی کام کو شروع کرتے وقت لوگ اکثر بہت پرجوش اور ENTHUSIASTIC ہوا کرتے ہیں۔ سکول، کالج، یونیورسٹی میں تعلیم کی ابتداء ہو، کیریئر کی شروعات ہو، کسی مقابلہ کی تیاری ہو، نئی نئی شادی ہوئی ہو، اولاد کی خوشی ملی ہو، یا پھر زندگی کے دیگر معاملات۔ ابتداء میں جوش و خروش کی جو حالت ہوتی ہے رفتہ رفتہ اس میں کمی آتی جاتی ہے۔ بعد میں بڑی بڑی باتوں کو بھی اِنسان عام سی باتیں خیال کرنے لگتا ہے۔

یہاں اس مختصر لیکن انتہائی بلیغ جملے کے ذریعے اِنسان کو بہت کچھ سمجھایا جارہا ہے۔ رحمت کا ذکر فعلان کے وزن پر کرکے بتایا جارہا ہے کہ الرحمٰن کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے رحمت کی بہت زیادتی کے ساتھ یہ ساری کائنات تخلیق فرمائی اور پھر رحمت کا ذکر فعیل کے وزن پر کرکے یہ سمجھایا جارہا ہے کہ الرحیم کی بہت زیادہ رحمت ایک اِستقلال اور تسلسل کے ساتھ ساری کائنات میں جاری و ساری ہے۔ یعنی یہ نہیں کہ جوش و خروش میں آکر ایک کام کر لیا پھر جیسا کہ انسانوں میں عام طور پر ہوتا ہے کہ اس جوش و خروش میں بتدریج کمی آنے لگی۔ اللہ کے ہاں ایسا نہیں ہے۔ اللہ رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔ اللہ کی رحمت میں بہت زیادہ جوش و خروش ہے۔ وہ مُستقل اور پائیدار ہے ان مفاہیم کو ذہن میں رکھتے ہوئے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کا مجموعی مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اپنے اَحد اور حقیقی معبود، اللہ کے نام سے جس کی بہت زیادہ رحمت نے بہت جوش کے ساتھ تخلیق کیا اور جس کی یہ بہت عظیم نعمت ازل تا ابد ساری کائنات میں جاری و ساری ہے، میں اپنے کام کا آغاز کرتا ہوں۔

ان مفاہیم کے ساتھ غور کریں تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چار یا پانچ لفظی جملہ اس کائنات کے خالق و مالک، اللہ کی واحدانیت و خالقیت کا اقرار بھی ہے اور اس میں اللہ کے اسمائے رحمت کو واسطہ بھی بنایا گیا ہے۔ یہ جملہ برکتوں اور رحمتوں کے لئے ایک دعا بھی ہے۔

جب ہم بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ پڑھتے ہیں تو دراصل اللہ کی بندگی کا اقرار کرتے ہوئے اپنے کاموں میں اس کے اسمائے رحمت کا واسطہ لاتے ہیں۔ اس سے حفاظت، برکت اور صحت مانگتے ہوئے، اپنے کام یا اپنی کوششوں کے معنی برخیز نتیجے اور عافیت

Marfat.com

کی دعا کرتے ہیں اور یہ سب نکات رحمت کے اجزاء ہی تو ہیں۔

آیئے اپنی دعاؤں کا آغاز، اپنی تعلیم کا آغاز، اپنے کاموں کا آغاز، اپنے فہم کا آغاز، اپنے ادراک کا آغاز، اپنے وجدان کا آغاز، اپنے انجام کا آغاز اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکا کر دعا سے کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَللّٰھُمَّ فَارِجَ الۡھَمِّ کَاشِفَ الۡغَمِّ مُجِیۡبَ دَعۡوَۃِ الۡمُضۡطَرِّیۡنَ رَحۡمٰنَ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَرَحِیۡمَھُمَا اَنۡتَ تَرۡحَمۡنِیۡ فَارۡحَمۡنِیۡ بِرَحۡمَۃٍ تُغۡنِیۡنِیۡ بِھَا عَنۡ رَحۡمَتِہٖ مِنۡ سِوَاکَ

ترجمہ: اے اللہ۔۔۔ دل کے فکر کو دور کر دینے والے۔۔۔ غم کو کھول دینے والے۔۔۔ اے بیقراروں کی پکار سننے والے۔۔۔ اے دنیا و آخرت میں رحمت فرمانے والے (رحمٰن) اور دونوں جہانوں میں رحم کرنے والے (رحیم) مجھ پر تو تُو ہی رحم فرمائے گا۔ تُو مجھ پر رحم فرما۔ ایسی رحمت فرما جو تیرے سوا سب سے بے نیاز کر دے۔ آمین یا رب العالمین

حوالہ جات:

1۔ کتاب "لوح و قلم" از حضور قلندر بابا اولیاء، باب اسم ذات

2۔ کتابچہ "سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات" از ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی، باب چوتھا نکتہ، صفحہ نمبر 52 تا 55

Marfat.com

موضوع 2/84

انعام یافتہ لوگ

THE BESTOWED PEOPLE

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآ لِّيْنَ ۠

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے۔ بڑا مہربان اور نہایت رحم والا انصاف کے دِن کا حاکم۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں ہم کو سیدھے رستے چلا۔ ان لوگوں کے رستے جن پر تُو اپنا فضل و کرم کرتا رہا نہ کہ ان کے جن پر غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کے۔

All the praises and thanks be to Allah , the Lord of tha Alamin. The most Gracious The most Merciful. The only owner of the Day of Recompense.You we worship and You (alone) we ask for help.Guide us to the straight Way. The Way of those on whom You have bestowed Your Grace, not of those who earned Your Anger nor of those who went astray.

سورۃ فاتحہ عالم اِسلام میں ہر مسلمان عورت اور مرد کو یاد ہے اور تمام مسلمان نماز کی ہر رکعت میں اس کی تلاوت کرتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے مراد ہے تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے۔ اس آیت میں تشریح طلب بات یہ ہے کہ اللہ سے مراد بے شمار مخلوقات کا پیدا کرنے والا خالق۔ رب سے مراد مخلوقات کو پیدا کر کے ان کی تمام ضروریات کی کفالت کرنے والا۔ مخلوقات کو زندہ رکھنے کے لئے، مخلوقات کو پیدا کرنے کے لئے، مخلوقات کو جوان کرنے کے لئے، مخلوقات کی نسل چلانے کے لئے، مخلوقات کو اس دنیا میں رکھنے کے بعد دوسری دنیا میں منتقل کرنے کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے ان کو فراہم کرنے والا۔ غرض یہ کہ اللہ خالق ہے، پیدا کرنے والا، رب پیدا کرنے کے بعد مخلوق کی زندگی کو RESOURCES وسائل فراہم کرنے والا۔

Marfat.com

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ رب العالم نہیں بلکہ رب العالمین ہے۔ اس آیت میں تفکّر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس دنیا کی طرح اور بھی بے شمار عالمین موجود ہیں اور اِن بے شمار عالمین کو پالنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

سب تعریفیں خالق کائنات کے لئے ہیں۔ خالق کائنات کی صِفات یہ ہیں کہ جب وہ مخلوق کو پیدا کرتا ہے تو مخلوق کی ضروریات کی کفالت بھی کرتا ہے اور مخلوق کی ضروریات کی کفالت اس وقت ممکن ہے جب مخلوق کی زندگی میں کام آنے والی ہر شے، مخلوق کے پیدا ہونے سے پہلے موجود ہو۔ حضور قلندر بابا اولیا نے فرمایا عالمین میں تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار 11,500 مخلوقات SPECIES ہیں پرندے ہیں، چرندے ہیں، چوپائے ہیں، اشجار ہیں، معدنیات ہیں، پہاڑ ہیں اگر نوعی اعتبار سے ان کا شمار کریں تو تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار انواع ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِن تمام انواع کا رب ہے۔

> سیدنا حضور ﷺ کی نسبت سے ہمیں یہ سعادت اور شرف حاصل ہوا ہے کہ جس کی بناء پر ہم توحید پرست کہلاتے ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی ایسی مبارک اور مسعود ہستی ہے جس کی وجہ سے نوعِ انسانی کو اس بات کا ادراک ہوا ہے کہ انسان اور حیوان میں کیا فرق ہے اور انسان کس بناء پر اشرف ہے۔

اِنسان کی پیدائش اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اِنسان کے والدین نہ ہوں والدین کے بارے میں جب ہم تفکّر کرتے ہیں تو اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی جواب نہیں کہ اماں کو ابا کو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے پیدا فرمایا۔ یعنی اِنسان کی پیدائش کے لئے پہلا وسیلہ والدین بنے۔ اور والدین کی تخلیق میں نہ والدین کا کوئی ذاتی عمل دخل ہے اور نہ کسی اولاد کا کوئی عمل دخل ہے۔ ماں کے پیٹ میں نو ماہ تک بچے کو نشو و نما کے لئے کتنی چیزوں کی ضرورت تھی؟ جس صِفت رحیمی سے اس خورد و نوش کا انتظام ہوا اس کو رُوحانیت میں رب کہتے ہیں۔ رب نے ماں کے پیٹ میں بچے کو وہ تمام غذائیں فراہم کیں جن غذاؤں کو استعمال کر کے اس کے اندر توانائی پیدا ہونے کی شکل و صورت بنی اور جیتی جاگتی تصویر اس دنیا میں آ گئی۔

آیت قرآنی ہے:

هُوَ الَّذِىۡ يُصَوِّرُكُمۡ فِى الۡاَرۡحَامِ كَيۡفَ يَشَآءُ ‌ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝٦

وہی تو ہے جو (ماں کے پیٹ میں) جیسی چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

(سورۃ آل عمران پارہ 3، آیت 6)

کیسی پاک ذات ہے وہ جو ماں کے پیٹ میں تصویر کشی کر کے خوبصورت تصویر دنیا میں لے آتی ہے۔ اب وہ بچہ پیدا ہوا تو بچے کو اپنی زندگی گزارنے کے لئے کوئی چیز خود نہیں بنانی پڑی۔ پیدائش سے پہلے اس کے دودھ کا انتظام ہو گیا۔ اس کے لئے زمین موجود تھی، پیدائش سے پہلے اس کے لئے ہوا بھی موجود تھی، پانی بھی موجود تھا۔ ہر وہ چیز مہیا تھی جس کی زندگی میں ضرورت پیش آتی ہے۔ تعلیمی سلسلہ شروع ہوا، پہلے سے سکول موجود تھے، اساتذہ موجود تھے۔ یعنی پیدائش کے بعد مرتے دم تک اِنسان جو کچھ بھی استعمال کرتا

Marfat.com

ہے وہ پہلے سے موجود تھا۔ کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو اِنسان نے پیدا ہونے کے بعد اپنے لئے بنائی ہو۔ خلاصہ یہ کہ اللہ خالق کائنات ہے عالمین کے لئے اس نے صِفت ربوبیت سے وسائل فراہم کئے، مخلوق وجود میں آگئی۔

دوسرا مرحلہ ہے مخلوقات کے لئے وسائل کی تقسیم کا۔ رب العالمین نے جب یہ کائنات بنائی اور کائنات کے لئے وسائل پیدا کردیے اب رب کائنات نے یہ چاہا کہ وسائل کو تقسیم کرنے والی ہستی مخلوق میں سے ہی منتخب ہو۔

خوش نصیبی:

آپ ﷺ کو رحمت کے ساتھ وسائل کو تقسیم کرنے کے لئے منتخب فرمالیا۔ کائنات میں دو ہستیاں زیر بحث آئیں ایک پیدا کرنے والی ہستی دوسرے مخلوق میں پیدا شدہ وسائل کو تقسیم کرنے والی ہستی۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾ اور ہم نے آپ ﷺ کو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

(سورۃ الانبیا، پارہ 17، آیت 107)

اس لئے کہ آپکی ذات سے پوری کائنات فیڈ ہوتی رہے۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ سے جب ان دونوں آیتوں کی تفسیر پوچھی گئی کہ اللہ اپنے لئے رب العالمین فرماتا ہے اور اپنے محبوب بندے محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے رحمت للعالمین فرماتا ہے۔ تو رب العالمین اور رحمت للعالمین میں کیا فرق ہوا؟ انہوں نے فرمایا:

"رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق اوّل ما خلق اللّٰہ نُوری اللہ تعالیٰ نے جب اس کائنات کو بنانے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو تخلیق کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کو مقام محمود میں وہ جگہ عطا فرمائی جہاں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے علاوہ کوئی بندہ نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ رب العالمین کی تجلّیات اور انوارات اتنے شدید ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تجلّی کو کائنات کا کوئی فرد کوئی مخلوق برداشت نہیں کر سکتی"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ کوہِ طور پر اللہ کی تجلّی دیکھی اور بے ہوش ہو گئے۔ اللہ نے یہ انتظام فرمایا کہ تجلّیات اورانوارات کے نزول کے لئے رسول ﷺ کا نور بنایا۔ انوار اور تجلّیات کا پہلا نزول رسول ﷺ کے اوپر ہوتا ہے۔ اس کی تیزی، اس کا جلال، اس کی عظمت، اس کی ربوبیت کو رسول اللہ ﷺ جب قبول فرماتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود رحمت للعالمین ﷺ فرمایا ہے، تو وہ جلال رحمت میں تبدیل ہو کر تمام عالمین میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات میں رسول اللہ ﷺ کو اپنے اور مخلوق کے درمیان واسطہ بنایا۔ رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا ؕ آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اِسلام کو دین پسند کیا۔

(سورۃ المائدہ، پارہ 6، آیت 3)

Marfat.com

آج کے دن اے محمد ﷺ تمہارے اوپر دین کی تکمیل کر دی اور جن نعمتوں کا وعدہ تھا وہ آپ ﷺ کے اوپر پوری کر دیں اور اللہ آپ ﷺ سے راضی ہو گیا۔ غور طلب بات ہے کہ ہم مسلمان جو حضور ﷺ کے اُمّتی ہیں کتنی خوش نصیب قوم ہیں۔ ہمیں وہ دور ملا جو اللہ کے بعد سب سے بڑی ہستی کا دور ہے۔ اور ہمیں یہ سعادت ملی کہ ہم اس رسول ﷺ کی اُمت ہیں جن کی وجہ سے سارے عالمین فیڈ ہو رہے ہیں۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم رسول ﷺ کے اُمّتی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں رسول ﷺ کی نسبت اور صفات حاصل ہیں جب مسلمان رسول اللہ ﷺ پر صحیح معنوں میں ایمان لے آتا ہے کلمہ پڑھ لیتا ہے تو اپنی نسبت رسول اللہ ﷺ سے قائم کر لیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر مسلمان عالمین کے لئے رحمت ہے اس لئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا اُمّتی ہے۔ مسلمان چونکہ رسول اللہ ﷺ سے ایک رُوحانی رشتہ رکھتا ہے تو اس کے اندر یہ صِفات منتقل ہو جاتی ہیں کہ جس طرح رسول ﷺ عالمین کے لئے رحمت ہیں اسی طرح ہر مسلمان پوری نوعِ انسانی کے لئے رحمت کا چلتا پھرتا کردار ہے۔

یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ ہماری سعادت ہے کہ ہم حضور پاک ﷺ کے اُمّتی ہیں۔ اس کے ثمرات تب حاصل ہوں گے جب حضور ﷺ کے اوصاف ہمارے اندر پیدا ہوں گے۔ اگر ہم باعمل ہوں گے تو سچی خوشی اور اطمینان قلب نصیب ہو گا اور اگر خوش نہیں رہیں گے تو سکون نہیں ملے گا اور یقین کے درجے میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔

اِسلام اور کفر میں یہ فرق ہوا کہ جب بندہ مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کو رحمت للعالمین کی صِفت رحیمی منتقل ہو جاتی ہے غیر مسلمین کو صِفت رحیمی منتقل نہیں ہوتی۔ جب صِفت رحمت منتقل ہو گئی اور مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے رحمت نہیں رہا تو اس کو سوائے محرومی کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

جو وسائل آپ استعمال کرتے ہیں۔ وہ آپ کی ملکیت نہیں ہیں۔ ملکیت کا مطلب ہے آپ کسی شے کے مالک ہیں کوئی آپ کی ملکیت میں تصرف نہ کر سکے آپ سے چھین نہ سکے پوری زندگی کے وسائل کے بارے میں جب آپ غور کریں گے تو یہاں کچھ بھی آپکی ملکیت نہیں ہے۔

ملکیت کے تصور نے اِنسان کو برباد کر دیا۔ اللہ نے وسائل بنائے رسُول ﷺ نے تقسیم کر دیے رُوحانی نقطہ نگاہ سے جو خرابی کی جڑ ہے وہ یہ ہے کہ اِنسان کے ذہن میں یہ بات آگئی کہ میری کوئی ملکیت ہے۔

اگر مسلمان کے اندر یہ یقین مستحکم ہو جائے کہ نہ صرف اس دنیا میں بلکہ پوری کائنات میں میری کوئی ملکیت نہیں ہر چیز اللہ کی دی ہوئی استعمال کر رہا ہوں تو ہر مسلمان حضور ﷺ کا جیتا جاگتا کردار بن جائے۔ حضور قلندر بابا اولیاء نے فرمایا اِنسانوں میں اور پیغمبروں میں یہ فرق ہے کہ عام اِنسان اپنی ذات میں سوچتا ہے۔ اور پیغمبر CARE OF ALLAH سوچتے ہیں۔ ان کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ ہماری کوئی چیز نہیں۔ ارشاد ہے:

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ ۙ — اور جو لوگ علم میں دست گاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم

Marfat.com

كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ ان پر ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔

(سورۃ آل عمران، پارہ 3، آیت 7)

رُوحانی لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس بات کا مشاہدہ کر لیا ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے۔ ہمیں ہر چیز استعمال کے لئے عارضی طور پر عطا کی گئی ہے۔ اللہ اولاد عطا فرماتے ہیں اگر اِنسان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے کھلونے ہیں اللہ نے ہمیں یہ اس لئے عنایت کئے ہیں کہ ہم ان سے دل بہلائیں ان کی تعلیم و تربیّت کر کے ایک اچھا اِنسان بنائیں۔ اولاد کی ساری پرورش اللہ کے لئے ہو جائے گی۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہے۔

(سورۃ انفال، پارہ 9، آیت 28)

مرشد کریم الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے حضور قلندر بابا اولیاءؒ سے پوچھا "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اولاد فتنہ ہے تو کیا ضرورت ہے شادی کی؟ کیا ضرورت ہے اولاد کی؟ کیا ضرورت ہے مال و اسباب کی؟ کیا ضرورت ہے گھر بنانے کی؟ کیا ضرورت ہے کاروبار کی؟ حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آگے پڑھو:

وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾

اگر مال اور اولاد کے بارے میں آپ کے ذہن میں ہے کہ اولاد اللہ کی دی ہوئی چیز ہے تو اس سے بڑا کوئی اجر نہیں۔ ہم اولاد کو ملکیت تصور کرتے ہیں اس لئے اولاد ہمارے لئے فتنہ ہے، بیوی شوہر کو ملکیت تصور کرتی ہے شوہر بیوی کے لئے فتنہ بن جاتا ہے۔ ملکیت کا تصور رب العالمین کے سراسر خلاف ہے۔ کوئی چیز آپ کی ملکیت نہیں ہے اگر کچھ آپ کی ملکیت ہے تو وہ چیز آپ سے چھن کیوں جاتی ہے؟

ملکیت کا تصور اِنسان کے لئے سب سے بڑی بربادی کا باعث ہے انبیاء کثیر آف اللہ سوچتے ہیں اور ہر سوچ میں اللہ آ جاتا ہے اور اسی طرزِ فکر کو راسخ کرنے کے لئے اللہ نے پیغمبروں کا سلسلہ قائم کیا۔ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کو اللہ تعالیٰ نے 82 سال کی عمر میں صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ عطا کیے۔ اس عمر میں اولاد سے محبت اور اُنس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جب اللہ نے یہ دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے اندر بیٹے کی محبت غالب آ گئی ہے تو اللہ نے فرمایا کہ آپ بیٹے کی قربانی دے دیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں بیٹے کے لئے ملکیت کا تصور ہوتا تو قربان نہ کرتے۔ چونکہ حضرت ابراہیمؑ جانتے تھے کہ یہ بیٹا میری ملکیت نہیں ہے اللہ کی ملکیت ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کی قربانی سے یہ ثابت کیا کہ انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنی ملکیت نہیں سمجھا۔

جتنے بھی پیغمبر ہیں وہ سب ایک ہی بات کرتے ہیں کہ سب اللہ کا بنایا ہوا ہے اللہ کی ملکیت ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ

کہو کہ اے خدا بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے

Marfat.com

بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ اور بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔

(سورۃ آل عمران، پارہ 3، آیت 26)

مالک جس کو چاہے ملک دے دے جس کو چاہے عزّت دے دے جس کو چاہے ذلت دے دے وہ قادرِ مُطلق ہے ہر شے پر جس طرح چاہے تصرّف کرے۔ رسُول پاک ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کریں آپ ﷺ نے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں رشتہ دار، شہر والے سب مخالف ہوگئے۔ اور بائیکاٹ کر دیا۔ حضرت بی بی خدیجہؓ دوا کی عدم دستیابی سے انتقال فرما گئیں مگر رسُول اللہ ﷺ نے حرفِ شکایت نہیں کیا۔

اُمّت مسلمہ میں رسُول کریم ﷺ اور تمام پیغمبران کی یہ طرزِ فکر منتقل ہو جائے کہ یہاں کچھ ہماری ملکیت نہیں ہے یہاں ہر چیز نے ہمیں چھوڑ کر جانا ہے۔ تو ہم سب صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں گے۔ رہا سوال اس بات کا کہ اگر ملکیت ہی اللہ کی ہے تو کیا ضرورت ہے کہ فیکٹریاں بنائیں کیا ضرورت ہے کارخانوں کی؟ کیا ضرورت ہے دکانیں بنائیں؟ تو ضرورت ہے۔ وہ اس لئے کہ اللہ نے بحیثیت رب العالمین جو سسٹم بنایا ہے اس کی بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ چاہتا ہے کہ اللہ کی مخلوق متحرک رہے۔ اور اللہ کی مخلوق ایک دوسرے کے کام آئے۔ بات طرزِ فکر کی ہے اگر طرزِ فکر انبیاؑ کی سی ہے تو آپ کا ہر عمل اللہ کے لئے ہے اور اگر طرزِ فکر انبیاء جیسی نہیں ہے تو ہلاکت و بربادی ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ کے بعد ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ ﷺ رحمت للعالمین ہیں آپ ﷺ کے سب ماننے والوں کو آپکی یہ نسبت منتقل ہوتی ہے۔ جب اِنسان کے اندر رحمت ہوتی ہے تو اس کے اندر اخلاقِ حسنہ پیدا ہو جاتے ہیں وہ نفرت سے آزاد ہو جاتا ہے۔ رسُول اللہؐ کا اسوہ حسنہ یہ ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ کیئر آف اللہ سوچتے ہیں یعنی ہر شے میں پہلے اللہ پھر وہ شے۔

اس بات کی پوری طرح کوشش کی جاتی ہے کہ تصوف اور رُوحانیت کی راہوں میں چلنے والے مبتدی کے ذہن میں یہ بات واضح ہو جائے کہ زندگی کی بنیاد یا بساط ایک طرزِ فکر کے اوپر قائم ہے اگر وہ طرزِ فکر ایسی ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہے تو اس کا نام شیطنت ہے اور وہ طرزِ فکر جو اللہ تعالیٰ سے بندے کو قریب کرتی ہے اس کا نام رحمت ہے یعنی اس کائنات میں دو گروہ ہیں ایک انعام یافتہ اور دوسرا باغی اور ناشکرا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

"سب تعریف اللہ کو ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا، بہت بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، مالک انصاف کے دِن کا۔"

سورۂ فاتحہ کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یوم انصاف متعیّن کر دیا ہے۔ یوم عدالت سے پہلے قبر کے عذاب یا ثواب میں کیا حکمت ہے؟ مرنے کے بعد زندگی کی تشریح کی جائے تو کہا جائے گا کہ جسم مثالی نے مٹّی کے ذرات سے بنائے ہوئے جسم سے رشتہ منقطع کر لیا ہے۔ اور دوسرے عالم میں وہاں کی فضا کے مطابق ذرات یکجا کر کے ایک نیا جسم تخلیق کر لیا ہے۔ عالم اعراف میں دنیا کی آبادی سے برابر جو لوگ منتقل ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے دراصل یہ اِس عالم سے اُس عالم میں جسم مثالی کی منتقلی ہے۔ عربی زبان میں اسی لئے اس عالم میں جانے کا نام انتقال کرنا ہے یعنی اِس عالم سے اُس عالم میں آدمی منتقل ہو گیا۔ جسم مثالی، زندگی میں ہمہ وقت متحرک و سرگرم رہتا ہے اس کی اپنی صِفات میں سے ایک مخصوص صِفت یہ ہے کہ جب تک یہ اپنے لباس سے کلی طور پر قطع تعلق نہیں کر لیتا

Marfat.com

اس کی حفاظت کرتا ہے۔

ایک آدمی سویا ہوا ہے، نیند بہت گہری ہے۔ کراچی میں سویا ہوا آدمی امریکہ کے بازاروں میں گشت کر رہا ہے۔ اسے سوئی چبھودی جاتی ہے۔ جسم مثالی امریکہ سے چل کر فوراً اپنے لباس کی پاسبانی کے لئے آموجود ہوتا ہے۔ سوئی چبھنا، امریکہ سے جسم مثالی کا کراچی میں آجانا۔ اتنا قلیل وقفہ ہے کہ جس کی پیمائش کسی بھی طرح ممکن نہیں ہے۔ اس پیمائش کو آپ لمحے کا کھربواں حصّہ کہہ سکتے ہیں اور لمحے کا کھربواں حصّہ کہنا پیمائش کے دائرے میں نہیں آتا۔ مقصد یہ ہے کہ جسم مثالی کے لئے ٹائم اور اسپیس کوئی چیز نہیں ہے لیکن جب یہ اپنے لئے مادی جسم بناتا ہے تو اس کو ٹائم اسپیس میں بند رکھنے کے لئے پوری حفاظت کرتا ہے۔

قرآن پاک کی تمام تعلیمات کا اگر خلاصہ بیان کیا جائے تو مختصر الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ اس پوری کائنات میں دو طرزیں کام کر رہی ہیں ایک وہ طرز ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے پسندیدہ ہے اور دوسری طرز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ناپسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ طرزوں میں زندگی گزارنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بہرہ مند ہیں۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ طرزِ فکر کے حامل افراد بھی کھانا کھاتے ہیں، لباس پہنتے ہیں، گھروں میں رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نعمتیں انہیں دستیاب بھی ہیں لیکن پھر بھی وہ بے سکونی اور انتشار کی زندگی گزارتے ہیں۔ ان کی زندگی میں جلد بازی اور افراتفری موجود ہوتی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ طرز فکر اپنانے والے افراد بھی کھانا کھاتے ہیں، لباس بھی پہنتے ہیں، گھروں میں بھی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی طرزِ فکر کی وجہ سے امن و سکون اور اطمینان سے رہتے ہیں بلکہ وہ اللہ کی اس مخلوق کو بھی اپنے ساتھ شریک بناتے ہیں جو وسائل میں ان سے کمتر ہیں۔ ان دونوں طرزِ فکر کے حامل افراد میں ایک قدر ضرور مشترک ہے اور وہ ہے ضروریات زندگی۔

جواہرات کے انبار سے ضروریات پورے ہونے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک آدمی کے پاس اگر ایک کروڑ روپیہ موجود ہے تو وہ وہی روٹی کھائے گا۔ دوسرے آدمی کے پاس اگر محل موجود ہے اور اس محل میں 50 کمرے ہیں تو سونے کے لئے اسے ایک چارپائی کی جگہ کی ضرورت پیش آتی ہے ایسا کبھی نہیں ہوا، نہ ہو گا کہ پچاس کمروں کا مالک کوئی بندہ جب سونے کے لئے لیٹے تو اس کا جسم دراز اور اتنا پھیل جائے کہ وہ دس چارپائیوں کی جگہ گھیر لے۔ سونے کے لئے اسے ایک ہی چارپائی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس یہی حال پوری زندگی کے اعمال و حرکات کا ہے۔

اس مختصر تشریح سے یہ ثابت ہوا کہ دنیاوی طرزِ فکر میں اللہ کی ناپسندیدہ طرزِ فکر کے حامل افراد اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ طرزِ فکر کو اپنانے والے افراد مادی زندگی کے وسائل میں مشترک قدریں رکھتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ انعام کیا ہے کہ جس انعام کے مستحق وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ طرزوں میں زندگی گزارتے ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے انعام یافتہ کہا ہے اور جن بندوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے دوست ہیں۔ دوستوں کی تعریف یہ بیان فرماتے ہیں کہ جو بندہ ہمارا دوست بن جاتا ہے ہم اس کے اوپر سے خوف اور غم اُٹھا لیتے ہیں۔ خوف اور غم جس آدمی کی زندگی سے نکل جاتا ہے تو خوشی اور سرُور کے علاوہ کچھ نہیں رہتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ انعام ہے جو ہمیں ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتا یہ وہی انعام ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو

Marfat.com

لوگ ہماری ناپسندیدہ طرزوں میں زندگی گزارتے ہیں ہم نے ان کے دلوں پہ مُہر لگادی ہے اور ہم نے ان کے کانوں پر مُہر لگادی اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں۔

سورہ فاتحہ قُرآن کی پہلی سورہ ہے۔ اسے فاتحہ الکتاب یا دیباچہ قُرآن بھی کہا جاتا ہے۔ سورہ فاتحہ ایک دعا بھی ہے۔ معلمِ اعظم حضرت محمد ﷺ پانچ وقت کی صلوٰۃ اور نوافل میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کی تاکید فرمائی ہے۔

اللہ کا کلام، قُرآن، معانی و تفاسیر کا وسیع و عریض سمندر اور اسرار و معارف کا کبھی نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے۔ اس حقیقت کا ادراک قُرآن پاک کی پہلی سورہ یعنی سورہ فاتحہ کی تلاوت سے ہی ہونے لگتا ہے۔ قُرآن میں کسی مقام پر کسی لفظ کے استعمال میں علیم وخبیر اللہ کی کیا حکمتیں پنہاں ہیں۔ یہ نکتہ واضح ہو تو علم و آگہی کے نئے نئے در کھلنے لگتے ہیں۔

آیئے ہم سب مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ ہمیں قُرآن کی تلاوت کی قُرآن کی معانی اور مفاہیم میں غور وفکر کی توفیق اور شرح صدر عطا ہو آمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ﴿۳﴾

سورہ فاتحہ کی پہلی آیت کا اردو ترجمہ عام طور پر ان الفاظ میں کیا جاتا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو عالمین کا رب ہے۔

اس آیت میں اللہ کی حمد، خالق کائنات کی صفتِ ربوبیت کے ذکر کے ساتھ کی گئی ہے۔ صفتِ ربوبیت کے حوالے کی وجہ سے یہ آیت حمد بھی ہے اور اِنسانوں کے لئے دعوتِ فکر بھی۔ اِس دعوتِ فکر پر عمل کرتے ہوئے جستجو، تلاش اور تحقیق کی جائے تو آخر کار ہر سلیم الفطرت اِنسان خود یہ اعتراف کرلے گا کہ واقعی کوئی سب سے طاقتور سب سے زیادہ قدرت رکھنے والی منظم اور سرپرست ہستی ہے، جو اس کائنات کو چلا رہی ہے۔ اور اِس کائنات کے ایک ایک رکن کو پال رہی ہے۔

ربُّ العالمین کی ربوبیت کی وسعت اور جامعیت پر تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو پہاڑ جیسی حیرتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ آج ہماری اس زمین پر صرف اِنسانوں کی آبادی سات اَرب سے زائد ہے۔ اقوام متحدہ کے ماحولیاتی ادارے (یو۔این۔ای۔پی) کی کئی سالوں کی تحقیق کے مطابق اس زمین پر معلوم انواع SPECIES کی تعداد تقریباً اٹھارہ لاکھ ہے۔ ہر نوع کے ارکان نر اور مادہ کی تعداد کو شمار کیا جائے تو ان سب کی تعداد تو کھربوں، سنکھوں میں ہوگی۔ یہ اِس زمین پر آباد مخلوقات کی انواع اور ان کے اراکین کی اب تک معلوم تعداد کے کچھ اندازے ہیں۔ ایک تازہ دریافت کے مطابق اس کہکشانی نظام میں ہماری زمین EARTH سے مشابہہ سیاروں کی تعداد 8.8 ارب سے زیادہ ہے۔ اب آپ ذرا اندازہ لگایئے کہ آج اس دنیا میں جتنے اِنسان بستے ہیں کہکشانی نظام میں صرف زمین سے مشابہہ سیاروں کی تعداد، نوعِ اِنسانی کی موجودہ تعداد سے زیادہ ہے۔

ہمارا نظامِ شمسی جس کہکشانی نظام کا حصہ ہے اُس کہکشاں میں ستاروں کی (صرف ستاروں کی) تعداد دو سو ارب سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ اپنے نظام شمسی کی وُسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر کسی جیٹ طیارے میں 500 کلو میٹر فی گھنٹے کی رفتار سے

Marfat.com

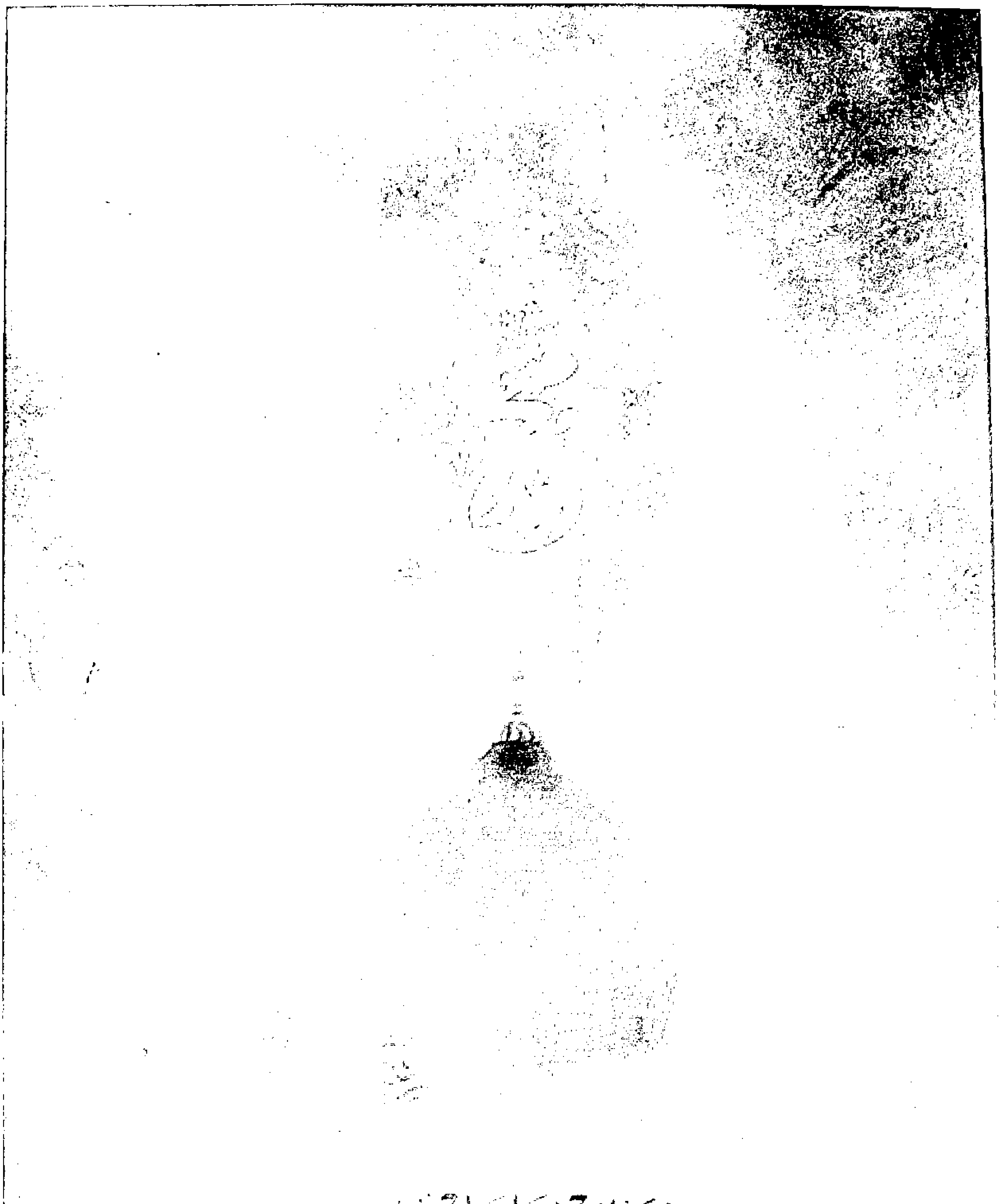

وإنك لعلى خلق عظيم

Prophet mohammed

Marfat.com

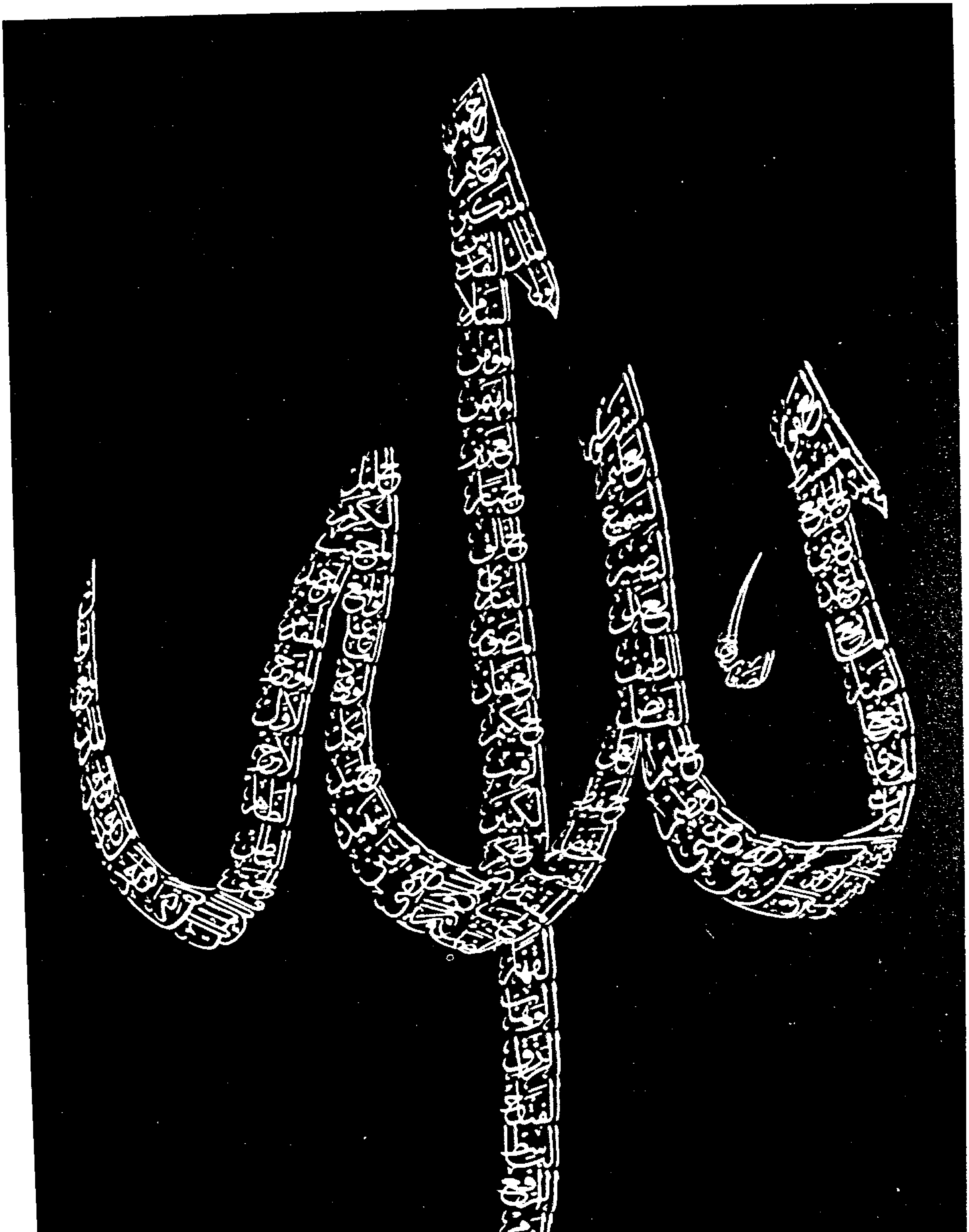

Marfat.com

مسلسل سفر کیا جائے تو نظام شمسی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچنے کے لئے ساڑھے تین ہزار سال کا وقفہ لگے گا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے انتہائی اختصار کے ساتھ اس ذکر کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ یہاں حمد کا مطلب در حقیقت کیا ہے؟

ہم حسین قدرتی مناظر دیکھتے ہیں۔ پہاڑ، دریا، صحرا، سرسبز میدان، جھیلیں، آبشاریں، دیگر حسین مناظر دیکھ کر دل و زبان سے بے اختیار خالق کی تعریف بیان ہونے لگتی ہے۔ انسانوں کی بنائی ہوئی چیزوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ ہم کوئی بہت اچھی عمارت دیکھیں، فن مصوری کو کوئی شاہکار دیکھیں، کوئی ادبی شہ پارہ پڑھیں تو بے اختیار اُس کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ جس چیز کی آپ تعریف کر رہے ہوں اس کا کوئی فائدہ بھی آپ کو مل رہا ہو۔ آپ نے کوئی بہت اچھی تخلیق دیکھی آپ نے کہا سبحان اللہ۔۔۔ ماشاء اللہ۔

ایک صاحب بہت خوش اخلاق مشہور ہیں۔ لیکن آپ کا کبھی اُن سے کوئی واسطہ نہیں پڑا۔ آپ تک ان کی اچھی شہرت پہنچی تو آپ نے بھی ان کی تعریف کی۔ کسی ضرورت کے تحت ان صاحب سے آپ کا واسطہ پڑا تو وہ آپ کے کام آئے اب آپ ان کی تعریف کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا شکریہ بھی ادا کریں گے۔

یہاں اس نکتے کو ذہن میں رکھیں کہ کسی کی اچھی صفات کو، اعلیٰ صفات کو بیان کرنا اس کی تعریف کہلاتا ہے۔ کسی سے فیض پایا جائے تو پھر اس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ ان نکات کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ دیکھیں کہ جب ہم الحمدللہ کہیں گے تو اس کے کیا معنی ہوں گے؟ اس کا ایک معنی یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی شاندار کائنات بنائی۔۔۔ سبحان اللہ۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت ہے۔ اللہ ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔

جب ہم اللہ کی تعریف اس کی صفت کے ساتھ کرتے ہیں مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہتے ہیں تو دراصل اللہ کے نظام سے استفادے کا اقرار بھی کر رہے ہوتے ہیں۔ رب کا مطلب ہے "پالنے والا" تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہتے ہوئے دراصل اپنے پالنہار، زندگی گزارنے کے تمام وسائل عطا کرنے والے کی حمد بیان کرتے ہیں۔ اس نکتے کو سامنے رکھتے ہوئے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے معنی پر غور کریں تو یہ کچھ اس طرح سامنے آتے ہیں:

"اللہ کے لئے حمد اور شکر، جو سب عالمین کا رب ہے۔"

کسی کی عطا پر شکر گزار ہونا محض لفظی شکریہ ادا کرنا نہیں ہوتا بلکہ شکر گزاری میں احسان مندی بھی پنہاں ہوتی ہے۔

اللہ نے ہمیں یہ زندگی عطا کی ہے۔ زندگی کو اچھی طرح بسر کرنے کے لئے زمین پر بے انتہا وسائل عطا کئے ہیں۔ ان وسائل کو اچھی طرح برتنے کے لئے عقل اور سمجھ عطا فرمائی ہے۔ زندگی کا سفر صحیح راہوں پر گزرے اس کے لئے اللہ نے انبیاء اور ان پر نازل کیے گئے صحیفوں اور کتابوں کے ذریعے راہنمائی عطا فرمائی ہے۔ زندگی کے معاملات، رشتے، ناطے، معیشت و معاشرت، انسانوں کے لئے آسودگی، خوشی اور سکون کا ذریعہ ہوں اس کے لئے اللہ نے اپنی رحمتیں نازل فرمائی ہیں۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اعتراف واحساس کے ساتھ اللہ کی تعریف بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا بندہ دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار اور احسان مند ہے۔ اب زرا سوچیئے کہ شکر گزاری اور احسان مندی کے جذبات کے ساتھ کی جانے والی عبادت کن کیفیات کی حامل ہو گی؟

یہ ہماری زندگی کا ایک عام مشاہدہ ہے کہ جو شخص کسی کا احسان مند یا شکر گزار ہوتا ہے وہ اس سے بہت نیاز مندی اور احترام کے ساتھ ملتا ہے۔ جو بندہ اپنے دل سے اللہ کا شکر گزار ہو وہ انتہائی ادب و احترام اور قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گا۔ ایسے بندے کے قیام، رکوع، سجود اور دیگر عبادتوں میں عاجزی اور نیاز مندی اپنی انتہا کو چھورہی ہو گی۔ اس انتہائی مختصر بیان سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا مفہوم یہ سامنے آیا کہ تمام تر تعریفیں صرف اللہ کے لئے ہیں جو اس کائنات کے سارے عالمین کا رب ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

رب العالمین کی تعریف اور شکر کے ساتھ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا بصورت الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ذکر بھی قرآن کے قاری کے لئے بڑی دعوت فکر ہے۔ رب العالمین کے ساتھ یہاں صفت ربوبیت سے ہم آہنگ کسی دوسری صفت کا ذکر نہیں ہوا۔ یہاں صفت رحمت کا ذکر ایک اہم تکوینی رمز کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ اس مقام پر الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے ذکر سے یہ امر واضح ہو رہا ہے کہ اللہ کی صفت ربوبیت کے اظہار میں رحمت کا غلبہ ہے۔ یہ عظیم بابرکت مقدس سورہ ہمیں یہ آگہی عطا فرما رہی ہے کہ کائنات کی تخلیق، اس کی تنظیم اور تدبیر میں از ابتداء تا انتہاء اللہ کی رحمتیں غالب ہیں۔ اس کائنات کی ہر تخلیق میں اللہ کی صفت رحمت ساتھ ساتھ کام کر رہی ہے۔ اس کے بعد ذکر ہوتا ہے:

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

پیغمبرِ آخر حضرت محمد ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہونے والے کلام کے ذریعے ساری نوعِ انسانی کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے۔ دین کا لفظ قرآن پاک میں 101 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ یوم کا لفظ قرآن پاک میں 475 مرتبہ نازل ہوا ہے۔ یوم آخرت کا ذکر قرآن سے پہلے نازل ہونے والی اللہ کی تمام کتب میں بھی ہے۔ یہاں مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا مطلب ہے قیامت کے دن کا مالک۔ وہ دن جب حضرت آدمؑ سے لے کر اس دنیا میں زندگی بسر کر کے موت کا ذائقہ چکھنے والے آخری انسان تک، سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے، اور اپنے اپنے کاموں کا جواب دینا ہے۔ جو حتمی فیصلوں کا دن ہے۔ اس کا مالک کوئی اور نہیں صرف اور صرف اللہ ہے۔ فیصلے کے اس دن:

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝ اُس دن لوگ طرح طرح کے ہو کر آئیں گے۔ تاکہ اُن کو اُن کے اعمال دکھا دیئے جائیں۔ تو جس نے ذرہ بھر نیکی

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝

Marfat.com

وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ﴿۸﴾ کی ہوگی وہ اُسکو دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرّہ بھر بُرائی کی ہوگی وہ اِسے دیکھ لے گا۔ (سورۃ الزلزال، پارہ 30، آیت 6 تا 8)

قدرت کا وضع کردہ جواب دہی کا نظام اس دنیا میں بھی وقتاً فوقتاً اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ مکافاتِ عمل کے طور پر ہم اپنے کئی اعمال کا نتیجہ دیکھ لیتے ہیں۔ تاہم مکافاتِ عمل کے نتیجے میں اپنے کسی برے عمل کا نتیجہ اس دنیا میں ہی دیکھ لینے کا مطلب یہ نہیں کہ اب وہ شخص آخرت میں جوابدہی سے بری الذمہ ہو گیا۔ اگر کوئی اِنسان اپنی خطاؤں پر ندامت کی وجہ سے توبہ کر لے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی اور درگزر کی درخواست پیش کرے تو وہ ایک علیحدہ بات ہے۔

آخرت ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ یَوۡمِ الدِّیۡنِ عدل کا اور انصاف کا دن ہو گا۔

عدل اور انصاف کے لئے طاقت کا ہونا ضروری ہے۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ جو حکومت اور ادارے عدل کے ذمہ دار ہوتے ہیں ان میں اتنی طاقت ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے فیصلے نافذ کروا سکیں۔ اگر کوئی عدالت یا اس کے پیچھے موجود ریاست اپنے فیصلے نافذ نہیں کروا سکتی تو ایسی عدالت غیر مؤثر سمجھی جاتی ہے اور ایسے معاشرے تنظیم کے بجائے انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر عدلیہ کے پیچھے موجود حکومت طاقتور ہو اور آئین اور قانون کی پابند ہو، تو بڑی عدالت تو ایک طرف، چھوٹی عدالتوں کے فیصلوں پر عمل کے لئے بھی ساری ریاست کمربستہ ہو جاتی ہے۔

مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ سے پہلے اللہ کی رحمت کا ذکر ہو رہا ہے، اس سے پہلے اللہ کی ربوبیت کا ذکر ہوا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ پالنے کے لئے شفقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مخلوقات کو پالنے کے حوالے سے تو الرحمٰن الرحیم کا ذکر برمحل معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد ذکر ہو رہا ہے مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ یعنی فیصلے اور عدل کے دن کا مالک۔ عدل کے لئے تو طاقت اور جبر درکار ہے۔

اپنے اثرات اور نتائج کے اعتبار سے عدل درحقیقت کیا ہے؟ یہ سمجھنے کے لئے ہم اپنے ملک اور بعض دوسرے ممالک سے کچھ مثالیں لیتے ہیں۔

پاکستان میں سڑکوں پر ہر روز بے ہنگم اور غیر منظم ٹریفک کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ سُرخ اشارے پر نہ رُکنا ہمارے ہاں عام ہے۔ ٹریفک قوانین کی کھلم کھلا خلاف ورزی کے نتیجے میں ہر سال بڑی تعداد میں لوگوں کا جاں بحق یا زخمی ہو جانا، دوسرے نقصانات اور یہ تکالیف ہمارے ہاں عام سی باتیں تصور کی جاتی ہیں۔ آپ کراچی، لاہور، اسلام آباد، فیصل آباد، کوئٹہ، ملتان وغیرہ سے ڈیڑھ دو گھنٹے کی فلائیٹ کے ذریعے متحدہ عرب امارات چلے جائیں تو وہاں کوئی ڈرائیور آپ کو سُرخ اشارے کی خلاف ورزی کرتا نظر نہیں آئے گا۔ وہاں رات کو تین، چار بجے سُنسان راستوں پر بھی کوئی ڈرائیور سرخ اشارے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ یہ مشاہدات سعودی عرب، یورپ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، جاپان اور قانون کی پابندی کروانے والے دوسرے کئی ممالک میں بھی عام ہے۔

ٹریفک تو محض ایک مثال ہے۔ ہم اپنے ملک کے کئی معاملات میں قوانین کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ پاکستان میں ایسا کیوں ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ دوسرے ممالک، جن میں قوانین کی پابندی کی جاتی ہے۔ وہ کیوں کر ہوتی ہے؟ جواباً

Marfat.com

عرض ہے کہ پاکستان میں قانون کے نفاذ کا معاملہ بہت کمزور ہے۔

جن ممالک میں جواب دہی کا نظام بہت سخت ہے وہاں امن وامان کی صورتحال اُن ممالک سے کئی گنا بہتر ہے، جہاں حکومتوں کی کمزوری کی وجہ سے مجرم دندناتے پھرتے ہیں۔

نظامِ عدل کے مؤثر ہونے کے نتیجے میں امن وامان کی صورتحال اچھی ہونا رحمت ہے یا مصیبت؟

یوم آخرت میں اللہ کے قوانین کی پابندی کرنے والے اِنسانوں کو نوازنا اور اِنسانوں میں سے سرکش و نافرمان لوگوں کو سزا دینا دراصل اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اظہار ہی ہے۔

سورہ فاتحہ کی ابتدائی آیات کی ترتیب میں غور کرنے سے واضح ہوا کہ اللہ کا نظامِ عدل، اللہ ہی کی رحمت کا ایک حصہ ہے۔ چشمِ تصور سے دیکھیں ایک طرف تخلیق اور پیدائش سے لے کر اِس دنیا میں زندگی گزارنے کے تمام معاملات کو اللہ رب العالمین سنبھالے ہوئے ہیں اور دوسری طرف یومِ آخرت میں اللہ کے حضور حاضری ہے۔ ان دو حقائق کے درمیان یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے درمیان اللہ کے اسمائے رحمت الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا ذکر ہے۔ زندگی کا آغاز ہو یا زندگی کے مختلف مراحل ہوں یا یوم آخرت کے مراحل۔ سورہ فاتحہ کے ذریعے بتایا جارہا ہے کہ تخلیق کے پہلے مرحلے سے لے کر ابد الآباد تک اللہ کی رحمت تمام مخلوقات پر سایہ فگن ہے۔

سورہ فاتحہ کی ابتدائی تین آیات، نو الفاظ کے ذریعے اِنسانوں کو اتنی بڑی حقیقت سے آگاہ کرنا فصاحت اور بلاغت کا کتنا بڑا شاہکار ہے؟ یہ معجزاتی بیان، تعلیم کا یہ انداز، صرف اللہ کے کلام قُرآن کا ہی ہے۔

اللہ کی ربوبیّت، اللہ کی رحمت، اللہ کے خالق اور مالک ہونے کے اعتراف، مالک یوم الدّین ہونے کا یقین اور اعتراف کا ذکر کرنے اور اللہ کا شکر ادا کرنے کے بعد بندہ کہہ رہا ہے:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور اپنی ذات کے لئے، اپنے دنیاوی معاملات کے لئے، اپنی زندگی کے قیام اور بقاء کے لئے اپنی زندگی کی تمام تر ضروریات کی تکمیل کے لئے، اے اللہ ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ یہ بڑی غور طلب بات ہے دینِ اِسلام بندے کو اللہ کی بندگی سکھاتا ہے اور اللہ کے اوپر مکمل انحصار (توکل اور بھروسہ) سکھاتا ہے۔ اللہ کی یہ بندگی خالص بندگی ہے۔ اس بندگی میں بندہ واحد و یکتا اللہ کو اپنا معبود تسلیم کرتا ہے۔

عقیدہ رکھنا بھی انسان کی ایک ضرورت ہے۔ اس ضرورت کی تکمیل کچھ لوگ کسی نہ کسی علامت مثلاً سورج کو، درخت کو، معبود بنالیتے ہیں۔ قُرآن کریم نے پہلی ہی سورہ میں نوعِ اِنسانی کو یہ باور کرایا اور یاددہانی کرائی کہ کائنات کا خالق و مالک ایک اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور مخلوق کو اس کی عبادت کرنی ہے لیکن یہ عبادت کسی درخت یا آگ کی پوجا شروع کردینے کی طرح عبادت نہیں ہے۔ بلکہ سورہ فاتحہ کی آیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ہمیں بتارہی ہے۔

Marfat.com

اے اللہ! میں تیرا ہی بندہ ہوں ـــــ میں اعتراف کرتا ہوں ـــــ میں تیرے آگے سر جھکاتا ہوں ـــــ تیرے آگے ماتھا ٹیکتا ہوں ـــــ تُو ہی میرا خالق ہے ـــــ تُو ہی میرا مالک ہے ـــــ تُو ہی میرا معبود ہے۔

سمجھیے! یہ بندگی محض ایک عقیدے کی ضرورت کی تکمیل نہیں ہے۔ سورہ فاتحہ کے ذریعے یہ رہنمائی ہو رہی ہے کہ بندہ اس ہستی کی عبادت کر رہا ہے جو تمام ضروریات کی کفالت بھی کر رہی ہے۔ اگر کوئی شخص آگ کو پُوجتا ہے سورج کی پرستش کرتا ہے تو ایسا کرنے سے اس کے بندگی کے تقاضے، غلط ہی سہی، تکمیل تو ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ آگ کو اپنا کفیل نہیں بنا سکتا۔ سورج یا کائنات کا کوئی اور رُکن اس کی ضروریات کی کفالت نہیں کر سکتا۔

قرآن یہ بتا رہا ہے کہ اللہ، نوعِ انسانی کو اور تمام مخلوقات کو زندگی گزارنے کے تمام وسائل مہیاء کر رہا ہے۔ لہٰذا مدد کے لئے بھی ـــــ اللہ ہی کو پکارنا ہے۔ اپنی ضروریات کے لئے بھی ـــــ اللہ ہی کی طرف دیکھنا ہے۔ دعا اللہ سے مانگنی ہے ـــــ رزق اللہ سے مانگنا ہے ـــــ صحت اللہ سے مانگنی ہے ـــــ خوشیاں اللہ سے مانگنی ہیں ـــــ اولاد اللہ سے مانگنی ہے۔

عبادت محض ایک سادہ سے عمل کا نام نہیں ہے بلکہ اِسلام کے نقطہ نظر سے عبادت کا مطلب مکمل طور پر تسلیم و رضا۔ اللہ کی مرضی کو مکمل طور پر ماننا اللہ کی مرضی کے مطابق خود کو ڈھالنے کی کوشش کرنا۔

سورہ فاتحہ کی پہلی تین آیات میں ہم نے دیکھا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے ساتھ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا ذکر آیا اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے پہلے الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کا ذکر بڑا معنی خیز ہے۔

اس طرح چوتھی آیت میں اِنسان کے شعور، لاشعور میں یہ بات پیوست کی جارہی ہے کہ بندگی محض اللہ کے لئے ہے اور مدد بھی اللہ ہی سے مانگنی ہے۔ یعنی ہمارا معبود بھی اللہ، ہمارا رازق بھی اللہ، زندگی عطا کرنے والا بھی اللہ، اس دنیا میں زندگی بسر کر کے دوسری دنیا میں منتقل کرنے والا بھی اللہ ہے۔ اللہ نے اِس کے لئے پُورا ایک نظام بنایا ہے۔ اور اللہ کا یہ نظام اپنی ہر مخلوق کی تمام ضروریات کی تکمیل کر رہا ہے۔

پہلی تین آیات میں اللہ پر یقین کا اعتراف اور شکر ہے۔ اور اگلی آیت میں اقرار ہے ۔ یا اللہ تُو ہی معبود ہے اور ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے ہی زندگی کے تمام معاملات میں مدد مانگتے ہیں۔

اللہ ہی "نافع" ہے اللہ ہی "ضار" ہے۔

اِنسانی زندگی میں جو میل جول اور دیگر سرگرمیاں نظر آتی ہیں۔ اُن میں دو وجوہات بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ اوّل اپنے فائدے کی خواہش یا اپنا کوئی فائدہ نظر آنا۔

سرد موسم کی شدت خواہ جتنی بھی ہو لیکن سب لوگ اپنے کام پر جاتے ہیں۔ اپنے کاروبار کے لئے دور دراز علاقوں کا سفر کرتے ہیں۔ ضروریات کے لئے مقابلے ہوتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے فائدے کے لئے آپس میں لڑ پڑتے ہیں۔ ہر ایک اپنے مفاد کو پیش نظر رکھتا ہے۔ ایک آدمی کا اپنے فائدے کے لئے گھر سے نکلنا بتدریج پوری سوسائٹی کو متحرک رکھنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس عمل سے پھر

Marfat.com

نئے نئے ادارے وجود میں آتے ہیں۔ پہلے لوگ بیل گاڑیوں میں سفر کر کے ایک مقام سے دوسرے مقام تک جاتے تھے اِس کے بعد ریل گاڑی بن گئی پھر ہوائی جہاز بن گئے۔ اب جیٹ ہوائی جہاز بن گئے ہیں۔

یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟

یہ سب اپنے مفاد کے حصول یعنی نفع کے لئے ہو رہا ہے۔

اِنسانی زندگی کو متحرک رکھنے کی دوسری اہم وجہ جذبہ خوف ہے۔ نقصان کا ڈر ہے۔

اس دنیا میں مادی ترقی کا ایک نہایت اہم محرک اپنی حفاظت کا خیال ہے۔ دشمن کے حملوں کا خوف، موسمی تغیرات سے لاحق ہونے والے نقصان کا خوف، دشمن سے بچنے کے لئے دفاع کو مضبوط کرنے کے نتیجے میں نئے نئے آلات بنے۔ دفاعی ضروریات کے لئے بننے والی چیزوں کا استعمال بتدریج عوامی ہو گیا۔ اِس سے اِنسانی معاشروں کو ترقی ملی۔ بنیادی طور پر ان چیزوں کے وجود میں آنے کا سبب خوف تھا۔ نقصان سے بچنے کا احساس تھا۔

کسی کام کا نفع اِنسان کو متحرک کرتا ہے کسی نقصان کا اندیشہ اِنسان کو محتاط اور ڈسپلن میں رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک اسم ہے "نافع" اور ایک اسم "ضار" ہے۔ یعنی نفع اور نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

نفع اور نقصان اللہ تعالیٰ کے بنائے گئے نظام کے تحت وجود میں آتے ہیں۔ تو جب ہم کہتے ہیں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تو اِس کا مطلب محض رسمی عبادت نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی تمام ضروریات کا کفیل اللہ ہی کو سمجھتا ہوں۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ جب میں اپنے کسی بھی مقصد کی تکمیل کے لئے نکلتا ہوں تو اے اللہ میں تیری مدد طلب کرتا ہوں اور جب مجھے کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے تو اُس وقت بھی اے اللہ میں تیری مدد طلب کرتا ہوں۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ یہ اقرار ہے کہ یا اللہ میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور میں نے اپنی تمام ضروریات، اپنی تمام خواہشات اور تمام بچاؤ کے ذرائع تجھ ہی سے وابستہ کئے ہوئے ہیں۔

اِهْدِ نَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اے اللہ مجھے سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما۔ مجھے بتا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے؟ مجھے سیدھے راستے پر چلا۔ یہ پانچویں آیت اِهْدِ نَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ دعا ہے اور یہی وہ آیت ہے جس کی بنیاد پر سورہ فاتحہ کو دعا بھی کہا جاتا ہے۔

"اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ یا اللہ مجھے سیدھا راستہ دکھادے۔" قرآن دعا مانگنے والے پر مزید واضح کر رہا ہے کہ بندہ اس بات کو بھی سمجھ لے کہ سیدھے راستے پر چلنا کیا ہوتا ہے؟ اس کے اثرات کس طرح ظاہر ہوتے ہیں؟

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اس سیدھے راستے پر چلا جس راستے پر چلنے والوں پر تو نے اپنا انعام فرمایا۔ جن سے تو راضی ہو گیا۔ جس راستے پر چلنے والوں پر تیری رحمتیں نازل ہوتی رہیں، تو ان سے خوش ہو گیا۔

Marfat.com

سورہ فاتحہ کی یہ آیت واضح اشارہ کر رہی ہے کہ مجھے انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر چلا۔ یہاں بندہ کا مفاد آرہا ہے۔ انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر چلنے کی درخواست کی جارہی ہے، دعا کی جارہی ہے۔ اور اگلی آیت میں خوف سے بچاؤ کا اور تحفظ کا اہتمام ہو رہا ہے۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ؏ ان لوگوں کے راستے پر نہ چلانا، بھٹکنے نہ دینا۔ جن لوگوں پر سرکشی کی وجہ سے، انکار کی وجہ سے، عقل کی بالادستی کی وجہ سے، تیرا غضب نازل ہوا۔ جنہوں نے غلط فیصلے کئے، فطرت کے قوانین سے ٹکرائے اور قوانین کی خلاف ورزی کی۔ اس کے نتیجے میں ان پر تیرا غضب نازل ہوا۔ گمراہ ہونے، بھٹک جانے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے وہ صحیح راستے پر چلے۔ ان کو صحیح راستہ دکھایا گیا لیکن آگے جا کر وہ اپنی عقل کے غلط استعمال کی وجہ سے بھٹک گئے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ ساری زندگی سمجھتے ہیں کہ وہ صحیح راستے پر چل رہے ہیں حالانکہ انہوں نے غلط راستہ چنا ہوا ہوتا ہے۔ اور ان کی کوششیں رائیگاں چلی جاتی ہیں۔ وہ ساری زندگی یہ سمجھتے رہے کہ وہ صحیح ہیں لیکن وہ غلط راستے پر چل رہے تھے۔

سورہ فاتحہ میں غور کرتے وقت یہ سوچیں کہ آج کا مسلمان خواہ وہ پاکستان میں ہو یا دنیا کے کسی اور ملک میں۔ اس کا طرز عمل کیا بتا رہا ہے؟ ہم کس راستے پر چل رہے ہیں؟ کیا ہم صدیقین، صحیحین، صالحین کے راستے پر چل رہے ہیں ــــــ یا بھٹک رہے ہیں!

دراصل سورہ فاتحہ جسے دیباچہ قرآن بھی کہا جاتا ہے اور جسے دعا بھی کہا جاتا ہے، ایک یقین ہے، ایک اقرار ہے، ایک شکر ہے اور ایک دعا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن پاک کی آیات میں تفکر کرنے، ان کے معانی اور مفاہیم کو زیادہ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ قرآنی آیات کے انوار سے اور ہماری رُوح کو اور ہمارے قلوب کو منور فرمائے۔ سلاسل طریقت کی تعلیمات کا مقصد قرآن پاک میں غور و فکر کرنا ہے۔ ہم سب کو ہمارے آقا، اپنے مولا، معلم اعظم حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن پاک کی تلاوت کی توفیق اور اس کے معانی و مفاہیم کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، قرآن پاک کا صحیح فہم اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرمائے اور قرآن پاک کے انوار، تجلیات سے ہمارے وجود کو، ہمارے قلوب کو اور ہماری روح کو منور فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

حوالہ جات:

1۔ آڈیو لیکچر سے اقتباس از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی

2۔ کتاب "توجیہات" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی۔ صفحہ نمبر 116 تا 118

3۔ کتابچہ "سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات" از ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی۔ صفحہ نمبر 55 تا 64

Marfat.com

موضوع 3/84

غیب

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ (THE COW)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ۚ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۚۛ فِیْہِ ۚۛ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ

ترجمہ: اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ یہ کتاب ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر یقین رکھتے ہیں۔

Alif Laam Meem. This is the Book (the Quran), wherof there is no doubt, a guidance to those who are Al-Muttaqun who believe in the Ghaib.

غیب اور متّقی:

غیب سے مراد وہ REALITIES یا حقائق ہیں جو انسان کے ظاہری مشاہدات سے باہر ہیں۔ وہ سب کے سب اللہ کی معرفت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایمان سے مراد ہے یقین، یقین وہ حقیقت ہے جو تلاش میں سرگرداں رہتی ہے، اس لئے نہیں کہ اسے کوئی معاوضہ ملے گا بلکہ اس لئے کہ طبیعت کا تقاضہ پورا کرے۔ متقی سے مراد وہ انسان ہے جو سمجھنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتا ہے، ساتھ ہی بدگمانی کو راہ نہیں دیتا، وہ اللہ کے معاملے میں اتنا محتاط ہوتا ہے کہ کائنات کا کوئی روپ اسے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ وہ اللہ کو بالکل الگ سے جانتا ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ باعزت (مکرم) وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔ (سورہ حجرات، پارہ 26، آیت 13)

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝

اللہ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔ (سورہ توبہ، پارہ 10، آیت 4)

تقویٰ کیا ہے؟ اور متقی لوگ کون ہوتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں متقیوں کی صفات بیان فرماتے ہیں کہ:

Marfat.com

الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ
وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۙ﴿۳﴾

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔

(سورۃ بقرۃ، پارہ 1، آیت 13)

متقیوں کی مزید صفات کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ
وَ الۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَ الۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ
وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾ۚ وَ الَّذِیۡنَ اِذَا
فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ ذَکَرُوا
اللّٰہَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِہِمۡ ۪ وَ مَنۡ یَّغۡفِرُ
الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰہُ ۪۟ وَ لَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا
فَعَلُوۡا وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾

جو لوگ آسانی میں اور سختی کے مواقع پر بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، غصہ پینے والے، لوگوں سے در گزر کرنے والے ہیں اللہ ان نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے ہیں فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ ــــــ اور وہ کبھی دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔

(سورۃ آلِ عمران، پارہ 4، آیت 135، 134)

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتوں میں فرمایا ہے کہ:

ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡہِ ۚۛ ہُدًی
لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ

اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ یہ کتاب ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر یقین رکھتے ہیں۔

(سورۃ البقرۃ، پارہ 1، آیت 3، 2)

غیب اور مظاہر:

غیب مظاہر سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ غیب کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ مذہب یا دین جس چیز کو کہتے ہیں وہ دراصل غیب کی نشاندہی ہے۔ مذہب میں مظاہر کا تذکرہ ضرور آتا ہے لیکن اس کو کسی بھی دور میں اولیت حاصل نہیں ہوئی، اس لئے کہ ہر مادی چیز فنا کے راستے پر گامزن ہے جبکہ خود راستہ بھی فانی ہے۔ ایک خدا کا پرستار جس طرح غیب پر ایمان رکھتا ہے بالکل اسی طرح ایک مادے کا پرستار مادیت کی دنیا پر یقین رکھتا ہے۔ نہ خدا پرست کو غیب کی دنیا پر ایمان رکھے بغیر چارہ ہے اور نہ مادیت پرست کو مادے پر ایمان لائے بغیر چارہ ہے۔ دونوں اپنی ایک انفرادی طرز رکھتے ہیں۔ اور ان میں یہ چیز مشترک ہے کہ اس طرز پر ان کا ایمان اور ایقان ہوتا ہے۔ اسی ایمان اور ایقان کو یہ زندگی کہتے ہیں کوئی زندگی ایمان و ایقان کے بغیر ممکن نہیں خواہ وہ زندگی خدا پرست کی زندگی ہو یا مادہ پرست کی۔

Marfat.com

غیب پر یقین:

غیب کی دنیا سے متعارف ہونے کے لئے غیب کی دنیا پر یقین رکھنا ضروری ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں لوحِ محفوظ کا یہی قانون بیان ہوا ہے نوعِ اِنسانی اپنی زندگی کے ہر شعبے میں اسی قانون پر عمل پیرا ہے، یہ دِن رات کے مشاہدات اور تجربات ہیں جب تک کہ ہم یقین کے ساتھ کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ہم اسے دیکھ سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔ غیب پر یقین رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اِنسان مشاہداتی نظر کا حامل ہو۔ اس کے اندر غیب بین نظر کام کرتی ہو۔ جب اِنسان کے اندر مشاہداتی نظر کام نہیں کرے گی اس کے لئے کائنات تسخیر نہیں ہوگی۔

تسخیر:

تسخیر یہ ہے کہ آپ اپنے اختیار کے تحت زمین سے، سمندر سے، دریاؤں سے، پہاڑوں سے، چاند سے، سورج سے اور دیگر اجزائے کائنات سے کام لے سکیں ـــــ اور اعلیٰ تسخیر یہ ہے کہ سیّدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انگلی سے اشارہ کریں تو چاند دو ٹکڑے ہو جائے۔ حضرت عمر فاروقؓ دریائے نیل کو خط لکھ دیں:

"اگر تو اللہ کے حکم سے چل رہا ہے تو سرکشی سے باز آجا ورنہ عمر کا کوڑا تیرے لئے کافی ہے۔"

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک بکری تھی۔ انہوں نے بکری کو ذبح کیا ان کی اہلیہ نے گندم پیس کر روٹی اور گوشت پکایا اور ایک پیالے میں ثرید تیار کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثرید کا پیالہ لے کر سیّدنا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سیّدنا حضور ﷺ نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

"اے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کو جمع کر اور ان کو ایک ایک کر کے میرے پاس بھیج دے۔"

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھیجتے رہے سب نے سیر ہو کر کھایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھانے والوں سے بس اتنا فرماتے:

"کھاؤ اور ہڈی نہ توڑو"

سب لوگ ثرید کھا کر چلے گئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہڈیوں کو جمع کیا اور ان پر اپنا دست مبارک رکھ کر کچھ ارشاد فرمایا بکری کان ہلاتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"جابر اپنی بکری لے جاؤ۔"

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے ایک واقعہ سنایا کہ ایک بہت بڑا نجومی سیدنا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پتہ چلا کہ حضور ﷺ اس وقت پہاڑ پر تشریف فرما ہیں۔ نجومی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے اپنا تعارف کرایا اور کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ ﷺ کے پیر مبارک کے نیچے یہ پہاڑ موم ہو جائے اور پہاڑ کے اوپر پیر کا نقش آجائے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے بسم اللہ

Marfat.com

پڑھ کر قدم اٹھایا اور پہاڑ پر رکھ دیا۔ جیسے ہی حضور ﷺ نے پیر اٹھا کر پتھر پر رکھا۔ نجومی نے آسمان کی طرف دیکھا اور پھر پہاڑ کی طرف نظر ڈالی۔ پہاڑ پر پیر کا نقش موجود تھا۔ اس طرح جیسے نرم مٹی پر نقش بن جاتا ہے۔ تسخیر کا یہ عمل دیکھ کر نجومی مسلمان ہو گیا۔ دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ وہ اپنے زمانے کا یکتا اور منفرد نجومی ہے۔ آسمان پر ایک ستارہ ہے۔ وہ ستارہ جب کسی آدمی کے سر پر براہ راست سایہ فگن ہوتا ہے تو اس کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ سخت مٹی نرم ہو جاتی ہے۔ میرے حساب سے اس ستارے کو اس جگہ جہاں حضور ﷺ کھڑے ہوئے تھے کئی ہزار سال بعد آنا تھا۔ میں نے جب رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی اور حضور ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر قدم اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ وہ ستارہ اپنی جگہ سے تیزی سے پلٹا اور لمحوں کے لئے حضور ﷺ کے اوپر سایہ فگن ہو کر واپس چلا گیا۔

ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی!

"یا امیر المومنین! میں زمین پر محنت کرتا ہوں، بیج ڈالتا ہوں اور جو کچھ زمین کی ضروریات ہیں انہیں پورا کرتا ہوں لیکن بیج جل جاتا ہے"۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"جب میرا اس طرف سے گزر ہو تو بتانا"۔

حضرت عمرؓ جب ادھر سے گزرے تو ان صاحب نے زمین کی نشاندہی کی۔ حضرت عمرؓ تشریف لے گئے اور زمین پر کوڑا مار کر فرمایا کہ "تو اللہ تعالیٰ کے بندے کی محنت ضائع کرتی ہے جب کہ وہ تیری ضروریات پوری کرتا ہے۔"

اور اس کے بعد زمین لہلہاتے ہوئے کھیت میں تبدیل ہو گئی۔

ایک تسخیر یہ بھی ہے کہ زمین ایک قاعدے اور ضابطے کے تحت ہمیں رزق فراہم کر رہی ہے۔ ہم زمین پر مکان بناتے ہیں تو زمین مکان بنانے میں حائل نہیں ہوتی۔ زمین اتنی سنگلاخ اور سخت جان نہیں بن جاتی کہ ہم اس میں کھیتیاں نہ اُگا سکیں، اتنی نرم نہیں بن جاتی کہ ہم زمین کے اوپر چلیں تو ہمارے پیر دھنس جائیں۔ سورج اور چاند ہماری خدمت گزاری میں مصروف ہیں۔ ایک قاعدے اور ضابطے میں اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں جو ان کے اوپر فرض کر دی گئی ہے۔ چاند کی چاندنی سے پھلوں میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے اور سورج کی گرمی سے میوے پکتے ہیں۔ الغرض کائنات کا ہر ELEMENT اپنا کردار ادا کر رہا ہے اور اس عمل سے ہمیں اختیاری یا غیر اختیاری فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ابو بصیر نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ عہدِ اوّل میں کچھ لوگوں نے ساحل عدن پر ایک مسجد تعمیر کی لیکن وہ گر گئی، دوسری بار تعمیر کی گئی لیکن پھر گر گئی۔ اسی طرح کئی بار ہوا۔ سب کے سب خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور واقعہ بیان کیا انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے واقعہ بیان کیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

Marfat.com

"قبلہ کی طرف داہنے ہاتھ تھوڑی سی زمین کھودو وہاں پر دو قبریں نکلیں گی ان پر لکھا ہو گا۔___ انا رضوی و اختی حبا____ میں رضوی اور میری بہن حبا اس حالت میں مرے کہ کسی طرح سے بھی ذات خدا میں شرک کو روا نہ رکھا۔ پس ان دونوں لاشوں کو غسل و کفن دے کر نماز پڑھو اور دفن کر دو اور پھر شوق سے وہاں مسجد بناؤ۔"

چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور پھر وہ مسجد نہ گری۔

ہم جانتے ہیں ساری کائنات اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے تخلیق کی ہے۔ کائنات کے تمام اجزا بشمول اِنسان اور اِنسان کے اندر کام کرنے والی تمام صلاحیتیں ایک مرکزیت پر قائم ہیں۔

آیئے ،اِنسان کے اندر کام کرنے والی صلاحیتوں کا سراغ لگائیں۔ روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہمارے تصورات اور احساسات گوشت پوست کے ڈھانچے کے تابع نہیں ہیں بلکہ رُوح کے تابع ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق رُوح کا علم قلیل دیا گیا ہے مگر لامحدود کا قلیل جزو بھی لامحدود ہوتا ہے رُوح لامحدود علم ہے اس علم کو جاننے والے حضرات نے اس علم کو سمجھنے کے لئے اس کی درجہ بندی CLASSIFICATION کی ہے اور فارمولے بنائے ہیں اور ان فارمولوں سے اپنے شاگردوں کو رُوشناس کرایا ہے۔

باطن روشن علماء قُرآن کی تشریح اس طرح کرتے ہیں اگر بندے کے اندر شک اور وسوسہ ہے تو یہ کتاب اس بندے کی راہنمائی نہیں کرتی۔ یہ کتاب صرف ان لوگوں پر ہدایت کے راستے کھولتی ہے جو غیب پر یقین رکھتے ہیں۔ آخری کتاب قُرآن کے ارشاد کے مطابق متقی لوگوں کی نشانی اور صِفت یہ ہے کہ وہ غیب پر یقین رکھتے ہیں غیب سے مراد وہ تمام چیزیں وہ تمام عوامل وہ تمام حالات وہ تمام دنیائیں ہیں جو ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتیں۔ قانُون یہ بنا کہ غیب کی دنیا سے متعارُف ہونے کے لئے غیب کی دنیا پر یقین رکھنا ضروری ہے۔

یقین کا حصُول:

یہ بات اَمر مسلمہ ہے کہ اَن دیکھی چیزوں پر یقین کی تکمیل نہیں ہوتی۔ یہ قانُون صرف غیب کی دنیا میں ہی نافذ نہیں ہے، ہماری روز مرہ زندگی میں بھی یہ قانُون نافذ اور جاری وساری ہے۔ نوعِ اِنسانی کی زندگی کا ہر شعبہ اس قانُون کا پابند ہے۔ اس قانُون کی حدود میں رہتے ہوئے جب ہم زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں یا اپنے افعال، کردار کا محاسبہ کرتے ہیں تو ہم یہ جان لیتے ہیں کہ جب تک ہم کسی چیز کی طرف یقین کے ساتھ متوجہ نہیں ہوتے ہم اسے نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے کہ یہ کتاب ایسی ہے کہ جس میں کسی قسم کا شک وشبہ وسوسہ یا ابہام نہیں ہے۔ یہ کتاب متقی لوگوں کیلئے ہدایت کا سرچشمہ ہے پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ متقی لوگ کون ہیں؟ متقی وہ لوگ ہیں جن کا غیب پر یقین ہوتا ہے۔ غیب پر ایمان سے اللہ تعالیٰ پر یقین قائم ہوتا ہے اور یہ کتاب ان لوگوں کو ہدایت بخشتی ہے کہ جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اس کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں وہ یہ جانتے ہیں اور ان کا ایمان ہوتا ہے کہ ہم جو کچھ خرچ کر رہے ہیں یہ ہمارا نہیں بلکہ یہ سب اللہ کا ہے۔ خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جتنے بھی وسائل ہمارے لئے موجود ہیں۔ زمین کے اوپر جیسے ماں باپ ہوں، اولاد ہو، بیوی بچے ہوں، رشتہ دار ہوں،

Marfat.com

کاروبار ہو۔ یہ سب اللہ کی عنایت ہے۔ اللہ کا دیا ہوا ہے، وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

قرآن کی ان آیتوں سے یہ بات بالکل پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ:

قرآن کو سمجھنے کیلئے قرآن سے ہدایت پانے کیلئے چار باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

1۔ ایک یہ کہ آدمی متقی ہو۔

2۔ دوسرے یہ کہ اس آدمی کا غیب پر یقین ہو۔ غیب کے یقین کو روحانی لوگ مشاہدہ کہتے ہیں۔ یعنی وہ غیب کو دیکھتا ہو۔

3۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کا اس سے تعلق قائم ہو اور

4۔ چوتھے یہ کہ جو کچھ اس کو مل رہا ہے یعنی پیدا ہونا، مرنا، جینا، جوان ہونا، اولاد، کاروبار سب کو وہ منجانب اللہ سمجھتا ہو۔

جب یہ چاروں صفات کسی انسان کے اندر آجائیں گی اس کو قرآن سے ہدایت ملے گی اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع نمبر 29، صفحہ نمبر 42

2۔ کتاب "پیراسائیکالوجی" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، حوالہ حضور ﷺ کے پیر مبارک کے نیچے پہاڑ نرم ہو گیا۔

3۔ کتاب "نظریہ رنگ و نور" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع یقین، صفحہ نمبر 100 تا 101

4۔ کتاب "روح کی پکار" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع اس کتاب میں شک و شبہہ کی گنجائش نہیں ہے، صفحہ نمبر 263 تا 264

Marfat.com

موضوع 4/84

اللہ کی مُہر ALLAH'S SEAL

سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ (THE COW)

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ ‌ؕ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۷﴾

ترجمہ: اللہ نے ان کے دلوں اور ان کی سماعتوں پر مُہر لگادی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑ گیا) ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔

Allah hath sealed their hearing and their hearts, and on their eyes there is a covering. Theirs will be an awful doom.

اگر کوئی بندہ باوجود اس کے کہ روشن راستہ اس کے سامنے ہے باوجود اس کے کہ اس کو روشن راستے پر چلنے کی ترغیب دی جا رہی ہے اور باوجود اس کے کہ روشن راستے پر انعامات و اکرامات کی جو بارش برس رہی ہے اس کی بھی اطلاع اس کو دی جا رہی ہے وہ پھر بھی اس روشن راستے کو قبول نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کا تاریک راستے پر چلنا قبول کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس بندے کا تاریک راستے پر چلنا اس لئے قبول کر لیتے ہیں کہ وہ شیطان کی طرح نافرمانی اور بغاوت پر آمادہ ہے تو اس کے اوپر روشن راستے کے دروازے بند ہو جاتے ہیں یعنی دلوں اور کانوں پر مہر لگانے کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی نے از خود وہ راستہ اختیار کر لیا جس راستے پر چل کر آدمی عقل سلیم سے بے بہرہ ہو جاتا ہے، سماعت سے محروم ہو جاتا ہے اور بینائی پس پردہ چلی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس بات سے منع نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا یہ عمل قبول کر لیتے ہیں چنانچہ وہ اب کبھی روشن راستے پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ یہ اس آیت مبارکہ کی علمی توجیہ بیان ہوئی۔

اب ہم اس آیت کی تفسیر رُوحانی نقطہ نظر سے بیان کرتے ہیں رُوحانیت سے تعلق رکھنے والے حضرات کم و بیش اس بات سے واقف ہیں کہ مخلوق کے اندر ایسے GENERATORS یا نقطے موجود ہیں جن نقطوں میں زندگی میں کام آنے والی روشنی ذخیرہ ہوتی رہتی ہے۔ یہ نقطے فرشتوں میں بھی ہوتے ہیں، جنّات میں بھی ہوتے ہیں، سیاروں میں بھی ہوتے ہیں، درختوں میں بھی ہوتے ہیں یوں کہیے کہ نباتات، جمادات، حیوانات سب میں ہوتے ہیں۔ یہ نقطے ایک ہاتھی کی زندگی کو بھی فیڈ کرتے ہیں اور ایک چیونٹی کے اندر رہ کر بھی

Marfat.com

اس کی زندگی کو جاری اور ساری رکھتے ہیں۔ یہ بات طویل ہو جائے گی کہ چیونٹی کے اندر کتنے نقطے کام کرتے ہیں جنّات کتنے نقطوں سے مُرکّب ہیں، فرشتے کتنے نقطوں کی مخلوق ہیں، پہاڑ کے اندر یہ نقطے کس فامولے کے تحت کام کرتے ہیں اور گھاس کے اندر یہ نقطے کس فارمولے پر متحرک ہیں۔

لطائف GENERATORS:

اس وقت ہمارے پیش نظر آدم زاد ہے اس لئے کہ یہ آیت مبارکہ

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ وَعَلٰی سَمْعِہِمْ ؕ وَعَلٰۤی اَبْصَارِہِمْ غِشَاوَۃٌ ۫ وَّلَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ

نوعِ اِنسانی کے لئے نازل ہوئی ہے۔ تصوّف اور رُوحانیّت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات ان نقطوں سے واقفیت رکھتے ہیں اور ان نقطوں کو چھ لطیفوں یا GENERATORS سے تعبیر کرتے ہیں۔ رُوحانیت میں ان کا اِصطلاحی نام لطائف ستہ ہے۔

لطائف کے نام:

1۔ اخفیٰ (بنفشی Purple)　　2۔ خفی (نیلگوں Blue)　　3۔ رُوحی (زرد Yellow)

4۔ سری (سبز Green)　　5۔ قلبی (نارنجی Orange)　　6۔ نفسی (سرخ Red)

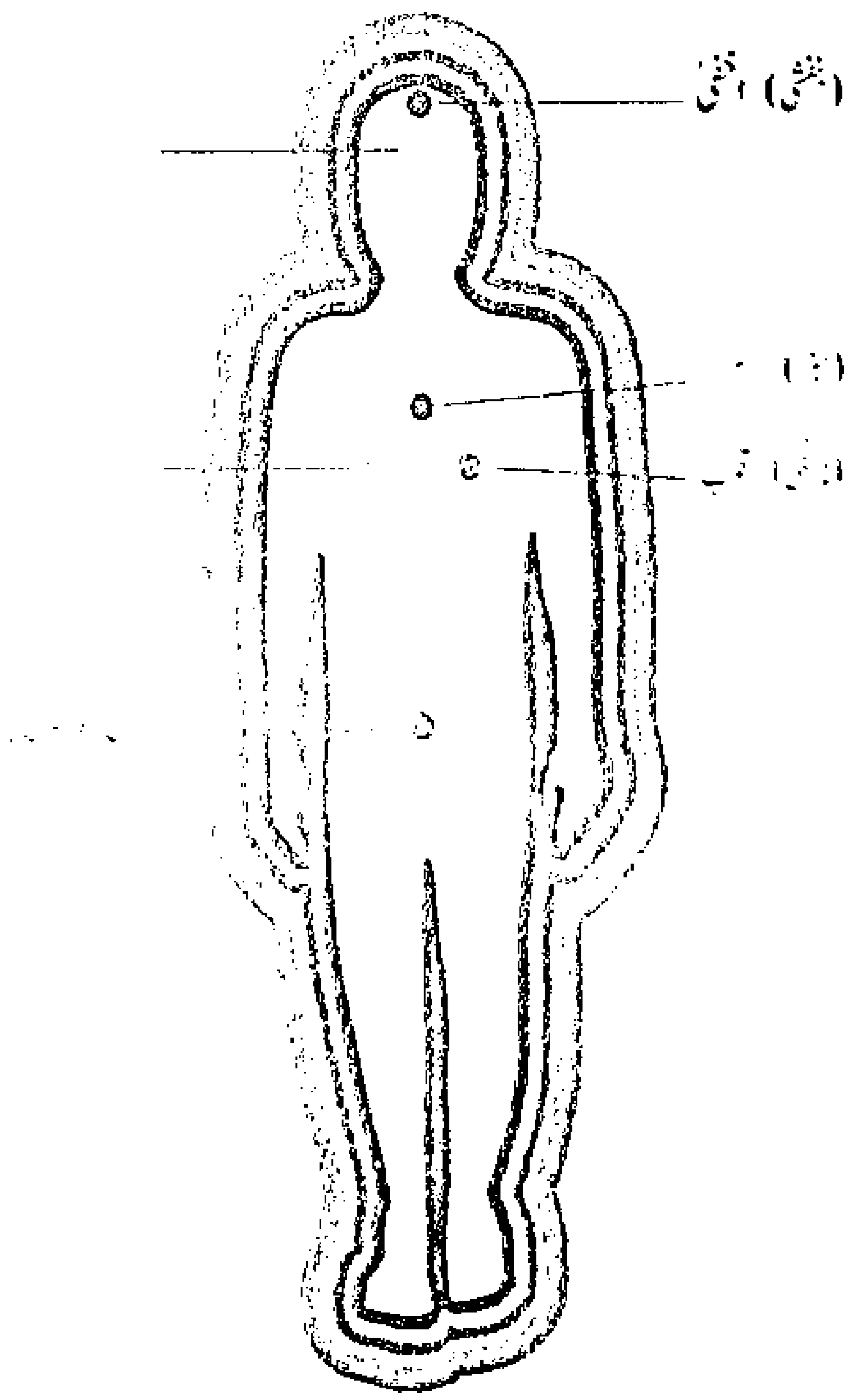

یعنی ایک آدم زاد انفرادی طور پر یا اجتماعی اعتبار سے چھ نقطوں کے اندر سفر کرتا ہے ان چھ نقطوں کو قرآن پاک کے قانون کے مطابق تین دائروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک دائرہ وہ ہے جس کے اندر وہ نقطے موجود ہیں جو آدمی کے اوپر دوراہیں کھولتے ہیں۔ ایک وہ راستہ جو شیطنت ہے اور دوسرا وہ راستہ جو رحمت ہے۔ ایک دائرہ رحمت کی طرف سفر کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور ایک دائرہ منزل ہے۔ یعنی اس دائرے میں بندے کو اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ یہ تینوں دائرے ہمہ وقت چار نُورانی نہروں سے فیڈ ہوتے رہتے ہیں۔

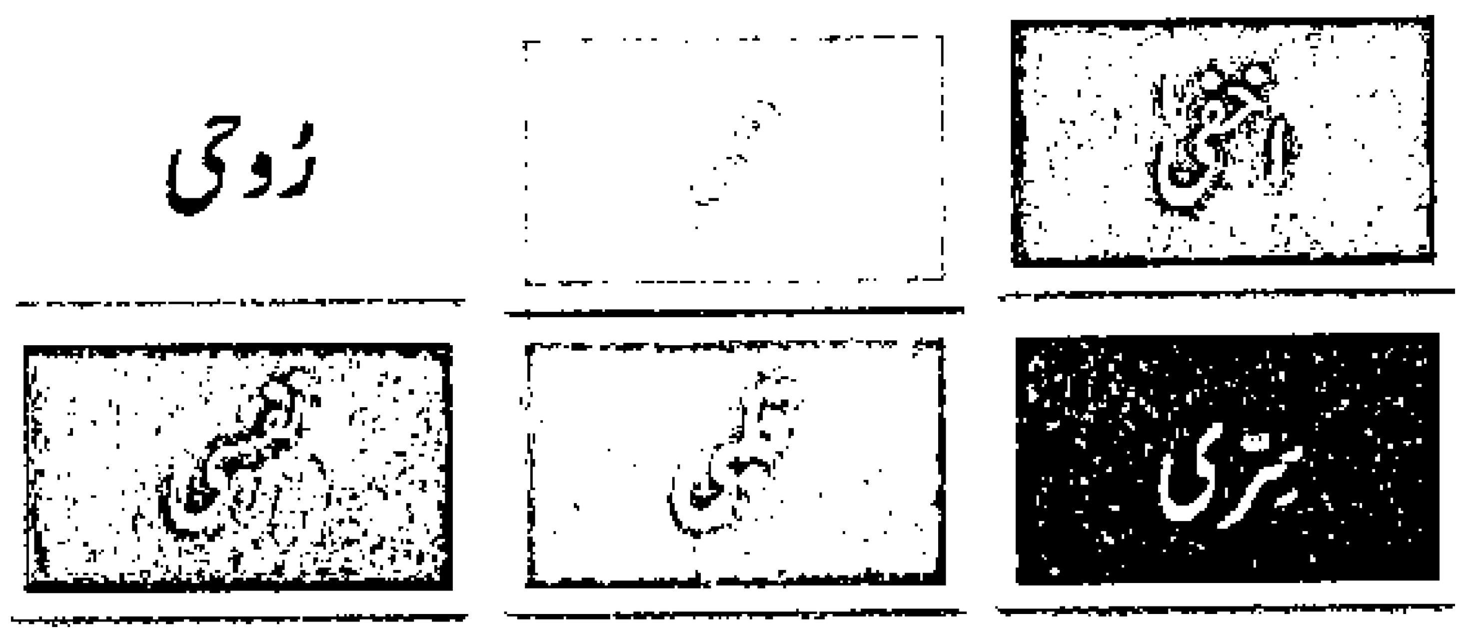

Marfat.com

دائرے تین ہیں نہریں چار ہیں۔ ان نہروں کا سورس کیا ہے؟ یہ نہریں کہاں سے نکلتی ہیں؟ ان نہروں میں کس قسم کے انوار کا نزول یا صعود ہوتا ہے؟ نہروں کے اندر نازل ہونے والے انوار یا روشنیاں کس طرح وہم، خیال، تصور، ادراک اور احساس میں تبدیل ہوتی ہیں۔ یہ ایک لمبا بیان ہے۔

مختصر یہ کہ ان چار نہروں میں سے ایک نہر اس دائرے کو جس میں شیطینت اور رحمت کے راستے متعیّن ہیں، سیراب کرتی ہے۔ اگر آدمی باوجود ترغیب کے، باوجود تلقین کے، باوجود سمجھانے بجھانے کے ضد بحث اور نافرمانی کا مرتکب ہو کر صراط مستقیم سے ہٹ کر تاریکی کا راستہ اختیار کر لیتا ہے تو تینوں میں سے ایک دائرے کا پہلا نقطہ زہریلا ہو جاتا ہے اور یہ زہر اس کو ایک متعفّن پھوڑا بنا دیتا ہے۔ اس نقطے کے اندر ایک ایسی سڑاند اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے کہ اوپر کے دو دائرے اسے زندہ رکھنے کے لئے فیڈ تو کرتے ہیں، لیکن ان کا ذہنی رابطہ یا ہمدردی تیسرے نقطے کے ساتھ نہیں رہتی۔ دوسری طرف کیونکہ اوپر کے دو دائرے سراپا نُور اور روشنی ہیں، لطافت اور خوشبو ہیں اس لئے یہ متعفن پھوڑا یا نقطہ ان کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا۔ جب متوجہ ہی نہیں ہوتا تو وہ راستہ بھی نظر نہیں آتا۔ جس راستے پر چل کر آدمی آسمانوں کی سیر کرتا ہے، فرشتوں سے ملاقات کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرتا ہے اس بات کو اللہ تعالیٰ نے

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

کہہ کر نوعِ انسانی کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے۔

ایسا بندہ جس کے دل پر کانوں پر مہر لگی ہوئی ہے اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے وہ اس دنیا میں سوچتا بھی ہے، سنتا بھی ہے، دیکھتا بھی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مہر اور آنکھوں پر پردہ ڈالنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دنیاوی طور پر اندھا ہو گیا ہے یا اس کی عقل سب ہو گئی ہے یا اس کے کانوں میں سیسہ ڈال دیا گیا ہے یا وہ بہرہ ہو گیا ہے۔ عقل پر مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر سے ان صِفات کو نکال لیا گیا ہے، جن صِفات سے آدمی اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اُس کی سماعت میں سے وہ صِفت نکال لی گئی ہے جس کے ذریعے سے غیب کی آوازیں سنتا ہے۔ فرشتوں سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے جن آنکھوں سے وہ (اگر ان آنکھوں پر پردہ نہ پڑا ہوا ہو) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار اقدس میں حاضر ہو کر کھلی آنکھوں سے حضور ﷺ کی ذات اقدس کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔

اِس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں اگر تفکّر کیا جائے تو یہ کہے بغیر چارہ نہیں ہے کہ جن لوگوں کے قلب میں اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر سکیں۔ ان کے اندر اتنی سکت نہیں ہے کہ فرشتوں کی آواز سن سکیں۔ ان کی آنکھوں میں اتنی چمک نہیں ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار کر سکیں۔ وہ سب لوگ ذریت ابلیس میں آتے ہیں۔ بات بہت زیادہ سخت ہے لیکن امر واقعہ یہی ہے کہ ارکان اِسلام کی ماہیّت اور حقیقت میں اگر تفکّر کیا جائے تو ہر رکن اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ اس کا تعلق رُوحانی طرزوں، رُوحانی صفات اور رُوحانی صلاحیتوں سے ہے۔ اِسلام میں بنیادی رکن اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔ ایمان لانے کے بعد حضور ﷺ کی رسالت کی

Marfat.com

Marfat.com

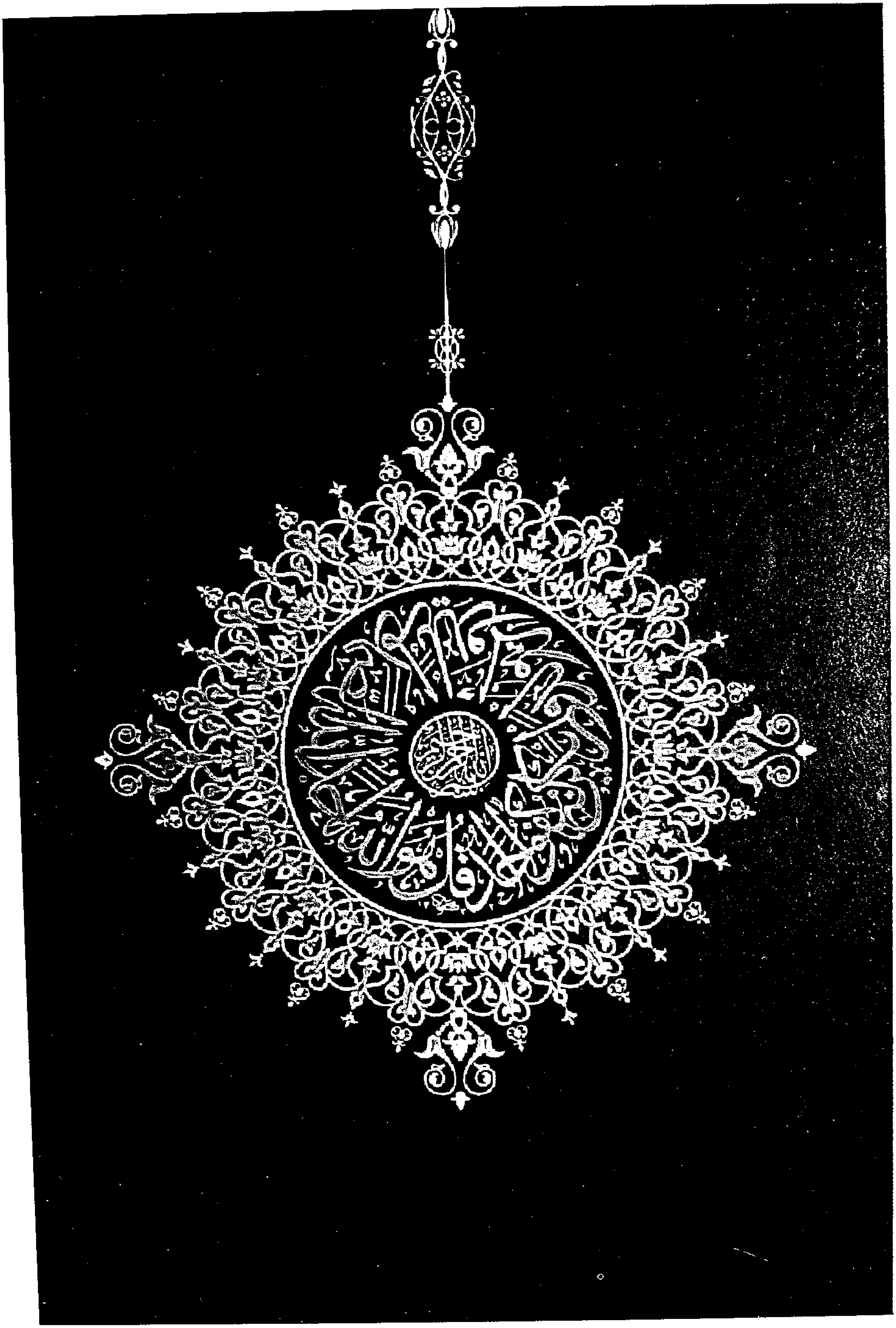

Marfat.com

شہادت دیتا ہے لیکن دنیا کا کوئی قانون اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ بغیر دیکھے شہادت معتبر ہو سکتی ہے۔ کلمہ شہادت ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اگر انسان شیطانیت سے آزاد ہو کر فی الواقع ایمان کے دائرے میں قدم رکھ دیتا ہے تو سیّدنا حضور ﷺ اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتے ہیں اور وہ برملا حضور ﷺ کی رسالت کی شہادت دیتا ہے۔ قانون شہادت یہ ہے کہ شہادت بغیر دیکھے معتبر نہیں ہوتی۔ مسلمان ہونے کے بعد حق باتوں پر یقین ضروری ہے، جو ایمان کی شرائط میں داخل ہیں ان میں پہلی بات غیب پر یقین ہے۔ ہم غیب پر یقین رکھتے ہیں۔ قانون یہ ہے کہ جب تک کوئی بات مشاہدے میں نہیں آتی، یقین متزلزل رہتا ہے۔ اس کے بعد ملائکہ کا تذکرہ آتا ہے پھر ان کتابوں کا تذکرہ آتا ہے جو حضور ﷺ سے پہلے انبیاء پر نازل ہوئیں پھر یوم آخرت کا تذکرہ آتا ہے یہ تمام تذکرے اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ اِنسان کے اندر کوئی ایسی آنکھ موجود ہے جو پردوں کے پیچھے دیکھتی ہے۔ اِنسان کے اندر ایسے کان موجود ہیں جو ماورائی آوازیں سن کر ان کے معانی اور مفہوم کو سمجھتے ہیں۔ ایسی آنکھیں موجود ہیں جو آنکھیں زمان و مکاں کی تمام حدبندیوں کو توڑ کر عرش پر اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتی ہیں۔ ایسا قلب موجود ہے جو محسوس کرتا ہے۔ قلب اللہ کا گھر ہے اور اس گھر میں مکین کو دیکھتا ہے۔

رُوحانیت اور تصوّف سالکانِ طریقت کو اسی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ آدمی ظاہری حواس سے ہٹ کر ان حواس کا کھوج لگائے جن حواس میں لطافت ہے، نرمی ہے، رحمت ہے، محبت ہے، حلاوت ہے، نُور ہے، روشنی ہے، جن حواس سے بندہ اپنے آقا رسُول اللہ ﷺ کے قدموں میں سرنگوں ہوتا ہے۔ جہاں تک دنیاوی زندگی گزارنے کے لئے مفروضہ حواس کا تعلق ہے ان حواس میں آدم، بکری اور کتا برابر کے شریک ہیں۔ کتا بھی عقل رکھتا ہے، آدمی بھی عقل رکھتا ہے۔ دوسری بات جو زیر بحث آتی ہے وہ ساخت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو جس ساخت پر تخلیق کیا ہے وہ ساخت اس قسم کی ہے کہ اس ساخت کی وجہ سے وہ عقل سے زیادہ سے زیادہ کام لے سکتا ہے اگر بلی کی ساخت اِنسانوں کی طرح ہوتی اور جس طرح اِنسان دو پیروں پر چلتا ہے اسی طرح بلی بھی پیروں پر چلتی تو کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ بلی کار ڈرائیو نہ کر سکتی۔ دنیاوی عقل کا تعلق جہاں تک ہے اللہ کی سب مخلوق عقل رکھتی ہے۔ جہاں تک عقل میں کمی بیشی کا تعلق ہے وہاں ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ آدمی بھی سب عقل مند نہیں ہوتے۔ ہزاروں لاکھوں میں چند دانش ور نکلتے ہیں اور اس دانش وری کے اندر غوطہ لگا کر جب کوئی گوہر نایاب تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہاں بھی بے عقلی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

حوالہ جات:

۱۔ کتاب "توجیہات" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع اللہ کی مُہر

Marfat.com

موضوع 5/84

اللہ کا نائب

VICEROY OF GOD

سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ (THE COW)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً ؕ قَالُوۡۤا اَتَجۡعَلُ فِیۡہَا مَنۡ
یُّفۡسِدُ فِیۡہَا وَ یَسۡفِکُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ؕ
قَالَ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّہَا

ترجمہ: جب تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا۔ میں ایک ایسی مخلوق بنانے والا ہوں جسے زمین کا اقتدار دیا جائے گا۔ انہوں نے عرض کیا۔ "کیا آپ اس میں وہ مخلوق بنائیں گے جو وہاں فساد اور خوں ریزی کرے گی؟ اور (ادھر ہمارا معاملہ یہ ہے کہ) آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ آپ کی تسبیح و تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں"۔ اللہ نے فرمایا "میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"۔ اس کے بعد پروردگار نے آدمؑ کو سب اسماء سکھا دیے۔

And (remember) when your Lord said to the angels: "Verily, I am going to place (mankind) generations after generations on earth.". They said: "Will You place theirin those who will make mischief therein and shed blood,-while we glorify You with praises and thanks and sanctify You." He (Allah) said: "I know that which you do not know." And He taught Adam all the names (of everything)

جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا:

اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً ؕ — میں دنیا میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

(سورۃ بقرۃ، پارہ 1، آیت 30)

Marfat.com

نائب کے معنی:

نائب کا مطلب یہ ہے کہ ایسا بندہ جو اللہ کے دیے ہوئے اختیارات استعمال کرے۔ اللہ نے انسان کو اپنا نائب بنایا ہے۔ اس کے اندر اپنی صفات کا علم پھونکا ہے۔ اس کو اپنی صورت پر تخلیق کیا ہے۔ نائب کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اگر ایک مملکت کا صدر اپنے اختیارات کو استعمال کرنے میں کاغذ قلم کا محتاج نہ ہو تو اس کا نائب اختیارات استعمال کرنے میں کاغذ قلم کا محتاج ہو۔ اللہ وسائل کی محتاجی کے بغیر حاکم ہے تو اس کا نائب بھی وسائل کا دستِ نگر نہیں ہوتا۔ جس طرح خدا نے "کُن" کہہ کر کائنات کو وجود بخشا ہے، خدا کا نائب بھی اپنے ذہن کو حرکت دے کر خدا کی تخلیق میں تصرّف کر سکتا ہے کیوں کہ اللہ کا نائب اس بات سے واقف ہوتا ہے کہ کائنات میں موجود تمام مظاہر ایک ہی ذات سے ہم رشتہ ہیں۔

نائب کے اختیارات JURISDICTION :

اِنسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات کا درجہ دیا ہے یعنی اِنسان کی حاکمیّت کو تسلیم کرایا ہے لہٰذا اس مخلوق کے لئے تمام خدمات فرشتوں سے لی جاتی ہیں جب اِنسان رُوحانی مدارج کے اعلیٰ عہدوں پر فائض ہو جاتا ہے تو وہ براہِ راست تمام احکامات اللہ سے لیتا ہے اور فرشتوں کے ذریعے اس پر عملدرآمد IMPLEMENT کراتا ہے۔ اس شعبے کو شعبہ تکوین DEPARTMENT OF ADMINISTRATION کہا جاتا ہے۔ جس میں بے شمار عہدے ایسے لوگوں کو دیے جاتے ہیں جن کا کام اس کائنات کو متحرّک رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کائنات کو متحرّک رکھنے کے لئے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس نے اِنسان کو اپنا نائب بنا کر یہ اعزاز HONOR بخشا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے کائنات کو حرکت میں رکھتا ہے۔

سورہ کہف آیت 60 تا 82 میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ایک بندے کی ملاقات کا ذکر ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے خاص علم بخشا تھا جس میں اس عہدے کے متعلق ارشادات ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کشف المحجوب" میں ان عہدوں کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔

فرشتوں نے نائب بنانے کے حکم کے بارے سن کر اللہ تعالیٰ سے کہا:

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ

اے ہمارے رب یہ شخص زمین میں فساد برپا کرے گا اور زمین میں ہر طرف خون پھیلائے گا اے پروردگار ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاک ذات کو یاد کرتے ہیں۔

(سورۃ بقرۃ، پارہ 1، آیت 30)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

(سورۃ بقرۃ، پارہ 1، آیت 30)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کائناتی امور سکھا کر فرشتوں سے پوچھا اگر تم اس علم سے واقف ہو تو بیان کرو۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں سکھا دیا ہے۔ آدمؑ نے علوم بیان کیے تو فرشتوں نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جو علوم سکھا دیے ہیں، وہ ہم نہیں جانتے لہٰذا انہوں نے آدم علیہ السلام کی اطاعت اور فرمانبرداری کو قبول کر لیا۔

آدمؑ کی حاکمیّت اور عِلم الاسماء:

تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے اسماء سے رنگین ہے۔ ہر ہر ذرّے میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ اور صِفت موجود ہے۔ اِنسان اگر تفکّر کی آنکھ سے کائنات میں غور کرے تو اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ ہر طرف عِلم الاسماء متحرک ہیں جو اس کائنات کی OPERATING KEYS یا کنجیاں ہیں یہی علم الاسماء اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب یعنی اِنسان کو عطا فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر اسم اپنی صِفات کی بدولت اس کائنات کو چلا رہا ہے۔ ظاہر ہے جب یہ اسماء اِنسان کے اندر INSTALL کر دیے گئے یعنی جب یہ کنجیاں اِنسان کو نائب کی حیثیت سے سپرد کر دی گئیں تو انسان میں بھی یہ صلاحیت پیدا ہو گئی کہ کائناتی نظام کو نہ صرف سمجھ سکے بلکہ اس نظام کو چلانے کے لئے علم الاسماء کو اپنے زیرِ استعمال لا سکے۔

مسلمان ہونے کے ناطے اُمّت محمدی ﷺ قرآن پاک کو بحیثیتِ کلام الٰہی تسلیم کرتی ہے اور اس کی اکملیت پر یقین رکھتی ہے اور اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اس کتاب المبین کے تمام علوم آدم علیہ السلام کو عطا کئے گئے ہیں۔ جنہیں قرآن پاک کی زبان میں علم الاسماء کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتے ہیں کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو اسمائے الٰہیہ کے کُل علوم عطا کر دیے۔ یہ بات نہایت ہی غور طلب ہے کہ جو لوگ کلام الٰہی کے کسی بھی اسم کسی بھی حرف کسی بھی آیت کے متعلق یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اس کے علوم آدم یا اِنسان کو عطا نہیں کئے گئے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اپنے نازل کردہ کلام کو خود ہی جھٹلا دے۔ اللہ رب ذوالجلال کی بزرگی و برتری سے یہ بات بھی بعید از گمان ہے کہ وہ اپنے علوم کو کسی پر ظاہر کر دے اور کسی سے چھپا لے۔ اپنی شانِ بُزرگی کی حکمتوں کو اس نے آدم کے اندر یہ کہہ کر پوشیدہ کر دیا ہے کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو اسمائے الٰہیہ کے کُل علوم سکھا دیے۔ آدم تمام بنی نوعِ اِنسانی کا نمائندہ ہے۔ یہ کسی ایک فردِ بشر کا نام نہیں ہے۔ پس جو لوگ قانُونِ قُدرت کے مطابق اسمائے الٰہیہ کے علوم سیکھنے میں جدوجہد اور غور و فکر کرتے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے کلام کی وہ حکمتیں، اسرار و رموز کھول دیے جاتے ہیں جو اس کے حروف کے پردے میں پنہاں ہیں۔ سب اِنسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ قُرآن کریم میں آپ علیہ السلام کی تخلیق اور خلافت کا ذکر علم کے ساتھ ہوا ہے۔ مُعلّمِ حقیقی، اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عِلم الاسماء عطا کیا تو اِنسان کا شرف علم بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو اشرف اس لئے بنایا ہے کہ سماوات، زمین اور دونوں کے اندر جو کچھ ہے سب کا سب اِنسان کے تابع ہے۔

کائناتی تزئین و آرائش کے روشن وسائل سورج، چاند، ستارے سب اِنسان کے محکوم ہیں اور یہ حاکمیّت اس علم کی بنیاد پر ہے جو علم اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سکھا دیا ہے۔

Marfat.com

کائنات اللہ تعالیٰ کے علم کا جزو:

کائنات اور کائنات میں موجود تمام تخلیقات، تخلیقات میں تمام نوعیں اور نوع کے الگ الگ افراد، افراد کا پھیلنا اور سمٹنا، پیدائش کا تسلسل اور موت کا وارد ہونا، زمین اور سماوات، سورج، چاند، ستارے، بے شمار کہکشانی نظام، جنّت، دوزخ، جنّت دوزخ میں زندگی گزارنے کے تمام حواس اور تقاضے، حواس میں ردوبدل کے ساتھ حواس میں کمی بیشی، ذہنی رفتار کا گھٹنا یا بڑھنا، حواس کا الگ الگ تعین، سُننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا، محسوس کرنا، جسمانی خدوخال کا اُلٹ پلٹ ہونا، جذبات میں اشتعال پیدا ہونا، کسی بندے یا کسی ذی شعور کا نرم خو ہونا یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود علم کا عکس ہیں۔

کائنات میں موجود کوئی ایک شے، اس کی حیثیت کسی بڑے سے بڑے ستارے کی ہو یا زمین کے چھوٹے سے چھوٹے ذرّے کی ہو اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ذہن کے اندر موجود اس خوبصورت دنیا کو مظہر بنانا چاہا تو فرمایا "کُن" اور کائنات میں تمام چیزیں من و عن اسی طرح جس طرح اللہ تعالیٰ کے ذہن میں تھیں موجود ہو گئیں۔

اوّل — اللہ تعالیٰ کی ذات

دوم — اللہ تعالیٰ کی صفت

سوم — صفت کے ساتھ قدرت

علیم ہونا ذات باری تعالیٰ کی صِفت ہے اور ذات باری تعالیٰ اپنی تمام صِفات میں قدیم ہے۔ اس کی صِفت علیم میں کائنات ہمیشہ سے تھی اور ہے۔ صِفت علیم میں کائنات کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے ذاتی علوم کا ایک عنصر ELEMENT ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ کائنات کے علوم ظاہر کئے جائیں تو کُن کہہ کر کائنات کو تخلیقی صورت بخش دی اور کائنات کے امُور کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لئے کائنات میں بسنے والی ایک مخلوق کو چن لیا۔ تا کہ کائناتی نظام اللہ تعالیٰ کے ارادے اور فطرت کے مطابق جاری و ساری رہے یہ منتخب شدہ ہستی آدم زاد ہے جس کو نظام کائنات کی اہم ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ذاتی علوم میں سے ایک علم عطا فرمایا اور یہ علم، عِلم کائنات ہے۔ جس کو قُرآن پاک نے عِلم الاسماء کا نام دیا۔ عِلم الاسماء اللہ تعالیٰ کی ایک فکر یعنی UNIVERSE کا احاطہ کرتا ہے۔

کائنات اور اللہ تعالیٰ کے اسماء:

کائنات مجموعی طور پر اللہ کی صِفات کا عکس ہے اور صِفات اللہ کے اسماء ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر اسم ایک تجلّی ہے اور تجلّی کے ساتھ قُدرَت اور رحمت شامل ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا ہر اسم تین تجلّیوں کا مرکز ہے۔

جب ہم "اللہ" کا تذکرہ کرتے ہیں یا اللہ کا کوئی اسم ذہن یا زبان سے ادا کرتے ہیں تو تجلّی اپنی صِفت اور قُدرت کے ساتھ حرکت میں آجاتی ہے۔ یعنی جب ہم اللہ کو "بصیر" کہہ کر مخاطب کرتے ہیں یا اللہ کے اسم بصیر کا ورد کرتے ہیں تو ہمارے اندر اللہ کی نگاہ

Marfat.com

اور اللہ کی نگاہ سے متعلق قدرت اور نگاہ سے متعلق رحمت کا علم متحرک ہو جاتا ہے۔ کائنات ایک علم ہے۔ یہ علم نزول کر کے حواس کی شکل و صورت میں نمایاں ہو رہا ہے۔

علم کی تین جہتیں DIMENSIONS :

جب ہم علم کی ہیئت، اصلیت اور حقیقت پر غور کرتے ہیں تو ہمارے پاس یہ کہے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ علم کی بنیاد دراصل کسی چیز کی خبر یا کسی چیز کی شکل و صورت کو یا کسی چیز کے وصف کو جاننا ہے۔ علم کے معنی بھی یہی ہیں کہ آدمی کے اندر جاننے اور کسی چیز سے واقف ہونے کا عمل پیدا ہو جائے۔ جب تک ہمیں کسی چیز کے بارے میں علم حاصل نہیں ہوتا اس وقت تک وہ چیز ہمارے لئے معدوم کی حیثیت رکھتی ہے۔

دو اسماء

نظامِ کائنات کے قیام، ترتیب و تدوین پر اللہ تعالیٰ کے دو اسماء کی حکمرانی ہے۔ ایک اسم "اللہ" اور دوسرا اسم "قدیر"۔ تمام اسمائے صفات میں سے ہر اسم ان دونوں اسماء کے ساتھ منسلک ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو افرادِ کائنات ایک دوسرے سے روشناس نہیں ہو سکتے تھے اور نہ ان سے ایک دوسرے کی خدمت گزاری ممکن تھی۔

(لوح و قلم از حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ)

باطن روشن علماء، علم کے تین رُخ یا DIMENSION بیان کرتے ہیں۔ پہلی DIMENSION یا رُخ تجلّی ہے جو لطیفہ اخفیٰ کے اندر نزول کرتی ہے اور تجلّی کا علم بن جاتی ہے۔ دوسری DIMENSION یا رُخ اس تجلّی کا وصف ہے یعنی تجلّی کی INTERPRETATION تشریح ہے۔ تجلّی کی یہ DIMENSION یا وصف لطیفہ سرّی میں متحرک ہوتی ہے۔ تیسری DIMENSION تجلّی کے وصف کی COMPLETION ہے یعنی تجلّی اپنے وصف کے ساتھ PHYSICAL APPEARANCE اختیار کرتی ہے اور اس وصف کا نزول لطیفہ قلبی میں ہوتا ہے۔ اس وصف کا نام نگاہ ہے۔

لطیفہ قلبی کے اندر جب گفتار، سماعت اور شامہ شکل و صورت اختیار کر کے مزید حرکت کرتے ہیں تو نقش و نگار کا ایک رنگین پیکر بن جاتا ہے۔ گفتار، سماعت اور شامہ کا یہ رنگین پیکر لطیفہ نفسی کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ لطیفہ قلبی اور لطیفہ نفسی کے درمیان کشش کا یہ عمل مظاہراتی طور پر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

تین حرکتیں بیک وقت صادر ہوتی ہیں۔ پہلی حرکت کسی چیز کو جاننا ہے۔ جب ہم کسی چیز کو جاننے کا ارادہ کرتے ہیں ہمارے ذہن کی حرکت کسی چیز کو جاننے میں استعمال ہوتی ہے تو یہ عمل لطیفہ اخفیٰ میں ہوتا ہے۔ جاننے کے بعد دوسری حرکت کسی چیز کو محسوس کرنا ہے۔ محسوس کرنا لطیفہ سری کا عمل ہے جاننے اور محسوس کرنے کے بعد کسی چیز کے بارے میں خواہش پیدا ہوتی ہے۔ خواہش کے بعد عمل کا صدور ہوتا ہے۔ خواہش اور عمل کا صادر ہونا لطیفہ قلبی اور لطیفہ نفسی کی حرکت ہے۔ کسی چیز کا علم یا کسی چیز کو جاننے کی حرکت ثابتہ سے شروع ہو کر جویّہ پر ختم ہو جاتی ہے اور یہ علم ہر ہر اسٹیج پر ہر ہر نزول پر ریکارڈ ہوتا رہتا ہے۔ جاننا لطیفہ اخفیٰ میں واقع ہوتا ہے اور اس کو لطیفہ خفی ریکارڈ کر لیتا ہے۔ لطیفہ سری میں محسوساتی عمل شروع ہوتا ہے جس کو لطیفہ رُوحی ریکارڈ کر لیتا ہے۔

Marfat.com

لطیفہ قلبی میں جاننے اور محسوس کرنے کے بعد عمل واقع IMPLEMENT ہوتا ہے اور یہ عمل لطیفہ نفسی میں ریکارڈ ہو جاتا ہے۔ اخفیٰ، خفی یعنی رُوح اعظم نے جانا۔ سرّ اور رُوح یعنی رُوح انسانی نے محسوس کیا قلب اور نفس یعنی رُوح حیوانی نے عمل کیا۔ جاننا محسوس کرنا عمل کرنا بیک وقت صادر ہوتا ہے اور بیک وقت ختم ہو جاتا ہے۔ ختم ہونے سے مُراد یہ ہے کہ اللہ کی تجلّی کا وصف قُدرت اور رحمت کے ساتھ علم کی حیثیت میں نزول کر کے پہلے جاننے کا عمل بنتا ہے پھر یہ عمل محسوساتی عِلم بن جاتا ہے۔

آدم کا تعارُف:

آدم علیہ السلام کو بارگاہ رب العزت سے علم الاسماء عطا ہوا۔ یہ عُلوم تھے جو خلافتِ الٰہی کی گراں قدر ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لئے آدم کے اندر INSTALL کئے گئے تھے۔ ان عُلوم سے نوازنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے سامنے لاکر فرشتوں سے دریافت کیا اگر تم سچے ہو اِن عُلوم کے بارے میں اظہار کرو۔

فرشتوں کی عاجزی:

فرشتوں نے اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی:

"پاک ہے آپ کی ذات ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے سکھایا ہے اور حقیقت تو یہی ہے کہ فقط آپ ہی کی ذات علیم اور حکیم ہے۔"

آدم علیہ السلام کا اظہارِ علوم:

اس پر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عطا شدہ علوم کے اظہار کا حکم دیا۔ جب آدم علیہ السلام نے تعمیل حکم میں ان علوم کا اظہار کیا تو ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

"کیا میں نے تمہیں یہ نہ بتایا تھا کہ میں ہی زمین اور آسمان کے بھید جانتا ہوں اور میں وہ بھی جانتا ہوں جسے تم ظاہر کرتے ہو یا جسے تم چھپاتے ہو۔"

آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر برتری:

آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر برتری ثابت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور آدم علیہ السلام سے کہا:

وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور کہا کہ اے آدم تم اپنی بیوی کے ہمراہ جنّت میں رہو اور کھاؤ پیو جب اور جہاں سے تمہاری مرضی ہو لیکن اس ایک درخت کے قریب بھی مت جانا ورنہ تم اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

(سورۃ بقرۃ، پارہ 1، آیت 35)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا خزانہ:

حدیث قدسی کے مطابق اللہ پاک فرماتے ہیں:

ترجمہ: "میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا جب میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے محبت کے ساتھ کائنات تخلیق کر دی۔"

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو وہ تمام علوم دیے جن کو اللہ تعالیٰ نے خزانہ کہا ہے اور یہ علوم اسمائے الٰہیہ کے علوم ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے علوم ہیں۔ اللہ کی صفات ہی اللہ تعالیٰ کا خزانہ ہیں۔ اِنسان کو اس خزانے کے علوم اس وجہ سے دیئے گئے ہیں۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو اس کی صفات کے ساتھ پہچانے۔ جب تک کوئی بندہ خود اپنی ذات سے واقف نہ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ سے بھی واقف نہیں ہو سکتا اپنی ذات سے واقف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اس بات سے واقف ہو کہ:

وہ یہاں کیوں آیا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کچھ عرصہ گزارنے کے بعد کہاں چلا جاتا ہے؟ اس کی زندگی کی حرکات کی بنیاد کیا ہے؟ زندگی کی حرکات کی بنیاد کا مطلب کیا ہے؟ زندگی کی حرکات کا محرّک کیا ہے؟ ان سب سوالوں کے جوابات علوم کا وہ خزانہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کے اندر INSTALL کر دیا ہے۔

اِنسان کا مقصدِ حیات:

اِن علوم سے استفادہ کرنا آدم علیہ السلام کی میراث ہے اپنی میراث کو پانے کی تلاش و جستجو بنی نوع اِنسان کا مقصد حیات ہے۔ اسمائے الٰہیہ کے علوم اللہ تعالیٰ کی وہ امانت ہیں کہ کائنات کی کوئی اور CREATION اس کی متحمّل نہ ہو سکی سوائے آدمؑ کے۔ اللہ تعالیٰ اس امانت کو کسی نہ کسی مخلوق کے سپُرد کرنا چاہتے تھے۔ جس کے بھی سپرد کی، اُس کا مقصد آفرینش ہی امانت کی ذمّہ داریوں کو سنبھالنا ہے۔ پس آدم کا مقصد حیات اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنی تخلیق کی اس حکمت کو پہچان لے، جس حکمت کے ساتھ اللہ نے اسے پیدا کیا ہے۔ اور وہ حکمت اللہ رب العزّت کی ذات کا تعارُف حاصل کرنا ہے۔ ذات خالق کی پہچانے جانے کی یہی حکمت خود آدم بن کر خالق کے ارادے کی تکمیل میں کمربستہ ہے۔

ہمارے پیارے رسُول پاک صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم کا قول مبارک ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا"

دراصل صورت سے مراد فواد یا ذہن ہے۔ وہ ذہن جس سے اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِنسان کے اندر علم الاسماء کی شکل میں وہ ذہن منتقل کر دیا ہے۔ اور اسی کے علوم اسمائے الٰہیہ کے علوم کہلاتے ہیں۔ ورنہ اللہ تو ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے پاک اور ماوراء ہے۔ وہ تو نُور کا ایک بحرِ بیکراں ہے جو شکل و صورت اور نقش و نگار سے ماوراء ہے۔ مگر یہ نُور علیٰ نور ہستی اپنی ذات و صفات میں ایسی عظیم و یکتا ہے کہ اس کی عظمت و توحید کائنات کے ذرّے ذرّے میں نمایاں ہے۔ بلاشبہ یہی ہستی ذاتِ خالق ہے جو اِنسان کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور اس ہستی نے اِنسان کو اپنی قربت سے بہرہ مند ہونے کے لئے ایسے حواس عطا کئے ہیں۔ جن کے ذریعے اِنسان اللہ تعالیٰ کو اپنی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب تر محسُوس کر لیتا ہے۔ اور جب محبوب اتنا قریب ہو گا۔ تو اس سے

Marfat.com

راز و نیاز کی باتیں بھی ہوں گی۔ سچ تو یہ ہے کہ ذہنی ہم آہنگی ہی ایک دوسرے کو قریب لاتی ہے۔ اور ذہنی ہم آہنگی ایک سی عادات و اطوار اور صفات کی وجہ سے ہوتی ہے۔ دو ذہن جب ایک ہو جائیں، تو ان دونوں کے درمیان ایک نہ ٹوٹنے والا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اِنسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت و نیابت کے لئے منتخب کر لیا۔ تو اِنسان کو کائناتی علوم کے ساتھ ساتھ اپنی ذات و صفات کے علوم بھی عطا کر دیئے۔ تاکہ اس کا خلیفہ و نائب کائناتی امور میں خالق کائنات کے ذہن سے تفکر کرے اور اُس کے احکامات کو صحیح طریقے سے انجام دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے اِنسان کے لئے ساری کائنات کو مسخر کر دیا ہے۔ یعنی اِنسان کائنات کی ہر شے کو اپنے ارادے و مرضی کے مطابق اپنے تصرف میں لا سکتا ہے۔ مگر ایک شے کے صحیح استعمال سے آدمی فائدہ اٹھاتا ہے اور غلط استعمال سے نقصان کی تکلیف جھیلنی پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصول و قوانین فطرت کو جاننا اور سمجھنا انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ کائنات اللہ تعالیٰ کا ملک ہے اور حکومت کے قوانین سنتِ الٰہیہ ہیں۔ اس ملک کا بادشاہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور بادشاہ کا نائب اِنسان ہے۔ بس بادشاہ کے بنائے ہوئے قوانین کا جاننا نائب کے لئے بھی انتہائی اہمیت رکھتا ہے بلکہ نائب کے لئے تو اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ کہ وہ سنتِ الٰہی یا حکومت کے قوانین کو اچھی طرح جانے۔ جانے گا نہیں تو نیابت کے فرائض کیسے انجام دے گا؟

انسان کا حقیقی شرف، اللہ کی نیابت:

سالک جس کو اللہ تعالیٰ کی صفات یا علم الاسماء کا علم حاصل ہے اگر ازل سے ابد تک کا پورا پروگرام دیکھنا چاہے تو لوحِ محفوظ پر دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح اس اجتماعی پروگرام میں کائنات میں موجود الگ الگ نوعوں کا پروگرام دیکھنا چاہے تو وہ لوحِ دوئم یا عالم جو میں دیکھ سکتا ہے۔ کائنات کا اجتماعی پروگرام لوحِ محفوظ پر نقش ہے۔ جس طرح پروگرام لوحِ محفوظ پر نقش ہے اسی طرح ہر فرد کے اندر بھی موجود ہے۔ کائنات کا اجتماعی پروگرام جب نزول کرتا ہے تو تین حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

1۔ روحِ اعظم

2۔ روحِ انسانی

3۔ روحِ حیوانی

تمام علوم کی بنیاد علم الاسماء پر قائم ہے۔ قرآن میں اللہ نے جہاں آدم علیہ السلام کی نیابت اور خلافت کا تذکرہ کیا ہے۔ وہاں یہ بات بنیادی طور پر بیان ہوئی ہے کہ آدم علیہ السلام کو علم الاسماء عطا کیا گیا ہے۔ جو کائنات میں کسی کو حاصل نہیں ہے اور یہ علم الاسماء ہی ہے جس کی بنیاد پر فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ جو علم آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے اس کو روحانیت میں "تدلیٰ" کہتے ہیں۔

انسان کا شرف اس بات پر قائم ہے کہ اسے اللہ کی نیابت حاصل ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے اختیارات حاصل ہیں کوئی بندہ جب تکوین ADMINISTRATION کے شعبے میں داخل ہوتا ہے تو یہ اطلاعات اس کو فراہم کر دی جاتی ہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ کی نیابت کے اختیارات حاصل ہیں اور نیابت کے اختیارات کو جاننے، سمجھنے اور استعمال کرنے کے لئے اسے یہ علم حاصل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر

Marfat.com

اسم اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ اور یہ صفت بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ازل میں حاصل ہوگئی تھی۔ بندے سے مراد نوع انسانی اور نوع انسانی کے تمام افراد ہیں۔ مطلب یہ کہ آدم کو جب اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء عطا کر دیا اور اپنی تخلیقی صفات سے آدم کو آگاہ کر دیا تو آدم کا یہ علم پوری نوع انسانی کا ورثہ بن گیا۔ اس علم کو پریکٹیکل میں لانے کے لئے مراقبے کی تلقین کی جاتی ہے۔ مراقبہ صرف ایک عمل کا نام نہیں بلکہ مختلف علوم کے حصول کے لئے مختلف مراقبہ جات ہیں۔ حضور مرشد کریم الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے ان کی تعداد سترہ بتائی ہے۔

حوالہ جات:

1- کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع نمبر 75، صفحہ نمبر 85

2- کتاب "خلیفۃ الارض" از نعمان ریاض عظیمی، موضوع متوقع جواب نمبر 3، صفحہ نمبر 10

3- کتاب "بارانِ رحمت" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع تعلیمی نظام، صفحہ نمبر 256

4- کتاب "خلیفۃ الارض" از نعمان ریاض عظیمی، موضوع تفکرات متوقع جواب نمبر 4، صفحہ نمبر 10

5- کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، موضوع ایک نکتہ، صفحہ نمبر 235

6- کتاب "یہ تیرے بندے" از میاں مشتاق احمد عظیمی، باب اللہ تعالیٰ کے علم کا عکس، صفحہ نمبر 215

7- کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، موضوع حقیقتِ محمدی ﷺ، صفحہ نمبر 122

8- کتاب "شرح لوح وقلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، لیکچر نمبر 9 تجلّیات، صفحہ نمبر 80 تا 82

9- کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، موضوع رُوحانی شعور، صفحہ نمبر 203 تا 204

10- کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، موضوع راہِ طریقت، صفحہ نمبر 18 تا 19

11- کتاب "شرح لوح وقلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب نیابت وخلافت، موضوع تدلّی، صفحہ نمبر 71 تا 72

Marfat.com

موضوع 6/84

تکوین ADMINISTRATION

سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ (THE COW)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳۲﴾

قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡہُمۡ بِاَسۡمَآئِہِمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَہُمۡ بِاَسۡمَآئِہِمۡ ۙ

ترجمہ: انہوں نے کہا، تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر (صرف وہ) جو تو نے ہمیں سکھا دیا، بیشک تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔ اس نے فرمایا اے آدم! انہیں ان کے نام بتلا دے، تو اس نے ان کو نام بتا دئے۔

They (angels) said :"Glory is to You, we have no knowledge except what You have taught us. Verily, it is You, the All Knower, the All Wise. He said: "O Adam! Inform them of their names," and when he had informed them of their names.

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ:

اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً ؕ — میں نے زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب مقرر کیا ہے۔

(سورہ بقرہ، پارہ 1، آیت 30)

حضرت آدم علیہ السلام کو نیابت اور خلافت اس وقت منتقل ہوئی اور وہ مسجود ملائک ٹھہرے جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے اندر رُوح پھونکی اور علم الاسماء سکھایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کائنات کے انتظامی امور کو سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم الاسماء کی روشنی میں ان انتظامی امور کو چلانا، نیابت کے دائرے میں آتا ہے۔ اِنسان کو بحیثیت خلیفۃ اللہ علم الاسماء کی حکمت، تکوین کے اسرار و رموز اس لئے سکھائے گئے کہ وہ نظامت کائنات کے امور میں نائب کے فرائض پورے کر سکے۔

تکوینی علوم چونکہ براہِ راست خالق کے تخلیقی فارمولوں سے متعلق ہیں اس لئے اِنسان کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نائب کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو اپنی نیابت اور خلافت کے منصب پر فائز فرمادیا تو یہ بات از خود یقین بن گئی کہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے تمام کائناتی شعبوں میں اِنسان کو تصرف کا حق حاصل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے علم الاسماء کی روشنی میں اِنسان کو کائنات چلانے، کائنات کو متحرک رکھنے اور قائم رکھنے کا اختیار عطا کیا ہے۔ نیابت کا یہی اختیار ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی امانت فرمایا ہے۔

Marfat.com

نیابت کے تذکرے میں یہ ضروری ہے کہ کائنات کی بنیادی حیثیت کو سمجھا جائے۔ کائنات جن اصولوں، قاعدوں اور فارمولوں پر تخلیق کی گئی ہے اور جن قاعدوں، قوانین پر کائنات چل رہی ہے ان سب امور کے یکجائی پروگرام کا نام تکوین ہے۔

جس طرح ملک کے انتظامی شعبوں کو ADMINISTRATION کہا جاتا ہے اسی طرح کائناتی نظام کو تکوین کہا جاتا ہے۔ حکمتِ تکوین پر جب ہم تفکّر کرتے ہیں تو یہ بات زیر بحث آتی ہے کہ کائنات کس طرح وجود میں آئی۔

چار شعبے:

رُوحانی ماہرین بتاتے ہیں کہ کائنات کی تخلیق چار شعبوں پر مشتمل ہے۔

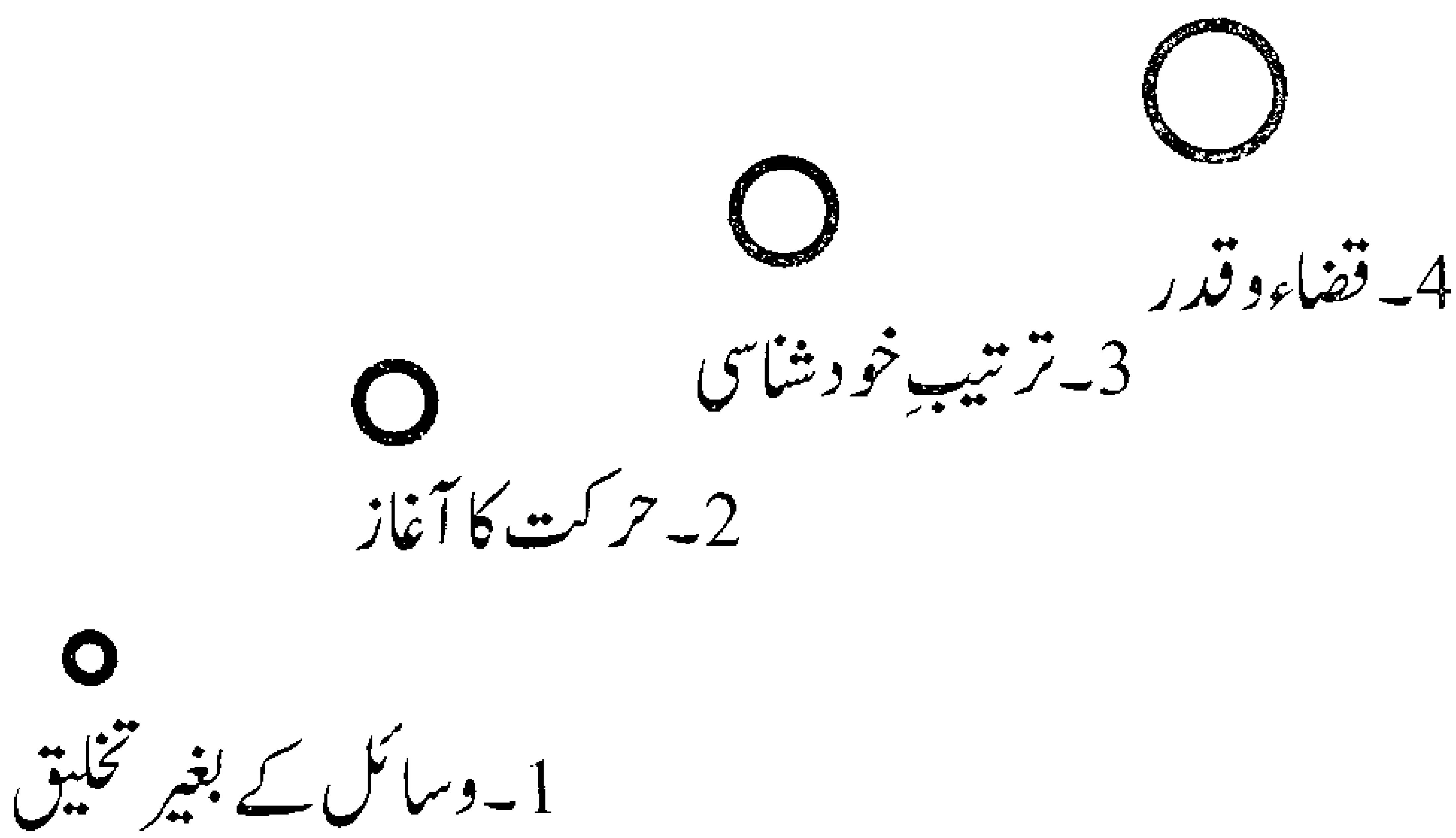

1۔ وسائل کے بغیر تخلیق

2۔ حرکت کا آغاز

3۔ ترتیب خود شناسی

4۔ قضاء وقدر (اللہ تعالیٰ کی مرضی جس طرح اللہ چاہیں)

۱۔ کائنات کا پہلا مرحلہ اسطرح وجود میں آیا کہ کائنات کی موجودگی میں وسائل کا دخل نہیں ہے۔ بغیر اسباب ووسائل کے افراد کائنات کی تخلیق کے مرحلے کو ابداء کہتے ہیں۔ یہ کائنات کا آغاز بھی ہے اور کائناتی انتظام کا پہلا شعبہ بھی۔ یعنی کائنات اس طرح وجود میں آئی کہ وسائل زیر بحث نہیں آئے۔ اللہ تعالیٰ نے جب کُن فرمایا تو کائنات وجود میں آگئی۔

Marfat.com

2۔ عالم موجودات میں شکل وصورت، حرکت وسکون کی طرزیں جب نمایاں ہوئیں اور زندگی کے مراحل وقوع میں آنا شروع ہوئے تو کائنات کا دوسرا شعبہ بنا۔ اس شعبے کا نام خلق ہے۔

3۔ تیسرا شعبہ تدبیر ہے جس میں موجودات کی زندگی کے تمام اعمال وحرکات ترتیب کے ساتھ مرتّب ہو گئے۔

4۔ چوتھا شعبہ تدلّی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ افراد کائنات میں انتظامی امور کے تحت قضاء وقدر کی حکمت اور فیصلے مرتّب ہو گئے۔

خلاصہ:

1۔ پہلا شعبہ جہاں تکوین کا آغاز ہوا یہ ہے:

ساری کائنات وجود میں آگئی لیکن اسباب ووسائل کے بغیر، جبکہ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ کوئی چیز بغیر وسائل کے وجود میں نہیں آتی۔ زمین کے اوپر پھیلی ہوئی ایجادات اور تخلیقات اور نئی نئی چیزوں پر جب ہم تفکر کرتے ہیں تو ہمیں کوئی ایک چیز بھی نظر نہیں آتی جہاں وسائل کی محتاجی نہ ہو لیکن خالق کائنات کی تعریف یہ ہے۔

خالق کائنات اسباب ووسائل کا محتاج نہیں۔ اس کے ارادے اور اختیار سے ازخود وسائل مہیاء ہو جاتے ہیں اور یہ وسائل کائناتی خدوخال اختیار کر کے مظہر بن جاتے ہیں۔

2۔ دوسرا شعبہ:

دوسرے شعبے میں کائنات میں حرکت کا آغاز ہوا اور کائنات کے افراد کو اس بات کا علم حاصل ہوا کہ ان کے اندر حرکت اور سکون ہے اور کائنات میں ہر فرد شکل وصورت کا محتاج ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ کائنات وسائل واسباب کے بغیر موجود ہو گئی۔ اس کے اندر حرکت وسکون کی طرزیں نہیں تھیں اور نہ ہی کائنات کے افراد اپنی شکل وصورت سے واقف تھے۔ ایک حیرت کا عالم تھا اور بس! پھر کائنات میں حرکت کا آغاز ہوا تو موجودات کی زندگی میں ترتیب واقع ہوئی اور موجودات نے یہ جان لیا کہ ان کی انفرادی حیثیت ہے۔

جب موجودات کے علم میں یہ بات آگئی کہ ان کی انفرادی حیثیت ہے اور ان کے اندر حرکت وسکون کی طرزیں موجود ہیں تو انہیں اس بات کا وقوف حاصل ہوا کہ زندگی ایک ایسے دائرے میں بند ہے جہاں انسان اور کائنات قضاء وقدر کے فیصلوں کی محتاج ہے۔

تکوین کے عہدے:

جس طرح دنیا میں کسی حکومت یا نظام کو چلانے کے لئے مختلف شعبے اور MINISTRIES قائم کی جاتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اپنا نظام چلانے کے لئے باقاعدہ ایک سیکریٹیریٹ قائم کیا ہوا ہے۔ اس سیکریٹیریٹ میں مختلف وزارتیں ہیں۔ اس نظام کا نام تکوین

Marfat.com

ہے اس نظام میں مختلف DEPARTMENTS یا عہدے ہیں۔ چند اہم عہدوں کے نام کچھ اس طرح ہیں۔

1۔ نجباء	2۔ نقباء	3۔ ابرار	4۔ اخیار
5۔ اوتاد	6۔ مخدوم شاہ ولایت	5۔ صاحبِ خدمت	6۔ اہلِ نظامت
7۔ اہلِ تفصیل	8۔ غوث	9۔ مدار تفہیم	10۔ قطب
11۔ قطبِ عالم	12۔ قطبِ تفہیم	13۔ قطبِ تعلیم	14۔ قطبِ مدار
15۔ قطب الاقطاب	16۔ کوچک ابدال	17۔ ابدالِ حق	18۔ ممثلین
19۔ صدر الصّدور			

یہ حضرات اپنے عہدے اور علم کے مطابق تکوینی امور سرانجام دیتے ہیں علم الاسماء سے واقفیت اور تکوینی عہدے پر فائز ہونا اللہ تعالیٰ کا کسی بندے پر فضل و کرم اور انعام ہے۔ سورہ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ایک بندے کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسے بندے سے متعارف کروایا ہے جو نظام تکوین کا رکن تھا۔ عرف عام میں اس بندے کو حضرت خضر علیہ السلام کہا جاتا ہے۔

تکوینی شعبے ADMINISTRATIONAL DEPARTMENTS:

اس دنیا اور دوسری لاشمار دنیاؤں میں چار تکوینی شعبے کام کر رہے ہیں۔

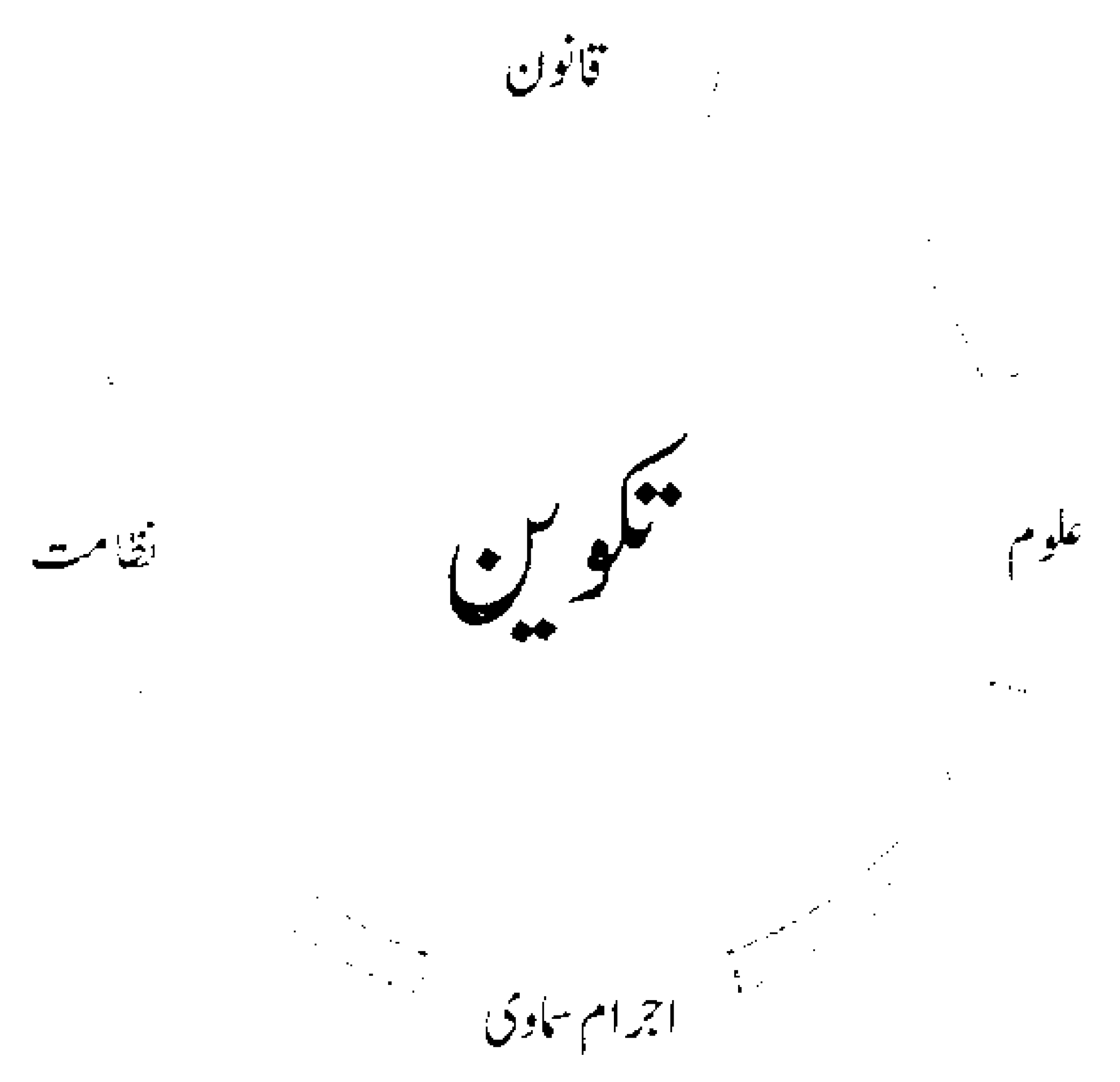

1۔ شعبہ اول: قانون

2۔ شعبہ دوم: علوم

3۔ شعبہ سوم: اجرامِ سماوی

4۔ شعبہ چہارم: نظامت

ان شعبوں کے انچارج HEAD چار ابدال ہوتے ہیں۔

صدر الصّدور:

نظامت کے عہدے پر فائز ابدال حق کو صدر الصّدور کہتے ہیں۔ صدر الصّدور کو VITO POWER حاصل ہوتی ہے۔ ابدالِ حق قلندر بابا اولیاء اس وقت صدر الصّدور ہیں۔ آپ کا مزار شریف شادمان ٹاؤن نارتھ ناظم آباد کراچی میں مرجع خاص و عام ہے۔ سیّدنا حضور ﷺ نے بطریق اویسیہ حسن اخری کے نام سے

Marfat.com

مخاطب فرمایا۔ مرتبہ قلندریت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے ملائکہ ارضی و سماوی اور حاملان عرش میں قلندر بابا اولیاءؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ تکوین ADMINISTRATION کو اللہ تعالیٰ کے بندے چلاتے ہیں۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا فرمان ہے:

☆ ایک کتاب المبین ہے۔
☆ ایک کتاب المبین میں تیس کروڑ لوحِ محفوظ ہیں۔
☆ ہر لوحِ محفوظ پر 80000 حضیرے۔
☆ ایک حضیرے میں ایک کھرب سے زیادہ مُستقل اور بارہ کھرب غیر مُستقل نظام آباد ہیں۔
☆ ایک نظام کسی ایک سورج کا دائرہ وسعت ہوتا ہے۔
☆ ہر سورج کے گرد نو، بارہ یا تیرہ سیارے PLANETS گردش کرتے ہیں۔

نظام تکوین کو اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے چلا رہے ہیں اس نظام میں فرشتے ان کے HELPING HANDS ہوتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے ایک کائناتی نظام تخلیق کیا اور اس نظام کو چلانے کے لئے اِنسانوں میں سے خلیفہ (نائب) بنائے۔ فرشتوں سے کہا کہ جو نظام میں نے بنایا ہے اس کو اِنسان چلائے گا۔ فرشتوں نے کہا آپ نے اِنسان کو نظام کائنات چلانے کے لئے منتخب کیا ہے اِنسان فساد کرے گا خون خرابہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صِفات کا علم سکھایا۔ کائنات کے تخلیقی فارمولے سکھائے اور حضرت آدم علیہ السلام سے کہا، "بیان کر جو کچھ ہم نے تجھے سکھایا ہے"۔ اور جب حضرت آدم علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی تو فرشتے دم بخود رہ گئے اور کہا، "بے شک ہم نہیں جانتے تھے ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا آپ نے ہمیں بتایا ہے"۔
اس کے بعد فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی حاکمیّت قبول کر لی۔ اِس اَمر سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اِنسان کا شرف یہ ہے کہ اُسے وہ عِلم آتا ہو جو علم اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نہیں سکھایا۔ ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ ہم نے اس علم کو بھلا دیا جس سے ہمارے اَسلاف واقف تھے اور اس میں تفکّر کرتے تھے نتیجہ یہ کہ وہ ساری دنیا کے حاکم تھے۔
قُرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ السلام سے فرمایا:

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ

یہ لوگ تم سے رُوح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے رُوح میرے رب کے امر سے ہے۔

(سورۃ بنی اسرائیل، پارہ 15، آیت 85)

اَمر کی تعریف سورہ یٰسین کی آخری آیات میں اس طرح کی گئی ہے۔

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾

اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

(سورۃ یٰسین، پارہ 23، آیت 82)

Marfat.com

اِن آیات سے فارمولا یہ بنا کہ آدمی جسمانی اعتبار سے ناقابل تذکرہ شے ہے۔ اس کے اندر رُوح ڈال دی گئی تو اسے حواس مل گئے۔ رُوح اللہ کا امر ہے اور اللہ کا امر یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کو کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ فارمولا یہ بنا۔ آدمی پتلا ہے، پتلا خلاء ہے، خلا میں رُوح ہے، رُوح امر رب ہے اور امر رب یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ چیز مظہر بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو رُوح اور تخلیقی فارمولوں کا علم عطا کیا حضرت شیخ رحمۃ اللہ نے ان رموز الٰہیہ کے فارمولوں کو جب نافذ کیا تو مُردہ قبر میں سے باہر نکل آیا۔ حضرت شیخ محی الدّین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ نے لوگوں کی رُوحانی تعلیم و تربیت کا جو نظام ترتیب دیا، وقت کے ساتھ ساتھ اس نظام کی معنویت کو تازہ رکھنے کے لئے اور رُوحانی سلاسل بھی سامنے آتے رہے۔ اس وقت دنیا میں رائج رُوحانی سلاسل دو سو کے لگ بھگ ہیں۔ جو مختلف علاقوں اور مختلف افتادِ طبع کے لوگوں کے مزاج کی ضرورتوں سے ہم آہنگ ہیں۔ ان رُوحانی تعلیمات کے نظام کو خانقاہی نظام کہا جاتا ہے۔

قلندر کا مقام:

ان بندوں میں سے جو بندے قلندر ہوتے ہیں وہ زماں و مکاں TIME AND SPACE کی قید سے آزاد ہو جاتے ہیں اور سارے ذی رُوح اس کے ماتحت کر دیے جاتے ہیں۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ ان کے تابع فرماں ہوتا ہے۔ لیکن اللہ کے یہ نیک بندے غرض، طمع اور لالچ سے بے نیاز ہوتے ہیں مخلوق جب ان کی خدمت میں کوئی گزارش پیش کرتی ہے وہ اس کو سنتے بھی ہیں اور اس کا تدارک بھی کرتے ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ کہتا ہے۔

"میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہوں اور ان کے کان آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ پھر وہ میرے ذریعے بولتے ہیں۔ میرے ذریعے سنتے ہیں اور میرے ذریعے چیزوں کو پکڑتے ہیں۔"

اِن اَزلی سعید بندوں کی تعلیمات یہ ہیں کہ ہر بندے کا اللہ کے ساتھ محبوبیت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے جس میں بندہ اللہ کے ساتھ راز و نیاز کرتا ہے۔

ابدال اور قطب:

اہلِ تکوین میں قطب، ابدال، اخیار، ابرار، اوتاد، نقباء، غوث وغیرہ شامل ہیں یہ تمام بزرگان ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور معاملات کی انجام دہی میں ایک دوسرے کی اجازت کے محتاج ہوتے ہیں۔

قطب لغت میں چکی کی کیل کو کہتے ہیں جس پر تمام چکی چلتی ہے۔ اگر قطب جہاں میں نہ ہوں۔ تو نظام عالم تباہ و برباد ہو کر رہ جائے اور ارشاد کے معنی راہنمائی کے ہیں۔ قطب ارشاد وہ ہے جس سے خلق اللہ کو ہر طرح کا نفع پہنچے۔ خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی۔ قطب مدار وہ ہے جو اپنی جگہ سے نہ ہلے اور بذات خود کامل و اکمل ہو۔ مدار کے معنی ہیں گردش یعنی ساری مخلوق اس کی گرویدہ ہو اور اپنے کاموں اور مشکلوں میں اس سے مدد چاہے۔ اسی کو قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ

سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ

اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا

يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

Marfat.com

Marfat.com

قلندر:

وہ ہے جو تجرید و تفرید میں یکتا و بے پرواہ ہو۔ اور عالم کا حال اس پر روشن ہو، مجذوب بھی ہو اور سالک بھی جیسا کہ بو علی شاہ قلندرؒ۔ دوسری جگہ قلندر کی تعریف یہ ہے کہ صرف ضروری عبادات کرے باقی اوقات ذکر و فکر میں گزارے۔

ملامتی:

ملامتی وہ ہے جو کہ تمام فرائض و نوافل کا پابند ہو مگر لوگوں کی نظروں سے مخفی رہے۔

خضرِ وقت:

وہ ہے جس پر علم لدنی منکشف ہوں اور اسرار سے واقف ہو اور جس پر ایک نظر بھی ڈالے۔ اسے کامل بنادے۔ مثال کے طور پر حضرت خضر علیہ السلام۔

غوث:

غوث وہ ہے جو بندگان خدا کے معاملات میں ظاہر اور باطن عدل و انصاف فرمائے ان کی یہ شناخت بہت مشہور ہے کہ جب چاہیں اپنے اعضاء جدا کر لیتے ہیں۔

ابدال:

اگر یہ گروہ نہ ہوتا تو تمام عالم مسخ ہو جاتا یہ سب ابدال اپنی اپنی خدمت پر مامور ہیں اور انہیں ابدال اس لئے کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی ان میں کم ہو جاتا ہے تو اوتاد میں سے کوئی ایک بدل کر ان کی جگہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نظام تکوین میں ممثل کے درجہ پر فائز ہیں اور نظامت کے امور میں حضور ﷺ کے وزیر حضوری ہیں۔ رجال الغیب اور تکوینی امور پر فائز حضرات کا بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بحیثیت وزیر حضوری ہر وقت کا واسطہ رہتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے دربار میں بڑے پیر صاحب کا بلند مقام ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے آج تک ان کی کوئی درخواست نامنظور نہیں فرمائی اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضور ﷺ کے اتنے مزاج شناس ہیں کہ وہ ایسی کوئی بات کرتے ہی نہیں جو حضور ﷺ کی طبیعت اور مزاج کے خلاف ہو۔

اوتاد:

اوتاد "وتد" کی جمع ہے اور اس کے معنی میخ کے ہیں۔ یعنی یہ ایک آہنی میخ کی مانند اپنے مقام پر جمے رہتے ہیں اگرچہ ظاہری و باطنی طور پر ان کا فائدہ نہیں ہوتا لیکن ان کی متعلقہ برکات تمام عالم میں محیط و منتشر رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور حضرت سری سقطیؒ۔

Marfat.com

صوفی ابو الوقت:

صوفی ابو الوقت انہیں کہا جاتا ہے جو کہ وقت پر قادر ہوں۔ یعنی حالت پر قادر ہوں۔ جب چاہیں اسے طاری کریں اور جب چاہیں اسے دور کر دیں اور ہوش میں آ جائیں۔ یہ صوفی ابن الوقت سے درجے میں اعلیٰ ہوتے ہیں۔ مگر ایسے لوگ اس وقت موجود نہیں ہیں۔ البتہ اگلے زمانے میں حضرت بایزید بسطامیؒ ان مراتب پر پہنچے ہیں۔ اس زمانے کے صوفی اکثر ابو الوقت ہیں۔

صوفی ابن الوقت:

صوفی ابن الوقت وہ ہیں جو کہ ظاہر اور باطن کی صفائی رکھتے ہیں اور وقت کے پابند ہوں۔ یعنی جب کوئی حال اس پر باری تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہو تو مدہوش و بے ہوش ہو جائے۔ جس طرح کسی کو بخار یا لرزہ چڑھتا ہے اور وہ بے اختیار ہو کر اس کو دور نہیں کر سکتا۔

عارف:

عارف کی بڑی کرامت یہ ہے کہ شریعت پر مستقیم ہوتا ہے۔ ان کا بڑا کشف یہ ہے کہ

(1) طالبانِ حق کی استعداد معلوم کر کے تربیّت کرے۔

(2) کشف و الہام سے باطنی علوم کے حصول میں اضافہ کرے۔

(3) قلب کی غذا ذکر، اور رُوح کی غذا علمِ حضوری سے منسلک رہے۔

ولی:

جو شخص سنت و شریعت کا پابند ہو ولی ہے اور جو شخص دائرہ سنت سے خارج ہو اور شریعت نبوی کا پابند نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سیدھے راستے سے مکمل طور پر بھٹکا ہوا ہے۔

اہلِ تفرید:

اہلِ تفرید وہ بندہ ہے جو اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے اور ہر وقت یادِ الٰہیٰ میں مشغول رہتا ہے۔

اظہار کرامت بھی اولیاء کے اختیار سے خارج ہیں جب تک حکم الٰہی نہ ہو۔ کسی ولی سے کوئی بھی کرامت سرزد نہیں ہو سکتی جب تک حکم الٰہی نہ ہو۔ حضرت امام غزالیؒ احیائے علوم میں لکھتے ہیں کہ قلب کی غذا یادِ الٰہی ہے۔ ورنہ دل تاریک ہو جاتا ہے اور اللہ کو یاد کرنے سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔

صحیحین میں بروایت حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ مذکور ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا۔ کہ میری اُمّت میں قیامت برپا ہونے تک ایک گروہ حق کو ظاہر کرتا رہے گا اور اگر کوئی انہیں خوار کرنا چاہے یا مخالفت کرنا چاہے گا تو وہ انہیں نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

Marfat.com

انچارج ہفت اقلیم:

تمام عالم کو اللہ تعالیٰ نے نظام تکوین میں سات حصوں میں تقسیم کیا ہے جو سات (ہفت) اقلیم کہلاتے ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا وہ نائب جس کے انتظام واختیار میں سات اقلیم ہیں شہنشاہ ہفت اقلیم کہلاتا ہے۔ سلسلہ تاجیہ کے امام حضور بابا تاج الدین ناگپوری رحمۃ اللہ علیہ شہنشاہِ ہفت اقلیم کے عہدے پر فائز ہیں۔ آپ کا مزارِ اقدس ناگپور بھارت میں مرجع خلائق ہے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب " بارانِ رحمت " از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب تکوین، صفحہ نمبر 433 تا 434

2۔ کتاب " بارانِ رحمت " از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب تکوین کے عہدے، صفحہ نمبر 438

3۔ کتاب " آگہی " از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب 30 سال پہلے

4۔ کتاب " خانقاہی نظام " از میاں مشتاق احمد عظیمی، باب زوج کیا ہے؟ صفحہ نمبر 79 تا 80

5۔ کتاب " خانقاہی نظام " از میاں مشتاق احمد عظیمی، باب قلندر کا مقام، صفحہ نمبر 92

6۔ کتاب " خانقاہی نظام " از میاں مشتاق احمد عظیمی، باب اولیاء اللہ کے درجات، صفحہ نمبر 94 تا 97

Marfat.com

موضوع 7/84

جنّت THE PARADISE

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ (THE COW)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪

وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۳۵

ترجمہ: اور ہم نے کہا اے آدم رہو تم اور تمہاری بیوی جنّت میں، اور تم دونوں اس میں سے کھاؤ جہاں سے تم چاہو اطمینان سے، اور نہ قریب جانا اس درخت کے (ورنہ) تم ہو جاؤ گے ظالموں میں سے۔

And We said : "O Adam! Dwell you and your wife in the Paradise and eat both of you freely with pleasure and delight of things therein as wherever you will, but come not near this tree or you both will be of the Zalimun (wrong-doers)"

قرآن پاک کے بیان کردہ قانون کی روشنی میں اصل اِنسان حواس SENSES کا پابند کبھی نہیں ہوتا۔ حواس ہمیشہ اِنسان کے پابند رہے ہیں۔ آیئے یہ تلاش کریں کہ اِنسان کو حواس، سوچنا، سمجھنا، متاثر ہونا، غم زدہ یا خوش ہونا، زندہ رہنے کی کوشش کرنا یا موت سے ہم آغوش ہو جانا کہاں سے ملے ہیں؟ اور اس کی حیثیت کیا ہے؟ اللہ کریم فرماتے ہیں:

وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ
وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا
هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۳۵

اے آدم! تو اور تیری بیوی جنّت میں رہو اور جہاں سے تمہارا دل چاہے خوش ہو کر کھاؤ پیو (تمھارے اوپر زمانیت اور مکانیت کی کوئی پابندی نہیں) لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم اپنے اوپر قید و بند کا عذاب مسلّط کر لو گے۔

(سورۃ بقرۃ، پارہ 1، آیت 35)

درخت:

درخت معنوی نقطہ نظر سے ایک ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جس میں شاخ در شاخ پتے اور پھل پھول کی موجودگی پائی جاتی

Marfat.com

ہو۔ قرآن کریم کے فرمان کامفہوم یہ ہے:

اے آدم! زمان و مکان کی پابندی قبول نہ کرنا ورنہ تو اس میں اس طرح جکڑا جائے گا جس طرح اس درخت میں شاخ میں سے شاخ اور پھر شاخ میں سے شاخ اور ہر شاخ میں بے شمار پتے پیدا ہو رہے ہیں اور جب تو خوشی کے بدلے قید کی زندگی قبول کرلے گا تو اپنے اوپر ظلم کرے گا۔

جب شیطان کے بہکانے سے آدم علیہ السلام نے قید و بند کی زندگی کو اپنایا تو جنّت نے آدم علیہ السلام اور حوا علیہ السلام کو EXPELL کر دیا۔ چونکہ اِنسان جنّت کے حواس کھو بیٹھا تھا جو اس کے اپنے اصلی حواس ہیں اس لئے اِنسان کو زمین پر پھینک دیا گیا جہاں وہ پابندی اور صعوبت کے حواس میں گرفتار ہے۔ زمین کے اوپر کام کرنے والے حواس FICTION یا مفروضہ ہیں۔ یہ بات مبنی بر حقیقت اس لئے ہے کہ یہ اِنسان کے اصل حواس نہیں بلکہ نافرمانی کے بعد مُسلّط شدہ TEMPORARY یا عارضی حواس ہیں۔ اِنسان کے اصل حواس وہ ہیں جہاں اس پر زمان اور مکان کی حد بندیاں عائد نہیں ہوتیں۔ اگر اِنسان ان عارضی اور فکشن حواس کے تسلّط سے نجات پا جائے تو پھر وہ اپنے اصل اور آزاد حواس کو حاصل کر سکتا ہے۔ اصل حواس میں غم، پریشانی، جذباتی کشمکش، اعصابی کشاکش اور دل و دماغ کا کرب نہیں ہے۔

نوعِ اِنسانی کی تاریخ میں ایک بھی مثال پیش نہیں کی جا سکتی کہ اِنسان بیداری اور سونے کی حالتوں میں کسی ایک حالت پر قُدرت رکھتا ہو۔ اِنسان جس طرح سونے پر مجبور ہے بالکل اسی طرح بیداری بھی اس کی طبعیت کا ایسا تقاضہ ہے جس کو کسی صورت میں رَد نہیں کر سکتا۔ بیداری کے اعمال و واقعات میں اِنسان کا دماغ جس طرح توہمات، خیالات، تصورات، احساسات اور عمل کرنے کی تحریکات کا آماجگاہ بنا رہتا ہے، بالکل اسی طرح خواب میں اِنسانی دماغ ایک لمحہ چین سے نہیں بیٹھتا۔ خواب کے اندر کیے ہوئے اعمال اگر حافظہ کی گہرائی میں نقش نہ ہوں تو وہ اسی طرح بھول کے خانے میں جا پڑتے ہیں جس طرح بیداری میں کیے ہوئے اعمال فراموش ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی تمثیل نہیں ہے۔ عام تجربات اور مشاہدات ہیں جس سے ہر شخص کو واسطہ پڑتا ہے۔ اِنسان خواب اور بیداری کے حواس کا مجموعہ ہے۔ اگر اِنسان کے اندر خواب کے حواس نہ ہوتے تو اِنسان کبھی بھی مستقبل میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا، جنّت جہاں ماضی ہے وہاں مستقبل بھی ہے جو اِنسان کا اصل مقام اور وطن ہے۔ اگر بیداری کے حواس کو خواب کے حواس پر غلبہ حاصل ہو جاتا تو اِنسان غیب کی دنیا میں اپنے لئے کوئی مقام منتخب نہیں کر سکتا تھا۔

شجرِ ممنوعہ کی رُوحانی تفسیر:

قُرآن پاک میں اس درخت کا کوئی نام نہیں لیا گیا ہے۔ صرف شجر کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ رُوحانی نقطہ نظر سے جب لاشعوری واردات و کیفیات میں اس درخت کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو دراصل یہ طرزِ فکر کا سمبل ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے ہمیں آدم علیہ السلام کی ان دونوں حالتوں کا تجزیہ کرنا پڑے گا جو جنّت اور زمین پر ہیں۔ اس لئے کہ وہ درخت ہی ہے جس نے آدم علیہ السلام کو ایک حالت سے دوسری کیفیّت میں داخل کر دیا۔ مذکورہ آیت میں حَيْثُ شِئْتُمَا کے الفاظ قابلِ توجہ ہیں۔

Marfat.com

حَیۡثُ شِئۡتُمَا جس جگہ چاہو (حیث بہ معنی اسپیس) ان دو لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسپیس کو آدم علیہ السلام کا محکوم کر دیا گیا۔ حیث یا اسپیس کائنات کی ہر چیز پر محیط ہے چنانچہ جنّت میں آدم علیہ السلام کی یہ حیثیت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنّت کے لامحدود رقبے پر تصرف عطا کر دیا تھا یعنی آدم علیہ السلام کے لئے جنّت کا وسیع و عریض رقبہ، ٹائم اور اسپیس سے آزاد تھا لیکن پھر۔۔۔۔۔۔

"شیطان نے ان کو گمراہ کر دیا اور جس آرام میں وہ تھے اس سے محروم کر دیا"۔ (القرآن)

لیکن جب یہی آدم اسفل میں پہنچتا ہے تو اس کی پوزیشن بالکل متضاد ہو جاتی ہے۔ اس طرح کہ اسپیس اس پر حاوی ہے۔ قدم قدم پر اس کو وسائل کی پابندیاں گھیرے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ اِنسان وسائل کے ہاتھ کٹھ پتلی بن کر رہ گیا ہے۔ جنّت میں یہ ہو رہا ہے کہ جو کچھ جنّت میں موجود ہے وہ دروبست آدمی کے ارادے کے تابع ہے۔ آدمی کا دل چاہا کہ وہ سیب کھائے لیکن سیب کا کاشت کرنا اور توڑنا زیر بحث نہیں آتا۔ سیب کھانے کو دل چاہا اور سیب موجود ہو گیا۔ پانی پینے کو دل چاہا پانی موجود ہو گیا۔ اس طرز فکر میں تصرف کی دو طرزیں سامنے آتی ہیں۔

تصرّف کی ایک طرز یہ ہے کہ ایک بندہ سیب کا درخت لگاتا ہے اس کی نشوونما کا انتظار کرتا ہے۔ طویل عرصے کے بعد سیب کا درخت اس قابل ہوتا ہے کہ اس پر پھل لگے۔ اس کے اندر سیب کھانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے وہ درخت کی طرف چلتا ہے اور درخت پر سے سیب توڑ کر کھالیتا ہے۔

تصرّف کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سیب، درخت پر لگے ہوئے ہیں۔ اس درخت کو نہ کسی بندے نے زمین پر بویا ہے نہ اسکی نگہداشت کی ہے اور نہ اس درخت کو پروان چڑھانے میں کوئی خدمت انجام دی ہے اور نہ اسے درخت پر سے سیب توڑنے کی زحمت کرنا پڑی۔ دل چاہا کہ سیب کھاؤں اور سیب موجود ہو گیا۔

اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک اِنسانی صلاحیتیں زمان و مکاں کی حد بندیوں سے آزاد ہو کر کام کرتی ہیں۔ وہ سب جنّت کی زندگی ہے اور جب اِنسانی صلاحیتیں اسپیس میں بند یا قید ہو کر کام کرتی ہیں تو یہ ساری زندگی اسفل کی زندگی ہے۔ ہر اِنسان کے اندر جنّت اور اسفل کی زندگی ہر لمحہ متحرّک رہتی ہے۔ کبھی جنّت کی زندگی یعنی اسپیس (مکان) سے آزاد زندگی کا غلبہ ہو جاتا ہے اور کبھی اسفل زندگی یعنی مکانیت میں قید زندگی حواس پر غالب آ جاتی ہے۔ رُوحانی اِنسان اسفل زندگی کے غلبہ کو ختم کر کے، اعلیٰ اور جنّت کی زندگی کے حواس کو غالب کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ اس جدوجہد میں پہلا سبق یا پہلی کلاس کو مراقبہ MEDITATION کا نام دیا جاتا ہے۔

آدم علیہ السلام، جنّت اور ابلیس:

آدم علیہ السلام علوم الٰہیہ سے آراستہ ہو کر جنّت میں براجمان ہو چکے تو شیطان نے ان کو بہکا دیا اور اس شاندار حالت میں جس میں وہ رہ رہے تھے نکلوا دیا۔ شیطان کے بہکاوے میں آ کر آدم علیہ السلام سے غلطی سرزد ہو گئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں جنّت سے نکل جانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تم یہاں سے نیچے اتر جاؤ اور زمین پر بسیرا کرو۔ جہاں تمہیں ایک مدت تک رہنا ہو گا۔

Marfat.com

آدم علیہ السلام کا جنّت سے خروج EXPELTION:

اس پر آدم علیہ السلام نے زمین پر زندگی کی دشواریوں، سختیوں اور تکلیفوں کا اندازہ ہونے کے باعث اللہ کے حضور اپنی نافرمانی اور بہکاوے میں آنے کی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ استغفار کی اور عرض کی:

رَبَّنَا ظَلَمۡنَآ اَنۡفُسَنَا ۜ وَ اِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۲۳﴾

اے ہمارے رب بیشک ہم اپنے اوپر ظلم کر بیٹھے ہیں اور اگر آپ نے ہماری غلطی کو معاف نہیں کیا اور ہم کو اپنی رحمت و عفو سے ڈھانپ نہ لیا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو کر رہ جائیں گے۔ (سورۃ اعراف، پارہ 8، آیت 23)

روشنیوں کی ایک معین مقدار ہے جو ملوکیت اور بشریت کا توازن بر قرار رکھتی ہے۔ روشنیوں کے توازن میں اگر مقدار کم ہو جائے تو حیوانی اور مادی تقاضے بڑھ جاتے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ صفت ملوکیت عالم امر میں صعود کرتی ہے۔ یعنی انسان کے اندر بشری صفت کے متضاد ملوکیت ایسی صفت ہے جو انسان کو حاکم مطلق اللہ کی طرف کھینچتی ہے اور اللہ کی طرف کھنچ جانا ہی عالم امر کی طرف صعود ہے۔

اس کے برعکس انسان کے اندر جب بشری تقاضے بڑھ جاتے ہیں اور مکانیت میں استغراق بڑھ جاتا ہے تو صفت ملوکیت کی جگہ مادی تقاضے یا دنیا میں دلچسپیاں اتنی زیادہ ہو جاتی ہیں کہ انسان عالم ناسوت میں قید ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ خوش ہو کر کھاؤ پیو اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تمہارا شمار ظالموں میں ہو گا۔ جیسے ہی ذہن ماوراء ہستی سے دور ہوا روشنیوں کا توازن بگڑ گیا اور آدم علیہ السلام کے اوپر بشریت کا اظہار ہوا۔ آدم علیہ السلام نے خود کو ننگا محسوس کیا اور آدم علیہ السلام نے اپنے اوپر کثافتوں کا ہجوم محسوس کیا کثافتوں کے ہجوم کی وجہ سے آدم نے خود کو جنت میں رہنے کے قابل نہیں سمجھا۔

اعترافِ گناہ:

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے اعترافِ غلطی پر ان کو اس پردے سے نکلنے کا راستہ تعلیم کر دیا، جو نافرمانی کے باعث ان کے اوپر آن پڑا تھا اور کہا کہ تم زمین پر جاؤ ہم تمہاری راہنمائی اور ہدایت کا وہاں پر ایسا بندوبست کئے دیتے ہیں کہ اگر تم نے اس پر عمل کیا تو ہم تمہیں خوف اور غم سے نجات دے دیں گے اور تم دوبارہ جنّت حاصل کر سکو گے۔ اور یہ بھی فرمادیا اور وہ جو ہماری نشانیوں کو جھٹلائیں گے اور ان کی تکفیر کریں گے وہ مزید غلطی کے باعث آگ کے ہم نشین ہو جائیں گے۔

زمین کی مادی زندگی:

اس کے بعد آدم علیہ السلام اپنی بیوی حضرت حوا علیہ السلام کے ہمراہ جنّت کی پرسکون اور پُر آسائش زندگی کو چھوڑ کر دنیا میں آ گئے۔ دنیا میں رہن سہن اور بود و باش کا ایک نظام قائم ہو گیا۔ جنّت میں اِنسان نہ صرف مادے، ٹائم اور اسپیس سے آزاد تھا بلکہ ان

Marfat.com

پر حکمران تھا لیکن دنیا کی زندگی میں وہ ٹائم اور اسپیس میں CAPTURED ہو کر راہ زندگی گزارنے کا پابند ہے۔ یہاں RESOURCES یا وسائل کا محتاج ہے وہاں وسائل اس کے چشم و آبرو کے اشارے کے منتظر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو جن علوم سے نوازا تھا ان کے باعث وہ ٹائم اور اسپیس پر حاوی تھا۔ مادے اور وسائل پہ اس کی حکمرانی تھی لیکن شیطان کے بہکاوے میں آکر کی گئی نافرمانی کے باعث اس زمین پہ آن گرا اس پردے کو اٹھانے اور ان رُوحانی علوم سے جو آدم کو عطا ہوئے تھے۔ دوبارہ استفادہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اِنسان کی تربیت، راہنمائی اور ہدایت کے لئے یہ بندوبست فرمایا کہ اپنے مخصوص بندوں کو ان علوم سے نواز کر انہیں دنیا میں بھیجنا شروع کر دیا تاکہ دوسرے اِنسانوں کی اس طرح تربیّت کریں کہ وہ بھی ان علوم سے آراستہ ہو کر اس پردے کو اٹھالیں جو دنیا اور جنّت کی زندگی کے درمیان پڑا ہوا ہے۔

جنّت کی اقسام / نام:

1	جنّت النعیم (جنّت کے باغ)	سورہ المائدہ آیت 65
2	جنّت عدن (سدا رہنے کا باغ)	سورہ التوبہ آیت 72
3	جنّت الفردوس (ٹھنڈے چھاؤں کا باغ)	سورہ کہف آیت 107
4	جنّت الخلد (ہمیشہ رہنے کا باغ)	سورہ الفرقان آیت 15
5	جنّت الماویٰ (آرام سے رہنے کی جگہ)	سورہ السجدہ آیت 19
6	روضات الجنّات (جنتوں کے باغات)	سورہ الشوریٰ آیت 22
7	جنّت عالیہ (اونچے باغ)	سورہ الحاقہ آیت 22

حوالہ جات:

1۔ کتاب "خواب اور تعبیر" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب اِنسان خواب اور بیداری کے حواس کا مجموعہ، صفحہ نمبر 40 تا 42

2۔ کتاب "رُوحانی ڈاک 1" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع شجر ممنوعہ کی رُوحانی تفسیر، صفحہ نمبر 257 تا 259

3۔ کتاب "خلیفۃ الارض" از نعمان ریاض عظیمی، باب جنت کی اقسام، صفحہ نمبر 61

4۔ کتاب "شرح لوح وقلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب ملکوتی صفت اور بشری صفت، صفحہ نمبر 177 تا 178

Marfat.com

موضوع 8/84

نماز اور زکوٰۃ کا پروگرام

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ (THE COW)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿٤٣﴾

ترجمہ: اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کے آگے جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔

Establish worship, pay the poor-due, and bow your heads with those who bow (in worship).

صلوٰۃ / نماز:

نماز اس مخصوص عبادت کا نام ہے جس میں بندے کا اپنے خالق کے ساتھ براہِ راست ایک ربط اور تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ نماز ارکانِ اسلام میں وہ رکن ہے جسے کوئی باہوش و حواس مسلمان کسی حالت میں نہیں چھوڑ سکتا۔ قرآن پاک میں تقریباً سو جگہ نماز کے قیام کی تاکید کی گئی ہے جس سے اس اہم اسلامی رکن کی فضیلت، عظمت و جلالت اور اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

عبادات میں نماز کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ بندے کو ایک ایسی روحانی کیفیت سے آشنا کرتی ہے جس سے بندہ اپنی اور اپنے ماحول میں موجود ہر چیز کی نفی کر کے اللہ تعالیٰ کی حضوری حاصل کرتا ہے۔ نماز انسان کے باطنی حواس کے لئے ایک پاسبان کی حیثیت رکھتی ہے اور لوگوں میں اجتماعی نظم و ضبط کی تشکیل کرتی ہے۔ نماز کے اخلاقی، تمدنی، معاشرتی، جسمانی و روحانی بے شمار فوائد ہیں۔ اجتماعی نماز کی پابندی باہمی تعلقات میں استحکام پیدا کرتی ہے۔ صلوٰۃ (نماز) عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی دعا، تسبیح، استغفار، رحمت، تعریف اور طلب رحمت کے ہیں۔ نماز کے معنی تعظیم کے بھی ہیں۔ یعنی صلوٰۃ اس عبادت کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور تعظیم بیان کرنا مقصود ہے۔ نماز کو ٹھیک طریقہ پر ادا کرنا اولین رکن دین ہے۔ قبولیت نماز سے دین و دنیا کی ساری سربلندیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔

ہر حرکت زمین کی سطح پر قائم ہے۔ نزول ایسی حرکت ہے جو نقطہ ذات سے نیچے کی طرف سفر کرتی ہے۔ صعود ایسی حرکت ہے جو نقطہ ذات تک صعود کرتی ہے۔ اور نزول و صعود کی دونوں حرکتیں قدرت کے اشاروں پر عمل کرتی ہیں۔ کائنات کا ہر فرد ان کا پابند ہے۔ صعود کی حالت ذات سے قریب کرتی ہے اور نزول کی حالت ذات سے دور کرتی ہے۔ صعودی حالت وجدان اور نزولی حالت

Marfat.com

عقل ہے۔ یہ وہ پروگرام ہے جو بلا کسی تعطل کے تواتر کے ساتھ جاری ہے۔ کائنات کا ایک ممتاز فرد انسان اس بات کا پابند ہے کہ وہ نزول و صعود کے قانون کو سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق اسے اپنے اندر متحرک کرے۔

اس پروگرام کی بنیاد نماز اور زکوٰۃ ہے۔ نماز اور زکوٰۃ دونوں روح اور جسم کا وظیفہ ہیں۔ صلوٰۃ روح کا وظیفہ ہے اور زکوٰۃ جسم کا وظیفہ ہے۔ نماز مجموعی طور پر ایک ایسا عمل ہے کہ جس عمل میں تمام انسانی حرکات و سکنات کو سمو دیا گیا ہے۔ مثلاً کھڑے ہونا، ہاتھ اوپر اٹھانا، بولنا، پڑھنا، سننا، دیکھنا، ہاتھ باندھنا، جھک کر دوبارہ کھڑے ہونا، کھڑے ہونے کے بعد لیٹنا (سجدے کی حالت)، لیٹنے کے بعد بیٹھنا، بیٹھنے کے بعد پھر لیٹنا پھر کھڑے ہونا، اِدھر اُدھر دیکھنا۔

نماز کے ارکان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز زندگی کے ہر عمل اور زندگی کی ہر حرکت کا احاطہ کرتی ہے اور یہ ساری حرکات و سکنات بندہ اللہ کے لئے کرتا ہے۔

نماز ایک ایسا پروگرام ہے جس پروگرام کی کامیابی کے نتیجے میں انسان کا ذہن اور ذہن کی ہر حرکت اور ہر عمل اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ نماز قائم کرکے بندہ یہ دیکھ لیتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے یا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔

یہ تربیتی پروگرام دس بارہ سال سے شروع ہوتا ہے اور اٹھارہ بیس سال تک اس کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ انسان جب پندرہ بیس سال تک وظیفہ اعضاء کی حرکت کے ساتھ ذہنی طور پر اس بات کی مشق کرتا ہے کہ اس کے ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستگی قائم ہو تو وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی طرف متوجہ رہ کر سارے کام انجام دینا اس کا معمول بن جاتا ہے۔ جب بندہ نماز قائم کرتا ہے تو وہ ربودگی اور بیداری دونوں کیفیات سے یکساں طور پر روشناس ہو جاتا ہے۔ ربودگی اور بیداری یا صعود و نزول وجدان اور عقل کے ساتھ اللہ کے ساتھ وابستگی زندگی کی تکمیل ہے۔ زندگی کی تکمیل میں نماز اہم کردار ادا کرتی ہے۔

زکوٰۃ:

دوسرا پروگرام زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ ایک ایسا عمل ہے جس کا منشاء مخلصانہ اور بے لوث خدمتِ خلق ہے۔ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی اپنی عادت ہے۔ جب بندہ، مخلصانہ قدروں میں اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے وہ کام شروع کر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کرتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی خدمت کرتے ہیں۔

جمع:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذہنی وابستگی اور بے لوث خدمت کو تصوف میں "جمع" کہتے ہیں۔ یعنی انسان خدمت خلق کے جذبہ سے سے سرشار ہر وقت اللہ کی مخلوق اور اللہ کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی رکھتا ہے۔ جب تک کوئی بندہ جمع کی کیفیت میں داخل نہیں ہوتا اس کے اوپر عرفان کا رستہ نہیں کھلتا۔ عرفان حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کی عادت میں یہ بات داخل ہو جائے کہ وہ اللہ کی مخلوق کی مخلصانہ خدمت کرے اور ہمہ وقت اس کا تعلق اللہ کے ساتھ قائم رہے۔

Marfat.com

سیدنا حضور ﷺ نے اپنی امت کو صلوٰۃ کا پروگرام عطا کیا ہے۔ جس طرح کوئی انسان مراقبے کے ذریعے اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اپنے اندر مخفی علوم کو تلاش کرے اسی طرح نماز بھی ایک مکمل پروگرام ہے۔ اس پروگرام کو صحیح طور پر ادا کر لینے کے بعد انسان از خود ایسی کیفیت میں داخل ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کو دیکھ لیتا ہے اور جب کوئی انسان زکوٰۃ کا پروگرام (اللہ کی مخلوق کی خدمت) پورا کر لیتا ہے تو کائنات کا ایک یونٹ بن جاتا ہے۔ اللہ کی عادت جب اس کے اندر داخل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پسند کر کے اس کے اوپر عرفان کے دروازے کھول دیتے ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "روحانی نماز" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب نماز مومن کی معراج

2۔ کتاب "شرح لوح و قلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب نماز اور زکوٰۃ کا پروگرام، صفحہ نمبر 207 تا 209

Marfat.com

موضوع 9/84

انتقال کے بعد۔۔۔؟

AFTER THE TRANSFER.........?

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ (THE COW)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

ثُمَّ بَعَثۡنٰكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: پھر موت آجانے کے بعد ہم نے تم کو از سرِ نو زندہ کر دیا تاکہ احسان مانو۔

Then We revived you after your extinction, that ye might give thanks.

"اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرا دل دھڑکنا بند ہو گیا ہے اور میں اپنے جسم سے پھسل کر باہر نکل رہی ہوں... پہلے میں فرش پر پہنچی، پھر آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگی، یہاں تک کہ میں ایک کاغذ کے پرزے کی طرح اڑتی ہوئی چھت سے جا لگی... وہاں سے میں صاف دیکھ رہی تھی کہ میرا جسم نیچے بستر پر پڑا ہوا ہے اور ڈاکٹر اور نرسیں اس پر اپنی آخری تدبیریں آزما رہے ہیں... ایک نرس نے کہا "اوہ خدایا! یہ تو گئی"... اور دوسری نرس نے میرے جسم کے منہ سے منہ لگا کر اسے سانس دلانے کی کوشش کی، مجھے اس نرس کی گدی پیچھے سے نظر آ رہی تھی اور اس کے بال مجھے اب تک یاد ہیں... پھر وہ ایک مشین لائے جس نے میرے سینے کو جھٹکے دیئے اور میں اپنے جسم کو اچھلتا دیکھتی رہی..."

یہ الفاظ ہیں ایک خاتون کے جو دل کے دورے کی وجہ سے ہسپتال میں داخل تھیں۔ موت کے قریب وہ جن لمحات و کیفیات سے گزریں ان کیفیات کو اپنے تئیں بیان کرنے کی کوشش کی۔

برطانیہ، امریکا اور آسٹریلیا کے 15 ہسپتالوں کے 2060 مریضوں کو ایک ریسرچ کا حصہ بنایا گیا تھا۔ سائنسدانوں کو ایسے شواہد ملے، جہاں مریضوں نے طبی موت کے تین منٹ بعد تک حقیقی زندگی کے تجربوں کو شیئر کیا انہوں نے موت کے بعد اس موقع پر ہونے والے واقعات کو بالکل درست انداز میں بیان کیا۔

رضاکاروں میں ایک شخص نے اپنا تجربہ بیان کیا۔ اسے دل کے دورے کے دوران ڈاکٹر اور نرس دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مریض کا کہنا تھا کہ وہ کمرے کے کنارے سے اپنے آپ کو زندہ کرنے کی کوشش کا مشاہدہ کر رہا تھا۔

اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک SUNY کے اسٹنٹ پروفیسر DR. SAM PARNIA کا کہنا تھا کہ ہم جانتے ہیں کہ دل کے رک جانے کے بعد دماغ کام نہیں کر سکتا، لیکن اس معاملے میں شعور موت کے تین منٹ کے بعد تک برقرار رہا۔ انہوں نے بتایا کہ اس شخص نے اس کمرے میں ہونے والی تمام سرگرمیاں بیان کیں جس میں اہم ترین بات مشینوں کی دو بیپ کی آوازوں کے حوالوں سے بتائیں جن سے ہمیں اندازہ ہوا کہ موت سے لیکر واپس زندہ کیے جانے کا وقت تین منٹ تھا۔ پارنیا کے مطابق ان کی معلومات بظاہر کافی

Marfat.com

قابل اعتماد ہیں اور جو کچھ انہوں نے بیان کیا وہ واقعی اس کمرے میں ہوا تھا۔

ایک برطانوی ٹیم نے چار سال تک کے دل کے امراض کے مریضوں کا مطالعہ کیا اس دوران حاصل کردہ نتائج کا گہرائی سے تجزیہ کیا گیا۔ ان کی حاصل کردہ تجزیاتی رپورٹ کے مطابق تقریباً چالیس سے زائد مریضوں کا کہنا تھا کہ جب انہیں مردہ قرار دے دیا گیا تھا اس وقت بھی ان میں کسی نہ کسی طرح کا شعور تھا۔

ماہرین کہتے ہیں کہ دل کی حرکت رک جانے کے بعد دماغ بیس سے تیس سیکنڈ کے اندر ہی کام کرنا بند کر دیتا ہے اور اس میں کسی بھی قسم کا شعور ہونے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ تاہم اس نئے مطالعے کے دوران ایسے شواہد سامنے آئے جہاں دل کے مریضوں نے تین منٹ تک حقیقی زندگی کے تجربات بیان کئے۔ ان ہی میں سے ایک ابتداء میں بیان کیا گیا ہے۔

شعُور کیا ہے؟

بات آگے بڑھانے سے پہلے اگر ہم یہ بھی سمجھ لیں کہ شعور کی تعریف دراصل سائنسی بنیادوں پر ہے کیا؟ اب تک شعور پر کی جانے والی تحقیقات کے مطابق اپنے آپ سے باخبر ہونے کو یعنی ہوش و حواس میں ہونے کو شعور میں ہونا کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں اسے CONSCIOUSNESS کہتے ہیں۔ جبکہ طب و نفسیات میں اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ "شعور دراصل عقل کی وہ کیفیت ہے جس میں حس، خود آگاہی، دانائی پائی جاتی ہو اور ذاتی اور ماحولی حالتوں میں ایک ربط قائم ہو۔"

یہاں شعور کا بیان اس لئے ضروری تھا تاکہ ہم یہ واضح کر سکیں کہ شائع ہونے والے تحقیقی مقالے کی بنیاد اسی بات پر ہے کہ انسان کا باطن یعنی اس کی روح دراصل اس کا شعور ہے۔

کیا رُوح شعُور ہے؟

اب تک سامنے آنے والی تمام مطالعاتی تحقیقات میں مختلف مقامات پر مختلف افراد نے جو کیفیات بیان کی ان میں سے چند بطور خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

1۔ تاریک سرنگ

2۔ جسم سے علیحدگی

3۔ مرے ہوئے رشتہ داروں اور دوستوں کو دیکھنا

4۔ ایک نورانی وجود

5۔ اپنی زندگی کے گزرے ہوئے واقعات کا نظارہ

تاریک سرنگ سے گزرنے کے تجربے کو کسی نے یوں تعبیر کیا ہے کہ میں ایک تاریک خلا میں تیر رہا تھا، کسی نے کہا کہ یہ ایک گھٹاٹوپ اندھیرا تھا اور کسی نے اسے اندھیرے غار کا نام دیا ہے۔ میں اس میں نیچے بیٹھے جا رہا تھا کسی نے اسے ایک کنوئیں سے تعبیر کیا ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ وہ ایک تاریک وادی تھی، کوئی کہتا ہے کہ میں اندھیرے میں اوپر اٹھتا چلا گیا۔ مگر یہ بات سب نے کہی ہے کہ

Marfat.com

ہمارے الفاظ اس کیفیت کو بیان کرنے کے لیے ناکافی ہیں، جس مشاہدے کو تمام افراد نے بڑی حیرت کے ساتھ بیان کیا ہے وہ یہ تھا کہ وہ اپنے جسم سے الگ ہو گئے۔

جسم سے باہر آنے کی اس حالت کو بعض افراد نے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ ہم ایسے نئے وجود میں آ گئے تھے جو جسم نہیں تھا، اور بعض نے کہا کہ وہ بھی ایک دوسری قسم کا جسم تھا جو دوسروں کو دیکھ سکتا تھا مگر دوسرے اسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس حالت میں بعض افراد نے نظر آنے والے ڈاکٹروں اور نرسوں سے بات کرنے کی بھی کوشش کی مگر وہ لوگ ان کی آواز نہ سن سکے اور ہم اس بے وزنی کے عالم میں تیرتے رہے بلکہ اگر ہم نے کسی چیز کو چھونے کی کوشش کی تو ہمارا وجود اس شے کے آر پار ہو گیا۔ بہت سوں نے یہ بھی بتایا کہ اس حالت میں وقت ساکت ہو گیا تھا اور ہم یہ محسوس کر رہے تھے کہ ہم وقت کی قید سے آزاد ہو چکے ہیں۔

بعض ڈاکٹروں نے مریضوں کے ان بیانات اور تجربات پر یہ خیال ظاہر کیا کہ بعض منشیات اور دواؤں کے استعمال سے بھی اس قسم کی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں جن میں انسان اپنے آپ کو ماحول سے الگ محسوس کرتا ہے۔ بعض اوقات اس کا دماغ جھوٹے تصورات کو مرئی شکل دے دیتا ہے۔ ایسے میں اسے بعض پر فریب نظارے HALLUCINATIONS نظر آنے لگتے ہیں، ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان افراد کو اسی قسم کی کسی کیفیت سے سابقہ پیش آیا ہو لیکن DR. RAYMOND MOODY نے کئی لوگوں کے بیرونِ جسم تجربات پر مبنی اپنی مشاہداتی رپورٹ میں تجزیات پیش کئے۔

انہوں نے دونوں قسم کی کیفیات یعنی منشیات یا دواؤں کے زیرِ اثر پر فریب نظاروں اور روح کی جسم سے علیحدگی کا الگ الگ تجزیہ کیا ان تجربات کے بعد ڈاکٹر ریمنڈ موڈی نے یہی رائے ظاہر کی ہے کہ جن لوگوں سے انہوں نے انٹرویو کیا ان کے مشاہدات ان پر فریب نظاروں سے مختلف تھے۔ ڈاکٹر میلون مورس MELVIN MORSE نے اس احتمال پر زیادہ سائنٹیفک انداز میں تحقیق کرنے کے بعد اپنا حتمی نتیجہ یہ بتایا ہے کہ یہ مشاہدات HALLUCINATION یا فریب قطعی طور پر نہیں تھے۔ اس کا مطلب یہ کہ موت کے تجربے سے گزرنے والوں کو کسی نہ کسی طرح کا شعور حاصل تھا۔ انہوں نے اس احتمال کہ شاید تجربات بیان کرنے والے لوگوں کے مذہبی تصورات ان کے ذہن پر اس طرح مسلط تھے کہ بے ہوشی یا خواب کے عالم میں وہی تصورات ایک مخصوص واقعے کی شکل میں ان کے سامنے آ گئے، ڈاکٹر ریمنڈ مودی کا کہنا تھا کہ اس سوال کی تحقیق کے سلسلے میں جن لوگوں سے ان کی ملاقات ہوئی ان میں سے بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو مذہب کے قائل نہ تھے، یا اس سے اتنے بیگانہ تھے کہ ان پر مذہبی تصورات کی کوئی ایسی چھاپ غالب نہیں آ سکتی تھی۔

تحقیقاتی دنیا کو یہ سوال پریشان کرتا رہا ہے کہ اگر یہ تمام واقعات حقیقت سے قریب تر ہیں اور ہیلوسنیشن یا فریب نہیں ہیں تو پھر یہ مشاہدات کیا ہیں؟.... وہ کونسا جسم ہے جو اس لمحے الگ ہوا اور وہ زندہ جسم میں کہاں ہوتا ہے؟

اس سوال کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے KENTUCKY UNIVERSITY (Lexington USA) کے طبی عملے نے قریب الموت افراد کے دماغ میں آلات کی مدد سے برقی فعالیت کی موجیں ریکارڈ کیں اور اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ موت کے

Marfat.com

وقت دماغی نیورونز جب OXYGEN کی کمی کا شکار ہوتے ہیں تو ان میں برقی تحریک نمودار ہوتی ہے۔ یہ برقی تحریک ہی ان افراد کے دماغ میں تجربات بیرون جسم OBE جیسے تجربات کی بنیاد بنتی ہے۔ سائنسدانوں نے اس کی تحقیق کے دوران یہ نظریہ پیش کیا کہ سونے کے دوران جب ریم (RAM) سلیپ کا مرحلہ آتا ہے۔ جس میں عموماً خواب نظر آیا کرتے ہیں، درحقیقت یہ ریم سلیپ یا RAPID EYE MOVEMENT کے دوران متحرک ہونے والے دماغ کے وہ نیورانز ہی ہیں جو کہ تجربات قریب الموت NDE کا سبب بنتے ہیں اور دماغی موت کی حالت میں بھی ان تجربات کے واقع ہونے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ چونکہ اس عمل میں حصہ لینے والا دماغ کا حصہ ، نچلی جانب برین سٹیم ہوتا ہے جو کہ بالائی یا اعلیٰ دماغ کی موت کے باوجود بھی اپنا کام جاری رکھ سکتا ہے۔

بہرحال مختلف تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں مختلف نظریات سامنے آتے رہے مگر عرصہ دراز سے ان سوالات کا تسلی بخش جواب تلاش کرتی ہوئی تحقیق میں انقلاب اس وقت برپا ہوا جب کوانٹم فزکس متعارف ہوئی۔

سائنسی تحقیقاتی میدان میں کوانٹم فزکس کو اپنی جگہ بنانے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ اب تک جو سائنسدان ایٹم کو ہی انتہائی چھوٹا ذرہ سمجھتے آرہے تھے۔ ان کے سامنے اب ایٹم کے اندر کی اس سے بھی زیادہ انتہائی چھوٹی باریک دنیا آموجود ہوئی۔ یہاں ہم کوانٹم فزکس کا مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں۔

کوانٹم فزکس:

یہ طبیعات کی وہ شاخ ہے جو توانائی اور مادہ کا آپس میں تعلق کا مشاہدہ کرتی ہے۔ کوانٹم فزکس کے مطابق تمام کائنات کی حرکت مادی ہے اور اس میں حرکت توانائیوں کی وجہ سے ہے۔

یہ سائنس کی وہ شاخ ہے جس کے قوانین و نظریات کائنات کی ایٹمی یا جوہری ذرات جیسے بہت چھوٹی اور باریک ترین دنیا کے اسرار و رموز کو جاننے کی کوششوں میں سرگرداں ہیں۔

مزید آسان الفاظ میں کوانٹم فزکس دراصل ایٹم کے انتہائی چھوٹے چھوٹے ذرات کے مطالعہ اور تحقیقات کا علم ہے۔ اب اگر غور کریں تو ابتداء میں بیان کردہ شعور کی تعریفیں بھی ادھوری اور نامکمل محسوس ہوتی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ابھی تک شعور کی صحیح تعریف تک نہ تو فلسفہ پہنچ پایا ہے نہ ہی نفسیات اور نہ ہی طب۔ تاہم کوانٹم فزکس نے دماغ کی ان پیچیدہ گتھیاں سلجھانے میں نئے در وا کئے ہیں۔ یہ ہمیں بتاتی ہے کہ انسانی دماغ اپنی مادی حیثیت میں مختلف نیورونز سے مل کر بنا ہوا ایک مجموعہ ہے انہیں نیورونز کے فعال ہونے سے حس بنتی ہے اور عقل و شعور پیدا کرتی ہے۔

شعور اور کوانٹم کمپیوٹر:

PROFESSOR STUART HAMMEROFF امریطس یونیورسٹی آف ایریزونا میں CENTER OF CONCSIOUSNESS STUDY DAPARTMENT کے ڈائریکٹر اور انستھزیالوجی اور سائیکولوجی کے پروفیسر ہیں۔ ان کے پیش کیے جانے والے نظریئے کوانٹم تھیوری آف کونشیس نیس کے مطابق ہوش و حواس یعنی کہ شعور دماغ میں موجود کوانٹم

Marfat.com

کمپیوٹر کے لئے ایک پروگرام کی حیثیت رکھتا ہے جو کہ موت کے بعد بھی کائنات میں قائم رہ سکتا ہے۔ انھوں نے ایک دستاویزی فلم کے ذریعے وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ موت کے قریب ترین ہونے کا تجربہ اس وقت ہوتا ہے جب QUANTUM SUBSTANCE جو روح کی تشکیل کرتا ہے نروس سسٹم سے نکل کر بالآخر کائنات میں داخل ہو جاتا ہے پروفیسر STUART اور ان کے ساتھی سائنسدان ROGER PENROSE کہتے ہیں کہ ہماری روح دماغ کے خلیوں کی گہرائی میں موجود MTs یا MICROTUBULES کا اصل جوہر ہے اور ان کے مابین اختلاط سے وجود میں آتی ہیں۔

مائیکروٹوبیولز کیا ہیں؟

مائیکروٹوبیولز دماغ کے CYTOPLASM میں پائے جانے والا لحمی ریشہ TISSUE ہے جو خلیوں کے تقسیم ہونے یا دو لخت ہونے پر تکلہ نما تار بنانے میں کام آتا ہے۔ یہ انتہائی باریک لچھے دار ساخت ہوتی ہیں جو ہر خلیہ میں موجود ہوتے ہیں۔ یہ ہر خلیہ کی پہلی بنیادی تقسیم کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ خلیے کی حرکت اس کی ساخت اس کا کردار یہ تمام معلومات اور ہدایات مائیکروٹوبیولز ہی ان تک پہنچاتے ہیں۔ چونکہ ان کی اپنی ساخت ایک باریک نلی کی طرح ہوتی ہے اس لئے ان کو مائیکروٹوبیول کہا جاتا ہے۔ جبکہ ان کا کیمیائی بناوٹی مادہ ایک پروٹین ہے جو ٹوبیولن کہلاتا ہے۔ ڈاکٹر اسٹیوارٹ ہیمر آف کے مطابق الیکٹرون مائیکروسکوپ میں مشاہدے سے یہ بات سامنے آئی کہ ان مائیکروٹوبیولز میں ہمہ وقت ایک ارتعاشی عمل یا ایک مسلسل حرکت ہوتی رہتی ہے۔ اس کی رفتار کم سے کم ایک سیکنڈ میں 40 بار نوٹ کی گئی ہے۔ مائیکروٹوبیولز کی اہمیت پر بات کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ نیند کے دوران مختلف درجات پر پیدا ہونے والی برین ویوز یا الفا، بیٹا تھیٹا لہریں اور ان کی رفتار میں کمی زیادتی بھی دماغ کے انہی خلیات میں پائے جانے والے مائیکروٹوبیولز کی بدولت ہوتی ہے۔ ان کا مزید کہنا ہے کہ قدرت کا یہ اعلیٰ درجے کا اعصابی نظام اور اس کی فعالیت کا انحصار خالصتاً انہیں مائیکروٹوبیولز کی فعالیت اور ان سے جاری کردہ ہدایات پر ہے۔ مائیکروٹوبیولز کی اس سرگرمی کو جس کے تحت یہ ہدایات جاری کرتے ہیں کوانٹم انفارمیشن یا شعور کہہ سکتے ہیں۔

:ORCHESTRATED OBJECTIVE REDUCTION THEORY

ڈاکٹر ہیمر آف اور ان کے ساتھ پین روز نے سائنسی چینل پر ورم ہول ڈاکومنٹری کے ذریعے حیات کا مائیکروٹوبیولز سے گہرے تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ موت کی صورت میں جیسے ہی دل رُکتا ہے خون کا بہاؤ بھی بند ہو جاتا ہے۔ اس دوران مائیکروٹیوبیولز اپنی حالت بدل لیتے ہیں۔ اس کے لئے وہ ایک مثال ایسے مریضوں کی بھی دیتے ہیں جنہیں سرجری کے لئے انستھیزیا کے انجکشن لگا کر بے ہوش کیا جاتا ہے۔ جس کے بعد مریض کا رابطہ اپنی حسیات سے عارضی طور پر منقطع ہو جاتا ہے وہ درد یا تکلیف محسوس نہیں کر پاتا اور نہ ہی ہوش و حواس میں ہوتا ہے۔ پروفیسر ہیمر آف کا کہنا ہے کہ اس صورت میں جب انستھیزیا دینے والے چند مریضوں کے سیلز کا جائزہ لیا گیا تو ہم نے ان کے دماغی خلیوں میں پائے جانے والے مائیکروٹوبیول کی حرکت اور حالت میں واضح تبدیلی نوٹ کی۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ قریب المرگ زندگی کے تجربے سے یہ نتیجہ اخذ ہوا ہے کہ مائیکروٹیوبیولز اپنی کوانٹم حالت کو چھوڑ دیتے ہیں تاکہ یہ

Marfat.com

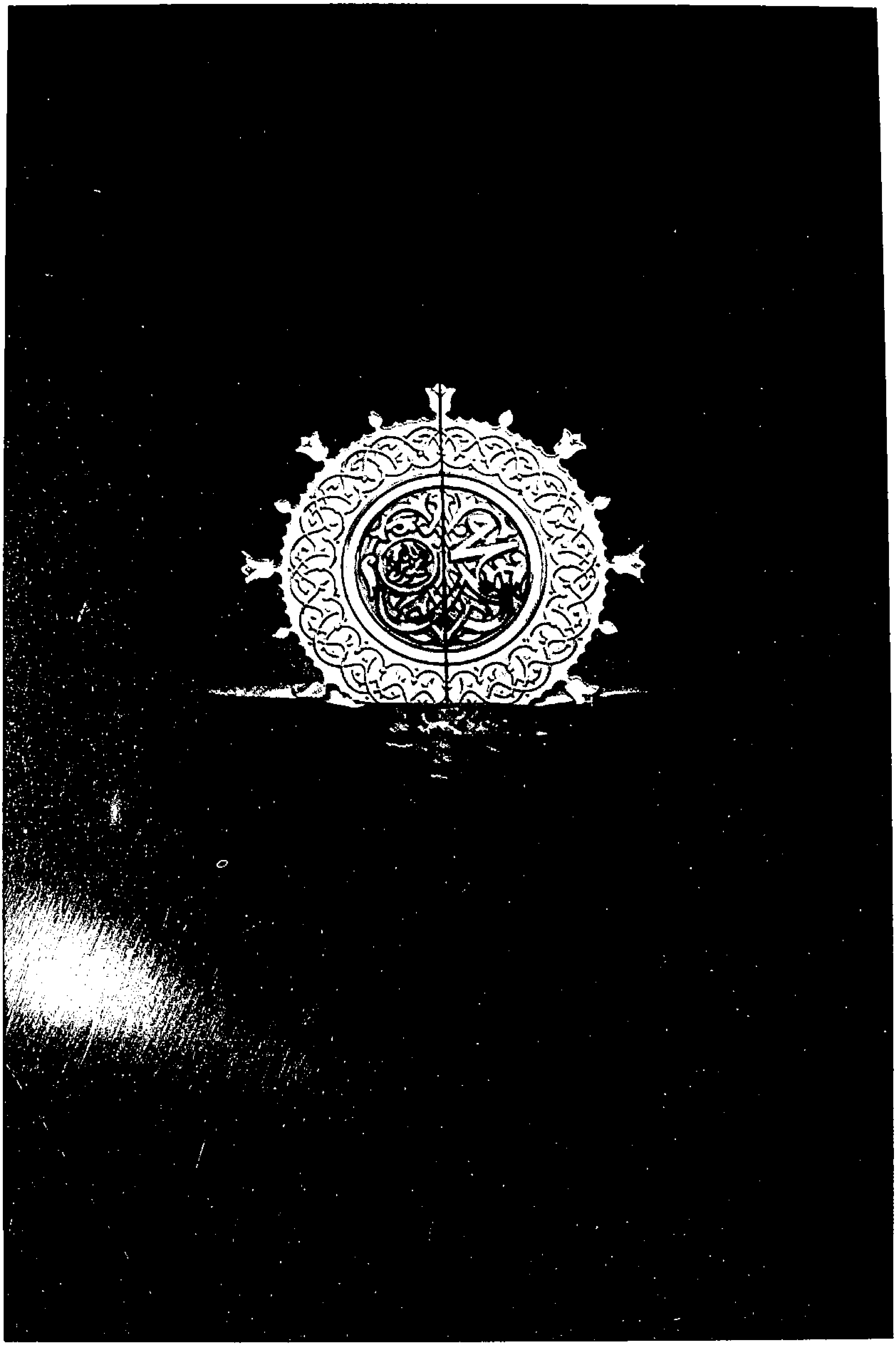

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم الله لا إله إلا هو الحي القيوم لا تأخذه سنة ولا نوم له ما في السموات وما في الأرض من ذا الذي يشفع عنده إلا بإذنه يعلم ما بين أيديهم وما خلفهم ولا يحيطون بشيء من علمه إلا بما شاء وسع كرسيه السموات والأرض ولا يؤوده حفظهما وهو العلي العظيم

ا

Marfat.com

انفار میشن جسم سے نکل کر کائنات میں واپس چلی جائے۔ اگر مریض دوبارہ ہوش میں آجاتا ہے تو یہ کوانٹم انفار میشن دوبارہ مائیکروٹیوبیولز میں واپس آجاتی ہے اور مریض کہتا ہے کہ اس نے تو موت کا منظر دیکھ لیا ہے۔ اگر یہ بحال نہیں ہوتا اور موت واقع ہو جاتی ہے تو اس انفار میشن یعنی شعور سے رابطہ مکمل طور پر منقطع ہو جاتا ہے۔ لیکن اس صورت میں یہ عین ممکن ہے کوانٹم انفار میشن جسم کے باہر شاید لامتناہی مدت تک کے لیے موجود رہے۔

ان کا مزید کہنا ہے کہ تحقیقات سے واضح ہوا ہے کہ مائیکروٹیوبیولز میں موجود یہ کوانٹم انفار میشن تباہ نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ تباہ ہو سکتی ہے۔ یہ محض تقسیم ہوتی ہے اور جسم سے رابطہ منقطع ہونے کی صورت میں ایک خاص وقت پر بالاخر کائنات میں پرواز کر جاتی ہے۔

اس تھیوری کو ORCHESTRATED OBJECTIVE REDUCTION نام دیا گیا ہے۔ اس تحقیق میں مصروف دونوں سائنسدانوں نے بیان کیا ہے کہ ہماری روحیں دماغ کے نیورونز کے باہمی اختلاط سے مزین ہیں۔ جو شاید کائنات کے وجود میں آنے کے وقت بھی موجود تھیں۔ یہ حقیقت میں کائنات کے انتہائی اعلیٰ فیبرک سے تشکیل پائی ہیں۔

ڈاکٹر ہیمر آف کے وضاحت کردہ اس اعلیٰ فیبرک کو ہم تانا بانا بھی کہہ سکتے ہیں۔

اعلیٰ فیبرک یا تانا بانا:

یہاں آپ یہ سوال بھی کر سکتے ہیں کہ اعلیٰ فیبرک کیا ہے؟ یا اس تانا بانا سے کیا مراد ہے؟۔

دوسرا سوال یہ کہ ان مائیکروٹوبیولز کو اطلاع کہاں سے ملتی ہیں؟

اگر زندگی سے تعلق رکھنے والا ہر خلیہ ان مائیکروٹوبیولز کی ہدایت پر عمل پیرا ہے تو پھر یہ مائیکروٹوبیول کس کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں؟

سائنسدان اس کا جواب ڈھونڈنے میں مصروف ہیں سائنسی تحقیقات کو فی الحال خاصا وقت اور خاصے مراحل بھی درکار ہیں۔ بہر حال اگر اس لمحہ ذرا دیر ٹھہر کر ہم اپنے اسلاف اور روشن ضمیر بزرگوں کی کتابوں اور ان کی تعلیمات پر غور فکر کریں تو اس کا جواب با آسانی پا سکیں گے۔

لوح و قلم اور نظریہ رنگ و نور میں قلندر بابا اولیاءؒ اور حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی اعلیٰ فیبرک یا تانے بانے کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں کہ پورا کائناتی ڈھانچہ اور ساراماورائی نظام لہروں کے تانے بانے پر قائم ہے۔ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے اور آئن سٹائن کی نظریہ اضافیت کے بعد ثابت ہو چکا ہے کہ ہر شئے دو رخوں پر قائم ہے۔ اسی طرح نوعِ آدم بھی روشنی اور عناصر کا مجموعہ ہے۔

آپ وضاحت فرماتے ہیں کہ کائنات میں موجود کوئی بھی وجود دو رخوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔

کتاب لوح و قلم میں حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ روشنی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ روشنی خلاء ہے۔ اس خلا کا ایک وجود ہے۔ خلا کا وجود ہے تو اس میں حرکت بھی ہے یعنی خلاء میں مسلسل ایک ارتعاشی عمل جاری ہے۔ جس کا سفر

Marfat.com

ازل سے ابد کی طرف ہے۔ اب خلا کی اکہری حرکت کو مفرد لہر یا نسمہ مفرد کہا جاتا ہے۔ درحقیقت یہی مفرد اکہری لہر ہی ہے جو تمام حیات کی بنیاد یا بساط یا بیسBASE ہے۔

باباصاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ کائنات میں موجود ہر شئے کی زندگی کی بنیاد اسی روشنی کی اکہری مفرد لہر کی حرکت پر قائم ہے۔ جب روشنی کی اس اکہری مفرد لہر میں افقی سمت میں دوسری مرکب لہر کا اضافہ ہوتا ہے تو تانے بانے کی صورت میں ایک جال یا گراف کی تشکیل ہوتی ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح دھاگوں کی انتہائی باریک ڈوریں عمودی اور افقی سمت میں ایک دوسرے میں پیوست ہو کر ایک کپڑے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ دھاگوں کی ڈوریں بظاہر ایک دوسرے میں پیوست نظر آتی ہیں مگر ایک دوسرے سے الگ بھی ہوتی ہیں۔ اسی طرح روشنی کی دو لہریں مل کر تانا بانا بنتی ہیں جن کے درمیان موجود کشش کا قانون انہیں ایک دوسرے میں توازن کے ساتھ پیوست یا جوڑے رکھتا ہے۔ اس تانے بانے کو قلندر بابا اولیاءؒ نے اپنی کتاب لوح و قلم میں نسمہ کا نام دیا ہے۔

یہ تانا بانا ہی ہے جو زمان و مکان کہلاتا ہے۔ شعور لاشعور کہلاتا ہے۔ جس میں حیات کے خدوخال تشکیل پاتے ہیں۔ مخلوق کے نقش و نگار بنتے ہیں۔ آپ مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ ہر تخلیق کے لئے اس تانے بانے کی تشکیل معین مقداروں پر ہوتی ہے۔ یہی معین مقداریں مختلف نوعوں جمادات، حیوانات، نباتات، بشمول آدمی کی صورت میں ہمیں نظر آتی ہے۔ یعنی اس تانے بانے میں مرکب لہر پر نقش و نگار بنتے ہیں اور روشنی کی مفرد لہر زندگی کے ان نقش و نگار کو فیڈ کرتی ہے۔

اس جملے کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ جس رخ کا دنیا میں ظہور ہوا وہ مادیت یا مکانیت ہے اور جو رخ بظاہر نظر نہیں آتا اس میں ظاہر ہونے والے ان نقش و نگار کی اطلاع یا انفارمیشن موجود ہے۔ یعنی کہ باطن زمانیت یا روشنی ہے جو زندگی کو فیڈ کرتی ہے۔ قلندر بابا اولیاءؒ کے بتائے ہوئے ان کلیات کے مطابق اگر کسی بھی وجہ سے روشنی کی اس اکہری یا مفرد لہر کا مرکب لہر پر غلبہ ہو جائے تو انسان کو OBE بیرونِ جسم تجربات کا مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ اس کی ایک انتہائی سادہ اور جامع مثال نیند کے دوران خواب کی حالت ہے۔ ہم گہری نیند میں ہوتے ہوئے بھی خواب کے دوران بیداری کے حواس کی طرح کھاتے پیتے بھی ہیں، چلتے پھرتے بھی ہیں۔ اگر خواب میں ڈر جائیں تو بیدار ہونے پر ہم اس ڈر کو محسوس کرتے ہیں۔ کوئی چوٹ لگے تو اس کے درد کو محسوس کرتے ہیں جبکہ بحیثیتِ مادی جسم ہم بستر پر تقریباً بے جان حالت میں پڑے ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر ہیمر آف اور پین روز کی تھیوری آف کونشیس نیس اور مائیکروٹوبیولز کے کردار پر بحث سے کم سے کم یہ تو واضح ہو جاتا ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب سائنسدان شعور کے ساتھ لاشعور اور زمان و مکان کے اس تانے بانے کو صحیح رخ پر سمجھ پائیں گے۔

حوالہ جات:

1۔ ماہنامہ "روحانی ڈائجسٹ" موضوع" زمان و مکان کے تانے بانے میں روح کی تلاش"

Marfat.com

موضوع 84/ 10

پھٹکارے ہوئے بندر

THE DESPISED MONKEYS

سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ (THE COW)

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِيۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡكُمۡ فِى السَّبۡتِ فَقُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـِٕيۡنَ ۚ‏ ﴿۶۵﴾

ترجمہ:۔ جنھوں نے ہفتے کے دِن کے قانون کی بے حرمتی کی تو ہم نے کہا جاؤ ذلیل بندر بن جاؤ۔

And indeed you knew those amongst you who transgressed in the matter of the Sabbath (i.e Saturday). We said to them: "Be you monkeys, despised and rejected.

حضرت داؤد علیہ السلام کے دور میں لوگوں نے سنیچر (ہفتہ) کے دِن کا احترام ترک کر دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق بنی اسرائیل کو سنیچر (ہفتہ) کے احترام کی تاکید کی گئی تھی۔ انھیں حکم تھا کہ ہفتہ کا دِن عبادت کے لئے مخصوص ہے اِس روز شکار نہ کریں اور دنیاوی مشاغل ترک کر دیں۔

ایلہ شہر میں آباد اسرائیلیوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جمعہ کے دِن دریا کے کنارے بہت سے گھڑے کھود دیتے تھے اور نالیاں بنا کر دریا کا پانی گھڑوں میں جمع کر دیتے تھے۔ پانی کے ساتھ مچھلیاں بھی گھڑوں میں جمع ہو جاتی تھیں۔ اور بنی اسرائیل اتوار کی صبح مچھلیاں پکڑ لیتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے انھیں اِس عمل سے باز رہنے کی ہدایت کی۔ لیکن بنی اسرائیل نے اُن کا کہنا نہیں مانا۔ نافرمانی کی وجہ سے اُن کی شکلیں مسخ ہو گئی۔ اور وہ بندر بن گئے۔ عقل و حواس تو قائم رہے لیکن قوتِ گویائی ختم ہو گئی۔ اُن کے جسم سے بدبو کے بھبکے اُٹھنے لگے اور تین روز تک روتے روتے مر گئے۔

وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِيۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡكُمۡ فِى السَّبۡتِ فَقُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـِٕيۡنَ ۚ‏ ﴿۶۵﴾

اور جان چکے ہو کہ جنھوں نے تم میں زیادتی کی ہفتے کے دِن میں، تو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر پھٹکارے ہوئے۔

(سورۃ البقرہ، پارہ 1، آیت 65)

Marfat.com

حضرت شاہ ولی اللہؒ:

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے شکلیں مسخ ہونے کی تشریح INTERPRETATION اس طرح کی ہے:
حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

" مچھلی فاسد المزاج اور بدبودار ہوتی ہے۔ اللہ کے حکم کے خلاف، نافرمانی کر کے جب بنی اسرائیل اس کو کھاتے رہے تو ان میں فسادِ مزاج سرائیت کر گیا۔ اور ان کے جسم میں بگاڑ پیدا ہو گیا۔ (اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے بعد غذا حرام ہو گئی) ۔ حلال خوراک سے جو انرجی بنتی تھی اس میں تبدیلی آ گئی۔ یہ تبدیلی بڑھتے بڑھتے جب تکمیل کو پہنچ گئی تو ان کے جسموں پر بندروں کی طرح بال نکل آئے۔ وہ بندر بن گئے۔ اور ان پر ذلّت ور سوائی مُسلّط ہو گئی"۔

Marfat.com

موضوع 11/84

من و سلویٰ

AL-MANNA AND THE QUAILS

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ (THE COW)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ؕ

من و سلویٰ کی غذا تمھارے لیے فراہم کی (اور تم سے کہا کہ) کھاؤ یہ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے عطا کی ہیں۔

And sent down on you Al-Manna and the Quails: "Eat of the good lawful things We have provided for you.

قرآن حکیم میں اللہ نے بار بار اُن نعمتوں کا ذکر کیا ہے جن سے بنی اسرائیل کو نوازا تھا۔ مثلاً بحیرہ قلزم کو چیر کر اُن کے لئے راستہ بنانا۔ فرعون کو غرق کرنا، صحرائے سینا میں اُن کے لئے بارہ چشمے جاری کرنا۔ دھوپ سے بچانے کے لئے اُن کے سروں پر بادل تان دینا۔ اور من و سلویٰ نازل کرنا۔

وَاَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ اور ہم نے تم پر من و سلویٰ نازل کیا۔ (سورۃ بقرۃ، پارہ 1، آیت 75)

سلویٰ سے مراد بٹیروں کی ڈاریں ہیں۔ جو ہر سحر کو اُن کے خیموں کے قریب اترتیں۔ اور یہ اُنہیں پکڑ لیتے تھے۔ مَنّ سے مراد ایک سفید رنگ کی لذیذ مٹھائی ہے جو ہر صبح منوں کے حساب سے برستی۔ اور لوگ اُسے جمع کر لیتے۔ اگر وہ بعد از طلوع کچھ دیر تک رہ جاتی تو تحلیل ہو کر شبنم کی طرح اُڑ جاتی۔ اُس کا ذائقہ شہد جیسا تھا۔

صحرائے سینا میں ایک پودے تمرکس (Tamarix) کے ساتھ بالکل مَنّ جیسا پھل لگتا ہے یہ صبح کے وقت زمین پر خود بخود گرتا ہے اور دھوپ میں پگھل جاتا ہے وہاں کے لوگ اسے پگھلا کر بوتلوں میں بھر لیتے اور شہد کی طرح ڈبل روٹی کے ساتھ لگا کر کھاتے ہیں اسے عموماً آسمانی پھل کہا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آئس لینڈ میں آگ بھڑک اُٹھی۔ دو آدمیوں کے سوا باقی سب کچھ جل گیا۔ اُن کا گزارہ شبنم پر تھا جو گرنے کے بعد جم جاتی۔ آئس لینڈ کی موجودہ آبادی اُنھیں دو افراد کی اولاد ہے۔

نیوزی لینڈ کے موری قبائل کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آندھیوں، گھٹاؤں اور طوفانوں سے اُن کے گھر تباہ ہو گئے۔ بعد میں دیر

Marfat.com

تک کُہر چھائی رہی۔ اور فضاء سے بھاری منجمد شبنم برستی رہی۔

بُدھی روایات میں ہے کہ جب دنیا کا ایک چکر ختم ہو جاتا ہے تو آسمان سے غذا برسنے لگتی ہے۔ رگوید اور اتھروارید میں بھی بادلوں سے شہد برسنے کا ذکر ملتا ہے۔

یونانیوں کے ہاں ایک ایسی آسمانی غذا کا ذکر ملتا ہے جس کا ذائقہ شہد جیسا تھا۔ یہی شہد جب دریاؤں پر برسا تو اُن کا رنگ دودھ کی طرح سفید ہو گیا۔ اور ذائقہ شہد جیسا۔ اسی بنا پر رومن شاعر اووڈ (Ovid) 43 (ق۔م) نے کہا تھا کہ ہمارے ملک میں شیر و شہد کی نہریں بہتی ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "میری آخری کتاب" از ڈاکٹر غلام جیلانی برق، باب من وسلویٰ، صفحہ نمبر 192 تا 193

Marfat.com

موضوع 12/84

اللہ دیکھ رہا ہے

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ (THE COW)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ: اور جو کام یہ کرتے ہیں اللہ ان کو دیکھ رہا ہے۔ *Allah is Seer of what they do.*

ایک سوال یہ نکلتا ہے کہ کیا ہماری زندگی میں کوئی بھی ایک ایسا عمل موجود ہے کہ جس کو ہم تخیّل کے علاوہ کوئی نام دے سکیں۔ کھانا، پینا، سونا، جاگنا، ان سب کا تعلق بھی خیال سے ہی ہے۔ اگر کسی آدمی کو زندگی میں پانی پینے کا خیال نہ آئے تو آدمی کبھی پانی نہیں پیئے گا۔ پہلے خیال آتا ہے پانی پینے کا یعنی پیاس لگتی ہے، پھر آدمی پانی پیتا ہے۔ بغیر پیاس کے کوئی آدمی پانی نہیں پیتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پیٹ ساتھ لگادیا ہے۔ جب تک آدمی کو بھوک نہیں لگتی، آدمی روٹی نہیں کھاتا۔

بھوک لگنا کیا ہے؟ بھوک لگنا بھی ایک خیال ہے۔ ایک خیال کا نام بھوک رکھ لیا، پانی پینے کے خیال کا نام پیاس رکھ لیا، اعصاب تھک جاتے ہیں تو ان کو آرام کی ضرورت پیش آتی ہے، آرام کا نام نیند رکھ لیا۔ لیکن جب تک کسی آدمی کو نیند نہیں آئے گی وہ سوئے گا نہیں۔

آج کل تو یہ بہت زیادہ ہو گیا ہے کہ نیند کی گولیاں بھی کھاتے ہیں پھر بھی نیند کا خیال نہیں آتا ہے۔ اس میں کہیں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ پھر یہی صورتحال ہر انسان کے ساتھ آپ دیکھتے ہیں کہ سونے کے بعد جاگنا بھی پڑتا ہے۔ کوئی انسان ساری زندگی سو نہیں سکتا۔ کوئی انسان ساری زندگی بیدار نہیں رہ سکتا۔ تو سونے کے بعد جو اٹھنا ہے وہ بھی ایک خیال ہے۔ تو یہ ساری زندگی خیال کے اوپر DEPEND کرتی ہے۔ زندگی کا کوئی بھی ایک عمل، کوئی بھی ایک جذبہ، کوئی بھی ایک تقاضہ ایسا نہیں ہے کہ جس کو آپ یہ کہہ سکیں کہ یہ بغیر خیال کے ہم پورا کر لیتے ہیں۔

زندگی کے جتنے بھی جذبات ہیں ان کا تعلق خیال سے ہے۔ پہلے خیال آئے گا۔ آپ اس خیال کو قبول کریں گے اس کے بعد آپ عمل کریں گے۔ یہ ساری زندگی عالم تخیّل ہے۔ عالم تخیّل کا مطلب ہے خیالات کے اوپر DEPEND کرنا۔

اس سوال کا جواب کہ روحانیت میں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں کیا وہ حقیقت پر مبنی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر انسان کے اندر یقین کا پیٹرن موجود ہو تو جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے حقیقت پر مبنی ہے اور اگر انسان کے اندر یقین کا پیٹرن موجود نہیں ہے تو وہ بھی فکشن ہے۔

Marfat.com

اس کی مثال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ قران کریم میں فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

ہم سب کہتے بھی ہیں کہ اللہ ہے، اللہ دیکھ رہا ہے اور باوجود کہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے، ہم گناہ کر رہے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ یعنی ایک آدمی کسی آدمی کے سامنے بے ستر ہونا پسند نہیں کرتا۔ شرم وحیا کی وجہ سے۔ اس لئے کہ وہ آدمی یہ دیکھ رہا ہے کہ ایک آدمی کھڑا ہے اور اُس سے وہ شرم کرتا ہے، حالانکہ وہ اسی جیسا آدمی ہے لیکن دوسری طرف جب وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے تو کوئی آدمی گناہ کیسے کر سکتا ہے؟

اِس کا مطلب کیا ہے؟

وہ جو یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے اللہ دیکھ رہا ہے یہ اس کے لئے محض الفاظ ہیں۔ یقین کا پیٹرن اس کے اندر موجود نہیں ہے جب یہ بات یقین بن جائے کہ اللہ دیکھ رہا ہے تو آدمی گناہ کیسے کر سکتا ہے؟ کوئی آدمی اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی قدم کیسے اٹھا سکتا ہے؟

ایک قصہ ہے کسی بزرگ کا کہ ان کے دو مرید تھے۔ ایک مرید پر وہ بہت زیادہ شفقت کرتے تھے۔ جس مرید پر زیادہ شفقت کرتے تھے اسے دوسرے لوگ ذرا محسوس کرتے تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ تجربے کیلئے اپنے ایک مرید کو کہا کہ بھائی یہ چیز کسی ایسی جگہ دبا آؤ جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ وہ جنگل میں کہیں گیا، اِدھر اُدھر سب جگہ دیکھا وہاں کوئی آدمی نہیں تھا، وہ چیز وہیں دبا کے آ گیا۔ پھر اس کو بلایا جس پہ زیادہ شفقت تھی کہ میاں یہ ایک چیز ہے کسی ایسی جگہ دبا کے آؤ جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ وہ صاحب صبح کے گئے شام ہو گئی۔ لوگوں نے اپنے پیر صاحب سے کہا کہ دیکھئے حضرت اتنا ذرا سا کام تھا سارا دن لگا دیا، شام کو وہ تھکے ماندے ہانپتے کانپتے آئے اور وہ چیز پیر صاحب کے سامنے رکھ دی۔ پیر صاحب نے کہا کہ ہم نے تم سے کہا تھا کہ اس کو دبا کے آنا جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ کہنے لگے صاحب صبح سے شام ہو گئی تلاش کرتے ہوئے کوئی جگہ ایسی نہیں ملی، جہاں بھی گیا اللہ دیکھ رہا تھا۔ تو دیکھئے یہ یقین کا پیٹرن ہے تو اگر کوئی انسان مراقبے میں کچھ دیکھتا ہے اس کے اندر اگر یقین کا پیٹرن ہے تو وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے، صحیح دیکھ رہا ہے اور اگر اس کے اندر یقین کا پیٹرن نہیں ہے تو اگر وہ صحیح دیکھ رہا ہے تو بھی غلط دیکھ رہا ہے۔

مراقبہ کا تعلق ایک طرزِ فکر سے ہے۔ ہر انسان کے اندر دو طرزِ فکر کام کرتی ہیں۔ ایک طرزِ فکر یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کو سامنے رکھتا ہے اور صرف اپنی ذات کو سامنے رکھنا شیطنیت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ اس نے کہا صاحب میں تو اس سے بہت زیادہ پڑھا لکھا ہوں۔ میں تو مُعلّمُ الملکوت ہوں۔ میں تو آگ کا بنا ہوا ہوں میں اسے کیسے سجدہ کروں؟ سڑی ہوئی مٹی سے بنے ہوئے آدمی کو میں کیسے سجدہ کر سکتا ہوں؟

اِس کا کیا مطلب ہوا؟

اس کا مطلب یہ ہوا کہ شیطان کی اپنی ذات سامنے تھی۔ اللہ کا حکم سامنے نہیں تھا۔ غلطی آدم بھی کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا ہم

Marfat.com

نے تمہیں منع کیا تھا۔ تم نے ہماری حکم عدولی کیوں کی۔ دیکھئے! اب اللہ تعالیٰ کے سامنے آدم نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ نے جنت بنائی۔ آپ نے درخت بنایا۔ اگر آپ درخت ہی نہ بناتے تو میں اس کے قریب ہی نہ جاتا وغیرہ وغیرہ۔ بس انہوں نے کہا تو کیا کہا۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَآ اَنۡفُسَنَا ٚ وَ اِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۲۳﴾

دونوں عرض کرنے لگے کہ پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ (سورہ اعراف، پارہ 8، آیت 23)

یعنی اے میرے رب، میں نے تو اپنے اوپر ظلم کر لیا۔ اگر آپ نے مجھے معاف نہیں کیا تو میرا تو کہیں ٹھکانا ہی نہیں ہے۔ آپ میرے اوپر رحم فرمادیں مجھے معاف کر دیں۔

اب فرق دیکھئے، شیطان نے اپنی ذات کو سامنے رکھا وہ ملعون قرار پایا۔ آدمؑ نے اپنی ذات کی نفی کر دی، وہ پیغمبرؑ ہو گئے۔ تو اگر اپنی ذات کی نفی ہے، پھر تو وہ روحانی طرزِ فکر ہے اور اگر انسان کی اپنی ذات کی نفی نہیں ہے، تو وہ جو کچھ بھی دیکھ رہا ہے اس میں شیطانی وسوسہ ضرور ہے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "روح کی پکار" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع کیفیت اور خیال میں فرق، صفحہ نمبر 167 تا 170

Marfat.com

موضوع 84/ 13

آزمائش THE TEST

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ (THE COW)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾

ترجمہ: اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے اور صبر کرنے والوں کو بشارت سنا دو۔

And surely We shall try you with something of fear and hunger, and loss of wealth and lives and crops; but give glad tidings to the steadfast,

سلاسلِ طریقت کے ساتھ وابستہ تمام اراکین کو چاہیئے کہ وہ ظرف میں وسعت اور گہرائی کے لئے مسلسل کوشش کرتے رہیں۔ کسی بھی سلسلہ کے ذمّہ داران کو اِس کام کے لئے دوسروں کی نسبت زیادہ کوشش کرتے رہنے کی ضرورت ہے۔ اِس مقصد کے حصول کے لئے یعنی اپنے ظرف کو سمجھنے اور اعلیٰ ظرفی کے لئے ضروری ہے کہ اپنے نفس پر کنٹرول کرنا سیکھا جائے۔ انسانی نفس خرابیوں کی طرف تیزی سے مائل ہوتا ہے۔ انا پرستی، خود غرضی، لالچ، تکبر، دولت اور اقتدار کی حرص اِنسان کو اعتدال سے ہٹا کر سیدھے راستے سے بھٹکا دیتی ہے۔ نفس کی بے جا خواہشات سے مغلوب، حق اور ناحق کا خیال نہیں رکھتا۔ وہ اپنی ذات کی پرستش میں، اپنی خواہشات کے حصار میں ہی بند رہتا ہے۔ اعلیٰ ظرفی کئی صفات سے مل کر وجود میں آتی ہے۔ اعلیٰ ظرفی کا ایک مطلب ہے نفس کی مندرجہ بالا خرابیوں پر قابو پانا۔

زندگی کے سفر میں ہر اِنسان اپنے لئے کامیابیوں کا متمنی ہوتا ہے۔ کامیابیوں کے لئے محنت کرتا ہے، اور کامیابی ملنے پر خوش بھی ہوتا ہے۔ کامیابی پر خوش ہونا فطری ہے۔ لیکن بعض لوگ کامیابی پر پھولے نہیں سماتے۔ اس خوشی میں خود کو معزز اور پیچھے رہ جانے والوں کو کمتر سمجھتے ہیں۔ اسی طرح زندگی میں کبھی ناکامی کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ ناکامی کی صورت میں افسردہ ہونا بھی فطری ہے۔ لیکن بعض لوگ ناکامی پر ڈپریشن اور مایوسی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایسے بعض لوگ خود کو مظلوم سمجھتے ہوئے اپنے سامنے کامیاب ہونے والوں

Marfat.com

سے مخاصمت حتیٰ کہ کچھ لوگ حسد میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اعلیٰ ظرفی کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ کامیابی اور ناکامی دونوں صورتوں میں اپنے جذبات پر قابو رکھنا اور دوسروں کی عزّت اور دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنا۔ اِنسان کی زندگی میں کبھی مشکلات اور کبھی رکاوٹیں بھی آسکتی ہیں۔ کسی نظریہ یا مشن سے وابستہ لوگوں کو خود ان کی اپنی صفوں میں موجود بعض مفاد پرست عناصر کی طرف سے یا بیرونی مخالف افراد کی جانب سے کبھی لالچ یا کبھی خوف کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ اس لالچ یا خوف سے متاثر نہ ہونا یا ایسی ترغیب یا تعزیر کے سامنے ثابت قدم رہنا بھی اعلیٰ ظرفی کا اظہار ہے۔ اور وہ لوگ جو راہ حق پر چلنے والوں کو بھٹکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن پاک آگاہ کرتا ہے کہ:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؗ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خریدی۔ (سورہ بقرہ، پارہ 1، آیت 86)

مختلف مخالفانہ حالات میں کسی نقصان کی صورت میں کسی قریبی یا عزیز ترین ہستی کی جدائی کی صورت میں صبر کا دامن تھامے رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی مرضی پر راضی رہنا بھی اعلیٰ ظرفی ہے۔ اور یہ اعلیٰ ظرفی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے نزول کا ذریعہ بنتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

اور ہم کس قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے اور صبر کرنے والوں کو بشارت سنادو۔ کہ ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی عنایتیں ہیں اور خصوصی رحمت بھی ہے اور یہی سیدھے راستے پر ہیں۔
(سورہ بقرہ، پارہ 2، آیت 155 تا 157)

مرید کا اعلیٰ ظرف ہونا خود اس کے لئے بھی باعث سعادت اور رحمت ہے۔ ایسا بندہ سلسلہ طریقت سے ملنے والی تربیت سے خوب بہرہ مند ہوتا ہے اور جو لوگ اپنے ظرف کو اعلیٰ ظرف بنانے میں مرشد کی کوششوں کا مثبت جواب نہیں دیتے، وہ روحانی تربیت کے ابتدائی مرحلوں میں ہی پیچھے رہ جاتے ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ کتابچہ "سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات" از ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی، موضوع ظرف، صفحہ نمبر 18 تا 19

Marfat.com

موضوع 14/84

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

TRULY! TO ALLAH WE BELONG, TO
HIM WE SHALL RETURN

سُوۡرَۃُ الۡبَقَرَۃِ (THE COW)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾

ترجمہ:۔ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں ایک دِن اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

Lo! we are Allah's and Lo! unto Him we are returning.

ادراک(PERCEPTION) + آواز(SOUND ENERGY)= الفاظ(WORDS):

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، " تمام امُور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔"

ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ پانی ایسے تصورات کا خول ہے جس شے میں داخل ہو جاتا ہے وہی شے بن جاتا ہے۔ پانی پھول میں جا کر پھول، کانٹے میں کانٹا، پتھر میں پتھر، سونے میں سونا، ہیرے میں ہیرا بن جاتا ہے۔ یہ پتھر سونا ہیرا پھول کانٹا سب تصورات کا مجموعہ ہے۔ ہمارے ذہن میں تصوّرات کا ایک مجموعہ ہے جس کو ہم سونا کہہ کر پکارتے ہیں اور تصوّرات کا ایک دوسرا مجموعہ ہے جس کو ہیرا کہتے ہیں۔ سونا اور ہیرا دو لفظ ہیں یا دو خول ہیں جن میں تصوّرات کے الگ الگ مجموعے مقیّد ہیں ۔ ان میں ہر مجموعہ اِدراک PERCEPTION ہے۔ اِدراک کو آواز SOUND ENERGY میں قید کیا جائے تو لفظ بن جاتا ہے۔

ہم کوئی بات سوچتے ہیں CONCIEVE کرتے ہیں وہ بات ہمارے اِدراک یا PERCEPTION میں ہے۔ لیکن ابھی یہ لفظ اِدراک کے اندر داخل ہو کر آواز کی شکل میں نہیں آیا تو جب تک اِدراک آواز میں قید نہ ہو لفظ نہیں بنتا اور جب اِدراک آواز کے روپ میں سامنے آتا ہے تو لفظ بن جاتا ہے۔

کائنات اللہ کی آواز:

جب ہم کائنات کی تخلیق پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ہماری کائنات اللہ کی آواز ہے۔ اللہ نے جب اپنی آواز میں

Marfat.com

کُن کہاتو ساری کائنات وجود میں آ گئی۔ اللہ تعالیٰ جب اپنا تعارف کراتا ہے تو کہتا ہے میں مخلوق کا دوست ہوں۔ جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے کو نہیں بھولتا اُسی طرح خدا بھی کبھی اپنی مخلوق کو فراموش نہیں کرتا وہ خدا جو ہمارا رب ہے جو ہمارے لئے ہر طرح کے وسائل فراہم کرتا ہے۔ اور ہمیں زندگی کے لئے نئے نئے مراحل اور نئے نئے تجربات سے گزارتا رہتا ہے بلاشک وشبہ وہ ہمارا دوست ہے۔

اِدراک کی وُسعت:

اِنسان کے اندر اِدراک ذہن ہے۔ ذہن کی VASTNESS یا وسعت کائنات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک

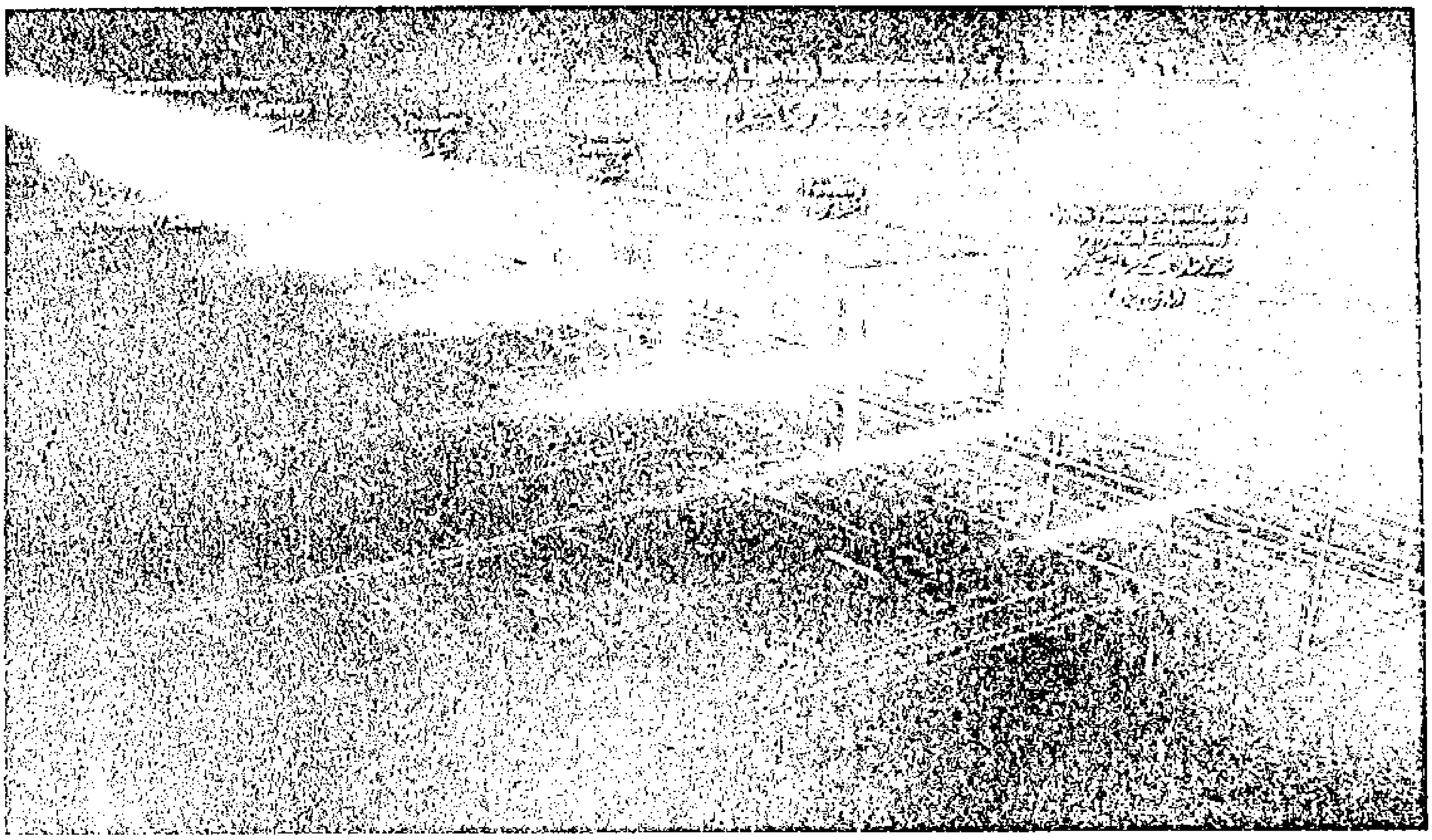

ہے۔ اِنسان کے ادراک میں لامتناہی وسعت ہے۔ یہ لامتناہی وسعت پوری کائنات پر محیط ہے۔ مثلاً جب ہم تصور کرتے ہیں تو ہمارا تصور زمین سے نکل کر عرش سے پرواز کر کے باری تعالیٰ کی ہستی تک پہنچ جاتا ہے۔ ہم INTERPRETATION اس طرح کریں گے کہ ادراک کا ایک DIMENSION رُخ گہرائی ہے جو زمان ہے۔ دوسرا رُخ DIMENSION پھیلائی ہے جس کو مکان کہا جاتا ہے۔ ہر انسان ادراک کے اعتبار سے زمان و مکان کا مجموعہ ہے۔

وہم کیا ہے؟ خیال کہاں سے آتا ہے؟ یہ بات غور طلب ہے اگر ان سوالات کو نظر انداز کر دیں تو کثیر حقائق مخفی رہ جائیں گے اور حقائق کی زنجیر جس کی سو فیصد کڑیاں اس مسئلے کے سمجھنے پر منحصر ہیں، انجانی رہ جائیں گی۔ جب ذہن میں کوئی خیال آتا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی کائناتی سبب ضرور ہوتا ہے۔ خیال کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ذہن کے پردوں میں حرکت ہوئی ہے۔ یہ حرکت ذہن کی ذاتی حرکت نہیں ہوتی۔ اس کا تعلق کائنات کے ان تاروں سے ہے جو کائنات کے نظام کو ایک خاص ترتیب میں حرکت دیتے ہیں۔ مثلاً جب ہوا کا کوئی تیز جھونکا آتا ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ کرّہ ہوائی میں کہیں کوئی تغیر پیدا ہوا ہے اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ

Marfat.com

انسان کے لاشعور میں کوئی حرکت واقع ہوئی ہے۔ اس کا سمجھنا خود انسانی ذہن کی تلاش پر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم:

اللہ تعالیٰ کا کائناتی علم درجہ بدرجہ تنزّل کر کے مخلوق کے خدوخال اور زندگی کے تقاضے بنتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا علم سیڑھی بہ سیڑھی ASCEND یا صعوُد کرتا ہے۔ تحقیق ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم جب DESCEND یا نزُول کرتا ہے تو مخلوق کا اِدراک بن جاتا ہے۔

یہ علم ادراک بن کر ایک نقطہ پر کچھ دیر قیام کرتا ہے یعنی اس کے اندر گہرائی پیدا ہوتی ہے تو نگاہ بن جاتی ہے۔ اِدراک میں جب تک گہرائی پیدا نہیں ہوتی خیال کی کیفیت رہتی ہے۔ اِدراک جب خیال کی حدود میں داخل ہوتا ہے تو کسی چیز کا ہلکا سا عکس بنتا ہے یہ عکس احساس پیدا کرتا ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ خیال کی حدود میں احساس کام کرتا ہے لیکن اس کی حیثیت صرف نظر کی ہوتی ہے۔ جب احساس ایک ہی نقطہ پر چند لمحوں کے لئے مرکوز ہو جاتا ہے تو اس نقطہ میں خدوخال اور شکل وصورت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ خدوخال اندرونی نگاہ کے سامنے آ جاتے ہیں۔ نگاہ کے سامنے آنے والے ماورائی خدوخال جب ایک ہی نقطہ پر چند لمحے اور مرکوز رہتے ہیں تو نقطہ (نوع فردیا شے) گویا ہو جاتی ہے اور بولنے لگتی ہے۔ قوت گویائی اگر ذرا دیر اور اس نقطہ یا فرد کی طرف متوجہ رہے تو فکر اور احساس میں رنگینی پیدا ہو جاتی ہے اور نگاہ اپنے اردگرد نیرنگی کا ایک ہجوم محسوس کرتی ہے۔

ہماری فکر اوپر سے نیچے کی طرف سیڑھیاں اترتی ہے اور ہم فکر کی شکل وصورت کو مختلف احساسات کا نام دیتے چلے آتے ہیں۔ جب ہم ایک خیال کو شدت سے محسوس کرتے ہیں تو وہی خیال شکل وصورت بن کر رونما ہو جاتا ہے۔ وہی شکل وصورت مزید غور وفکر کے اثر سے گفتگو کرنے لگتی ہے۔ ذرا اور شدت ہونے لگتی ہے تو وہی گفتگو رنگارنگ لباسوں میں جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ آخری مرحلہ میں شدت احساس کے باعث ہم ان رنگارنگ لباسوں کی طرف خود کو کھنچتا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہماری حس ان رنگارنگ لباسوں کو چھو لیتی ہے۔ یہاں پر ہمارا تجسس ختم ہو جاتا ہے۔ اس آخری نقطہ سے پھر فکر کو لوٹنا پڑتا ہے، یعنی جس چیز کو ابھی ہم نے چھوا تھا ہماری حس اس سے دور ہونے لگتی ہے۔ یہی حالت ہماری حس کا رد عمل ہے، جو مکانیت اور زمانیت کا احساس دلاتا ہے۔ ابھی ہم جس چیز کے قریب تھے رفتہ رفتہ دور ہونے لگتے ہیں اور مجموعی طور پر اس نقطے سے دوری کا نام موت ہے۔ موت وارد ہونے کے بعد روح گزرے ہوئے تجربات سے ایک مجموعی علم جدید سیکھتی ہے اسی عالم کا نام عالم غیب کا شہود ہے۔

اس تشریح سے یہ قانون پوری طرح واضح CLEAR ہو جاتا ہے کہ علم کی ہی جداگانہ حرکات یا حالتوں کا نام خیال، نگاہ، گفتار، شامہ اور لمس ہیں۔ ایک ہی حقیقت یا ایک ہی علم مختلف روپ بدلتا رہتا ہے۔ جس طرح خیال علم ہے اسی طرح نگاہ بھی علم ہے۔

Marfat.com

چونکہ ہر چیز کی بنیاد علم ہے۔ اس لئے خیال اور نگاہ کے بعد تمام حالتیں بھی علم ہیں۔

علم کی یہ کیفیت نزولی ہے۔ علم نزول کر کے عالم ناسوت تک آتا ہے اور اِنسان کی حس گوشت پوست کو چھو لیتی ہے اور یہ ہی کیفیت (علم کی تنزل یافتہ شکل) کسی شے کی محسوسیت کے لئے انتہا ہے۔ آدم زاد یا کوئی بھی مخلوق اوپر سے نیچے اتر کر پیدا ہوتی ہے۔ رُوح یا امر ربی اپنے اظہار کے لئے اور اپنی جلوہ نمائی کے لئے گوشت پوست کا ایک جسم تخلیق کرتی ہے۔ اس کے بعد فکر اِنسانی تنزّل یافتہ شکل سے صعود کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ اور پہلی حس سے یا پہلے حواس سے دور ہونے لگتی ہے ۔ دوری سے مراد یہ کہ پیدا ہونے والا ایک دِن کا بچہ جب دوسرے دِن میں داخل ہوتا ہے تو پہلا دِن زندگی کے نزول کا ردّ عمل ہے۔ یہ ہی رد عمل مکانیّت اور زمانیت کا احساس دلاتا ہے۔ بچہ پیدا ہوا ایک لمحہ کے بعد دوسرے لمحے میں بچے کی تمام صِفات تمام اعضاء تمام حواس میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ یہ ہی تبدیلی زمانیت اور مکانیت ہے۔

> کسی چیز کو بغیر علم یا بغیر اطلاع کے نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی اس کا تذکرہ کر سکتے ہیں یعنی ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں جو کچھ سمجھ رہے ہیں یا جس چیز کا تذکرہ کر رہے ہیں اس کی حیثیت صرف اور صرف ایک اطلاع کی ہے ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اطلاع ہمیں کہاں سے ملتی ہے؟ اور اس اطلاع کا مخزن کیا ہے؟

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ:

ہر ذی شعور اس بات سے واقف ہے کہ کائنات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہمیشہ سے موجود تھی ۔ جب اللہ تعالیٰ نے کُن کہہ کر صِفت علیم کے اندر علم کائنات کی تجلّیوں کو حرکت میں آنے کا حکم دیا تو کائنات ظہور میں آگئی۔ علم کائنات کی وہ تجلّیاں جو حکم کُن سے حرکت میں آکر کائنات کے ظہور کا باعث بنیں، کائنات کی بساط اول کی حیثیت سے مظہر کائنات کے باطن میں مخفی ہو گئیں۔ بندہ، کائنات یا مخلوق یا مظہر ہے۔ کائنات یا مخلوق یا مظہر اسمائے الٰہیہ کے ظاہری خدوخال یا شکلیں ہیں۔

بندہ یا مخلوق جب خالق کو جاننے یا پہچاننے کی جستجو کرتا ہے تو اسے مظہر سے علم کائنات کی جانب لوٹنا پڑتا ہے۔ اور علم کائنات سے گزر کر وہ دوبارہ اللہ تعالیٰ کی صِفت علیم میں جذب ہو جاتا ہے۔ جہاں کُن کہنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صِفت علیم میں علم کائنات کے اندر اس کا وجود قائم تھا۔

خیالات کا منبع SOURCE:

تمام تجربات، مشاہدات اور محسوسات کا مأخذ ذہن ہے۔ خیالات ہمارے اختیار کے بغیر ذہن میں وارد ہوتے ہیں۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جب ذہن میں کوئی خیال نہ ہو۔ بھوک پیاس کا تقاضہ سونے، جاگنے کا عمل، خوشی غمی اور دیگر جذبات، اولاد کی خواہش،

Marfat.com

پریشان کن وسوسے، جسمانی امراض اور نفسیاتی عوارض سب کے سب خیالات کے تابع ہیں۔

الہامی کتابیں DIVINE BOOKS بتاتی ہیں کہ خیالات کا ایک منبع ہے۔ خیالات کی گہرائی میں موجود نقطہ ذات منبع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی سورس سے لاشمار اطلاعات (خیالات) ہر لمحہ، ہر آن نشر ہوتی رہتی ہیں۔ شعور ان اطلاعات کو ریسیو کرتا ہے اور معنوں کا تعین کرتا ہے۔ اور یہی اطلاعات آدمی کا علم و حافظہ بن جاتی ہیں۔

شعور کی مثال آئینہ ہے۔ روشنی آئینہ کی سطح سے ٹکرا کر منعکس ہوتی ہے لیکن اگر روشنی کی شعاعوں کے سامنے ٹرانسپیرنٹ شیشہ رکھ دیا جائے تو روشنی اس میں سے گزر جاتی ہے اور انعکاس REFLECTION کا عمل واقع نہیں ہوتا۔ شعور اپنے علم و دلچسپی کی بدولت مخصوص روشنیوں کو جذب کرتا ہے۔ جن روشنیوں کو شعور جذب کرتا ہے وہ شعور کے پردے پر رُک جاتی ہیں، آدمی انہیں دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔ جو روشنیاں شعور کے پردے سے گزر جاتی ہیں آدمی ان سے لاعلم رہتا ہے۔

شعوری میکانزم کے پس پردہ ایک اور ایجنسی موجود ہے۔ شعور اس ایجنسی کے زیر اثر کام کرتا ہے۔ زندگی ہر دور میں اس ایجنسی سے وابستہ رہتی ہے۔ لیکن آدمی اس پر غور نہیں کرتا۔ اس لئے غور نہیں کرتا کہ زندگی ایک معمول کے تحت گزر رہی ہے۔ جذبات، خیالات اور تقاضوں کے زیر اثر ذہن ایک حالت سے دوسری حالت اور ایک کیفیت سے دوسری کیفیت میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ خیالات کی یلغار سے اِنسان کو ان مقامات کا ادراک نہیں ہوتا جو اس کی اصل ہیں۔

اطلاع کہاں سے آتی ہے؟

کوئی بھی اطلاع یا کسی بھی شے کا علم یا وقت ہمیں لازمانیت سے موصول ہوتا ہے اور یہی لازمانیت نت نئی اطلاعات زمانیت (وقت) کے اندر ارسال کرتی رہتی ہیں۔ لازمانیت موجودات اور کائنات کی BASE ہے۔ اگر ہم لازمانیت کو ایک نقطہ سے تشبیہ دیں تو اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ نقطہ میں کائنات کا یکجائی پروگرام نقش ہے۔ لہروں کے ذریعے اس نقطہ سے جب کائنات کا یکجائی پروگرام نشر ہوتا ہے تو انسان سے ٹکراتا اور بکھرتا ہے۔ بکھرتے ہی ہر لہر مختلف شکل و صورت میں ہنستی بولتی، چلتی، پھرتی، گاتی بجاتی تصویر بن جاتی ہے۔ کیونکہ انسان کا حافظہ جبلی طور پر (فطری نہیں) محدود ہے، اس لئے حافظہ ایک دائرے کے اندر محدود ہونے کی وجہ سے تصویر کے مابین فاصلہ بن جاتا ہے۔ یہی فاصلہ ہمیں کسی چیز کو ہم سے دور دکھاتا ہے لیکن ہمارا دیکھنا FICTION ہے یا مفروضہ ہے اگر ہم اس BASE کو تلاش کرلیں جہاں کائنات کا یکجائی پروگرام نقش ہے تو فاصلہ معدوم ہو جاتا ہے۔

زندگی کے مراحل اور روزمرہ کے معمولات پر غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ایک بامعنی زندگی گزارنے کے لئے جن اجزاء کی ضرورت ہوتی ہے وہ یہیں کہیں سے فراہم ہوتے ہیں۔ مادی زندگی میں بے شمار صلاحیتیں کام کرتی ہیں لیکن آدمی صرف پانچ

Marfat.com

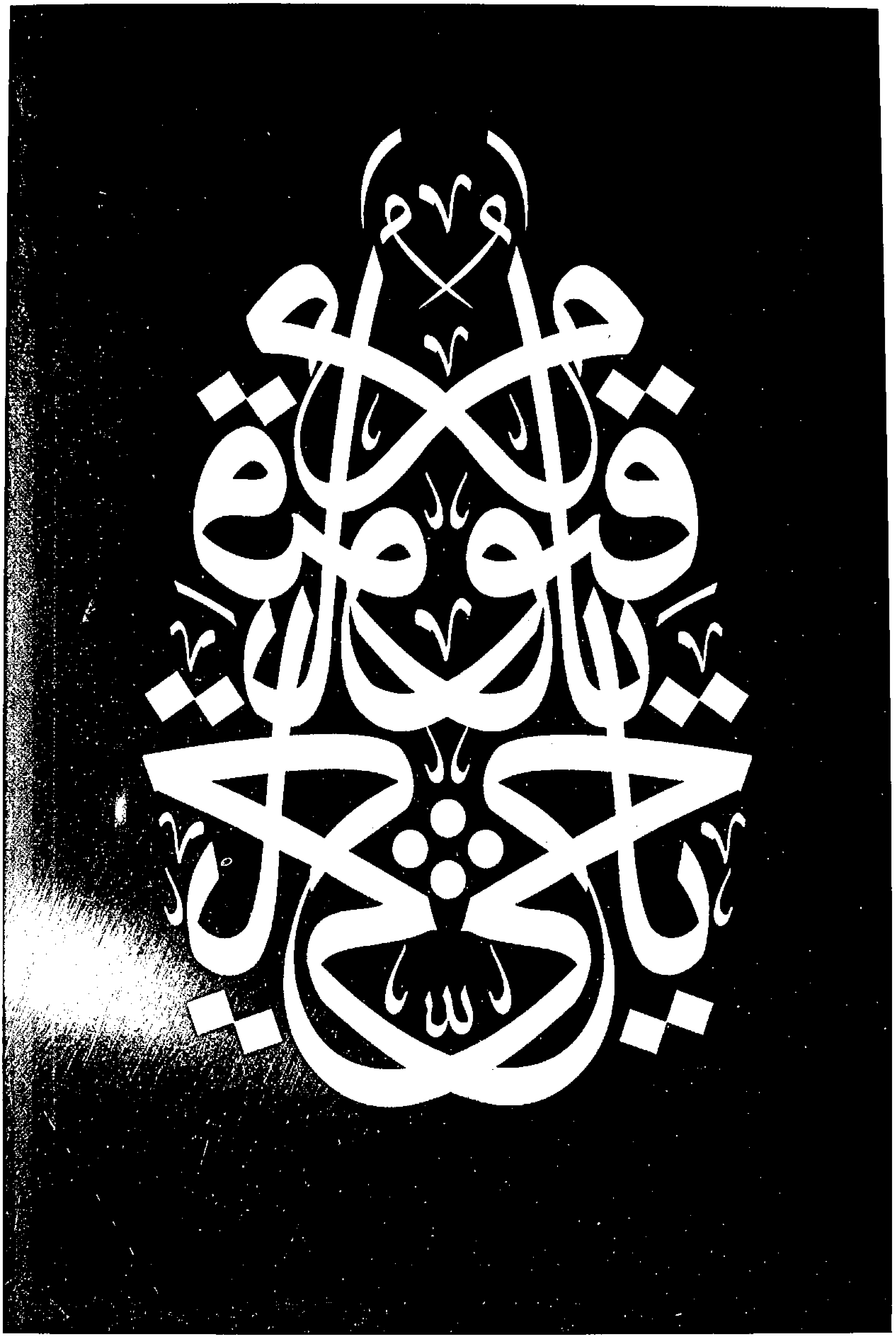

Marfat.com

Marfat.com

حواس سے واقف ہے۔ بصارت، سماعت، گفتار، شامہ اور لمس۔ ذہنی یکسوئی کے ساتھ منبع اطلاعات کی طرف متوجہ ہونے سے ایسی اطلاعات اور صلاحیتوں کا مشاہدہ ہوتا ہے جو عام طور پر حواس کی گرفت میں نہیں آتیں۔ زندگی کے بہت سے تجربات اور واقعات مادی حواس کے علاوہ آدمی کے اندر موجود ایسے ذرائع ادراک کا پتہ دیتے ہیں جن کو ماورائے ادراک حواس، چھٹی حس، وجدان، ضمیر، اندرونی آواز، رُوحانی پرواز وغیرہ کا نام دیا جاتا ہے۔

علم رُوحانیت کے مطابق غیب میں لامتناہی روشنیاں موجود ہیں۔ ان ہی روشنیوں میں کہکشانی نظام، سماوی مخلوق، خلاء میں آبادیاں اور رُوحانی علوم و اسرار شامل ہیں۔ جب آدمی اپنے اندر متوجہ ہوتا ہے تو شعور کے آئینہ پر باطنی اطلاعات تصویریں بننے لگتی ہیں اور غیبی نقوش شعور کی گرفت میں آجاتے ہیں۔ اِنسان جب توجہ اور دلچسپی کے ساتھ کسی ایک نقطہ پر غور کرتا ہے تو غور و فکر اسے شعور کے پس پردہ لاشعور میں دھکیل دیتا ہے۔ اور شعوری میکانزم کے پس پردہ ایجنسی (لاشعور) سے وہ کسی حد تک واقف ہو جاتا ہے۔ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں یا محسوس کرتے ہیں وہ ایسے عوامل کے دوش پر سفر کر رہا ہے جو بظاہر ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ لیکن ان کی موجودگی کے بغیر کوئی حرکت عمل میں نہیں آتی۔ موجودات کی ہر حرکت ایک دوسرے سے مربوط ہے۔ اور ہر آنے والے لمحے کی تعمیر پہلے لمحے پر قائم ہے۔ جبلی طور پر ہمارا حافظہ ہمیں کشش ثقل کا پابند رکھتا ہے۔ ہم وقت اور فاصلے کی پابندیوں میں صرف لمحہ حاضر کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جن لمحات کا نام ماضی یا مستقبل رکھا جاتا ہے وہ ثانیہ حاضر میں شعور کی اسکرین پر جلوہ گر نہیں ہوتے۔ کائنات اور کائنات کے تمام اجزاء اور ان کے نقوش ایک ریکارڈ یا فلم کی شکل میں موجود ہیں۔

ہماری مادی نگاہ اس ریکارڈ کا احاطہ نہیں کر سکتی لیکن ان نقوش کی موجودگی سے انکار ممکن نہیں ہے۔ رویا کی صلاحیت انسان کو مادی سطح سے ماوراء باتوں کی اطلاع فراہم کرتی ہے۔ یہ صلاحیت جب برسر عمل ہوتی ہے۔ ماضی، مستقبل، دوری، نزدیکی بے معنی ہو جاتی ہے۔

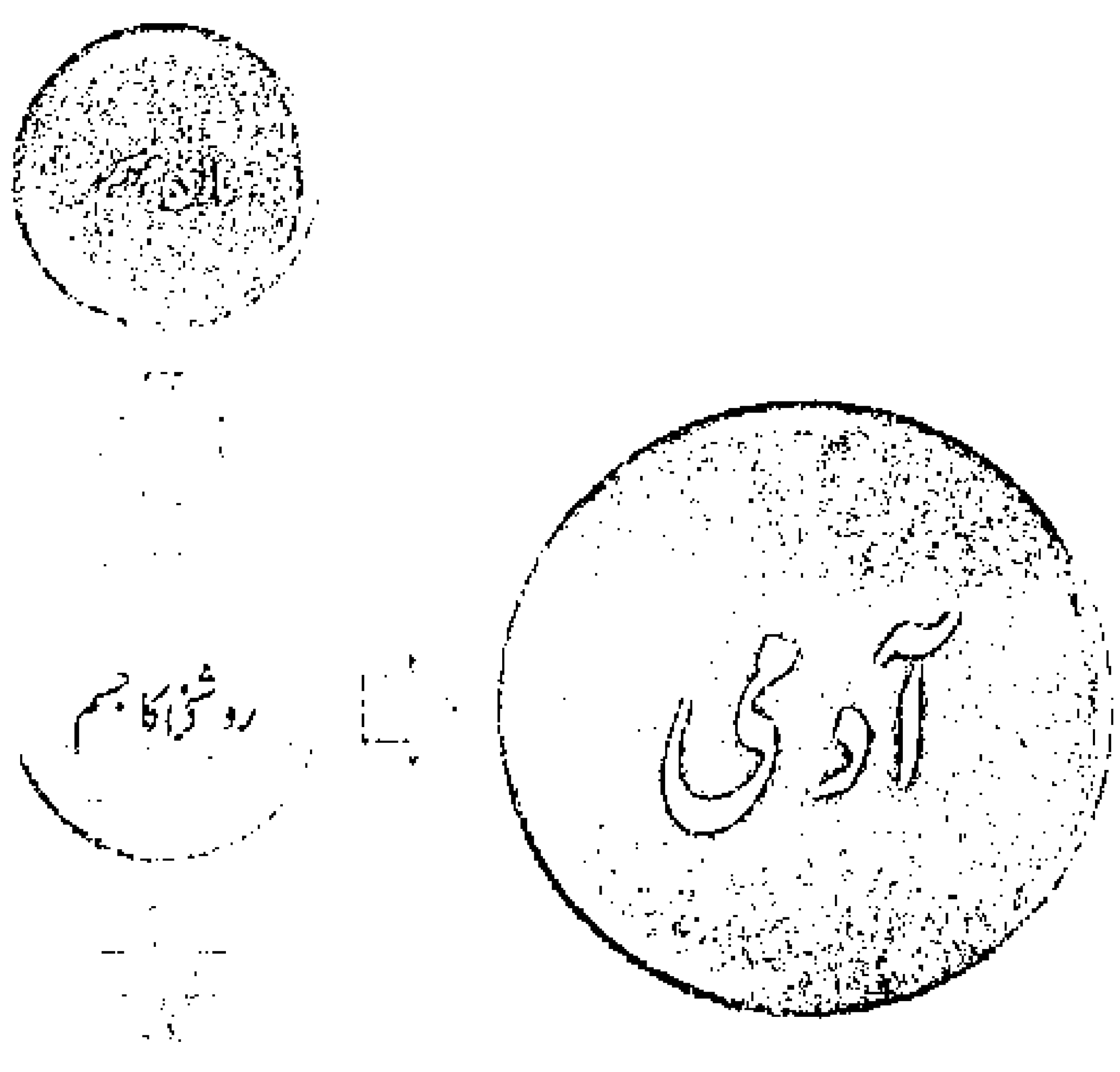

اِنسان کے اندر جو صلاحیتیں کام کرتی ہیں وہ تین دائروں میں مظہر بنتی ہیں۔ اس کو اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ آدمی کے تین جسم ہیں۔

1۔ مادی جسم

2۔ روشنی کا بنا ہوا جسم

3۔ نُور سے بنا ہوا جسم

یہ تینوں جسم بیک وقت متحرک رہتے ہیں۔

لیکن مادی جسم (شعور) صرف مادی حرکات کا علم رکھتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

موضوع 84/ 15

روزہ FAST

سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ (THE COW)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡکُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَۙ ﴿۱۸۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے۔ جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کئے گئے تھے۔ تا کہ تم میں اس سے تقویٰ پیدا ہو۔

O ye who believe! Fasting is prescribed for you, even as it was prescribed for those before you, that ye may ward off evil);

اس آیت مبارکہ سے ہمیں یہ پیغام ملتا ہے کہ روزہ کا حاصل تقویٰ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: **ہدایت متقیوں کو ملتی ہے۔(سورۃ بقرہ آیت 2)**

روزہ ایسی عبادت ہے جو انسان میں تقویٰ کے اوصاف پیدا کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کا مہینہ تقویٰ کے حصول کے لئے بہترین ماحول فراہم کرتا ہے۔ رمضان المبارک کو اس کے صحیح آداب کے ساتھ بسر کرنے والا ایسی جسمانی اور روحانی کیفیات سے گزرتا ہے جن میں اس پر اللہ کی مشیت کے راز آشکار ہوتے ہیں۔ بندہ کا قلبی ذہنی اور روحانی تعلق اپنے خالق اور مالک کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ روزہ کے فوائد و ثمرات پانے کے لئے ضروری ہے کہ روزہ رکھتے ہوئے ان تمام امور کا دھیان رکھا جائے جو روزے کے مقاصد کے حصول کے لئے معاون ہیں۔

روزہ جسمانی امراض کا مکمل علاج ہے اور روحانی قدروں میں اضافہ کرنے کا ایک مؤثر عمل ہے۔ برائی سے بچنے کے لئے ایک ڈھال ہے۔ روزہ رکھنے سے جسمانی کثافتیں دور ہو جاتی ہیں اور آدمی کے اندر لطیف روشنیوں کا بہاؤ تیز تر ہو جاتا ہے۔ روشنیوں کے تیز بہاؤ سے آدمی کے ذہن کی رفتار بڑھ جاتی ہے، اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اس کے سامنے فرشتے آجاتے ہیں۔ اور غیب کی دنیا میں خود کو چلتے پھرتے دیکھ لیتا ہے۔

Marfat.com

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا کوئی بدل نہیں روزے کے عظیم اور بے پایاں اثرات کو بیان کیا جائے تو اس کے لئے ہزاروں ورق درکار ہوں گے مختصر یہ کہ روزہ امراض جسمانی کا مکمل علاج ہے۔ روزہ رُوحانی اقدار میں اضافے کا ایک انتہائی موثر عمل ہے۔ برائیوں سے بچنے کے لئے ایسی ڈھال ہے جس کا کوئی توڑ نہیں۔ روزے دار ایک مخصوص دروازے سے جنّت میں داخل ہوں گے۔ قیامت کے دِن روزہ اس بندے کی سفارش کرے گا جس نے پورے ادب و احترام کے ساتھ رمضان کو خوش آمدید کیا تھا۔ محض اللہ کی رضا کے لئے بھوکا پیاسا رہنے سے آدمی کی رُوح آسمانی وسعتوں میں پرواز کر کے عرش کی رفعتوں کو چھو لیتی ہے۔ وہ رمضان جس میں قرآن نازل ہوا ایک پُر عظمت اور حکمت سے معمور مہینہ ہے جو اِنسانی شعور کو مصفّٰی اور صیقل بنا دیتا ہے روزہ رکھنے سے جسمانی کثافتیں دور ہو جاتی ہیں اور آدمی کے اندر لطیف روشنیوں کا بہاؤ تیز تر ہو جاتا ہے۔ روشنیوں کے تیز بہاؤ سے آدمی کے ذہن کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ ذہن کی یہ رفتار اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ غیب کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔

قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق کائنات میں موجود ہر شے دورُخ پر قائم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَیۡنِ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۴۹﴾ اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے شاید تم دھیان کرو۔

(سورۃ الذریات، پارہ 27، آیت 49)

چنانچہ اِنسانی حواس بھی دورُخ پر قائم ہیں۔ ایک رُخ یہ ہے کہ اِنسان ہمیشہ خود کو پابند اور مقید محسوس کرتا ہے۔ قید و بند میں ہمارے اندر جو حواس کام کرتے ہیں وہ ہمیشہ اسفل کی طرف متوجہ رہتے ہیں دوسرا رُخ وہ ہے جہاں اِنسان قید و بند سے آزاد ہے۔ زندگی نام ہے تقاضوں کا، یہ تقاضے ہی ہمارے اندر حواس بناتے ہیں۔ بھوک، پیاس، جنس، ایک دوسرے سے بات کرنے کی خواہش، آپس کا میل جول اور ہزاروں قسم کی دلچسپیاں سب کے سب تقاضے ہیں اور ان تقاضوں کا دارومدار حواس پر ہے۔ حواس اگر تقاضے قبول کر لیتے ہیں تو یہ تقاضے حواس کے اندر جذب ہو کر ہمیں مظاہراتی خدوخال کا عِلم بخشتے ہیں۔ عام دنوں میں ہماری دلچسپیاں مظاہر کے ساتھ زیادہ رہتی ہیں۔ کھانا پینا، سونا جاگنا، آرام کرنا، حصول معاش میں جدوجہد کرنا اور دنیا کے مسائل سب کے سب مظاہر ہیں۔

مظاہر کی نفی:

عام دنوں کے برعکس روزہ ہمیں ایسے نقطے پر لے آتا ہے جہاں سے مظاہر کی نفی شروع ہوتی ہے مثلاً وقت معینہ تک ظاہری حواس سے توجہ ہٹا کر ذہن کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ ظاہری حواس کے علاوہ اور بھی حواس ہمارے اندر موجود ہیں جو ہمیں آزاد دنیا (غیب کی دنیا) سے رُوشناس کرتے ہیں۔ روزہ زندگی میں کام کرنے والے حواس پر ضرب لگا کر ان کو معطل کر دیتا ہے۔ بھوک پیاس پر کنٹرول، گفتگو میں احتیاط، نیند میں کمی اور چوبیس گھنٹے کسی نہ کسی طرح یہ کوشش کی جاتی ہے کہ مظاہر کی گرفت سے نکل کر غیب میں سفر کیا جائے۔

Marfat.com

دو طرح کے حواس: کائنات میں ہر ذی روح میں دو حواس کام کرتے ہیں:

1۔ وہ حواس جو اللہ سے قریب کرتے ہیں۔

2۔ وہ حواس جو اللہ اور بندے کے درمیان فاصلہ بن جاتے ہیں۔

اللہ سے دور کرنے والے حواس سب کے سب مظاہر ہیں اور اللہ کے قریب کرنے والے حواس سب کے سب غیب ہیں۔ مظاہر میں اِنسان زمان و مکان میں قید و بند ہے اور غیب میں زمانیّت و مکانیّت اِنسان کی پابند ہے۔ جو حواس ہمیں غیب سے رُوشناس اور متعارُف کراتے ہیں قُرآن پاک کی زبان میں ان کا نام "لیل" یعنی رات ہے۔

رات کے حواس ہوں یا دِن کے حواس دونوں ایک ہی ہیں۔ ان میں صرف ایک CLASSIFICATION درجہ بندی ہوتی رہتی ہے۔

دِن کے حواس میں زمان و مکان کی پابندی ہے۔ لیکن رات کے حواس غیب میں سفر کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور ان ہی حواس میں اِنسان برزخ، اعراف، ملائکہ اور ملاءِ اعلیٰ کا عرفان حاصل کرتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے تذکرے میں ایک جگہ اللہ رب العزّت فرماتے ہیں:

وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ

اور ہم نے موسیٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس رات مزید سے ان کو پورا کیا، سو ان کے پروردگار کا وقت پورے چالیس رات کا ہو گیا۔

(سورۃ الاعراف، پارہ 9، آیت 142)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کو چالیس رات میں توریت (غیبی انکشافات) عطا فرمائی۔ فرمان خداوندی بہت زیادہ غور و فکر طلب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے چالیس دِن میں وعدہ پورا کیا۔

صرف رات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے چالیس دِن اور چالیس رات کوہِ طور پر قیام فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چالیس دِن اور چالیس رات حضرت موسیٰؑ پر رات کے حواس غالب رہے۔

سیّدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معراج کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِيْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی، جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے، اس لئے کہ ہم اسے اپنی قُدرت کے بعض نمونے دکھائیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب سننے دیکھنے والا ہے۔

(سورۃ بنی اسرائیل، پارہ 15، آیت 1)

Marfat.com

رات کے حواس یعنی سونے کی حالت میں نہ ہم کچھ کھاتے ہیں اور نہ بات کرتے ہیں اور نہ ارادتاً ذہن کو دنیاوی معاملات میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مظاہراتی پابندی سے بھی آزاد ہو جاتے ہیں۔

روزہ کا پروگرام ہمیں یہی عمل اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ روزہ میں تقریباً وہ تمام حواس ہمارے اوپر مُسلّط ہو جاتے ہیں جن کا نام رات ہے۔

گفتگو میں احتیاط اور زیادہ سے زیادہ عبادت میں مصروف رہنا اور ذہن کا اس بات پر مرکوز رہنا کہ یہ کام صرف اللہ کے لئے کر رہے ہیں، ذہن کو دنیا کی طرف سے ہٹاتا ہے۔ زیادہ وقت بیدار رہ کر رات (غیب) کے حواس کے قریب ہونے کی کوشش کی جاتی ہے، رمضان کا پورا مہینہ دراصل ایک پروگرام ہے اس بات سے متعلق کہ انسان اپنی رُوح اور غیب سے متعارف ہو جائے۔

روزہ کا حاصل زندگی کی عمومی خواہشات کا ترک ہے۔ یہ حواس کو جِلا بخشتا ہے اور حواس کو ایک نقطہ پر مجتمع کرتا ہے۔ عام طور پر ہم پانچ ظاہری حواس سے متعارف ہوتے ہیں۔ پانچ ظاہری حواس کے علاوہ پردے میں اور بہت سے حواس ہیں جو "ترک" سے منکشف ہوتے ہیں۔ ظاہری حواس اور ظاہری اعمال وخواہشات کا ترک انسان کو خود سے قریب کر دیتا ہے کم بولنے کم کھانے، کم سونے سے فکر کا مجلیٰ ہونا لازمی ہے ایک روشنی دماغ میں اور سینے میں پیدا ہوتی ہے یہ روشنی اس روشنی سے الگ ہے جو ظاہری حواس میں کام کرتی ہے یہ روشنی فکر میں رہنمائی کرتی ہے قرآن نے جس کا نام "لیلۃ القدر" رکھا ہے وہ دراصل ترک کا پروگرام ہے جو پورے رمضان شریف میں تکمیل پاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: "روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں ہوں" (حدیث قدسی)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿٢﴾ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ﴿٤﴾ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿٥﴾

اور ہم نے یہ (قرآن) اتارا شب قدر میں اور تو کیا سمجھا کیا ہے شب قدر؟ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے اترتے ہیں فرشتے اور رُوح اس میں اپنے رب کے حکم سے، ہر کام پر امان ہے وہ رات صبح کے نکلنے تک۔

(سورۃ القدر، پارہ30، آیت 1تا5)

فرمانِ الٰہی کے مطابق لیلۃ القدر ایک ہزار مہینوں کے دِن اور رات کے حواس سے افضل ہے۔ کیونکہ عام حواس کی رفتار اس رات میں (جو بہتر ہے ہزار مہینوں سے) ساٹھ ہزار گنا بڑھ جاتی ہے۔

رمضان کا مہینہ خیر وصلاح اور تقویٰ وطہارت کا موسم ہے جس میں بُرائیاں دبتی ہیں، نیکیاں پھیلتی ہیں، پُوری پُوری آبادیوں پر خوفِ خدا

Marfat.com

اور خبتِ خیر کی رُوح چھا جاتی ہے اور ہر طرف پرہیز گاری کی سر سبز کھیتی نظر آنے لگتی ہے۔

رمضان کا مبارک اور مقدس مہینہ جن خصوصیات اور محاسن کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہوتا ہے ان برکتوں اور رحمتوں کی تفصیل مکمل طور پر ممکن نہیں، تاہم چند اہم اور نمایاں نتائج و ثمرات کے حوالے سے کچھ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

روزے کے فضائل:

روزے کا پہلا اجر و فیض تو ایمان کی از سر نو تازگی اور شادابی ہے۔ روزے کی حالت میں بُھوک پیاس کی شدت اور دیگر نفسیاتی خواہشات کے ہیجان پر وہی شخص قابو پا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ چیز اُس کی قوت ایمانی و حرارت میں مزید اضافے کا سبب بنتی ہے۔

روزہ سال بھر میں ایک مہینے کا غیر معمولی نظام تربیت ہے جو آدمی کو تقریباً 720 گھنٹے تک مسلسل اپنے مضبوط ڈسپلن میں رکھتا ہے۔ رمضان کی پہلی تاریخ سے یہ عمل شروع ہو جاتا ہے اور ایک ماہ تک مسلسل اس کی تکرار جاری رہتی ہے۔ گویا پورے تیس دن تک آدمی ایک ڈسپلین کے ماتحت رکھا جاتا ہے کہ مقرر وقت تک سحری کرے، مقرر وقت پر افطار کرے، جب تک اجازت ہو اپنی خواہشات نفس پوری کرتا رہے اور جب اجازت سلب کر لی جائے تو ہر اُس چیز سے رُک جائے جس سے منع کیا گیا ہے۔

روزے کی حالت میں آدمی مسلسل بارہ تیرہ گھنٹے کھانے پینے سے رُکا رہتا ہے۔ وہ سحری کا وقت ختم ہوتے ہی نفس کے مطالبات سے یکایک ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور افطار کی گھڑی تک رُکا رہتا ہے۔ روزہ مہینے بھر تک روزانہ کئی کئی گھنٹے آدمی کو اس حالت میں رکھتا ہے کہ اپنی بالکل ابتدائی ضرورت پوری کرنے کے لیے بھی اُسے خداوندِ عالم کا اذن پیشِ نظر رکھنا لازم ہے۔

یوں روزے دار کے دل پر یہ بات نقش ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور ایک ہی قانون کا پیروکار ہے۔ اس طرح روزہ انسان کی فرمانبرداریوں اور اطاعتوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر ایک مرکزی اقتدار کی جانب پھیر دیتا ہے اور تیس دن تک روزانہ بارہ تیرہ گھنٹے اُسی ایک سمت میں جمائے رکھتا ہے تاکہ رمضان کے بعد جب اس ڈسپلن کے بند کھول دیے جائیں تو اُس کی اطاعتیں اور فرمانبرداریاں بکھر کر بھٹک نہ جائیں۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ افراد کی اصلاح کے لیے دو قسم کے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔

1. **باطنی یعنی قلبی کیفیات اور اندرونی حالت میں انقلاب اور تبدیلی پیدا کی جائے۔**
2. **ظاہری یعنی بیرونی دباؤ اور خدائی قوانین کے ذریعے برائیوں کو روکنے اور نیکیوں کو نشو و نما دینے کی کوشش کی جائے۔**

اسلام نے یہ دونوں طریقے اختیار کیے ہیں لیکن اس نے پہلے زیادہ توجہ باطنی کیفیت پر دی ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سنو! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ اگر وہ دُرست ہو جائے تو سارا جسم دُرست ہو جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارے جسم میں بگاڑ ہو جاتا ہے۔ آگاہ رہو یہ لوتھڑا دل ہے۔" (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

Marfat.com

قلبی کیفیات میں تبدیلی اور پاکیزہ میلانات پیدا کرنے کے لیے نماز کے بعد اگر کسی عبادت کا مقام ہو سکتا ہے تو وہ روزہ ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمادیا ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے۔ تاکہ اس ذریعے سے تم تقویٰ اختیار کرو۔

(سورہ البقرہ، پارہ 2، آیت 183)

یعنی روزے فرض کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو۔

اگر آدمی روزے کا اصل مقصد سمجھ لے اور جو قوت روزہ دیتا ہے، اُسے لینے کے لیے تیار ہو، اور روزے کی مدد سے اپنے اندر خوف خدا اور اطاعت کی صفت کو نشوونما دینے کی کوشش کرے تو یہ چیز اُس میں اتنا تقویٰ پیدا کر سکتی ہے کہ رمضان ہی میں نہیں، بلکہ سال کے باقی گیارہ مہینوں میں بھی وہ زندگی کی سیدھی شاہراہ پر دونوں طرف کی خاردار جھاڑیوں سے دامن بچاتے ہوئے چل سکتا ہے۔ اس صورت میں روزے کے نتائج (ثواب) اور منافع (اجر) کوئی حد نہیں۔

روزے کا دوسرا مقصد اخلاص ہے۔ دیگر عبادات کا علم کسی نہ کسی طرح دوسرے افراد کو ہو سکتا ہے لیکن روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جب تک خود روزہ دار ہی اپنی زبان سے اس کا اظہار نہ کرے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ اس عبادت میں ریاکاری اور نمائش کا کم از کم امکان پایا جاتا ہے اسی بنا پر حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

"روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کی جزا ہوں" (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

روزے کی بنا پر انسان میں صبر یعنی ضبطِ نفس اور اپنی خواہشات پر قابو پانے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

روزے کی وجہ سے انسان میں جذبہ شکر اُبھرتا ہے اور اُسے اللہ پاک کی نعمتوں کی قدر و منزلت معلوم ہوتی ہے اور پھر یہ جذبہ محسن حقیقی کی محبت سے وابستہ کر دیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب مقام محبت حاصل ہو جائے تو پھر عبادات و اطاعت کی مثالیں بھی دوچند ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ

روزوں کا مہینہ رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن اوّل اوّل نازل ہوا جو لوگوں کا راہنما ہے اور جس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو حق و باطل کو الگ الگ کرنے والا ہے تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو چاہیے کہ پورے مہینے

Marfat.com

مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر ان کا شمار پورا کر لے اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔ اور یہ آسانی کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ تم روزوں کا شمار پورا کر لو اور اس احسان کے بدلے کہ اللہ نے تم کو ہدایت بخشی ہے تم اس کو بزرگی سے یاد کرو اور اس کا شکر کرو۔ (سورہ البقرہ، پارہ 2، آیت 185)

روزہ انسان میں ہمدردی اور غمخواری کے جذبات اُبھارتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ——— جس نے روزے دار کو روزہ افطار کرا دیا، اُسے بھی روزے دار کے برابر ثواب ملے گا اور جس نے پیٹ بھر کر کسی روزہ دار کو کھانا کھلایا، اُسے اللہ تعالیٰ حوضِ کوثر کا جام پلائے گا کہ میدانِ محشر میں پیاس ہی محسوس نہ ہو گی اور جس نے اپنے غلام یا ماتحت شخص سے کام لینے میں نرمی برتی، اللہ تعالیٰ اُس کی گردن کو جہنم سے آزادی عطا کرے گا۔ (بیہقی۔ مشکوٰۃ)

قیام اللّیل:

رمضان المبارک کی دوسری خصوصیت رات کا قیام یعنی شب بیداری ہے۔ اللہ کے محبوب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جس نے رمضان میں ایمان کی بنا پر ثواب کی اُمید میں قیام اللیل کی، اُس کے اگلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔" (بخاری۔ مسلم۔ مشکوٰۃ)

قیام الیل میں نفس کی تربیت جس طرح ہوتی ہے، اُس کی وضاحت اس انداز سے کی گئی ہے۔

بلاشبہ رات کا اُٹھنا نفس کا کچلنا اور بات کے دُرست ہونے کے لیے زیادہ سازگار ہے۔ (سورہ مزمل)

رات کے آخری حصے میں نرم گرم بستر چھوڑ کر اللہ کی یاد کے لیے اُٹھنا نفس پر انتہائی شاق گزرتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس پُرسکون فضا میں اپنے رب سے مناجات اور سرگوشی کرنے میں جو لطف حاصل ہو سکتا ہے، اُس کا دسواں حصہ بھی دن کے ہنگامہ پرور اوقات میں میسر نہیں آسکتا۔ رسول اللہ ﷺ یوں تو دوسرے مہینوں کی نسبت رمضان میں شب بیداری کا خصوصی طور پر اہتمام فرمایا کرتے تھے لیکن آخری عشرے میں آپ ﷺ کا اہتمام اور بھی زیادہ تیز ہو جاتا تھا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: جب آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ ﷺ عبادت میں زیادہ منہمک ہو جاتے، رات جاگ کر گزارتے اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔ (بخاری، مسلم)

تلاوتِ قرآن:

رمضان المبارک کی ایک خصوصیت اس ماہ میں نزولِ قرآن ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰن

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن پاک نازل ہوا۔

(سورہ بقرہ، پارہ 2، آیت: 185)

Marfat.com

یہ انداز بیان ظاہر کر رہا ہے کہ رمضان اور قرآن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ قرآن کے نزول کا مقصد یہ نہیں ہے اسے تیزی کے ساتھ بے سمجھے بوجھے پڑھ لیا جائے بلکہ قرآن مجید کا حق صحیح معنوں میں اُس وقت ادا ہو سکتا ہے جب اس کے نزول کے مقاصد پیش نظر رکھے جائیں:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿١٠٦﴾

ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا ہے تا کہ اُسے آپ ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے لوگوں کو سنائیں۔" ہم نے خود اسے بتدریج نازل فرمایا۔ (سورہ نبی اسرائیل۔ آیت:106)

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾

ہم نے برکت والی کتاب نازل کی ہے تا کہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور تدبر سے کام لیں۔ (سورہ ص: آیت۔29)

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿١٠٥﴾ۙ

اے پیغمبر ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تا کہ اللہ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات فیصل کرو اور دیکھو دغابازوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کرنا۔

(سورہ نساء: آیت105)

یعنی انسان اپنے نفس پر، اپنے گھر پر، ماحول پر، پورے ملک پر بلکہ پوری دنیا پر اللہ کی کتاب کا غلبہ اور حکمرانی قائم کرنے کی جدوجہد میں لگ جائے۔ زندگی کا کوئی شعبہ اور معاشرے کا کوئی حصہ بھی اس کی رہنمائی سے خالی نہ رہے۔

انفاق فی سبیل اللہ:

رمضان المبارک کی ایک خصوصیت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ اس ماہ تمام قیدیوں کو آزادی عطا فرما دیتے اور ہر سائل کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتے۔" (مشکوۃ)

اللہ تعالیٰ کے احسانات خصوصاً نعمتِ قرآن کا شکر اسی طرح سے ادا ہو سکتا ہے کہ اس مہینے میں کثرت سے غربا اور مساکین کی مدد کی جائے اور نیک کاموں میں باہم ایک دوسرے سے تعاون کیا جائے۔ اسی طرح روزے دار اس ماہ میں دل سے بخل کا میل کچیل دور کر سکتا ہے اور اُسے سخاوت و فیاضی کا خوگر بنا سکتا ہے۔ ان تمام خصوصیات پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ رمضان کے ذریعے عبادتِ خالق اور خدمتِ خلق دونوں کی تربیت دی گئی ہے۔

سوچ کا فروغ:

رمضان المبارک کی پانچویں خصوصیت، اس میں اجتماعیت کا پہلو ہے۔ یہ وہ پہلو ہے جو رمضان المبارک کے تمام احکام و

Marfat.com

عبادات میں نمایاں ہے۔

لیلۃ القدر:

رمضان کی ایک خصوصیت لیلۃ القدر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ کے مطابق اس رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ اس رات مندرجہ ذیل دعا پڑھنا مسنون ہے:

اللّٰھم انك عفو تحب العفو فاعف عنی

اے خدا! تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے۔ تو میری خطائیں معاف فرما۔ (ترمذی۔ مشکوٰۃ)

عام طور پر ستائیسویں شب ہی کو شبِ قدر سمجھا جاتا ہے، حالانکہ حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے آخری عشرے کی پانچ طاق راتوں میں سے کوئی ایک شبِ قدر ہوتی ہے۔ اس لیے ان میں خاص طور پر عبادت و تلاوت اور ذکر کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اعتکاف:

رمضان المبارک کی ایک خصوصیت اعتکاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے مگر آخری سال آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ (صحیح بخاری، مشکوٰۃ)

اسلام نے رہبانیت یعنی ترکِ دنیا سے منع کیا لیکن انسان کی یہ خواہش بھی فطری ہے کہ وہ یکسوئی کے ساتھ گوشۂ تنہائی میں اپنے رب سے سرگوشیوں میں مصروف ہو اور اس کے حضور میں گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور آئندہ کے لیے زندگی کو اطاعت و وفاداری کا عہد و پیمان باندھے۔ اعتکاف کو مستحب قرار دے کر یہ خواہش پوری کی گئی ہے۔

استقبالِ رمضان:

رمضان کا حق صرف رمضان میں ادا نہیں ہوتا۔ اس سے پہلے اس کا استقبال، اس کا ذوق و شوق اور اس کی تیاری بھی ہونی چاہیے۔ مکان کی تعمیر کا سلسلہ بنیاد سے شروع ہوتا ہے، جتنا بڑا اور اونچا مکان بنانا ہوتا ہے اتنی ہی گہری بنیاد کھودی جاتی ہے۔ اگر کوئی مکان کی بنیاد کھود رہا ہو اور اس کو مضبوط بنا رہا ہو اور کوئی کہے کہ مکان کو تو زمین پر کھڑا ہونا ہے، یہ زمین کے اندر کیوں کھدائی کی جا رہی ہے، تو کیا اعتراض صحیح ہوگا۔۔۔۔۔؟

اسی طرح رمضان کی تیاری رمضان سے پہلے شروع ہونی چاہیے۔ رمضان شروع ہونے کے بعد اس کے دن گننا اور اس کے روزوں کو حساب لگانا کہ اب اتنے رہ گئے ہیں، بڑی ناقدری ہے۔

شعبان کے آخری عشرہ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ارشاد فرمایا:

”لوگو! تم پر ایک بہت پُرعظمت اور برکت کا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس کی ایک رات ہزاروں مہینوں سے

Marfat.com

افضل ہے۔" (سنن بیہقی)

چنانچہ رمضان کے آداب کو سمجھیے، اس پر عبادات میں خشوع، خضوع اور معاملات میں درستی و نکھار لانے کے لیے رمضان سے قبل ہی تیاری شروع کر دینی چاہیے۔

عید الفطر اور عید الاضحیٰ:

جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور اِنسان کی سماجی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں روئے زمین پر بسنے والی ہر قوم اور ہر قبیلے میں مختلف رسم و رواج نظر آتے ہیں۔ جو کسی قوم کے تشخص کا اظہار ہیں۔ رسوم و رواج کی حیثیت گو کہ ہر قوم میں جداگانہ ہے لیکن ان کی موجودگی اِنسانی معاشرت کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ ان رسوم و رواج میں تہواروں کو ایک مخصوص اہمیت حاصل ہے۔

زمین پر آباد ہر قبیلہ، ہر قوم کسی نہ کسی نام سے جشن یا تہوار مناتی ہے اور یہ اس قوم کے قومی تشخص کا آئینہ ہوتے ہیں۔ اس آئینے میں قومی شعار کا چہرہ صاف اور واضح نظر آتا ہے۔ قوموں میں تہوار منانے کے طریقے جداگانہ ہیں۔ بعض قومیں یہ تہوار صرف کھیل کود، راگ رنگ اور سیر و تفریح کے ذریعے مناتی ہیں۔ ان تقاریب کے پس منظر میں قوموں کو ان کے اسلاف سے جو روایات یا اخلاق منتقل ہوا ہے اس کی نمایاں طور پر منظر کشی ہوتی ہے۔ تہوار ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر کسی قوم کی تہذیب کو پرکھا جا سکتا ہے۔

یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ قوم کی اخلاقی اور رُوحانی طرزِ فکر جتنی بلند یا پست ہوتی ہے اس کا اظہار ماحول میں رائج روایات اور طریقوں سے ہوتا ہے۔ ان روایات اور طریقوں کے اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ تہوار منانے میں اختیار کردہ طریقے ہوتے ہیں۔ یہ طریقے اعلیٰ مقاصد اور بنیادی اصولوں سے اَخذ شدہ ہوتے ہیں جن سے اس قوم کی بقا اور قیام وابستہ ہے۔

ہر قوم اپنے ماضی پر زندہ ہے۔ اگر کسی قوم کے پاس ماضی نہیں ہے تو اس کی حیثیت قوم کی نہیں ہے۔ مسلمانوں کا بھی ایک ماضی ہے اور اس ماضی کو یاد رکھنے اور ماضی کے تاثرات کو آنے والی نسلوں میں پختہ کرنے کے لئے مسلمان دو تہوار مناتے ہیں۔

پہلا تہوار عید الفطر ہے جس کی نُورانیّت اور پاکیزگی اس امر پر قائم ہے کہ یہ تہوار اس وقت منایا جاتا ہے جب من حیث القوم ہر فرد اپنا تزکیۂ نفس کر کے پاک صاف اور مصفّیٰ و مجلّیٰ ہو جاتا ہے۔ تیس دن اور تیس رات وقت کی پابندی، غذا اور نیند میں کمی سحر و افطار میں اجتماعیت، عمل میں ہم آہنگی، ایسی یکسوئی پیدا کر دیتی ہے کہ جس یکسوئی کے ذریعے اِنسان اپنے نفس سے واقف ہو جاتا ہے۔ یہ واقفیت آدمی کے اندر بسنے والے اِنسان کو متحرک کر دیتی ہے۔

جب تزکیۂ نفس کے بعد اِنسان بیدار ہو جاتا ہے تو صلاحیتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ اضافہ دراصل ذہن کی رفتار ہے۔ آدمی کے اندر بسنے والے اِنسان کی رفتار پرواز عام آدمی کی نسبت ساٹھ ہزار گنا زیادہ ہوتی ہے۔ تیس روزے رکھنے کے بعد آدمی کے اندر کا انسان انگڑائی لے کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف فرشتوں کو دیکھتا ہے بلکہ فرشتوں سے ہم کلام ہوتا ہے۔ یہی وہ عید (خوشی) ہے جو انسان کے لئے قلبی سکون کا باعث بنتی ہے۔ یہی وہ عمل ہے جو قوم کی فکر و نظر میں ایسی تبدیلی لے آتی ہے جو بندے کو اللہ سے قریب کر

Marfat.com

دیتی ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ مسلمانوں کے لئے ایک تربیتی پروگرام ہے۔ اس مہینے میں ہر مسلمان کو اطاعت ربی کا خوگر بنایا جاتا ہے۔ نفسیات کا مسلمہ اصول ہے کہ ذہنی مرکزیت سے قوتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور ذہن کو کسی ایک نقطہ پر مرکوز کر دینے سے روشنیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب یہ روشنیاں ذخیرہ ہو جاتی ہیں تو آدمی مادی پستیوں سے نکل کر رُوحانی رفعتوں کو چھونے لگتا ہے۔

رمضان المبارک کے بیس روزوں کے بعد ایک رات ایسی آتی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لیلتہ القدر ہزار مہینوں سے افضل ہے اور اس کی فضیلت یہ ہے کہ اس میں فرشتے اور رُوح اترتے ہیں اور یہ پوری رات اللہ کی طرف سے خیر اور سلامتی کی رات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر فرمان میں حکمت مخفی ہے۔

شب قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ ہزار مہینوں میں تیس ہزار دِن اور تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک رات کی عبادت و ریاضت ساٹھ ہزار دِن اور رات کی عبادت اور ریاضت سے افضل ہے۔

سیّدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد عالی مقام ہے:

"شب قدر میں فرشتے اور حضرت جبرائیلؑ اپنے رب کے حکم سے سلامتی کے ساتھ اترتے ہیں اور جو بندے شب قدر میں اپنے خالق کی یاد اور محبت میں اور اس کی قربت کے حصول کیلئے جاگتے ہیں۔ فرشتے اور حضرت جبرائیلؑ ان سعید بندوں سے مصافحہ کرتے ہیں۔ یہ اتنی بڑی سعادت اور خوشی ہے کہ اس پر جتنا شکر کیا جائے اور جس قدر خوشی کا اظہار کیا جائے وہ کم ہے۔ عید دراصل اسی سعادت اور اسی نعمت کا شکر ادا کرنے کا نام ہے۔"

حوالہ جات:

1۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع نمبر 220، صفحہ نمبر 157

2۔ کتاب "تجلیات" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب روزہ، صفحہ نمبر 113

3۔ ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ اگست 2010ء کے شمارے سے انتخاب تحریر: محمد اقبال جیلانی

Marfat.com

موضوع 84/ 16

سریع الحساب

SWIFT AT RECKONING

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ (THE COW)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾

ترجمہ: یہی لوگ ہیں جن کے لئے ان کے کاموں کا حصّہ یعنی اجر نیک تیار ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

For them there is in store a goodly portion out of that which they have earned. Allah is swift at reckoning.

جس طرح لباس کی اپنی کوئی حرکت نہیں ہوتی اس طرح جسم بھی روح کا لباس ہے۔ جو روح کا جسم سے تعلق ختم کرنے پر بے جان ہو کر لحہ بہ لحہ ختم ہو جاتا ہے۔ کسی بھی قبر کو آپ دو ہفتے کے بعد کھول کر دیکھیں یا ایک مہینے کے بعد کھول کر دیکھیں تو وہاں جسم نہیں ہوتا ڈی ہوتی ہے۔ سال بھر کے بعد کھول کر دیکھیں تو معلوم ہوا ہڈیاں بھی نہیں ہوتیں۔ جسم روح کا لباس ہے اور لباس سے تو کوئی سوال جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ مثلاً ایک آدمی شلوار کرتا ٹوپی وغیرہ بانس کو پہنا کر کھڑا کر دیں اور اس سے آپ سوال جواب کریں یہ لباس کیا جواب دے گا۔ اس لباس کو آپ پھاڑ دیں تب بھی اس کی طرف سے کوئی مدافعت نہیں ہوگی۔ اس میں آگ لگا دیں لباس جل جائے گا لیکن ایک آہ بھی نہیں نکلے گی۔

قبر میں جسم اس لئے رکھا جاتا ہے تاکہ انسان کی بے حرمتی نہ ہو اور یہ قبر میں رکھنے کا رواج کوئی اسلامی نہیں ہے۔ یہودیوں کے زمانے سے حضرت سلیمان علیہ السّلام کے زمانے سے یہ قبریں بنتی چلی آرہی ہیں۔ تو یہ انسانی عظمت کو خراب نہ کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ دیکھیں اب ایک آدمی مر گیا، اُس کی آپ لاش چھوڑ دیجئے، اب وہ پھولے گا، سڑے گا، اُس میں بدبو ہوگی، تعفن ہوگا، اُس میں کیڑے پڑیں گے، گِدھ کھائیں گے، کوّے کھائیں گے، چیلیں کھائیں گی، چیونٹیاں لگیں گی، بلی کتے بھیڑیئے، سب آ کر اسے کھائیں گے تو یہ آدمی کی ایک طرح سے بے عزّتی ہوگی۔ تو اس بے عزّتی سے بچانے کے لئے اور انسانیت کا احترام برقرار رکھنے کے لئے یہ قبر کا تصور قائم ہوا اور یہ حضرت آدم علیہ السّلام سے چل رہا ہے۔ ہابیل اور قابیل کا قصہ آپ نے سنا ہوگا وہاں سے یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ جسم کو اگر ہم روح کا لباس مان لیتے ہیں تو اس پر کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔ اِس جسم کے اوپر ایک اور روشنیوں کا بنا ہوا جسم ہوتا ہے اور وہ اس جسم سے 9 انچ اوپر ہوتا ہے وہ سارا حساب کتاب جزا و سزا سب اس کے اوپر ہوتا ہے، اور وہ چیز جو ہے وہ عالم

Marfat.com

اَعراف میں رہتی ہے۔ اب رہ گیا یہ سوال کہ روح جب عالمِ اَعراف میں چلی گئی تو قبرستان میں کیا رکھا ہے۔ وہاں تو مٹی کا ڈھیر ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ قبرستان میں کچھ بھی نہیں رکھا۔ جسم تو مٹی ہو گیا لیکن جس جگہ جسم کو ہم دفناتے ہیں آدمی کا اسی مناسبت سے اَعراف بنتا ہے۔ یعنی زمین سے 200 میل اوپر اس کا اَعراف بنتا ہے۔ زمین سے 200 میل اوپر ایک اور دنیا آباد ہے۔ بالکل اسی طرح کی جیسے کہ یہ دنیا ہے۔ اس کو ہم عالمِ اَعراف کہتے ہیں۔ اب اس کی مثال یوں ہے کہ ایک پلازہ ہے۔ اس کی 200 منزلیں ہیں تو جو زندہ آدمی ہیں مثال کے طور پر وہ پہلی منزل پر رہتے ہیں اور جو مرے ہوئے آدمی ہیں وہ دوسویں منزل پر رہتے ہیں تو اس کا تعلق اس زمین سے قائم ہے کیونکہ پلازہ بغیر زمین کے قائم نہیں رہتا۔

ایک بات اور غور طلب یہ ہے کہ عالمِ اَعراف جو ہے وہ زمین کے کرّہ سے باہر نہیں ہے۔ عالمِ اَعراف زمین کے کرّہ میں ہے تو جہاں اس کو دفن کرتے ہیں کسی مردہ جسم کو تو اس کا وہاں سے ایک تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ اُس گھر سے، اُس قبر سے، لیکن وہ رہتا عالمِ اَعراف میں ہے۔ تو جب ہم کسی قبر پر جاتے ہیں تو ہمارا تعلق اس بندے کے ساتھ عالمِ اَعراف سے قائم ہو جاتا ہے۔ انسان جب قبرستان جاتا ہے، وہاں جاکے بیٹھتا ہے، کچھ پڑھتا ہے، ایصالِ ثواب کرتا ہے، تو اس کے اندر وہ صلاحیت کام کرنے لگتی ہے جو صلاحیت یہاں سے 200 میل اوپر دیکھتی ہے۔ یعنی ایصالِ ثواب پہنچانا اِس بات کی نشاندہی ہے کہ انسان کے اندر ایسی صلاحیت کام کر رہی ہے یا ایسی نظر کام کر رہی ہے جو 200 میل اوپر بھی دیکھ سکتی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم قبرستان جاؤ تو کہو "السّلام علیکم یا اہل القبور" (اے قبرستان میں رہنے والے السّلام علیکم)۔ ظاہر ہے حضور ﷺ کی کوئی بات غلط تو ہو نہیں ہو سکتی۔ بغیر حکمت کے نہیں ہو سکتی۔ تو حضور ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ قبرستان جاکے کہو "السّلام علیکم یا اہل القبور" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں رہنے والے لوگ ہمارا اسلام سنتے ہیں اور وہ ہمارے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں لیکن تم سن نہیں سکتے۔ لیکن اگر ہم اس صلاحیت کو بیدار اور متحرک کریں، یعنی لاشعوری صلاحیت کو یا روحانی صلاحیت کو، تو ہم ان کی آواز سن بھی سکتے ہیں اور انہیں دیکھ بھی سکتے ہیں۔ ان سے رابطہ بھی قائم کر سکتے ہیں اور اولیاء کا عام قاعدہ ہے... کشف القبور... تصوف میں ایک باقاعدہ اصطلاح ہے لوگ جاتے ہیں، آنکھیں بند کر کے بیٹھتے ہیں، کچھ پڑھتے ہیں جو عالمِ اَعراف میں لوگ ہیں وہ سامنے آجاتے ہیں۔ قبر کا جو تعلق ہے، جو گوشت پوست کا بنا ہوا جسم ہے، اس سے حساب کتاب نہیں ہوتا بلکہ اس گوشت پوست کے اوپر ایک اور روح کا بنا ہوا جسم ہوتا ہے، مکمل جسم ہوتا ہے جسے جسمِ مثالی کہا جاتا ہے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "روح کی پکار" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب حساب کتاب کیا ہوتا ہے؟ صفحہ نمبر 158 تا 160

Marfat.com

موضوع 17/84

حُرمت والا مہینہ

THE SACRED MONTH

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ (THE COW)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ
وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ
وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ

ترجمہ:۔ وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ محترم مہینوں میں جنگ کا کیا حکم ہے؟ کہہ دو کہ اس میں جنگ بہت بُری بات ہے لیکن اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنا، اس کو نہ ماننا، بیت الحرام کا راستہ لوگوں پر بند کرنا اور اس کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک، اس سے بھی زیادہ بُری بات ہے۔

They question thee (O Muhammad) with regard to warfare in the sacred month. Say: Warfare therein is a great (transgression), but to turn (men) from the way of Allah, and to disbelieve in Him and in the Inviolable Place of Worship, and to expel his people thence, is a greater with Allah; for persecution is worse than killing.

حضور علیہ صلوٰۃ والسلام بدوی قبائل میں تشریف لے گئے اور مکہ والوں کی زیادتیوں اور چیرہ دستیوں سے بدوی قبیلوں کو آگاہ کر کے انہیں مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کی دعوت دی۔ قبیلوں نے یہ پیش کش قبول کر لی اور اہل مکہ سے حاصل ہونے والی آمدنی سے دستبردار ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے قبیلہ غفار، قبیلہ بنو ضمرہ قبیلہ جہینیہ اور قبیلہ بنومدلج کے سرکردہ افراد کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ بہت سارے لوگ مسلمان ہوئے اور کئی قبیلے مسلمانوں کے اتحادی بن گئے۔ ان قبائل کی بستیاں ایسی جگہ پر تھیں جہاں سے قافلے گزرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی غیر موجودگی میں ابن جبیر کی قیادت میں تیز رفتار اونٹوں پر سوار کچھ سواروں نے مدینہ پر حملہ کر دیا۔ گھروں میں آگ لگا دی۔ مسلمانوں کا مال واسباب لوٹ کر لے گئے۔

Marfat.com

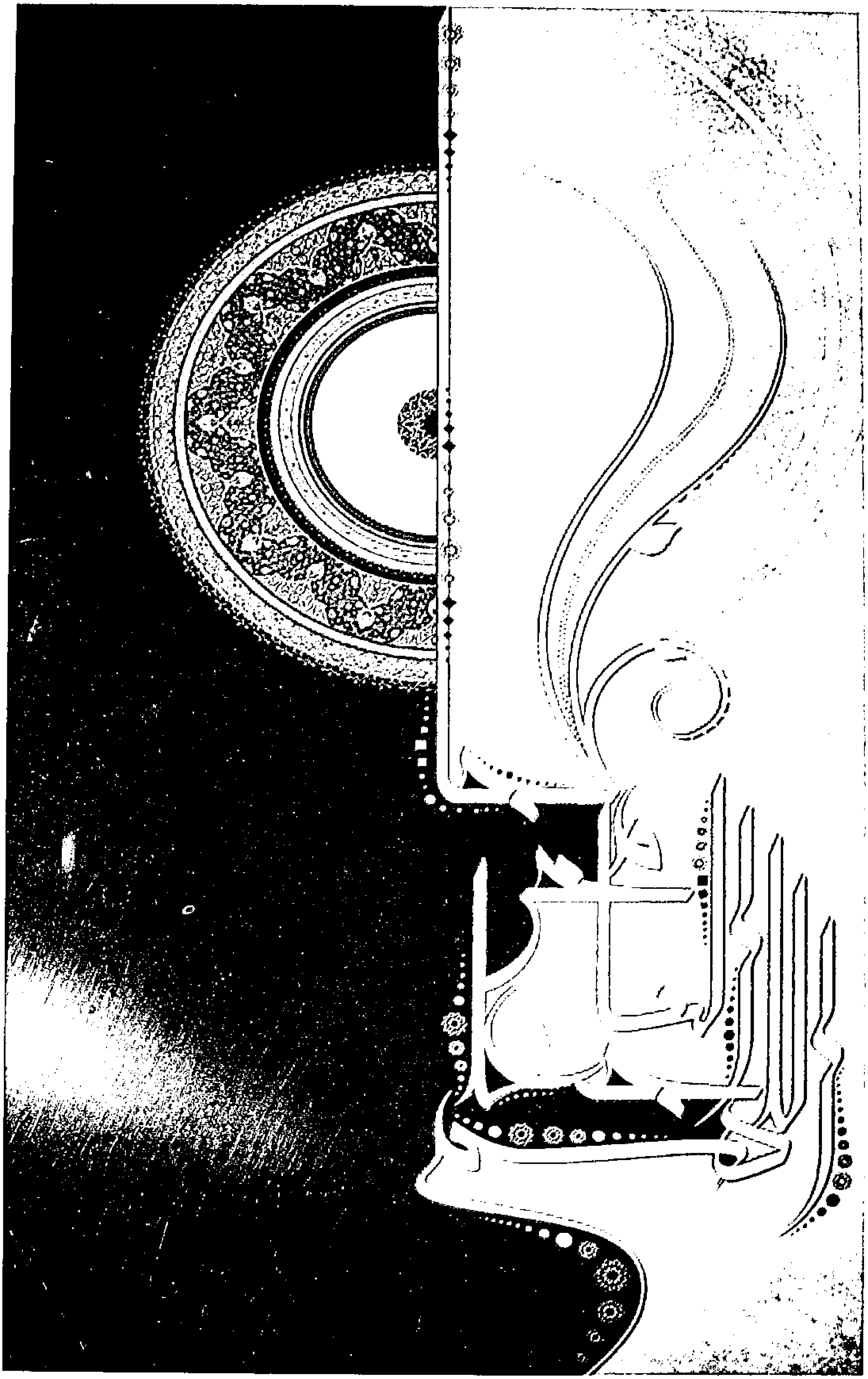

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

إنما أمره إذا أراد شيئا أن يقول له

كن فيكون

فسبحان الذي بيده ملكوت كل شيء وإليه ترجعون

Marfat.com

انکوائری کے بعد پتہ چلا کہ یہ قریش کی سازش تھی۔ قریش کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آٹھ مسلمانوں کو منتخب کیا اور ان میں عبد اللہ بن جحشؓ کو سربراہ بنایا۔ جب عبد اللہؓ نخلہ پہنچے تو رجب کا مہینہ ختم ہونے میں ابھی ایک دِن باقی تھا۔ رجب کا مہینہ اہلِ مکہ کے نزدیک حرمت والا مہینہ تھا۔ اسی دِن ایک کارواں نے جو کشمش اور کھالیں لے کر طائف سے مکہ جارہا تھا نخلہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ عبد اللہ بن جحشؓ نے کارواں کو روک لیا۔ اس قافلے میں قریش کے چار افراد شامل تھے۔ ان افراد میں سے ایک مارا گیا۔ دو اسیر ہو گئے اور ایک بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور مسلمانوں نے قافلے کا سارا مال اور مویشی اپنے قبضے میں لے لیے۔ مکہ میں صدائے اعتراض بلند ہوئی اور مدینہ کے بت پرست یہودیوں نے بھی احتجاج کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف الزام تراشی کی مہم شروع کر دی کہ مسلمانوں نے رجب کے مہینے میں کارواں پر حملہ کر کے دیرینہ قوانین کی خلاف ورزی کی ہے۔

عبد اللہ بن جحشؓ مالِ غنیمت لے کر آئے تو مسلمان بھی شبہ میں پڑ گئے۔ سیّدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی غمگین و ملول ہوئے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ سارا سامان ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور کوئی اسے ہاتھ نہ لگائے جب تک کوئی فیصلہ نہ ہو۔ اس موقع پر سورہ بقرہ کی آیات نازل ہوئیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ

آپ سے (اے محمد ﷺ) حرمت والے مہینوں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اس ماہ میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے۔ مگر اللہ کی راہ روکنا اور خدا سے کفر کرنا اور مسجد الحرام میں داخلے پر پابندی لگانا اور ان لوگوں کو جو اس کے اہل ہیں وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فتنہ انگیزی قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔ (سورۃ بقرۃ، پارہ 2، آیت 217)

حوالہ جات:

1۔ کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ جلد اوّل، باب تین سو تیرہ بمقابلہ ایک ہزار، صفحہ نمبر 114 تا 116

Marfat.com

موضوع 18/84

قانونِ قدرت

LAW OF NATURE

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ (THE COW)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾

ترجمہ: کیاتم نے غور کیا جب بنی اسرائیل کے سرداروں نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد اپنے ایک نبی علیہ السلام سے کہا آپ ہمارے لئے ایک حکمران مقرر کر دیجیے تاکہ ہم اس کے حکم پر اللہ کی راہ میں جنگ کریں اس پر اس نبی نے پوچھا ایسا نہ ہو کہ تم کو جنگ کا حکم دیا جائے اور پھر تم نہ لڑو وہ بولے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں جبکہ ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور ہمارے بال بچے ہم سے جدا کر دیے گئے ہیں لیکن ہوا یہی کہ جب ان کو جنگ کا حکم دیا گیا تو ایک چھوٹی سی تعداد کے سوا وہ سب پیٹھ موڑ گئے اللہ ان میں سے ایک ایک ظالم کو جانتا تھا۔

Have you not thought about the group of the children of Israel after (the time of) Musa (Moses)? When they said to a Prophet of theirs,"Appoint for us a king and we will fight in Allah's way." He said,"Would you then refrain from fighting if fighting was prescribed for you?" They said " Why should we not fight in Allah's way while

Marfat.com

we have been driven out of our homes and our children? But when fighting was ordered for them, they turned away, all except a few of them. And Allah is All-Aware of the Zalimun.

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً تین سو سال بعد عمالقہ فلسطین کے اکثر حصّوں پر قابض ہو گئے تھے اور دن بدن انکی ایذا رسانیاں بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ ان لوگوں نے وہ صندوق جس کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے تبرکات محفوظ تھے وہ بھی بنی اسرائیلیوں سے چھین کر اپنے ملک عمالقہ پہنچا دیئے تھے۔ اس وقت حضرت سیموئیل علیہ السلام ان کے اندر پیغمبر موجود تھے جو بوڑھے ہو چکے تھے۔ بنی اسرائیل بار بار اپنے پیغمبر سے ایک ایسے امیر کو مقرر کرنے کا اصرار کرتے جو ان کے ساتھ مل کر عمالقہ سے لڑائی کرے اور ان کے کھوئے ہوئے ملک کے حصوں کو ان سے آزاد کرائے۔ مگر جب حضرت سیموئیل علیہ السلام نے ان پر ایک امیر مقرر کر دیا۔ اور جہاد کرنے کا حکم دیا تو سوائے چند آدمیوں کے سب نے جہاد کرنے سے انکار کر دیا۔ سب سے پہلے تو ان کے ذہنوں میں اس امیر جس کا نام طالوت تھا کو بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ شخص ہمارا بادشاہ بننے کے لائق نہیں۔ پھر جب حضرت سیموئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ انہیں بادشاہ کی طرف سے بادشاہی دی گئی ہے تو اس کا ثبوت اور دلیل پیش کرنے کا مطالبہ کیا گیا جس کی نشانی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے تبرکات کا صندوق ان کے پاس فرشتوں کے ذریعے پہنچانے کا اہتمام کیا گیا جس کا ذکر سورہ بقرۃ کی اس آیت میں موجود ہے۔

آخر کار تھوڑے سے لوگ طالوت کے ساتھ مل کر جالوت کے لشکر سے جنگ کرنے پر تیار ہو گئے۔ طالوت کے لشکر میں لڑنے والوں میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی تھے۔ اس وقت تک آپ علیہ السلام پیغمبری کے عہدے سے سرفراز نہیں کئے گئے تھے۔ اس جنگ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت مارا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکومت اور پیغمبری عطا فرمائی۔

قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ اور اللہ نے ان کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے پر چڑھائی اور حملہ کرنے سے نہ ہٹاتا رہتا تو کرہ ارض تباہ ہو جاتا لیکن اللہ اہل عالم پر بڑا مہربان ہے۔

(سورہ بقرہ، پارہ 3، آیت 251)

حکمت:

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی سنّت بیان کر دی ہے۔ کہ قدرت کا قانون یہ ہے کہ جب نافرمان لوگوں میں کسی ظالم اور جابر حکمران کے ظلم و تشدد کی انتہا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے زمین پر فساد اور خون ریزیاں بڑھ جاتی ہیں تو خلق خدا کی حفاظت کے لئے اور زمین کو ویران کھنڈرات میں تبدیل ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کوئی دوسری قوم پیدا کر دیتے ہیں۔ جس کے ذریعے ظالم اور جابر لوگوں سے دنیا کو

Marfat.com

نجات مل جاتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے زمین پر بڑھتے ہوئے ظلم وستم کے اس سیلاب کی روک تھام کی اور لوگوں کے اوپر آپ علیہ السلام کو حکمران مقرر کر دیا۔ لوگوں کی معاشرتی اور رُوحانی اصلاح کے لئے آپ علیہ السلام کو آسمانی کتاب زبور عطا کی گئی۔

حوالہ جات:

۱۔ کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، باب لوہا نرم ہو گیا، صفحہ نمبر 67 تا 68

Marfat.com

موضوع 19/84

دین میں زبردستی نہیں

NO COMPULSATION IN RELEGION

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ (THE COW)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: دین اسلام میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت صاف طور پر ظاہر اور گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔ تو جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسّی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے۔

There is no compulsion in religion. The right direction is henceforth distinct from error. And he who rejecteth false deities and believeth in Allah hath grasped a firm hand hold which will never break, Allah is Hearer, Knower.

سعید اور شقی ارواح:

شقی روح اور سعید روح سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو دو راستوں میں سے ایک راستے کے انتخاب کا حق دیا ہے۔ جن روحوں نے سعید راستے کا انتخاب کیا وہ سعید ہیں اور جن روحوں نے شقاوت کے راستے کا انتخاب کیا وہ شقی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان دونوں باتوں سے بے نیاز ہے۔ بندوں نے ان دونوں راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے قبول کر لیا۔

قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ	دین اسلام میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت صاف طور پر ظاہر اور گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔ تو جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے

Marfat.com

بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۵۶﴾

اور اللہ پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے۔

(سورہ بقرہ، آیت256)

اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے لیکن لوگوں نے ان کی بات نہیں سنی۔ ان کو جھٹلایا۔ ان کو جادوگر کے لقب سے پکارا لیکن وہ اپنے مشن میں مستقل مزاجی سے مشغول رہے اور جن لوگوں نے ان کی بات سنی وہ صحابی ہوگئے۔۔۔اور اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو عذاب سے بچالیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اچھائی اور برائی کے بارے میں معلومات فراہم کر دیں اور انسان کو اچھائی اور برائی کے نفع ونقصان سے آگاہ کر دیا اور اچھائی اور برائی کو قبول کرنے، نہ کرنے کا اختیار بھی دے دیا تو انسان کی مرضی ہے کہ جنت میں جائے یا دوزخ میں۔

لیکن ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ خالق ومالک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معافی کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ بڑے سے بڑا ظالم وجابر بھی جب اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کرتا ہے تو اللہ اپنی رحمت سے اسے معاف کر دیتے ہیں لیکن جب کوئی انسان برائی پر ضد کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا ہے کہ آگ ہاتھ جلا دیتی ہے۔ اور وہ آگ میں ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ پھر وہ ضد میں یہ کہنے لگے کہ اللہ نے آگ بنائی ہی کیوں ؟؟؟ تو یہ مکر ہے اور عقل کی کوتاہ اندیشی ہے۔ اگر آدمی آگ میں ہاتھ ڈالے گا وہ ضرور جلے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دین کے بارے میں بھی فرما دیا ہے کہ دین میں جبر نہیں ہے۔

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ‌ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ‌ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا‌ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِوَكِيۡلٍ ﴿۱۰۸﴾

کہدو کہ لوگو تمہارے پروردگار کے ہاں سے تمہارے پاس حق آچکا ہے تو جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو ہدایت سے اپنے ہی حق میں بھلائی کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اور میں تمہارا وکیل نہیں ہوں۔

(سورہ یونس، آیت108)

یعنی اے محمد ﷺ! آپ توحید کا پیغام پہنچا دیں لوگ سنیں یا نہ سنیں۔ آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس لئے کہ لوگوں کو اختیار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ بتوں کی پرستش سے منع فرماتے تھے جب لوگوں نے اپنا اختیار استعمال کیا۔ عقل و شعور سے کام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور وہ اسلام پر گامزن ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "روح کی پکار" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب سعید روح اور اور شقی روح کیا ہے ؟، صفحہ نمبر 252 تا 253

Marfat.com

موضوع 84/ 20 حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مکالمہ

DIALOGUE OF ABRAHAM (AS) AND NAMROOD

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ (THE COW)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَ يُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَ اُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾

ترجمہ: بھلا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (غرور کے) سبب سے کہ اللہ نے اس کو سلطنت بخشی تھی، ابراہیمؑ سے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ بولا کہ زندہ کرنا اور مارنا تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال دے۔ (یہ سن کر) کافر ششدر رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

Have you not looked at himwho disputed with Ibrahim (Abraham) about his Lord (Allah) because Allah had given him the kingdom? When Abraham AS said (to him) "My Lord is He Who gives life and causes death." He said,"I give life and cause death." Abraham said, "Verily! Allah causes the sun to rise from the east; then cause it you to rise from the west." So the disbeliever was utterly defeated. And Allah guides not the people, who are Zalimun. (Wrong doers)

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کا اس سرکش ظالم بادشاہ سے مناظرہ بیان فرمایا جس نے رب ہونے کا دعویٰ کیا

Marfat.com

تھا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اس کی دلیل کو غلط ثابت کر دیا اس کی جہالت اور کم عقلی کو آشکارہ کر دیا دلیل کے میدان میں اس کو لاجواب کر دیا اور اس کے سامنے سیدھا راستہ واضح فرما دیا۔ علمائے نسب اور مورخین فرماتے ہیں کہ یہ بادشاہ بابل کا بادشاہ تھا جس کا نام نمرود بن کنعان بن کوش بن سام بن نوح تھا۔ مجاہد نے یہی فرمایا بعض علما نے اس کا نسب اس طرح بیان کیا ہے۔ نمرود بن فالح بن عابد بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نوح۔

علماء فرماتے ہیں کہ نمرود مسلسل چار سو سال بادشاہ رہا اس نے سرکشی، ظلم اور تکبر کا راستہ اختیار کیا۔ آخرت کے بجائے دنیا کا حصول پیش نظر رکھا۔ جب اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کی دعوت دی تو اس نے جہالت اور گمراہی کی وجہ سے خالق کا انکار کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے بحث کی اس نے اپنے رب ہونے کا دعویٰ کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

رَبِّيَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ — میرا رب زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

(سورۃ بقرۃ، پارہ 3، آیت 258)

اس نے کہا:

اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ — میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔

(سورۃ بقرۃ، پارہ 3، آیت 258)

قتادہ، سدی اور محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں اس کے سامنے دو آدمی پیش کئے گئے ان کے لئے سزائے موت کا فیصلہ ہو چکا تھا اس نے ایک کو قتل کرنے کا حکم دیا اور دوسرے کو معاف کر دیا اس طرح اس نے یہ فریب دیا کہ اس نے ایک کو موت دی اور دوسرے کو زندگی بخش دی۔ اس کا یہ عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کا جواب نہیں تھا اور نہ ہی اس کا موضوع مناظرے سے کوئی تعلق تھا۔ جس سے یہ ظاہر ہو گیا اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دلیل پیش فرمائی تھی اس کی وضاحت یہ ہے کہ جانداروں کا جینا مرنا ایک عام مشاہدے کی چیز ہے کیونکہ یہ واقعات خود بخود پیش نہیں آسکتے لہٰذا ضرور کوئی ایسی ذات موجود ہے جس کی مشیئت کے بغیر ان اشیا کا وجود میں آنا محال ہے۔ لازمی ہے کہ نظر آنے والے واقعات کا کوئی فاعل ہو، جس نے انہیں پیدا کیا، انہیں اپنے اپنے نظام کا پابند کیا، جو ستاروں، ہواؤں اور بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے اور بارش برساتا ہے اور ان جانداروں کو پیدا کرتا ہے جو ہمیں نظر آتے ہیں اور پھر انہیں موت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

رَبِّيَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ — میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

اس جاہل بادشاہ نے جواباً کہا کہ:

اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ — میں زندہ کرتا ہوں اور مار سکتا ہوں

Marfat.com

اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ نظر آنے والے کام اس کے کنٹرول میں ہیں تو سراسر ضد اور ہٹ دھرمی کا اظہار ہے اور اگر وہ مطلب ہے جو قتادہ، سدی اور محمد بن اسحاق نے بیان کیا تو اس کا ابراہیم علیہ السلام کی پیش کردہ دلیل سے کوئی تعلق ہی نہیں اس نے نہ تو مقدمے کو غلط ثابت کیا نہ ہی دلیل کے مقابل دلیل پیش کی۔ چونکہ بحث میں اس کی شکست کا یہ پہلو ایسا ہے جو حاضرین اور دوسرے لوگوں میں سے بہت سے افراد کی سمجھ میں آنے والا نہیں تھا۔ اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے ایک اور دلیل پیش کر دی۔ جس سے نہایت واضح طور پر خالق کا وجود اور نمرود کے دعوے کا بطلان ثابت ہوتا ہے اس کی وجہ سے اسے سب کے سامنے لاجواب اور خاموش ہونا پڑا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ

ابراہیمؑ نے کہا کہ اللہ تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے لہٰذا تو اسے مغرب سے نکال دے۔ (سورۃ البقرۃ، پارہ 3، آیت 258)

یعنی یہ مسخر سورج روزانہ مشرق سے نکلتا ہے جیسے اسے پیدا کرنے والے اور چلانے والے نے مقرر کر رکھا ہے اگر تو ہی زندگی اور موت کا مالک ہے جیسے کہ تیرا دعویٰ ہے کہ تو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے تو اس سورج کو مغرب سے لے آ۔ کیونکہ جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا اختیار ہو وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے اسے نہ منع کیا جا سکتا ہے نہ مغلوب کیا جا سکتا ہے بلکہ وہ ہر چیز پر غالب ہوتا ہے اور ہر چیز اس کے حکم کی پابند ہوتی ہے اگر تیرا دعویٰ سچا ہے تو یہ کام کر ورنہ ثابت ہو جائے گا کہ تیرا دعویٰ غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ تجھے معلوم ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ تو یہ کام نہیں کر سکتا سو اس قدر عاجز ہے کہ ایک مچھر بھی پیدا نہیں کر سکتا اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا جاہل اور عاجز ہونا واضح فرما دیا اس کے پاس جواب میں کہنے کو کچھ نہ رہا اس کا منہ بند ہو گیا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ﴿۲۵۸﴾

یہ سن کر کافر ششدر رہ گیا اور اللہ بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ (سورۃ بقرۃ، پارہ 3، آیت 258)

سدی نے ذکر کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان یہ مناظرہ اس دن ہوا جس دن وہ آگ سے نکلے اس سے پہلے ان کا کبھی آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ جس دن وہ اکٹھے ہوئے اس دن یہ مناظرہ واقع ہوا۔

[حوالہ: تفسیر ابن کثیر 1/ 526 تفسیر سورۃ بقرہ آیت:258]

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ نمرود نے اشیائے خوردنی کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا تھا لوگ غلّہ لینے کے لئے اس کے پاس جاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ اسلام بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ غلہ لینے گئے اس سے پہلے دونوں کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت ان کے درمیان یہ مناظرہ ہو گیا۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غلہ دینے سے انکار کر دیا آپ اس کے پاس سے آئے تو آپ کے پاس غلہ نہیں تھا جب آپ گھر کے قریب پہنچے تو دونوں بورے مٹی سے بھر لئے اور دل میں سوچا کہ جب میں گھر پہنچوں گا تو گھر

Marfat.com

والے مطمئن ہو جائیں گے گھر پہنچ کر انہوں نے بورے اتارے اور خود سو گئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ علیہ السلام اٹھ کر بوروں کے پاس گئیں تو دیکھا کہ وہ عمدہ غلے سے بھرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کھانا تیار کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بیدار ہوئے تو دیکھا کہ کھانا تیار ہے۔ انہوں نے پوچھا یہ کھانا کہاں سے آیا زوجہ محترمہ نے فرمایا جو آپ علیہ السلام لائے تھے اسی سے تیار کیا ہے۔ آپ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ زید بن اسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس ظالم بادشاہ کے پاس ایک فرشتہ بھیجا جس نے اسے اللہ پر ایمان لانے کو کہا اس نے انکار کر دیا دوبارہ ایمان کی دعوت دی اس نے پھر انکار کر دیا اس نے تیسری بار ایمان کی دعوت دی تو اس نے پھر انکار کر دیا اور کہا کہ:

تو اپنے لشکر جمع کر لے میں اپنے لشکر جمع کرتا ہوں۔

طلوعِ آفتاب کے وقت نمرود نے اپنی تمام فوجیں جمع کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے اتنے مچھر بھیج دیے کہ سورج ان کی اوٹ میں چھپ گیا۔ اللہ نے لشکر والوں پر مچھر مُسلّط کر دیے۔ انہوں نے ان کا گوشت اس طرح کھا لیا کہ صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں۔ ایک مچھر بادشاہ کی ناک میں داخل ہو گیا۔ اللہ نے اس کے ذریعے اسے چار سو سال عذاب میں مبتلا رکھا چنانچہ اس کے سر پر ہتھوڑے مارے جاتے تھے کہ وہ اللہ کے حکم سے ہلاک ہو گیا۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "البدایہ والنہایہ" (قصص الانبیاء) از امام ابو الفداء ابنِ کثیر الدمشقی، ترجمہ از مولانا عطاء اللہ ساجد (مدینہ یونیورسٹی)، موضوع حضرت ابراہیم کا نمرود سے مناظرہ، صفحہ نمبر 168 تا 171

Marfat.com

موضوع 21/84

حیات و ممات

LIFE AND DEATH

سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ (THE COW)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَۃٍ وَّ ہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ ہٰذِہِ اللّٰہُ بَعۡدَ
مَوۡتِہَا ۚ فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ ؕ قَالَ کَمۡ لَبِثۡتَ ؕ قَالَ لَبِثۡتُ یَوۡمًا اَوۡ
بَعۡضَ یَوۡمٍ ؕ قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَۃَ عَامٍ فَانۡظُرۡ اِلٰی طَعَامِکَ وَ شَرَابِکَ لَمۡ یَتَسَنَّہۡ ۚ
وَ انۡظُرۡ اِلٰی حِمَارِکَ وَ لِنَجۡعَلَکَ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَ انۡظُرۡ اِلَی الۡعِظَامِ کَیۡفَ نُنۡشِزُہَا
ثُمَّ نَکۡسُوۡہَا لَحۡمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ ۙ قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۵۹﴾

ترجمہ:۔ اُس شخص کی مثال یاد کرو جس کا گزر ایک ایسی بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں پر اوندھی گری پڑی تھی۔ اس نے (حیرت سے) سوچا۔ "اس ہلاک شدہ آبادی کو اللہ بھلا کس طرح دوبارہ زندگی بخشے گا"؟ اس پر اللہ نے سو سال کے لیے موت وارد کردی۔ اور پھر جب اسے دوبارہ زندگی بخشی تو اس سے پوچھا "(بتاؤ) تم کتنی مدت اس حال میں رہے۔" اس نے جواب دیا:" ایک دِن یا شاید اس سے کچھ کم۔" نہیں، بلکہ تم پر سو سال اسی حالت میں گزر چکے ہیں۔ لیکن اب تم اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو کہ اس میں کوئی چیز نہیں سڑی۔ دوسرے طرف ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ (اس کا صرف ڈھانچہ ہی رہ گیا ہے، چنانچہ دیکھو کہ) ہم اس کو کس طرح زندہ کرتے ہیں۔ (یہ ہم اس لیے کر رہے ہیں) تاکہ تمھیں لوگوں کے لئے ایک نشانی بنائیں۔ ان ہڈیوں کی طرف دیکھو کہ کس طرح ہم ان کا ڈھانچہ کھڑا کرتے اور پھر ان پر

Marfat.com

گوشت چڑھاتے ہیں۔" پس جب اس پر حقیقت اچھی طرح واضح ہو گی تو وہ پکار اٹھا: "(اب کوئی تردّد باقی نہیں رہا) میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قُدرت رکھتا ہے۔"

Or like the one who passed by a town and it had tumbled over its roofs. He said: "Oh! How will Allah ever bring it to life after its death?" So Allah caused him to die for a hundred years, then raised him up (again). He said: "How long did you remain (dead)?" He (the man) said: "(Perhaps) I remained (dead) a day or a part of a day". He said: "Nay, you have remained (dead) for a hundred years, look at your food and your drink, they show no change; and look at your donkey! And thus We have made of you a sign for the people. Look at the bones, how We bring them together and clothe them with flesh". When this way clearly shown to him, he said, "I know (now) that Allah is Able is able to do all things.

حیات و ممات LIFE AND DEATH :

ایک دفعہ کسی بستی میں حضرت عزیرؑ کا گزر ہوا۔ بستی ویران پڑی تھی۔ اس کی تباہ حالی اور بربادی دیکھ کر آپؑ کے دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ اس تباہ حال بستی کو کس طرح دوبارہ آباد کریں گے؟ حضرت عزیرؑ نے گدھے کو ایک درخت سے باندھا۔ کھانا سرہانے رکھا اور درخت کے سائے میں لیٹ گئے۔ نیند آگئی اور سو گئے۔ اس ہی لمحے اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم دیا کہ عزیر علیہ السلام کی روح قبض کرلے۔ حضرت عزیرؑ سو سال تک سوتے رہے۔ حکمِ ربّی سے آپؑ کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپؑ سے پوچھا:

"اے عزیر! کتنی دیر تک سوتے رہے؟۔

آپؑ نے جواب دیا: ایک دِن یا اس سے کچھ کم۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

"نہیں تم سو سال تک مُردہ پڑے رہے ہو اور اپنے گدھے اور کھانے کو دیکھو۔"

کھانا ویسا ہی تازہ تھا جیسا رکھا تھا لیکن گدھا مر چکا تھا۔ اور اس کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔ حضرت عزیرؑ بہت حیران ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے سامنے آپؑ کے گدھے کو دوبارہ زندہ کیا۔ آپؑ کی نظر جب بستی پر پڑی تو اور زیادہ حیران ہوئے کہ بستی پوری طرح آباد اور پر رونق شہر بن گئی تھی۔ آپؑ اللہ کی قُدرتِ کاملہ دیکھ کر سجدے میں گر گئے اور کہا!

"یا اللہ! تو قادر مطلق ہے"۔

Marfat.com

حکمت:

تقریباً ہر گھر میں ڈیپ فریزر اور فرج موجود ہے۔ ہمیں اس بات کا مسلسل مشاہدہ ہے کہ چیزیں جب ٹھنڈی ہوں منجمد ہو جاتی ہیں تو سڑتی گلتی نہیں ہیں۔ مخصوص گیسیں انہیں محفوظ رکھتی ہیں۔

جس طرح ہر تخلیق کا ہر فرد روشنی کے جال کا غلاف ہے۔ اور ہر گیس کی ماہیّت اور مقدار کا تعین اسی روشنی کے غلاف سے ہوتا ہے۔ فرد کی حیات و ممات معیّن مقداروں پر قائم ہے۔ اس سارے نظام پر ایک اللہ حاکم ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ اس کی حاکمیّت کے تابع ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے برگزیدہ بندے حضرت عزیر علیہ السلام پر حیات و ممات کے فلسفے کی حقیقت ظاہر کرے تو اللہ تعالیٰ کی قُدرت نے ان گیسوں کو یکجا کر دیا جن کے ذریعہ اشیاء ٹھنڈی ہو کر خراب نہیں ہوتیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ پہلے ایجاد کرنے کا خیال آتا ہے پھر مسلسل ریسرچ کے بعد ایجاد کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ قانون یہ ہے کہ جب کسی ایک نقطے پر ذہن مرکوز ہو جاتا ہے تو اس نقطے سے مخفی خدوخال وجود کی شکل میں سامنے آجاتے ہیں۔

موجودہ زمانے میں کھانے کو دو طریقوں سے محفوظ کیا جاتا ہے۔

1۔ کھانے کو فریز کیا جاتا ہے (DEEP FREEZING)

2۔ اس کو VACCUME ویکیوم یعنی ہوا کے بغیر پیک کیا جاتا ہے جس سے کھانا گلنے سڑنے سے محفوظ رہتا ہے اس طریقہ کار کو AIR TIGHT PACKAGING کہا جاتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کھانوں کے سالموں MOLECULES کی حرکت تیز ہوتی ہے جبکہ فریزر میں درجہ حرارت کم ہونے کی وجہ سے سالموں کی حرکت کم ہو جاتی ہے مالیکیولز کی حرکت تیز ہونے سے ہوا سے CONTACT بھی زیادہ ہوتا ہے۔ کم درجہ حرارت پر کیمیکل ایکشن کم ہوتا ہے اگر کسی بھی طریقہ سے سالموں کی حرکت کم یا بہت کم کر دی جائے جیسا کہ فریزر میں فری اون گیس کے ایکشن کی وجہ سے ہوتا ہے تو شے کے مالیکیولز ایک دوسرے میں جذب ہو کر منجمد ہو جائیں گے اور شے میں FOREIGN BODIES داخل نہیں ہوں گے۔

سانس کی سائنس THE MECHANISM OF BREATHING :

زندگی کا قیام سانس کے اوپر ہے۔ جب تک سانس کی آمد و شد جاری ہے زندگی رواں دواں ہے اور جب سانس میں تعطل واقع ہو جاتا ہے تو مظاہراتی اعتبار سے زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ سانس اندر جاتا ہے اور باہر آتا ہے، روحانی نقطہ نظر سے سانس کا اندر جانا اِنسان کو اس کی رُوح یا (INNER) سے قریب کر دیتا ہے اور سانس کا باہر آنا اِنسان کو اس کی رُوح سے عارضی طور پر دور کر دیتا ہے۔ جب ہم سانس اندر لیتے ہیں تو ازل سے قریب تر ہو جاتے ہیں اور جب سانس باہر نکالتے ہیں تو خود کو ازل سے دور محسوس کرتے ہیں یعنی سانس کا

Marfat.com

باہر آنا مادی اور ازل کی زندگی کے درمیان ایک پردہ ہے۔ جب ہم سانس کو اندر روکتے ہیں تو ہمارا رشتہ ازل سے قائم ہو جاتا ہے اور جب سانس باہر نکالتے ہیں تو ہمارا رشتہ ساری دنیا سے قائم ہو جاتا ہے۔

بیداری کی کیفیت میں سانس کی رفتار تیز ہوتی ہے، جبکہ نیند کی حالت میں آدمی طویل اور گہرے سانس لیتا ہے۔ اس کا مشاہدہ بیدار ہونے کے فوراً بعد کیا جا سکتا ہے۔ سانس پر غور کریں سانس لینے اور باہر آنے میں کتنا وقت لگتا ہے؟ معلوم ہو گا سانس اندر جانے میں تین یا چار سیکنڈ لگتے ہیں اور نہایت مختصر وقت کے لئے سانس اندر رکتا ہے۔ اور تین یا چار سیکنڈ سانس باہر آنے میں لگتے ہیں۔ آدمی جتنی زیادہ گہری نیند میں ہوتا ہے۔ سانس کا دورانیہ طویل اور سانس آہستگی سے چلتا ہے۔ نیند کی زندگی اور بیداری کی زندگی میں سانس کا واضح فرق نشاندہی کرتا ہے کہ شعوری حواس اور لاشعوری حواس کا تعلق سانس سے ہے۔

سانس اندر لینا صعودی حرکت ہے اور سانس کا باہر آنا نزولی حرکت ہے۔ سانس کی صعودی حرکت میں رُوح سے قربت ہوتی ہے جبکہ نزولی حرکت میں دوری واقع ہوتی ہے۔ رُوح اللہ کا امر یا ارادہ ہے، ہر طرح کے تغیر سے آزاد ہے۔ سانس اندر لینے کے وقفہ میں اضافہ ہوتا ہے تو اطمینان اور سکون کا احساس ہوتا ہے۔ بے چینی اور بے سکونی کی گرفت ٹوٹنے لگتی ہے۔ مراقبہ میں سانس اندر لینے کے وقفہ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے سکون اور اطمینان قلب کا احساس ہوتا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُهُمۡ بِذِکۡرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ﴿۲۸﴾

وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔ (سورۃ رعد، پارہ 13، آیت 28)

ہر فرد پانچ ہزار سال کی عمر لے کر پیدا ہوتا ہے بالفاظ دیگر ہر فرد 5000 سال کی سانسوں کا ذخیرہ لے کر پیدا ہوتا ہے۔ جتنا زیادہ مادیت میں انہماک ہوتا ہے رُوح سے دوری ہوتی ہے خود غرضی، غرور، کبر، منافقت، لالچ اور حرص و ہوس کا غلبہ ہوتا ہے۔ آدمی زندگی کے خزانے کو لوٹتا ہے۔

غور طلب بات ہے منفی طرزِ فکر، رُوح اور باطن سے دور کرنے والے تمام اعمال میں سانسوں کا وقفہ اتنا مختصر ہو جاتا ہے کہ ایک منٹ میں 16 کی بجائے زیادہ سانس لیتا ہے۔ اس فضول خرچی اور اسراف سے عمر کم سے کم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس باطن یا غیب کو اہمیت دینے والے، رُوح کا عرفان حاصل کرنے والے افراد کی زندگی میں سانس کی صعودی حرکت کے وقفے زیادہ ہوتے ہیں وہ پر سکون زندگی گزارتے ہیں۔ اللہ کے دوست، منزل رسیدہ افراد اختیار رکھتے ہیں کہ وہ جتنا چاہیں اس دنیا میں رہیں اور ملک الموت دستک دے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ:

حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ بیمار تھے۔ ایک بزرگ نے دروازہ پر دستک دی۔ بڑا بیٹا باہر گیا۔ بزرگ نے ایک خط دیا اور

Marfat.com

کہا۔ ”اپنے ابّا کو دے دو۔“ بیٹے نے باپ کو خط دے دیا۔ انہوں نے خط پڑھا اور فرمایا کہ ”ان سے جا کر کہو آدھے گھنٹے بعد تشریف لائیں۔“ بیٹے نے جا کر کہہ دیا۔ کہ ابّا کہہ رہے ہیں آدھے گھنٹے بعد آنا۔ بزرگ چلے گئے۔ حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ نے جلدی جلدی ضروری کام نمٹائے اور ان کا انتقال ہو گیا۔ تکفین و تدفین کے بعد بیٹے کو خیال آیا کہ وہ بزرگ کون تھے۔ ابّا نے انہیں آدھے گھنٹے بعد بلایا تھا۔ وہ کیوں نہیں آئے؟ خط کی تلاش ہوئی تو خط تکیہ کے نیچے مل گیا۔ خط میں لکھا تھا:

”میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ بڑی سرکار سے آپ کا بلاوا آیا ہے۔ بتایئے کیا حکم ہے؟“ نیچے لکھا تھا۔ "عزرائیل" آدھے گھنٹے کے بعد بلایا تھا۔ ملک الموت آدھے گھنٹے بعد آیا اور بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کو اپنے ساتھ لے گیا۔

کافر شاہؒ:

قلندر غوث علی شاہؒ لکھتے ہیں کہ کلیر شریف میں ایک صاحب تھے، کافر شاہؒ۔ شام کے وقت غوث علی شاہؒ اور کافر شاہؒ سیر کرنے نہر کے کنارے چلے گئے۔ باتیں کرتے کرتے کافر شاہؒ اچانک بولے۔

”بھائی ہمارا بلاوا آ گیا ہے اور ہم جا رہے ہیں۔“

کافر شاہؒ لیٹ گئے اور کہنے لگے۔

”اب میرے پیروں کی جان نکل رہی ہے۔ میری جان سینے میں آ گئی ہے۔ اب میری جان حلق میں ہے۔ اچھا بھئی! خدا حافظ۔“، اور مر گئے۔

غوث علی شاہؒ حیران ہوئے کہ یہ بھی کوئی مرنے کا طریقہ ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سورج غروب ہو گیا۔ رات ہو گئی۔ غوث علی شاہ صاحب کو خیال آیا کہ رات بھر جنگل میں لاش پڑی رہے گی۔ یہ نہ ہو کہ مُردہ جسم میں بھوت گھس جائے یا لاش کوئی جانور کھا جائے۔ عشاء کی نماز بھی قائم نہیں ہوئی۔ صبح کی اذان کے وقت کہنے لگے:

”اے بھائی کافر شاہ! میں نے تیرے ساتھ کیا برائی کی تھی جس کی تو نے مجھے یہ سزا دی ہے، میری نماز بھی گئی۔ ساری رات تو نے مجھے بٹھائے رکھا۔ میں کہیں جا بھی نہیں سکتا۔“

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ کافر شاہؒ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ وہ اٹھ کر بیٹھے تو غوث علی شاہؒ کو یہ گمان گزرا کہ ان کے جسم میں کوئی بدرُوح گھس گئی ہے۔ کہنے لگے۔

”اچھا“

اور ہاتھ میں لاٹھی لے کر کھڑے ہو گئے۔ لاٹھی سر پر مارنے والے ہی تھے کہ کافر شاہ بولے۔ "بات سن تھوڑی دور کھڑا ہو جا۔ وہاں کھڑے ہو کے بات کر۔“

ہمت کر کے پچھلے پیروں ذرا دور کھڑے ہو گئے۔ کافر شاہ بولے۔

Marfat.com

"میں بدروح نہیں ہوں، ابھی تو شکوہ کر رہا تھا کہ میں مر گیا اور تیری نماز قضا گئی۔ اور رات بھر تجھے زحمت دی میں نے۔ تو اپنی نماز پڑھ لے۔ میں تھوڑی دیر بعد مر جاؤں گا۔"

غوث علی شاہؒ کو بڑی حیرت ہوئی اور پوچھا۔

"یہ مرنا کیا ہے؟"

کافر شاہ نے کہا۔ "یہ بعد میں بتاؤں گا۔ وضو کر آ۔"

جلدی جلدی وضو کر کے آئے اور کہنے لگے۔

"بھائی کافر شاہ! کیا تم واقعی مر گئے تھے۔ اگر مر گئے تھے تو زندہ کیسے ہوئے؟"

کہنے لگے۔ "جیسے میں پہلے مر گیا تھا ویسے ہی میں پھر مر جاتا ہوں۔"

اور پھر کہنے لگے۔

"میرے پیروں سے جان نکل گئی، ٹانگوں سے نکل گئی۔"

انہوں نے ہاتھ جوڑ کر بڑی منت سماج کی کہ شہر میں جا کر مرنا۔ پھر مجھے مصیبت پڑے گی۔ میں تجھے کہاں نہلاؤں گا؟ کہاں سے کفن دوں گا؟ کس طرح دفن کروں گا؟ آخر تو میرے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے؟ کون سی دشمنی نکال رہا ہے؟

کافر شاہؒ کہنے لگے۔

"بھائی! حکم یہی ہے کہ یہاں پر مرنا ہے۔"

غوث علی شاہؒ نے پوچھا۔ "مرنے کے بعد کیا ہونا ہے؟"

کہا۔ "مرنے کے بعد کیا ہونا ہے اس کو بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے لیکن میرے ساتھ بہت اچھا ہوا ہے۔"

روحانی صلاحیتیں اور سانس کا تعلق

علم روحانیت کے مطابق سانس کے دو رخ ہیں۔ ایک نزولی اور دوسرا صعودی۔ سانس اندر لینا صعودی رخ ہے اور سانس باہر لینا نزولی رخ ہے۔ صعودی رخ میں آدمی ماورائی کیفیات سے قریب ہو جاتا ہے اور نزولی حالت میں کشش ثقل کی طرف سفر کرتا ہے۔ اگر سانس زیادہ دیر تک اندر رہے یا سانس اندر لینے کا وقفہ بڑھ جائے تو ہم زیادہ دیر تک ماورائی کیفیت سے قریب رہتے ہیں۔

سانس کی آمد و شد ختم ہو جائے تو جسم سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شعور میں رہتے ہوئے لاشعوری حواس میں داخل ہونے کے لئے سانس سے قطع تعلق کرنا ضروری نہیں لیکن سانس کا آہستہ آہستہ ہونا ضروری ہے۔ اس کی مثال خواب یا گہرے استغراق کی کیفیت ہے۔ ان کیفیات میں انسان سانس تو لیتا ہے لیکن سانس کی آمد و شد کا انداز تبدیل ہو جاتا ہے، سانس کی رفتار ہلکی ہو جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب ہمارے اوپر باطنی حواس کا غلبہ ہوتا ہے تو سانس کی رفتار مدھم پڑ جاتی ہے اور سانس اندر لینے کا وقفہ بڑھ جاتا ہے۔

تاریخ میں مثالیں موجود ہیں جو وضاحت کرتی ہیں کہ سانس پر کنٹرول سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔

حبس دم یا سانس روکنے کے کئی واقعات یوگی صاحبان کے متعلق مشہور ہیں کہ سانس کی مشقوں میں اتنی مہارت حاصل کر لیتے ہیں کہ کئی کئی گھنٹے بغیر سانس لیے گزار لیتے ہیں اور جسم کی اندرونی تحریکات اتنی سست ہو جاتی ہیں لگتا ہے ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ ان کی طویل عمری 200 سال یا 300 سال کی عمر کا سبب گیان دھیان، یکسوئی اور سانس کی مشقوں کو قرار دیا جاتا ہے۔ مخصوص کیفیت میں

Marfat.com

الله

Marfat.com

Marfat.com

جسمانی ٹوٹ پھوٹ کا عمل مفقود ہو جاتا ہے۔ یعنی ارادے سے اپنی عمر کے گزرنے کے وقفے کو طویل کر لیتے ہیں۔ اپنی زندگی کی فلم کو SLOW MOTION میں لے آتے ہیں۔ سائنسی وضاحت کے مطابق ان کے METABOLISM کا عمل انتہائی سست ہو جاتا ہے۔ خلیات کی ٹوٹ پھوٹ، شکست وریخت بھی کم ہو جاتی ہے۔

یہ کسی انہونی کا تذکرہ نہیں بلکہ فطرت میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ بہت سے حیوانات اپنے اوپر بیہوشی کی نیند طاری کر لیتے ہیں۔ یوگی صاحبان کی صلاحیت کی مثال حیوانات میں طاری ہونے والی بیہوشی کی نیند ہے۔ عموماً سردی کی موسم میں کچھ حشرات اور حیوانات کئی کئی دن اور بعض کئی ماہ تک ایسی حالت میں ہوتے ہیں کہ ان کے دل کی دھڑکن انتہائی سست، درجہ حرارت انتہائی کم اور سانس کی رفتار انتہائی حد تک کم ہو جاتی ہے۔ اس عرصہ میں جسم میں توانائی کی ضرورت کم ہوتی ہے۔ اور خلیات کی موت کا عمل بھی سست ہو جاتا ہے۔ اعداد وشمار کے مطابق جانور جب بے ہوشی کی نیند اختیار کرتے ہیں تو ان کی عمر اپنی نوع کے ان افراد سے بڑھ جاتی ہے جو اس کیفیت کو طاری نہیں کرتے اور جب وہ بیدار ہوتے ہیں تو ہشاش بشاش زندگی گزارتے ہیں۔ ایک مخصوص چوہے کی عمر کا زیادہ سے زیادہ دورانیہ 3.9 سال ہوتا ہے۔ لیکن جو اپنے اوپر بیہوشی کی نیند طاری کر لیتے ہیں ان کی عمر 5.6 سال تک نوٹ کی گئی ہے۔ اعداد وشمار چارٹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ان سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ وہ جاندار جن میں سانس کے وقفے طویل ہوتے ہیں اسی مناسبت سے ان کی عمر بھی طویل ہوتی ہے۔

نوع	سانس کا دورانیہ	عمر (سال)
دیو قامت کچھوے	4 سانس فی منٹ	150 سال
وہیل	6 سانس فی منٹ	111 سال
ہاتھی	4 تا 5 سانس فی منٹ	70 سال
گھوڑا	8 تا 15 سانس فی منٹ	50 سال
بندر	32 سانس فی منٹ	18-23 سال
کتا	20 تا 30 سانس فی منٹ	10-20 سال
کرم خور چوہے	140 تا 170 سانس فی منٹ	1 سال
گھریلو چوہے	95 تا 160 سانس فی منٹ	1.5-3 سال

Marfat.com

پہاڑ کا نظام تنفس:

صاحب مراقبہ، مراقبے کی حالت میں منکشف ہونے والی اطلاعات اور خیالات کے بارے میں بتاتے ہیں۔ مشاہدہ ہوا کہ پہاڑ کے اندر روشن نقطہ صاحب مراقبہ سے مخاطب ہے اس نے صاحب مراقبہ کو بتایا کہ میری پیدائش اور نشوونما بھی اسی طرح ہوئی جس طرح زمین کی دوسری مخلوقات کی پیدائش عمل میں آئی۔ فرق صرف یہ ہے کہ میری نسل میں TIME AND SPACE کی وہ صورت نہیں جو دوسری مخلوق کے ساتھ ہے۔ میری PHYSICAL DEVELOPMENT نشوونما بہت دھیرے دھیرے ہوتی ہے۔ اگر کوئی درخت 5 سال میں جوان ہوتا ہے تو میری جوانی کا دور ہزاروں سال کے اوپر محیط ہے۔ میں نے وجہ دریافت کی تو پہاڑ نے مجھ سے کہا میرے سانس کی رفتار عام حالات سے ہٹ کر ہے میری ایک سانس کا وقفہ 15 منٹ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ میری نشوونما میں اتنا زیادہ طویل عرصہ لگ جاتا ہے۔

وقت کا تعلق حرکت سے ہے اگر شے کی حرکت کو اس کی موجودہ حرکت سے سو گنا کم کر دیا جائے تو اس حرکت کی نسبت سے ٹائم گزرنے کی رفتار سو گنا کم ہو جائے گی مثلاً ہم ایک منٹ میں اٹھارہ مرتبہ سانس لیتے ہیں اگر ایک منٹ میں ایک سانس لیا جائے تو اٹھارہ سانس لینے کے لئے اٹھارہ منٹ درکار ہونگے لہذا ایک منٹ میں اٹھارہ مرتبہ سانس لینے میں وقت اٹھارہ گنا کم ہو جائے گا۔

حضرت عزیرؑ نے ایک سو سال میں اندازاً اتنے سانس لئے جتنے ایک دِن میں لیے جاتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ علیہ السلام کتنے عرصہ سوئے تو انہوں نے کہا ایک دِن یا اس سے کم۔

مثال:

ایک دِن میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں چوبیس گھنٹوں میں ایک آدمی چوبیس ہزار نو سو بیس (24920) سانسیں لیتا ہے اس حساب سے اس نے سو سال سونے میں تقریباً نو ارب سانس لئے یعنی ٹائم کی رفتار نو ارب گنا زیادہ ہو گئی۔ اس طرح کھانے کے مالیکیولز کی حرکت بھی اتنی کم ہو گئی کہ وقت ٹھہر گیا اور کھانا خراب نہیں ہوا۔ رہا گدھے کا معاملہ تو اس کے لئے وقت ایسے ہی گزرا جیسا کہ اور چیزوں کے لئے گزرتا ہے اور وہ سو سال میں مر کھپ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا۔

ٹائم اسپیس کا قانون:

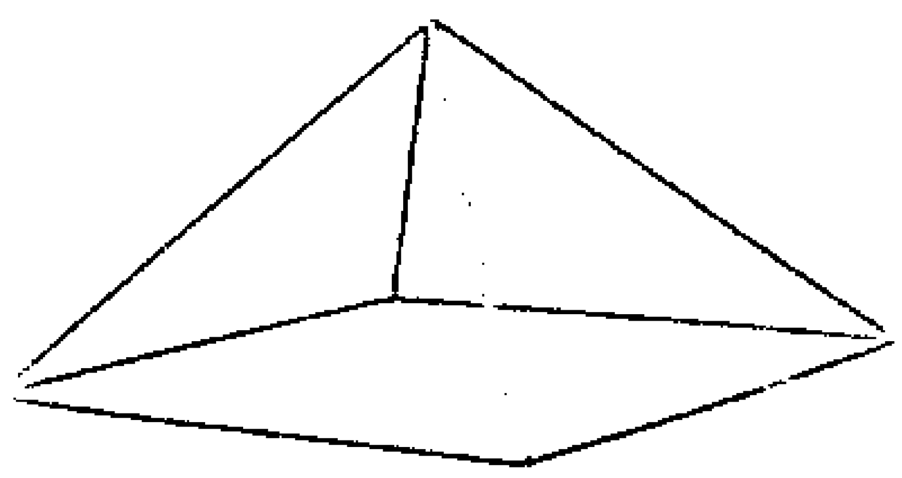

اہرام یا PYRAMIDS میں بھی وقت ٹھہر جاتا ہے یا یوں کہیں کہ وہاں بھی مالیکیولز کی حرکت تقریباً صفر ہو جاتی ہے اور ہزاروں سال تک اس میں رکھی ہوئی چیزیں خراب نہیں ہوتیں اور اس کی فضاء میں مراقبہ کرنے والے لوگ ٹائم اور اسپیس سے آزاد ہو کر لاشعور سے قریب ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

مثال:

وقت کی رفتار سے متعلق ایک اور مثال یہ ہے کہ ہم ٹی وی میں کرکٹ کا میچ دیکھتے ہیں۔ فرض کریں بالر جب گیند پھینکتا ہے تو BATSMAN تک یہ گیند ایک سیکنڈ میں پہنچتی ہے ٹی وی والے جب اس کا ری پلے سلو موشن میں دکھاتے ہیں تو گیند کی حرکت کا دورانیہ پانچ سیکنڈ ہو جاتا ہے یعنی حرکت کم ہونے سے وقت میں اضافہ ہو گیا اسی طرح اگر ری پلے کو فاسٹ موشن کر دیا جائے تو وقت ایک سیکنڈ کی بجائے آدھا سیکنڈ یا اس سے بھی کم ہو جائے گا مختصراً یہ سویا ہوا آدمی زمانیت میں سفر کرتا ہے۔

مثال:

جب آدمی سوتا ہے تو چونکہ اس کا مادی وجود زمین پر حرکت نہیں کر رہا ہے اس لئے اس کی زندگی ٹائم میں گزر رہی ہے۔ چونکہ ایک، دو، چار، دس قدم اٹھے ہی نہیں ہیں اس لئے زمانیت (Time) کی پیمائش نہیں ہو سکتی۔ جب آدمی سوتا ہے تو زمانیت میں سفر کرتا ہے جب آدمی بیدار ہوتا ہے تو اسپیس میں سفر کرتا ہے۔ زمانیت اس کے ساتھ سفر کرتی ہے۔

حضرت عزیرؑ جب سو گئے تو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق ان کے حواس زمانیت میں پیوست ہو گئے۔ چونکہ مادی وجود یعنی فزیکل باڈی میں کوئی چلت پھرت نہیں ہوئی اس لئے انہوں نے کہا کہ میں ایک دن سویا ہوں۔

گدھے کا معاملہ یہ ہے کہ عام حالات کے مطابق گدھے کے اندر آکسیجن جب گئی تو کاربن نے اس کو جلایا نہیں نتیجے میں اس کی موت واقع ہو گئی۔

کھانا خراب نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کھانے کے مالیکیولز اور سالموں کو محفوظ کرنے کے لئے وہ جگہ جہاں کھانا رکھا ہوا تھا، ٹھنڈی لہروں کا علاقہ بن گیا۔ جیسے ایک بہت بڑے کمرے میں ایک چھوٹا سا فریج رکھ دیا جائے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ جلد سوم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب حیات و ممات، صفحہ نمبر 317 تا 319

2۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع نمبر 48، صفحہ نمبر 61

3۔ ماہنامہ "قلندر شعور" شمارہ جولائی 2015ء، موضوع زندگی سانس ہے، سانس زندگی ہے، صفحہ نمبر 32 تا 33

4۔ کتاب "احسان و تصوف" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، صفحہ نمبر 193

5۔ کتاب "تذکرہ غوثیہ" از حضرت سیّد شاہ گل حسن قادری، صفحہ نمبر 72 تا 75

6۔ ماہنامہ "قلندر شعور" شمارہ جولائی 2015ء، موضوع زندگی سانس ہے، سانس زندگی ہے، صفحہ نمبر 33 تا 34

7۔ کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ جلد سوم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب حیات و ممات، صفحہ نمبر 320

Marfat.com

موضوع 84/ 22

یقین CONVINCEMENT

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ (THE COW)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى
وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ
عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ
وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٦٠﴾

ترجمہ: جب ابراہیمؑ نے درخواست کی تھی کہ اے پروردگار مجھے دکھا دیں کہ آپ مُردوں کو کس طرح زندہ کریں گے۔ فرمایا: کیا تم اس بات پر ایمان نہیں رکھتے؟ عرض کیا: ایمان تو رکھتا ہوں لیکن خواہش یہ ہے کہ دل پوری طرح مطمئن ہو جائے۔ فرمایا: چار پرندے لو، ان کو اپنے ساتھ مانوس کر لو، ان کو (ٹکڑے ٹکڑے کر کے) ہر پہاڑ پر ان کا ایک حصّہ رکھ دو اور پھر انہیں پکارو۔ وہ زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے تمہارے پاس آ جائیں گے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ غالب اور صاحب حکمت ہے۔

And (remember) when Ibrahim said, "My Lord! Show me how You give life to dead". He (Allah) said: "Do you not believe?" He said: "Yes, but to be stronger in Faith." He said: "Take four birds, then cause them to incline towards you (then slaughter them then cut them into pieces), and them put a portion of them on every hill, and call them, they will come to you in haste. And know that Allah is All Mighty, All Wise.

Marfat.com

یقین BELEIF/CONVINCEMENT:

اللہ تعالیٰ کی ہستی بڑی عظیم ترین صفات کی مالک ہے کہ مخلوق مکمل طور پر اسے کبھی نہیں جان سکتی۔ اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے انسان کو جو علوم عطا کئے گئے ہیں ان علوم کی بنیاد " یقین " ہے۔ یقین کے بغیر علم کا حاصل کرنا ناممکن ہے جو لوگ صرف عقلی دلیلوں سے اللہ تعالیٰ کے علوم کو حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ مادیت کی حدود سے باہر نہیں نکل سکتے مگر جب عقل و شعور کے اندر یقین کا نُور بھی شامل ہو جاتا ہے تو بندہ یقینِ کامل حاصل کر لیتا ہے اور اللہ کے راستے پر تیزی سے قدم بڑھاتا ہے اور مادیت کی حدود سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کے ایسے علوم حاصل کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے بحیثیت نائب کے انسان کو عطا فرمائے ہیں۔

عِلمُ الیقین، عینُ الیقین، حقُّ الیقین:

یقین اُسے کہتے ہیں جو کسی بھی طرح متزلزل نہ ہو۔ یقین دین کی اساس ہے۔ مشاہدات اور مراتب کے لحاظ سے اس کے تین درجے ہیں :

حق الیقین

عین الیقین

علم الیقین

یقین

1۔ عِلمُ الیقین	INFORMED CONVINCEMENT
2۔ عینُ الیقین	PRECISE CONVINCEMENT
3۔ حقُّ الیقین	TRUE CONVINCEMENT

Marfat.com

اگر کسی شے کے علم کے بارے میں دلیل و برہان کے ذریعے اس حد تک یقین ہو جائے کہ تردُّد نہ رہے تو اُسے عِلمُ الیقین INFORMED CONVINCEMENT کہتے ہیں۔ اگر یہ علم دلیل و برہان سے گزر کر مشاہدہ بن جائے تو اسے عینُ الیقین PRECISE CONVINCEMENT کہتے ہیں۔ اگر علم کی حقیقت سامنے آجائے اور شے کی حقیقت کا علم ہو جائے تو اسے حق الیقین TRUE CONVINCEMENT کہتے ہیں۔

مثال 1:

میں نے کہا انگور، اور انگور کی تعریف بیان کر دی تو آپ نے یقین کر لیا تو یہ علم، عِلمُ الیقین ہے۔ آپ نے پہاڑ پر یا باغ میں جا کر انگور کے خوشے دیکھ لئے اس کا ذائقہ بھی چکھ لیا۔ یہ عینُ الیقین ہے۔ آپ نے یہ علم حاصل کر لیا کہ انگور کی بیل میں انگور کیوں لگتے ہیں؟ زمین میں سے انگور میں مخصوص مٹھاس، کھٹاس، ذائقہ میں قدرت کے کون سے فارمولے کام کر رہے ہیں تو یہ حق الیقین ہے۔

مثال 2:

میں نے کہا آپ نے سنا "آدمی"۔ میری بات کا آپ نے یقین کر لیا یہ عِلمُ الیقین ہے۔ آدمی کی خصوصیات کا علم ہو گیا۔ اور آدمی کی تعریف مع اس کی صلاحیتوں کے آپ کے سامنے بیان کر دی گئی اور آپ کے شعور نے اُسے قبول کر لیا تو یہ عینُ الیقین ہے۔ اگر آدمی کے تخلیقی راز، حیات و ممات کی قدریں اور اللہ تعالیٰ کے وہ رموز جو اللہ تعالیٰ نے اِنسان کی رُوح میں مخفی کر دیے ہیں اور جن سے آدم کو واقف کر دیا گیا ہے اس کا علم حاصل ہو جائے تو اسے حق الیقین کہتے ہیں۔

مثال 3:

ایک شخص آئینہ دیکھتا ہے۔ آئینہ میں اس کا عکس نظر آتا ہے مگر وہ صرف اتنا جانتا ہے کہ میرے سامنے مجھ جیسا ایک اِنسان ہے تو یہ حالت علمُ الیقین ہے اگر دیکھنے والے کو یہ یقین ہے کہ اپنا ہی عکس دیکھ رہا ہوں لیکن وہ اپنی اور آئینہ کی حقیقت سے ناواقف ہے تو یہ حالت عینُ الیقین ہے۔ اگر دیکھنے والا اپنی، آئینہ کی اور عکس کی حقیقت جانتا ہے تو یہ حالت حق الیقین ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اشیا، کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ تحقیق اور RESEARCH ان کی زندگی کا خاص مقصد تھا۔ وہ تحقیق کے ذریعے اللہ وحدہٗ لاشریک کی قدرت کاملہ کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ اِسی ذوق، ریسرچ اور تحقیق کے جذبے سے حضرت ابراہیمؑ نے موت کے بعد زندگی یعنی مرجانے کے بعد دوبارہ جی اُٹھنے کے متعلق اللہ تعالیٰ کے حضور سوال کیا۔

چار پرندے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

Marfat.com

قَالَ اَوَ لَمۡ تُؤۡمِنۡ ؕ

"اے ابراہیمؑ! کیاتم اس پر یقین نہیں رکھتے؟"

(سورۃ بقرۃ، پارہ 3، آیت 260)

حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا:

"میں بلاتوقف اس پر ایمان رکھتاہوں۔ میں یہ جانتاہوں کہ آپ قادرِ مُطلق ہیں، آپ سب کچھ کرسکتے ہیں۔ میرا سوال اِس لئے ہے کہ میں عِلمِ الیقین کے ساتھ، عینُ الیقین اور حقُ الیقین کا خواستگار ہوں۔ میری تمنا ہے کہ اے میرے رب! تو مجھے آنکھوں سے مشاہدہ کرادے۔"

حضرت ابراہیمؑ نے ایسا ہی کیا۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے ان کو آواز دی تو ان کے سب اجزا جو علیحدہ علیحدہ تھے اپنی اپنی شکل میں آ گئے۔

حضرت ابراہیمؑ نے کہا:

"اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو کس طرح مُردوں کو زندہ کرے گا؟"

کہا "کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟"

کہا "کیوں نہیں لیکن دلی اطمینان چاہتاہوں۔"

کہا:

قَالَ فَخُذۡ اَرۡبَعَةً مِّنَ الطَّيۡرِ فَصُرۡهُنَّ اِلَيۡكَ ثُمَّ اجۡعَلۡ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنۡهُنَّ جُزۡءًا ثُمَّ ادۡعُهُنَّ يَاۡتِيۡنَكَ سَعۡيًا ؕ وَاعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝

پس چار پرندے لے پھر ان کو اپنے ساتھ مانُوس کر پھر رکھ دے پھر پہاڑوں پر ان کے جز ڈال کر۔ پھر ان کو بلا، وہ آئیں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور تو جان لے بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

(سورہ بقرہ، پارہ 3، آیت 260)

اللہ تعالیٰ سے حضرت ابراہیمؑ کا یہ عرض کرنا کہ ایمان تو ہے لیکن دلی اطمینان کے لئے یہ سوال کرتا ہوں، کا مفہوم یہ ہے کہ دل کے اطمینان کے لئے یقین (مشاہدہ) ضروری ہے۔

جب کسی بندے کے اندر یہ بات یقین بن جاتی ہے کہ اس کائناتی نظام میں ہر چھوٹی سے چھوٹی حرکت اور بڑی سے بڑی شے اللہ کے بنائے ہوئے نظام کے تحت قائم ہے تو اس کے اندر ایک یقین کا پیٹرن بن جاتا ہے۔ اس پیٹرن کو جب تحریکات ملتی ہیں اور زندگی میں مختلف واقعات پیش آتے ہیں تو ان واقعات کی کڑیاں اس قدر مضبوط، مستحکم اور مربوط ہوتی ہیں کہ آدمی یہ سوچنے اور ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کائنات کا حاکم اعلیٰ اللہ ہے۔

Marfat.com

پیغمبرانہ طرزِ فکر:

تمام پیغمبران اللہ تعالیٰ کے ایک ہی تفکّر کی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں۔ یہ "تفکّر "لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی واحدانیت سے متعارف کراتا ہے۔ واحدانیت کا نُور ہی کائنات کی بساط ہے۔ اور اسی بساط پر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اپنے اَمر کا ڈسپلے کرتا ہے۔ انسان کی نظر DISPLAY ڈسپلے کو دیکھتی ہے مگر نگاہ کی روشنی حقیقت تک نہیں پہنچتی جس کی وجہ سے وہ اس بات سے بے خبر رہتا ہے کہ کائنات کی حرکت کو جاری وساری رکھنے کے لئے کون کون سی قوتیں کام کر رہی ہیں؟ ان قوتوں کا ظہور کہاں کہاں سے ہو رہا ہے؟ اور ان کے انتظامات کس کے سپرد ہیں؟

وحدانیت کی فکر ارادی یا غیر ارادی طور پر کائنات کی ہر شے مخلوق کے اندر کام کر رہی ہے۔ مخلوق کی ذاتی فکر کو وحدانیت کے تفکّر سے روشنی ملتی ہے۔ تمام عالمین کی ہر شے اللہ تعالیٰ کے تفکّر کی محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کا اعتراف کرنا اور اس کی صمدیت اور سبحانیت کا معترف ہونا تمام مخلوق کی عبادت ہے جب اِنسان اپنے اندر کام کرنے والے تمام شعور اور تمام حواس اور تمام SENSES کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت اور سبحانیت کا اعتراف کرلیتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کے علوم کے دروازے کھل جاتے ہیں وہ جان لیتا ہے کہ آدم کی خلافت و نیابت اس کے علم کا ایک جزو ہے اور اسی نقطے کی گہرائی سے علم الاسماء کی روشنیوں کا چشمہ پھوٹتا ہے۔

تمام پیغمبروں کی آمد کا مقصد اِنسان کو اِنسانیّت کی اس معراج تک پہنچانا ہے۔ پیغمبروں کے معجزے اللہ تعالیٰ کی صِفات کا نُور ہیں۔ یہ نُور پیغمبروں کے تفکّر کی روشنی کے ساتھ مل کر اِنسان کے شعور کی ابتداء سے انتہاء تک نشو ونماء کرتا ہے۔ شعور کی حیات علم کی روشنی ہے۔ پیغمبر دنیا والوں کے شعور کو ان کی سکت کے مطابق علم کی روشنی مہیاء کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ اِنسان کے اندر اسمائے الٰہیہ کا شعور منتقل کرتے ہیں۔ پیغمبروں کے بعد اسی کام کو جاری رکھنے والے اولیاءاللہ اور رُوحانی لوگ ہیں جو پیغمبروں کے تربیت یافتہ اور اجازت یافتہ ہوتے ہیں۔ پیغمبروں کے معجزے اِنسان کو اس بات سے آشنا کرتے ہیں کہ اِنسان جب اپنے اندر کام کرنے والی روشنیوں کا مظاہرہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کے ساتھ اس کی قُدرت کے دائرے میں کرتا ہے تو اس کو اپنے کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور اعانت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک لامحدود ہے۔ اِنسان کا تعلق جب لامحدودیت سے قائم ہو جاتا ہے تو اسے اپنے کام کے لئے انرجی کی احتیاج نہیں رہتی اور وہ اللہ تعالیٰ کی صِفت استغناء سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

بولنا، دیکھنا، چکھنا، محسوس کرنا یہ سب روح کی صفات ہیں اور روح کا تعلق براہِ راست اللہ کی ذات سے ہے۔ روح کو جاننے اور سمجھنے کے لئے پہلا مرتبہ آدمی کے اندر یقین کی طرزیں مستحکم ہونا ہے۔ اگر بندے میں یقین کی طرزیں مستحکم نہیں ہیں تو وہ روحانی علم نہیں سیکھ سکتا۔ یقین کی طرزوں سے مراد وہ یقین نہیں ہے جو لفظوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ دنیا کی بیشتر آبادی اللہ کے ہونے کا اعتراف کرتی ہے لیکن چونکہ اللہ کو ماننا محض زبانی جمع خرچ ہے۔ اس لئے اس کے اندر یقین کا پیٹرن نہیں بنتا۔ سورہ بقرہ میں اس بات کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے:

Marfat.com

"یہ کتاب اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے مندرجات میں "نور" ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو لوگ متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر یقین رکھتے ہیں۔"

یقین اس وقت یقین ہے جب مشاہدہ میں آجائے۔ مثلاً کسی جج کے لئے گواہی اس وقت قابلِ قبول ہوتی ہے جب گواہ چشم دید ہو۔ سنی سنائی بات پر عدالت گواہی قبول نہیں کرتی۔ قرآن میں چونکہ شکوک وشبہات نہیں ہیں اس لئے اس کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن سے استفادہ کرنے والے بندہ کا ذہن شکوک وشبہات سے آزاد ہو۔ قرآن کی زبان میں وہ لوگ قرآن سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو متقی ہیں۔ غیر متقی لوگوں کو قرآن ہدایت نہیں بخشتا۔ متقی لوگوں کی تعریف یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان (یقین) رکھتے ہیں اور مشاہدہ کے بغیر یقین کی تکمیل نہیں ہوتی اور قرآن ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو صلوٰۃ (تعلق) قائم کرتے ہیں، اللہ کے ساتھ۔ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں تو وہ جانتے ہیں یہ انہیں اللہ ہی نے دیا ہے۔

اگر کبھی قرآنِ پاک کے مطالعے کا موقع ملے تو آپ کو جگہ جگہ ایمان اور ایمان والوں کا تذکرہ ملے گا۔ اسی ایمان کا اردو ترجمہ یقین ہے۔ صفحات کی کمی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یقین کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ:

یقین جملہ مظاہرات کا سرچشمہ ہے۔ قوت ارادی بھی یقین ہی کا ایک یونٹ ہے۔ یقین کے خصول کے لئے مشاہدہ ضروری ہے اور مشاہدے کی تکمیل صرف اسی صورت میں ہوگی جب یقین کے تین مدارج:

1. علم الیقین،
2. عین الیقین، اور
3. حق الیقین

کو درجہ بدرجہ طے کیا جائے گا۔

مثال کے طور پر آپ کے سامنے پہلی بار کوئی سیب کا نام لیتا ہے اور اس کے رنگ، بناوٹ، ذائقے اور فوائد کا تذکرہ کرتا ہے۔ آپ کو علم الیقین ہوگیا۔ یہ مشاہدے کا پہلا قدم ہے۔

دوسرے قدم پر آپ سیب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں اور اس کے رنگ اور بناوٹ کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ یہ عین الیقین کا درجہ ہے۔

تیسرے درجے میں جسے آپ حق الیقین کہتے ہیں، یہ آپ کو سیب، سیب کے رنگ، اس کی بناوٹ، اس کے ذائقہ اور فوائد کا نہ صرف علم ہوا بلکہ اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ بھی کر چکے ہیں۔ اپنے طور پر سیب کر کھا کر اس کا تجربہ بھی کر لیا ہو۔ یقین کی تکمیل صرف اسی وقت ممکن ہے جب آپ کسی بات یا کسی چیز کی کُنہ تک پہنچ جائیں۔ زندگی اور زندگی کا ہر قدم، ہر سانس یقین کے گرد گھومتا ہے۔ یقین ہی زندگی کے جملہ نشیب وفراز، مسائل، افکار واعمال کی پیدائش کا باعث ہے۔

Marfat.com

اگر انسان کے اندر یقین کی وہ طاقت اور صلاحیت پیدا اور بیدار ہو جائے جس کا تذکرہ قرآنِ پاک میں خالقِ کائنات اللہ نے کیا ہے تو انسان ایسے ایسے کام انجام دے سکتا ہے جس کا گزر نوعِ انسانی کی برادری کے شعور میں کبھی نہیں ہوا۔ یقین کی اس صلاحیت، طاقت، اس کے مظاہرے کے واقعات اور تذکرے، قرآنِ پاک میں جا بجا موجود ہیں مثلاً حضرت سلیمان علیہ السّلام کے واقعے میں اسی یقین کا مظاہرہ ایک آدم زاد بندے نے اس طرح کیا کہ سارے درباری یہ منظر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ پلک جھپکنے سے پہلے ہزاروں میل دور سے حضرت سلیمان علیہ السّلام کے دربار میں ملکہ بلقیس کا تخت موجود ہو گیا۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، موضوع اِنسان ایک کائنات، صفحہ نمبر 131 تا 132

2۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 226، صفحہ نمبر 160

3۔ کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، نہ قتل کیا نہ سولی چڑھا سکے، صفحہ نمبر 36 تا 37

4۔ کتاب "روح کی پکار" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب قوت ارادی کیا ہے، صفحہ نمبر 214

5۔ کتاب "روح کی پکار" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب حواس کہاں سے آتے ہیں، صفحہ نمبر 246 تا 247

Marfat.com

موضوع 23/84

سُودخوری کی ممانعت

INHIBITION TO USURY

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ (THE COW)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧٨﴾

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کرو اور جو کچھ تمہارا سُود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر واقعی تم ایمان لائے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔

O ye who believe! Observe your duty to Allah, and give up what remaineth (due to you) from usury, if ye are (in truth) believers. And if ye do not, then be warned of war (against you) from Allah and His messenger.

تمام مسلمان نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، حج بھی کرتے ہیں، زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ عقل دست بہ گریباں ہے کہ اللہ کے دشمنوں کی نماز کس طرح ہوگی۔ اللہ کے ساتھ حالتِ جنگ میں رہتے ہوئے روزے کی برکتیں اور سعادتیں کیسے حاصل ہوں گی۔ جن لوگوں کو اللہ نے اپنا دشمن قرار دے دیا ہے وہ کس منہ سے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور خانہ کعبہ کے انوار و تجلیات سے اللہ کے دشمن کیوں کر منور ہو سکتے ہیں؟ تاریخ گواہ ہے کہ جس قوم نے اللہ کے بنائے ہوئے قانون کا مذاق اڑایا، اللہ نے اس قوم کو ذلیل اور پست کر دیا۔ کیا ابھی بھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے ظاہر اور باطن کا محاسبہ کریں؟

سُودخوری کو سختی سے منع کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالے نے بیع یعنی تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سُود کو حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کے لئے تقویٰ اختیار کرو اور جو کچھ تمہارا سُود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر واقعی تم ایمان

Marfat.com

بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ

لائے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ (سورۃ بقرہ، پارہ 3، آیت 278)

سُود کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دولت سمٹ کر چند افراد کے ہاتھ میں جمع ہو جاتی ہے۔ عوام کی قوتِ خرید روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔ صنعت، تجارت اور زراعت میں کساد بازاری (بازار میں خرید و فروخت کا نہ ہونا) واقع ہوتی ہے۔ اور آخر کار خود سرمایہ داروں کے لئے بھی اپنی جمع شدہ دولت کو افزائش دولت کے کاموں میں لگانے کا موقع باقی نہیں رہتا۔ اس کے برخلاف زکوٰۃ، صدقات کا حکم اس لئے دیا گیا کہ قوم کے تمام افراد میں دولت تقسیم ہوتی رہے، ہر شخص میں قوتِ خرید موجود رہے صنعتی ترقی ہو، کھیتیاں سرسبز ہوں تجارت کو خوب فروغ حاصل ہو۔

دولت پرستی:

جو قوم دولت پرستی میں مبتلا ہو جاتی ہے، ذلیل و خوار ہو جاتی ہے یہ کوئی کہانی نہیں ہے۔ زمین پر اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ بڑی بڑی سلطنتوں اور محلّات کے مالک، ان کے عالیشان محلّات آج کھنڈرات کی شکل میں زمین پر جگہ جگہ موجود ہیں۔ کیا یہ لوگ زمین پر گھوم پھر کر نہیں دیکھتے کہ پہلی اقوام کا انجام کیا ہوا؟ وہ لوگ قوت اور تہذیب و تمدّن میں ان سے برتر تھے۔ لیکن اللہ نے انہیں ان کے گناہوں کی سزا میں پکڑ لیا اور انہیں کوئی نہیں بچا سکا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جن قوموں میں دولت پرستی عام ہوگئی وہ قومیں صفحہ ہستی سے مٹادی گئیں۔ قومیں گناہوں سے نیست و نابود نہیں ہوتیں۔ گناہ تو معاف کر دیے جاتے ہیں۔ شرک ایک ایسا گناہ ہے جو کسی صورت معاف نہیں کیا جاتا اور دولت پرستی سب سے بڑا شرک ہے۔ اس شرک کو مہمیز دینے والے بڑے عوامل میں سے ایک گھناؤنا عمل سُود ہے، سُود جو رزق کو حرام کر دیتا ہے۔

جہاں تک دولت کے انبار جمع کرنے سے عزّت و توقیر کے حصول کا تعلق ہے، یہ ایک خود فریبی ہے۔ ایسی خود فریبی جس سے ایک فرد واحد بھی انکار نہیں کر سکتا۔ فراعین مصر کے محلّات، قارون کے خزانے ہمیں بتا رہے ہیں کہ دولت نے کبھی کسی کے ساتھ وفا نہیں کی۔ تاریخ خود کو دہراتی رہتی ہے۔ بڑے بڑے شہنشاہوں کے حالات سے کون واقف نہیں ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ پوری شان و شوکت اور شاہی دبدبہ کے باوجود مادرِ وطن میں قبر کے لئے جگہ بھی نصیب نہیں ہوئی سونے چاندی کے ذخیروں اور جواہرات کے ڈھیر نے دنیا کے امیر ترین آدمیوں کے ساتھ کتنی وفا کی؟ کیا یہ حقیقت ہمارے لئے درسِ عبرت نہیں ہے؟

Marfat.com

حوالہ جات:

1۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 38 صفحہ نمبر 51

2۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 255، صفحہ نمبر 175

3۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 180، صفحہ نمبر 137

4۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 121، صفحہ نمبر 108

Marfat.com

موضوع 24/84

یقین کا پیٹرن

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ (THE FAMILY OF IMRAN)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ

جو لوگ اس علم میں پختہ کار ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔

And those who are firmly grounded in knowledge say: "We believe in it; the whole of it (Clear and Unclear) are from our Lord.

جس طرح دنیاوی زندگی میں ماحول کا اثر ہوتا ہے اور آدمی اُس ماحول کی نقل کرتا ہے جس ماحول میں وہ رہتا ہے۔ اسی طرح رُوحانی دنیا کا بھی ایک ماحول ہے۔ اس ماحول میں رہنے والے لوگوں کا اخلاق اچھا ہوتا ہے۔ ان کے اندر شک اور وسوسے کی جگہ یقین کام کرتا ہے۔ جس طرح آدمی کے اوپر ماحول اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح اخلاق اور شرافت کا اثر ہوتا ہے۔ رُوحانی دنیا میں بھی ماحول کا اثر ہوتا ہے اور اس کی ابتداء یقین سے ہوتی ہے۔ جب کوئی بندہ رُوحانی دنیا سے واقف ہوجاتا ہے اور رُوحانی دنیا کی طرزیں اس کے اندر راسخ ہوجاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ:

وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ

جو لوگ اس علم میں پختہ کار ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔

(سورۃ آلِ عمران، پارہ 3، آیت 7)

یعنی میرا اس بات پر یقین ہے کہ دنیا میں آخرت میں دنیا میں آنے سے پہلے اور دنیا سے جانے کے بعد کی دنیا میں یعنی جی اٹھنے کے بعد عالم میں، صبح، دوپہر، شام اور رات میں جو کچھ ہوتا ہے، ہوچکا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

رُوحانی طلباء و طالبات کے لئے ضروری ہے کہ ان کے اندر استقامت اور اس بات کا یقین ہو کہ دنیا میں آنے سے پہلے جو کچھ ہوچکا ہے، دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اور دنیا سے جانے کے بعد جو کچھ ہوگا وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ انسان دو پیروں سے چلتا ہے، دو ہاتھوں سے پکڑتا ہے، دو آنکھوں سے دیکھتا ہے، دماغ سے سوچتا ہے،

Marfat.com

یہ سب اعضاء مرنے کے بعد بے حس و حرکت ہو جاتے ہیں اور مٹی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو شئے اعضاء کو متحرک رکھتی ہے، آنکھوں میں بینائی مُستقِل کرتی ہے، جسمانی اعضاء کو حرکت دیتی ہے، سوتے ہوئے کو جگاتی ہے، جاگتے ہوئے بندوں کو سلاتی ہے، وہ رُوح ہے۔ سب جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد جسم کیڑے مکوڑوں کی خوراک بن جاتا ہے۔ لیکن رُوح برقرار رہتی ہے اور اس کا علم بھی قائم و دائم رہتا ہے۔

یہ بات اس لئے ذہن میں آتی ہے کہ ہم زندگی کو شعوری پیمانوں سے ناپتے ہیں، مثلاً ہر آدمی کے ذہن میں یہ بات ہے کہ میں پیدا ہوا اور میری پیدائش کا ذریعہ والدین بنے۔ علیٰ ہذالقیاس ہر مخلوق کے بارے میں اس کا شعوری مشاہدہ یہی ہے۔ لیکن اگر کوئی انسان شعوری حواس یعنی شک و شبہ اور بے یقینی کی دنیا سے آزاد ہو کر یقین کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے اور وہاں اس کے سامنے یہ بات آجاتی ہے کہ وہ اور تمام مخلوقات کو ایک ہستی نے بنایا ہے تو یہ بات اس کے ذہن سے حذف ہو جاتی ہے۔ یعنی اس لایعنی بات کا خانہ ہی ختم ہو جاتا ہے اور جب اس بات سے کہ خدا کو کس نے بنایا ہے، ذہن آزاد ہو جاتا ہے تو اس کی طرزِ فکر یہ بن جاتی ہے کہ وہ ہر بات اور ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے اور اللہ ہی کی طرف موڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا

وہ لوگ راسخ فی العلم ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں ہمارا ایمان ہے اور اس بات پر یقین ہے کہ ہر چیز ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

(سورۃ آل عمران، پارہ 3، آیت 7)

انبیاءؑ کی طرزِ فکر:

تمام انبیاء کی تعلیمات کی ایک بنیاد ہے اور یہ بنیاد توحید ہے۔ توحید ایک خالق کو ماننا ہے۔ بنیادی تفکر کے ساتھ دوسرا اصول جو ہر اُمّت کے لئے لازم قرار دیا گیا وہ مقامِ صلوٰۃ ہے۔ صلوٰۃ خالق سے رابطہ قائم کرنے کا بہترین اور یقینی ذریعہ ہے۔ اللہ کے ساتھ مرکزیت قائم ہونے سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے پیغمبران کی سنت پر عمل کر کے اگر کوئی بندہ توحید کے بنیادی اصولوں پر کاربند ہو جاتا ہے تو اس کے اندر رُوحانی شعور بیدار ہو جاتا ہے اور رُوحانی شعور ہی اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرنے کا سبب بنتا ہے۔

جتنے پیغمبر علیہم السلام تشریف لائے ان سب کی طرزِ فکر یہی رہی کہ ہمارا بشمول کائنات اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک رشتہ براہ راست قائم ہے اور یہ رشتہ ہی کائنات کو جاری و ساری رکھے ہوئے ہے۔ پیغمبروں کی تعلیمات بھی یہی رہیں کہ بندے کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ بندہ ذات باری تعالیٰ کے رشتہ کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو کچھ جس طرح اور جب کرنا چاہتے ہیں وہی اِنسان کا عمل بنتا ہے۔ پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اسی طرزِ فکر میں ایک اور طرزِ فکر شامل کی اور وہ یہ کہ انہوں نے اچھائی اور برائی کا تصور اس لئے ظاہر فرمایا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ یہی چاہتے ہیں۔ اگر اچھائی اور برائی کا تصور نہ ہوتا تو اختیارات نیکی اور بدی ناقابل تذکرہ ہو جاتے۔ اس بات سے کوئی آدمی انکار کی مجال نہیں رکھتا کہ شیطان کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ کہنا یہ ہے کہ شیطان اور شر کو ہم

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے جدا نہیں کر سکتے۔ لیکن شیطان زندگی کا ایک ایسا رُخ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ناپسندیدہ ہے اور شیطنت کے برعکس اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اللہ تعالیٰ کے لئے پسندیدہ عمل ہے۔ لیکن جو لوگ تخلیق کے اس رُخ سے واقف ہیں اور جن کا ایمان، یقین اور مشاہدہ یہ ہو جاتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ یہ بات بھی سمجھ لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عمل کیا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی کو اپنی زندگی بنالیتے ہیں تو ان کے اندر سے شر نکل جاتا ہے۔ باالفاظ دیگر شیطان ان پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتا۔

خیر یا شر:

برائی اور بھلائی کا جہاں تک تعلق ہے، کوئی عمل دنیا میں برا ہے نہ اچھا ہے۔ دراصل کسی عمل میں معنی پہنانا اچھائی یا برائی ہے۔ معانی پہنانے سے مراد نیّت ہے۔ عمل کرنے سے پہلے اِنسان کی نیّت میں جو کچھ ہوتا ہے وہی خیر اور شر ہے۔

اللہ نے آدمؑ کو اپنی نیابت عطا فرمائی تو فرشتوں نے عرض کیا کہ یہ زمین پر فساد پھیلائے گا۔ یہ بتانے کے لئے آدمؑ کے اندر شر اور فساد کے ساتھ خیر و فلاح کا سمندر بھی موجزن ہے، اللہ نے آدمؑ سے کہا کہ ہماری تخلیقی صِفات بیان کرو۔ جب آدمؑ نے تخلیقی صِفات اور تخلیق میں کام کرنے والے فارمولے (اسمائے الٰہیہ) بیان کئے تو فرشتے برملا پکار اٹھے۔ "پاک اور مقدّس ہے آپ کی ذات، ہم کچھ نہیں جانتے مگر جس قدر علم آپ نے ہمیں بخش دیا ہے، بے شک وشبہ آپ ہی کی ذات علیم اور حکیم ہے"۔ تفکر کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فرشتوں نے جو کچھ کہا اللہ نے اس کی تردید نہیں کی۔ بات کچھ یوں بنی کہ آدم کی اولاد کو جب تک اللہ کی صِفات کا علم منتقل نہیں ہوتا وہ سرتاپا شر اور فساد ہے اور تخلیق کا علم منتقل ہونے کے بعد سراپا خیر ہے۔

حضرت رابعہ بصریؒ سے کسی نے سوال کیا آپ نے شادی نہیں کی کیا آپ کو شیطان سے ڈر نہیں لگتا؟ حضرت صاحبہؒ نے فرمایا۔ "مجھے رحمان سے ہی فرصت نہیں۔" جب رحمان سے ہی فرصت نہیں تو شیطان کا خیال ہی نہیں آتا۔ اسی بات کو خواجہ غریب نوازؒ نے یوں فرمایا ہے۔ "یار دم بہ دم وبار بار می آید۔" حضور غریب نوازؒ فرماتے ہیں۔ "میری ہر سانس میں اللہ بسا ہوا ہے اور میرا ہر سانس اللہ کے ساتھ وابستہ ہے"۔ ظاہر ہے کہ جب ہر سانس کی وابستگی براہِ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو تو وہاں شیطان کا عمل دخل نہیں ہو سکتا۔ بات مشکل ہے لیکن واقعتاً ایسا ہوتا ہے کہ ایسے برگزیدہ اور پاک نفس بندے موجود ہوتے ہیں جن کے ذہن سے شر کا خانہ نکل جاتا ہے۔ اور جب شر کا خانہ نکل جاتا ہے تو خیر کا خانہ بھی حذف ہو جاتا ہے۔ شر اور خیر دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے روشنی اور تاریکی، گرم و سرد، تلخ و شیریں، راحت اور تکلیف، خوشی اور غم، غصہ اور محبت وغیرہ لازم و ملزوم ہیں۔ بظاہر یہ بات خلاف عقل اور خلاف شرع معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ایسا ہے۔ یہ وہ پاکیزہ نفوس ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہمارے بندے ایسے بھی ہیں جو ہماری آنکھوں سے دیکھتے ہیں، ہماری زبان سے بولتے ہیں اور ہمارے ہاتھوں سے کام کرتے ہیں۔ ان بندوں کی طرزِ فکر میں یہ بات یقین کا درجہ حاصل کر لیتی ہے کہ ہماری حیثیت ایک معمول کی سی ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں۔

مشیت جو چاہتی ہے اور جیسا حکم دیتی ہے وہی ہوتا ہے۔ اگر مشیت یہ چاہتی ہے کہ کسی زمین پر آباد بستی کو ختم کر دیا جائے تو

Marfat.com

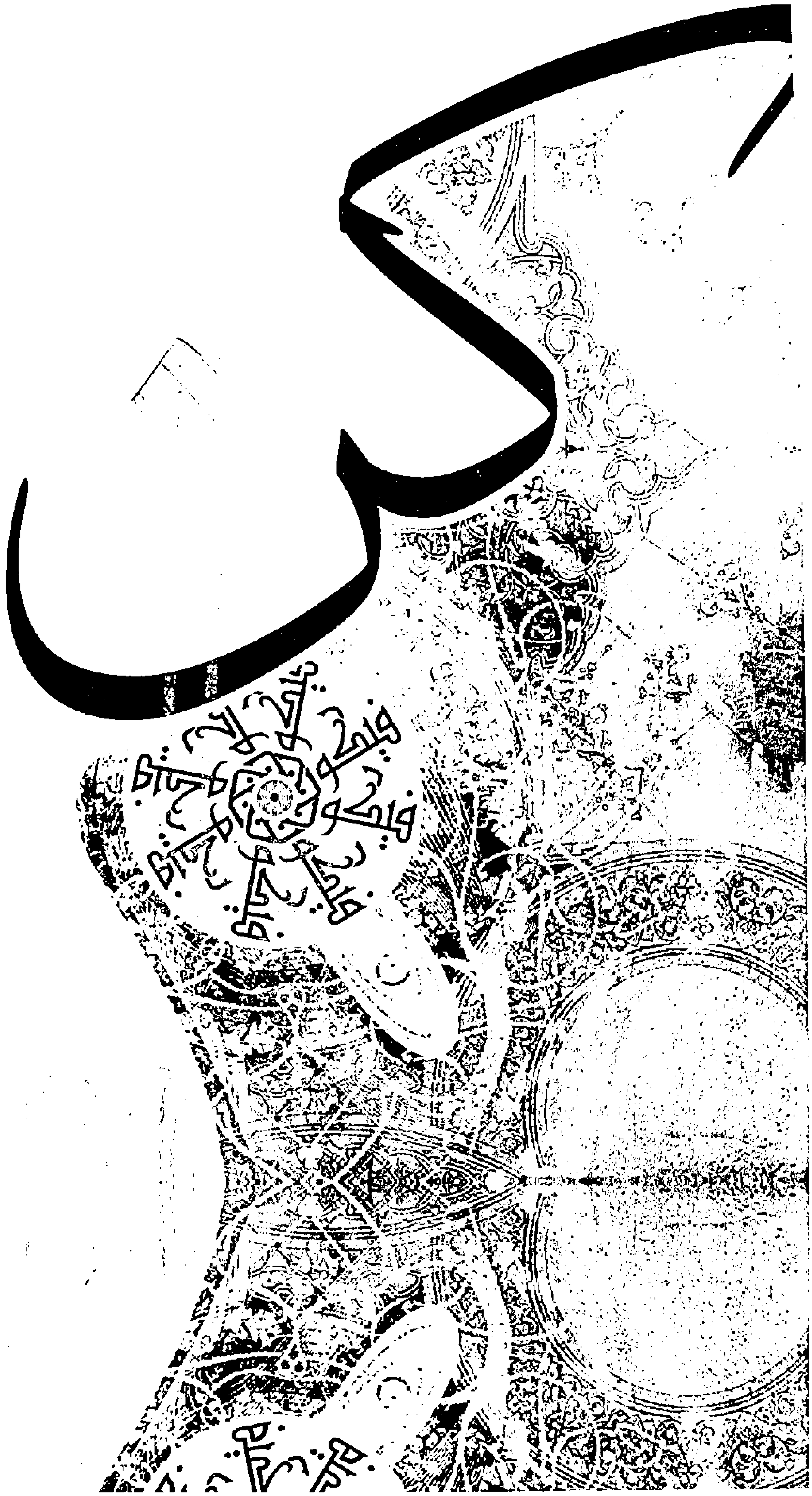

Marfat.com

الرحمن

Marfat.com

ایسے بندے کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ یہ قتل عام ہے۔ بس اس کے ذہن میں ایک ہی بات آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ زمین کا تختہ الٹ دیا جائے۔ یہ تعریف ہے ان لوگوں کی جن کو صاحب خدمت کہا جاتا ہے۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جن کے اندر اچھائی برائی کا تصور ہے اور وہ اچھائی کو اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتے ہیں اور برائی سے اس لئے بچتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ عمل ہے۔ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ سے فکر کی دونوں طرزیں ان کی اُمّت کو منتقل ہوئی ہیں۔

طرزِ فکر کے حصول کا طریقہ:

رُوحانی استاد یا مراد انبیاءؑ کی طرزِ فکر کا وارث ہوتا ہے۔ جب کوئی شاگرد اپنے رُوحانی استاد کی طرزِ فکر کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ وہ استاد کی نسبت حاصل کرے، نسبت حاصل کرنے کا پہلا سبق تصور ہے۔ جب رُوحانی شاگرد یا سالک آنکھیں بند کر کے ہر طرف سے ذہن ہٹا کر اپنے رُوحانی استاد کو تصوّر کرتا ہے تو رُوحانی استاد کے اندر کام کرنے والی لہریں اور طرزِ فکر شاگرد کو منتقل ہونے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ طرزِ فکر روشنیوں کا وہ ذخیرہ ہے جو حواس بناتی ہیں، شعور بناتی ہیں زندگی کی ایک نہج بناتی ہیں۔ تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں کہ جب کوئی رُوحانی شاگرد اپنے رُوحانی استاد کے تصور میں گم ہو جاتا ہے تو اس کی چال ڈھال، انداز گفتگو اور شکل و صورت میں ایسی نمایاں مشابہت پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ پہچاننا مشکل نہیں رہتا کہ یہ اپنے رُوحانی استاد کا عکس ہے۔ تصوّر کا قاعدہ اور طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے ذہن کو ہر طرف سے آزاد کر کے بند آنکھوں سے یہ تصوّر کیا جائے کہ رُوحانی استاد کی طرزِ فکر میں کام کرنے والی روشنیاں میرے اندر منتقل ہو رہی ہیں۔

اگر آدمی کوئی علم نہیں جانتا تو اس علم کو سیکھنے کے لئے ان تمام علوم سے جو وہ سیکھ چکا ہے صرف نظر کر کے اسے نرسری کا بچہ بننا پڑے گا۔ استاد جب کہتا ہے پڑھو الف۔ بچہ یہ نہیں کہتا کہ الف کیا ہے۔ استاد کی تقلید میں بچہ کہہ دیتا ہے "الف" عقل و شعور استعمال کر کے کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ یہ وصف بچے کو قدم قدم آگے بڑھاتا ہے اور بچہ پڑھ لکھ کر Ph.D کر لیتا ہے۔

دنیاوی علوم کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک عقل و شعور کی نفی کر کے طالب علم سکھائے جانے والے علم کو قبول نہ کرے۔ معاشرتی طرزیں بچے میں ماحول اور ماحول میں رہنے والے افراد سے منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ماں آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہتی ہے وہ چاند ہے۔ بچہ چاند کو اسی طرح چاند سمجھتا ہے، جس طرح ماں کے شعور میں چاند ہے۔ باپ کہتا ہے یہ درخت ہے، بچے کے اندر درخت سے متعلق باپ کا علم منتقل ہو جاتا ہے۔ بہن بھائی، دادی نانی، بچے کو پانی پلاتے ہیں۔ بچے کی آنتیں پانی سے اسی طرح سیر اب ہوتی ہیں۔ جس طرح گھر کے دوسرے افراد پانی پی کر سیر اب ہوتے ہیں۔ بچہ اگر چاند کو چاند تسلیم کرنے سے انکار کر دے، درخت کو درخت نہ مانے پانی سے پیاس بجھنے پر اعتراض کرے، ماں کو ماں نہ کہے، باپ کو باپ تسلیم نہ کرے تو معاشرے کی اقدار بچے میں منتقل نہیں ہونگی۔ رُوحانی استاد کہتا ہے۔ اندھیرا روشنی ہے۔ جبکہ اب لوگ کہتے ہیں اندھیرا اندھیرا ہے تاریکی ہے۔ اگر شاگرد عامل

Marfat.com

معمول کے طریقہ پر حاصل ہونے والے شعور سے اعتراض کر دے کہ اندھیرا روشنی کیسے ہو سکتا ہے؟ اندھیرا تو اندھیرا ہے۔ تو رُوحانی علم نہیں سیکھ سکتا۔

جس طرح بچے نے اے، بی، سی، ڈی پڑھنے میں اپنی عقل استعمال نہیں کی اسی طرح جب تک رُوحانی شاگرد اندھیرے کو روشنی تسلیم نہیں کرے گا تو اگلی کلاس میں داخل نہیں ہو سکتا۔

رُوحانی استاد کہتا ہے۔ مادی جسم فکشن ہے۔ اس کی اپنی ذاتی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ شاگرد حجت پیش کرتا ہے اگر جسمانی نظام فکشن ہے تو روٹی نہ کھانے سے ہم کمزور کیوں ہو جاتے ہیں؟ اگر روٹی کھانا فکشن ہے تو ہمارے اندر کھانا کھانے سے طاقت کیوں آجاتی ہے؟ رُوحانی استاد بتاتا ہے کہ ہمارا مادی جسم اس لئے فکشن ہے کہ ہم روٹی بھی کھا رہے ہیں پانی بھی پی رہے ہیں فضا سے آکسیجن بھی ہمیں مل رہی ہے لیکن جسم انحطاط پذیر DETERIORATIVE ہے آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟

روٹی کھا کر آدمی بوڑھا کیوں ہو رہا ہے؟

جوان آدمی سوکھی روٹی کھا کر بھی صحت مند ہے۔ بوڑھا آدمی طاقتور غذائیں کھا کر روز بروز کمزور ہوتا رہتا ہے۔ رگ پٹھوں سے مرکّب جسم کے خوبصورت خدوخال سکڑ جاتے ہیں اعصاب ڈھیلے ہو جاتے ہیں چہرہ پر جھریاں پڑ جاتی ہیں۔

دنیاوی علوم کا استاد ہو یا رُوحانی استاد ہو، دونوں کا ادب و احترام ضروری ہے۔ رُوحانی استاد اور علم حصولی کے استاد میں فرق یہ ہے کہ رُوحانی

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کیونکہ وسائل کے HEAD ہیں، صدر الصدور ہیں، نظامت کے بڑے ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ عظیمی سلسلے کا ہر فرد اس بات سے واقف ہو جائے، عظیمی سلسلے کے ہر بندے کے ذہن میں یہ بات بطور شہادت محفوظ ہو جائے کہ عظیمی بندہ کبھی وسائل کا محتاج نہیں ہوتا۔ اگر محتاج ہوتا ہے تو صرف اللہ کا محتاج ہوتا ہے۔ یہی ہماری BASE ہے۔ یہی ہمارے اسباق ہیں اور یہی ہماری زندگی کا وہ روشن رخ ہے جو آپ کو دوسری جگہ نہیں ملتا۔ حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ چاہتے ہیں:

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ

اور جو راسخ (گہرے ثابت قدم) ہیں علم میں وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اس پر کہ جو کچھ بھی ہے، ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ چاہتے ہیں کہ عظیمی بندہ اتنا راسخ ہو علم میں کہ وہ علم اس کا مشاہدہ بن جائے اور وہ ہر آن ہر لحہ باطنی اور ظاہرہ آنکھوں سے یہ دیکھتا رہے ـــــ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ ـــــ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ

ہر چیز اللہ کی طرف سے ہو رہی ہے ـــــ ہر چیز کا حصول ـــــ ہر چیز کا نزول ـــــ ہر چیز کا صعود اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اس کے سامنے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ کی عملی تفسیر آجائے ـــــ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے ـــــ اللہ ہی کی طرف لوٹ رہی ہے ـــــ ہر چیز اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ رہی ہے ـــــ اس لئے ضروری تھا، کیونکہ روحانی علم مشاہداتی علم ہے، روحانی علم یقین ہے۔ مشاہدے کے بغیر یقین نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کی منظوری سے امام سلسلہ عظیمیہ نے اس سلسلہ کی بنیاد یقین کے اوپر رکھی ہے۔

Marfat.com

استاد کے پیشِ نظر صرف اللہ ہوتا ہے۔ دنیاوی غرض لالچ طمع کچھ نہیں ہوتا۔ رُوحانی استاد کے ذہن میں شاگرد کی اصلاح و تربیت کا ایک مکمل پروگرام ہوتا ہے کہ شاگرد غیب کی دنیا سے واقف ہو جائے اسے عرفان ذات حاصل ہو جائے۔

رُوحانی استاد تعلیم دیتا ہے کہ اللہ سے دوستی کی شرط یہ ہے کہ بندہ وہ کام کرے جو اللہ کے لئے پسندیدہ ہے۔ رُوحانی استاد بتاتا ہے کہ رُوحانی اِنسان کا تعلق اللہ کے ساتھ قائم ہے۔ رُوحانی اِنسان وہی کام کر کے خوش ہوتا ہے جو اللہ کی صِفت ہے۔

جواری کی دوستی کا تقاضہ ہے کہ دوست کے ساتھ کلب میں جا کر جوا کھیلے۔ شطرنج کے کھلاڑی سے دوستی شطرنج میں مہارت حاصل کرنے کی متقاضی ہے۔ مصوّر کی دوستی آدمی کو ماہر مصوّر نہ بھی بنائے اسے اس قابل ضرور بنا دیتی ہے کہ وہ کینوس پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر خدوخال اور نقش و نگار واضح کر دے۔ سینما دیکھنے کا شوقین پیسے خرچ کر کے دوست کو فلم دکھانے لے جاتا ہے۔ دنیاداری میں بھی دوستی اس وقت تک با اعتبار نہیں ہے جب تک دوست وہی اوصاف اختیار نہ کرے جو اس کے دوست کے ہیں۔

بچے کا نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں بظاہر حیاتیاتی ضابطوں کے خلاف پرورش پانا، پیدا ہو کر دنیا میں آنا، غذائی ضروریات پوری کرنے کے لئے ماں کے سینے سے دودھ کا چشمہ ابل پڑنا، پیدائش سے موت تک حفاظت و سائل کا مہیا ہونا، یہ سب بندوں کی خدمت ہے جو اللہ کے قائم کردہ نظام کے تحت جاری و ساری ہے۔

دوست تک رسائی:

تمام پیغمبروں کا دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد اللہ تعالیٰ کے علوم کی روشنیوں سے لوگوں کو متعارف کروانا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے پیغمبران کی ہدایتوں کو مان کر ان پر عمل کیا وہ صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حواری کہلائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی برات قبول کی گئی۔ اور براہِ راست پیغمبروں کے ذریعے انہیں علوم حاصل ہوئے۔ کیا یہ تمام پیغمبروں کا مشترکہ معجزہ نہیں کہ ان کی قوم کو ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے علوم پہنچائے گئے۔ آج جبکہ دنیا میں مختلف مذاہب کے پیروکار بستے ہیں ان سب کا ایک جھنڈے تلے آنا ممکن نظر نہیں آتا۔ مگر رُوحانیّت جو حقیقت ہے یہ کسی فرقے سے تعلق نہیں رکھتی۔ رُوح تو ہر مخلوق کے اندر موجود ہے۔ بغیر رُوح کے کسی ذرے کے وجود کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ آج اس بات کی ضرورت ہے کہ نسل اِنسانی اپنے اپنے پیغمبروں سے عشق کے درجے میں محبت کرے۔ اور ان کی رُوح سے رابطہ قائم کرے اور ان کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل کرے تو سب کی منزل ایک ہی ہو جائے گی کیونکہ ہر پیغمبر حق تعالیٰ کا دوست اور حبیب ہے۔ دوست کے ذریعے ہی دوست تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور رُوح کے ذریعے سے ہی رُوح تک رسائی ممکن ہے۔ رُوح اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ اور امر اللہ تعالیٰ کا جزو ہے۔ پس رُوحانیّت کی سیڑھی کے سوا اور کوئی زینہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا نہیں ہے۔ جب لوگ جسم حیوانی کی زندگی اور اس کی توانائی پر اپنی تمام قوتیں خرچ کر دیتے ہیں تو وہ یہ بھول جاتے ہیں۔ کہ جسم حیوانی کی زندگی بھی رُوح کی حیات کے ساتھ ہے کیونکہ رُوح کے تمام لطائف ہی اِنسان کی ایک ایک زندگی کا شعور ہے۔ اپنی رُوح سے غفلت برتنے والے خود اپنی حیات سے رشتہ توڑتے ہیں اور اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔

Marfat.com

اطمینانِ قلب کا حصول:

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربط قائم ہو جانے سے اِنسان کا دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ صوفیانہ تعلیمات کا مقصد بھی یہی ہے کہ رسُول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے خالق و مالک اللہ سے ہر حال اور ہر حرکت میں ربط و تعلق قائم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی قربت پانے کا سب سے مؤثر ذریعہ صلوٰۃ ہے۔ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ حضوری قلب کے ساتھ اللہ کے سامنے سجدے میں ہوتا ہے۔ صلوٰۃ کے ذریعے اللہ سے قربت پانے کی سعی کرنی چاہئے۔

روحانیت کے راستے پر چلنے والے سالک کے اندر یہ طرزِ فکر ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے اوپر چھوڑ دے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ:

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ

یہی وہ اصل طرزِ فکر ہے جو انسان کے اندر اِستغناء پیدا کرتی ہے۔ اِستغناء کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہاتھ پیر چھوڑ کر بیٹھا رہے۔ کوشش اور جدّوجہد اس پر لازم ہے۔ کوشش اور جدّوجہد کے ساتھ نتائج پر نظر نہیں ہونی چاہئے بلکہ نتائج اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ یعنی جو کچھ ہو رہا ہے یا ہم کر رہے ہیں وہ سب اس لئے کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا چاہتا ہے۔ روحانیت میں اس بات کو ذہن نشین کرادیا جاتا ہے کہ انسان کی زندگی اور زندگی کے تمام اعمال و اشغال سب مِن جانب اللہ ہیں۔ اس کی نظر عذاب ثواب، توقع اور صلہ و ستائش پر نہیں ہوتی وہ برائیوں سے اس لئے بچتا ہے کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اچھائیوں کو اس لئے اختیار کرتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔

عذاب و ثواب کا جب تذکرہ آتا ہے تو اس میں ڈر، خوف، دہشت، ہیبت اور آسائش و آرام اور آسانیاں پیش نظر ہوتی ہیں۔ کسی سالک کے لئے یہ طرزِ فکر زہر قاتل ہے۔ اس طرزِ فکر کا بندہ روحانیت میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہوتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سراپا محبت ہے۔ جہاں ڈر آجاتا ہے دوری واقع ہو جاتی ہے۔ اللہ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اللہ تعالیٰ سے دور ہو گیا اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا منشا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے قریب ہو۔ انسان کی ذہنی طرزِ فکر ماحول سے بنتی ہے۔ جس قسم کا ماحول ہوتا ہے اس ماحول میں تمام اعمال کے نقوش دروبست یا کم و بیش ذہن پر مُرتسم ہو جاتے ہیں۔ جس حد تک یہ نقوش ہلکے یا گہرے ہوتے ہیں اسی مناسبت سے انسان کی زندگی کی ایک نہج بن جاتی ہے۔ اگر کوئی بچہ ایسے ماحول میں پرورش پاتا ہے جہاں والدین اور اس کے اردگرد ماحول کے لوگ ذہنی پیچیدگی، بددیانتی اور ان اعمال کے عادی ہوں جو معاشرے کے لئے ناقابلِ قبول اور ناپسندیدہ ہیں، وہ بچہ لازمی طور پر قبول کرے گا۔ اسی طرح اگر بچے کا ماحول پاکیزہ ہے تو وہ پاکیزہ نفس ہو گا۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ بچہ وہی زبان سیکھتا ہے جو ماں باپ بولتے ہیں وہی عادات و اطوار اختیار کرتا ہے جو والدین سے ورثہ میں منتقل ہوتے ہیں۔ قانون ہے کہ:

Marfat.com

بچہ کا ذہن آدھا والدین کا ورثہ ہوتا ہے اور آدھا ماحول کے زیرِ اثر بنتا ہے۔

یہ مثال صرف بچوں کے لئے مخصوص نہیں، اِس میں افراد اور قوموں پر بھی یہ قانون لاگو ہوتا ہے۔

ابتداءِ آفرینش تا اِیں دَم، جو کچھ ہو چکا ہے، ہو رہا ہے یا آئندہ ہو گا وہ سب کا سب نوعِ انسانی کا ورثہ ہے۔ یہ ورثہ قوموں میں اور افراد میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اسی کو ہم ارتقاء کہتے ہیں۔ مختصراً کسی روحانی طالب علم کو یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ طرزِ فکر دو ہیں۔ ایک طرزِ فکر بندے کو اپنے خالق سے قریب کرتی ہے اور دوسری طرزِ فکر بندے کو اپنے خالق سے دور کرتی ہے۔ ہم جب کسی انعام یافتہ شخص سے قربت حاصل کرتے ہیں جسے وہ طرزِ فکر حاصل ہے جو خالق سے قریب کرتی ہے تو قانون کے مطابق ہمارے اندر وہی طرزِ فکر کام کرنے لگتی ہے اور ہم جس حد تک اس انعام یافتہ شخص سے قریب ہو جاتے ہیں اتنی ہی اس کی طرزِ فکر ہمیں حاصل ہو جاتی ہے اور انتہا یہ کہ دونوں کی طرزِ فکر ایک بن جاتی ہے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، موضوع روحانی شعور، صفحہ نمبر 200

2۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 264، صفحہ نمبر 178

3۔ کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، موضوع انبیاء اور ان کے معجزے، صفحہ نمبر 51 تا 52

4۔ کتاب "روح کی پکار" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع ارتقائی منازل، صفحہ نمبر 175 تا 177

Marfat.com

موضوع 84/ 25

لیل ونہار

THE DAY AND NIGHT

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ (THE FAMILY OF IMRAN)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ

ترجمہ: توہی رات کو دن میں داخل کرتا اور توہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔

Thou causest the night to pass into the day, and Thou causest the day to pass into the night.

ہر چیز کا قیام بنیاد پر قائم ہے۔ مثلاً مکان اس وقت تک مکان نہیں ہے جب تک مکان کی بنیادیں موجود نہ ہوں۔ کرسی اس وقت تک کرسی نہیں ہے جب تک کرسی کی چار ٹانگیں نہ ہوں۔

انسانی عمارت چھ ٹانگوں پر کھڑی ہے، یہ عمارت چلتی پھرتی ہے اس میں زندگی ہے اور زندگی دو رخوں پر متحرک ہے۔

1۔ پہلا رخ — شعور — CONSCIOUSNESS

2۔ دوسرا رخ — لاشعور — UNCONSCIOUSNESS

شعور اور لاشعور ایک دوسرے میں ردوبدل ہو رہے ہیں۔ چھ ستونوں میں سے تین ستون بیداری میں کام کرتے ہیں اور تین ستون خواب میں کام کرتے ہیں۔ انسان کے اندر چھ روشن نقطے ہیں ان نقطوں میں سے تین کی حرکت بیداری میں اور تین نقطوں کی حرکت نیند میں ہوتی ہے۔

نیند سے بیداری تک کے مراحل:

1۔ سٹیج اول — نیم بیداری

2۔ سٹیج دوم — سرور

3۔ سٹیج سوم — وجدان

Marfat.com

ہر آدمی سونے کے بعد بیدار ہوتا ہے۔ بیداری کے بعد جب اس کی آنکھ کھلتی ہے یا وہ شعوری حواس میں داخل ہوتا ہے تو وہ نیم بیداری کی کیفیت میں ہوتا ہے۔

نیم بیداری کا مطلب یہ ہے کہ ابھی آدمی پوری طرح سے شعور میں داخل نہیں ہوا۔ لیکن جیسے ہی وہ سو کر اٹھنے کے بعد بیداری کی پہلی کیفیت میں داخل ہوتا ہے اس کے اوپر فکر و عمل کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ بیداری کے حواس میں فکر و عمل کی طرزیں یکجائی طور پر دَور کرنے لگتی ہیں۔ یہ کیفیت انسان کے اندر اس نقطے سے شروع ہوتی ہے جس نقطے کا نام لطیفہ نفسی ہے۔ نیم بیداری کے بعد جو دوسرا وقفہ شروع ہوتا ہے اس میں آدمی کے ہوش و حواس میں گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ ہوش و حواس کی اس گہرائی سے دماغ کے اوپر جو خمار ہوتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ وقفہ سرور پر مشتمل ہوتا ہے۔ کبھی سرور کی کیفیت بڑھ جاتی ہے اور کبھی سرور کے برعکس احساس بڑھ جاتا ہے۔ اس کیفیت میں لطیفہ قلبی متحرک ہوتا ہے۔ سرور کے احساسات کے گہرے ہونے کے بعد تیسری کیفیت وجدان کی ہے۔ وجدان بیداری کا تیسرا وقفہ ہے۔ وجدان میں لطیفہ روحی کام کرتا ہے۔

بیداری سے نیند تک کے مراحل:

1۔ سٹیج اول غنود

2۔ سٹیج دوم ہلکی نیند

3۔ سٹیج سوم گہری نیند

جس طرح بیداری کے تین وقفے ہیں اسی طرح نیند کے بھی تین وقفے ہیں جس طرح انسان تین سٹیج سے گزر کر بیداری میں داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح تین ہی سٹیج سے گزر کر نیند میں داخل ہوتا ہے۔ نیند کے وقفہ کا نام غنود ہے۔

غنود میں لطیفہ سری حرکت میں رہتا ہے۔ نیند کی دوسری حالت جسے ہلکی نیند کہنا چاہیئے یہ لطیفہ خفی کی حرکت ہے اور نیند کی تیسری حالت میں جب آدمی پوری طرح گہری نیند سو جاتا ہے لطیفہ اخفیٰ کی تحریکات ہیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ان تمام حالتوں کے شروع میں انسان پر سکوت کی حالت ضرور طاری ہوتی ہے۔ جس طرح آدمی سو کر اٹھتا ہے اس وقت اس کا ذہن قطعی طور پر پُر سکون اور خالی ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری کیفیات میں انسان کی طبیعت لمحوں کے لئے ضرور ساکت ہوتی ہے۔ قانون یہ ہے کہ ایک حالت سے دوسری حالت میں داخل ہونے کے لئے سکوت کا ہونا ضروری ہے۔ جس طرح بیداری کی حالت میں ہر حالت سکوت سے شروع ہوتی ہے۔ اسی طرح غنودگی کے وقت بھی حواس پر ہلکا سا سکوت طاری ہوتا ہے اور چند لمحے گزر جانے کے بعد حواس کا یہ سکوت بوجھل ہو کر غنودگی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ابتدائی نیند کے چند ساکت لمحات سے ہلکی نیند کی شروعات ہوتی ہے اور پھر گہری نیند کی ساکت لہریں انسانی جسم پر غلبہ حاصل کر لیتی ہیں۔ یہی غلبہ گہری نیند ہے۔

بیداری ہو یا نیند دونوں کا تعلق حواس سے ہے ایک حالت میں حواس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے دوسری حالت میں حواس کی رفتار

Marfat.com

کم ہو جاتی ہے لیکن حواس کی نوعیت تبدیل نہیں ہوتی۔

بیداری ہو یا خواب دونوں میں ایک ہی قبیل کے حواس کرتے ہیں۔ بیداری اور نیند کے لئے دماغ کے اندر دو خانے ہیں ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان کے اندر دو دماغ ہیں۔ ایک دماغ میں حواس متحرک ہوتے ہیں تو اس کا نام بیداری ہے اور دوسرے دماغ میں حواس متحرک ہوتے ہیں تو اس کا نام نیند ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ ایک ہی حواس نیند اور بیداری میں ردوبدل ہو رہے ہیں اور حواس کا ردوبدل ہی زندگی ہے۔ جب دماغ کے اوپر کسی ایک حواس کے متعلق سکوت طاری ہو جاتا ہے تو دوسرے حواس متحرک ہو جاتے ہیں۔ بیداری میں حواس کے کام کرنے کا طریقہ اور قاعدہ یہ ہے کہ آنکھ کے ڈھیلے پر پلک کی ضرب پڑتی ہے تو حواس کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یعنی انسان نیند کے حواس سے نکل کر بیداری کے حواس میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال کیمرے سے دی جا سکتی ہے۔ کیمرے کے اندر فلم ہے گلاس بھی موجود ہے اور گلاس کے سامنے مناظر بھی ہیں۔ لیکن اگر کیمرے کا بٹن نہ دبایا جائے اور شٹر میں حرکت نہ واقع ہو تو فلم پر تصویر نہیں بنتی۔ بالکل اسی طرح آنکھ کے ڈھیلے پر اگر پلک کی ضرب نہ پڑے مناظر دماغ کی سکرین پر فلم نہیں بناتے۔

بیداری میں دیکھنے کا پہلا قانون:

پہلا قانون یہ واضح ہوا کہ جب انسان سونے کے بعد بیدار ہوتا ہے تو فوری طور پر اسے کوئی خیال آتا ہے اور یہ خیال ہی بیداری اور نیند کے درمیان حد فاصل ہے۔

بیداری میں دیکھنے کا دوسرا قانون:

جب اس خیال میں گہرائی واقع ہوتی ہے تو پلک جھپکنے کا عمل شروع ہوتا ہے اور پلک جھپکنے کے ساتھ ہی دماغ کی سکرین پر مناظر منتقل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

بیداری میں دیکھنے کا تیسرا قانون:

علمی حیثیت میں دماغ ایک اطلاع موصول کرتا ہے اور ذہن اس اطلاع میں معنی پہنا دیتا ہے۔ پلک جھپکنے کے عمل کے ساتھ انسانی دماغ میں جو عکس منتقل ہوتا ہے اس کا وقفہ پندرہ سیکنڈ ہے۔ ابھی پندرہ سیکنڈ نہیں گزرتے ایک دو یا زائد مناظر پہلے منظر کی جگہ لے لیتے ہیں اور یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ قائم رہتا ہے۔

تلوین اور استرخاء:

بیداری میں نگاہ کا تعلق آنکھ کے ڈیلوں اور پلکوں سے براہِ راست ہے آنکھ کے ڈیلوں کے اوپر پلکوں کی ضرب انسانی کیمرے کا وہ بٹن ہے جو بار بار تصاویر لیتا رہتا ہے۔

Marfat.com

اگر آنکھ کے ڈیلوں کے اوپر پلکوں کی ضرب نہ پڑے تو آنکھ کے اندر موجود اعضاء کام نہیں کرتے۔ آنکھ کے اندر موجود اعصاب کی حسیں اسی وقت کام کرتی ہیں جب ان کے اوپر پلک یا آنکھ کے پردوں کی ضرب پڑتی رہے۔ اگر آنکھ کی پلک کو باندھ دیا جائے اور ڈیلوں کی حرکت رک جائے تو نظر کے سامنے خلا آجاتا ہے۔ مناظر کی فلم بندی رک جاتی ہے۔ عمل استرخاء میں اس عمل کی پریکٹس کرائی جاتی ہے کہ آنکھ کے ڈیلوں کی حرکت رک جائے اور آنکھ کے پردے کی ضرب ڈیلوں پر نہ پڑے تاکہ بیداری کی نظر خواب کی نظر میں منتقل ہو جائے۔

ہم جب خواب دیکھتے ہیں تو آنکھ کے ڈیلوں پر پلک کی ضرب نہیں پڑتی۔ آنکھ کے ڈیلوں پر پلک کی ضرب سے یعنی کھلنے اور بند ہونے کے عمل سے مناظر کا عکس دماغ کی سکرین پر منتقل ہوتا رہتا ہے۔

لطیفہ نفسی کی مسلسل حرکت سے یہ سلسلہ جاری رہتا ہے لطیفہ نفسی کی روشنیاں جب کسی طرف میلان کرتی ہیں تو تمام محسوسات اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ حسیات میں سب سے لطیف حس بصارت ہے۔ چونکہ بصارت سب سے لطیف حس ہے اس لئے لطیفہ نفسی کی روشنی سے سب سے پہلے متاثر ہوتی ہے یہ روشنی سب سے پہلے خیال سے روشناس کراتی ہے۔ پہلے پہل جب قوت باصرہ حرکت کرتی ہے تو نگاہ خارج کی چیزوں کو داخل میں اور داخل کی چیزوں کو خارج میں دیکھتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسانی ذہن ہر حالت میں آئینہ کا کام انجام دیتا ہے اور روح انسانی اسی آئینے میں خیالات، توہمات اور تصورات کو مجسم شکل و صورت میں دیکھتی ہے۔ لطیفہ نفسی کی روشنیاں پوری کائنات کو دیکھتی ہیں اور پوری کائنات میں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان روشنیوں سے کسی وہم خیال یا تصور کا باہر نکل جانا ممکن نہیں ہے۔ ساری کائنات پر یہ روشنی ایک دائرے کی صورت میں محیط ہے۔ روشنیوں کا یہ دائرہ جویہ ہے۔ جویہ سے مراد لطیفہ نفسی اور لطیفہ قلبی ہے۔ جویہ کی روشنیاں ذات انسانی کو لامتناہی حدوں تک وسیع کر دیتی ہیں۔ جویہ کو متحرک کرنے اور جویہ کی تمام وسعتوں سے باخبر ہونے کے لئے نیند کے اوپر کنٹرول حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور روحانی تعلیمات میں اس کوشش کا پہلا سبق دن اور رات کے اندر 21 گھنٹے اور 20 منٹ جاگ کر پورا کیا جاتا ہے۔ یعنی 24 گھنٹوں میں 2 گھنٹے 40 منٹ نیند کے لئے کافی ہیں۔ بیدار رہنے کے لئے اس عمل کے ساتھ ساتھ یا نیند کے اوپر کنٹرول حاصل ہو جانے کے بعد دوسرا سبق پلک جھپکائے بغیر تاریکی میں نظر جمانا ہے۔ قانون یہ ہے کہ دیکھنے کا عمل ڈیلوں کے اوپر پلکوں کی ضرب سے واقف ہوتا ہے۔ 21 گھنٹے 20 منٹ جاگنے کے عمل کو تلوین اور تاریکی میں پلک جھپکائے بغیر نظر جمانے کو استرخاء کہتے ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "شرح لوح و قلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب حواس کی رفتار، صفحہ نمبر 89 تا 93

Marfat.com

موضوع 26/84

رات اور دِن کے حواس

CONCIOUS AND UNCONCIOUS

سُوۡرَۃُ اٰلِ عِمۡرٰنَ (THE FAMILY OF IMRAN)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّہَارِ وَ تُوۡلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیۡلِ ۫ وَ تُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَ تُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ

توہی رات کو دِن میں داخل کرتا ہے اور دِن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ توہی جان دار میں سے بے جان کو نکالتا ہے اور بے جان میں سے جان دار کو نکالتا ہے۔

You make the night to enter into the day, and You make the day to enter into the night, You bring the living out of the dead, and You bring the dead out of the living.

راست اور دِن کے حواس / شعور اور لاشعور:

جن حواس سے ہم کشش ثقل میں مقید چیزوں کو دیکھتے ہیں اس کا نام شعور ہے اور جن حواس سے ہم کشش ثقل سے آزاد ہو جاتے ہیں اُن کا نام لاشعور ہے۔ شعور اور لاشعور دونوں لہروں پر قیام پذیر ہیں۔ شعوری حواس میں کام کرنے والی لہریں مثلث △ TRIANGLE ہوتی ہیں اور لاشعوری حواس میں کام کرنے والی لہریں دائرہ ◯ CIRCLE ہوتی ہیں۔

شعوری حواس میں ہم ٹائم اسپیس (TIME-SPACE) میں بند ہیں اور لاشعوری حواس ہمیں ٹائم اسپیس سے آزاد کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں حواس ایک ورق کی طرح ہیں۔ ورق کے دونوں صفحات پر ایک ہی تحریر لکھی ہوئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ورق کے ایک صفحے پر عبارت ہمیں روشن اور واضح نظر آتی ہے اور ورق کے دوسرے صفحے پر دھندلی اور غیر واضح نظر آتی ہے۔

بیداری اور نیند کی رُوحانی حیثیت:

ہماری آدھی زندگی سونے کی حالت میں گزرتی ہے اور آدھی جاگتے گزرتی ہے۔ سونے اور جاگنے میں دو حواس الگ الگ کام

Marfat.com

کرتے ہیں جاگنے کے حواس دنیاوی اور مادی حواس ہیں اور سونے کے حواس غیب کے حواس ہیں۔ نیند کے متعلق اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام میں فرمایا ہے:

وَ هُوَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰىکُمۡ بِالَّیۡلِ وَ یَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبۡعَثُکُمۡ فِیۡهِ لِیُقۡضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ۚ ثُمَّ اِلَیۡهِ مَرۡجِعُکُمۡ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۰﴾

اور وہی ہے جو رات کے وقت تمہاری رُوحیں قبض فرمالیتا ہے۔ اور جو کچھ تم دِن کے وقت کماتے ہو وہ جانتا ہے مگر وہ تمہیں دِن کے وقت اٹھادیتا ہے تا کہ معینہ میعاد پوری کر دی جائے پھر تمہارا پلٹنا اسی کی طرف ہے پھر وہ تمہیں ان (اعمال) سے آگاہ فرمادے گا جو تم کرتے رہے تھے۔ (سورہ انعام، پارہ 7، آیت 60)

دوسری جگہ ارشاد کیا:

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِهَا وَ الَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِهَا ۚ فَیُمۡسِکُ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡهَا الۡمَوۡتَ وَ یُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۴۲﴾

اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور ان جانوں کو جنہیں موت نہیں آئی ہے ان کی نیند کی حالت میں، پھر ان کو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم صادر ہو چکا ہو اور دوسری جانوں کو مقررہ وقت تک چھوڑے رکھتا ہے بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

(سورہ زمر، پارہ 23، آیت 42)

یعنی نیند ایک عارضی موت ہے نیند کے دوران اللہ تعالیٰ رُوحوں کو اپنی جانب قبض کر لیتے ہیں اور ایک عارضی مدت تک اپنے پاس روکے رکھتے ہیں پھر واپس انہیں جسموں میں لوٹا دیتے ہیں پھر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ رُوحوں کو قبض کرنے کے بعد انہیں مُستقل طور پر اپنے پاس روک لیتے ہیں اور واپس جسموں میں نہیں لوٹاتے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کے مطابق نیند کی حالت میں رُوح اس عالم میں پہنچ جاتی ہے جہاں مرنے کے بعد پہنچتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر روز انسان کا آنا جانا اس دنیا سے موت کے بعد کے عالم میں رہتا ہے اور آدمی لاشعوری طور پر موت کے بعد کی زندگی میں داخل ہو رہا ہے مگر نیند یعنی لاشعوری حواس ہونے کی وجہ سے شعور اور عقل اس بات سے واقف نہیں ہوتے۔

خواب:

ہر آدمی خواب بھی دیکھتا ہے۔ خواب میں اپنے آپ کو چلتا پھرتا کھاتا پیتا بھی دیکھتا ہے۔ خواب میں چلنے پھرنے والا جسم ہی وہ جسم مثالی ASTRAL BODY ہے جو مرنے کے بعد اعراف کے عالم میں زندگی گزارتا ہے۔ آخر کی زندگی ابدی زندگی ہے جبکہ دنیاوی زندگی عارضی ہے اس اعتبار سے نیند کی زندگی بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اگر آدمی نیند کے حواس سے شعوری طور پر واقف ہو جائے تو

Marfat.com

وہ یہ جان لیتا ہے کہ نیند میں ارواح کہاں جاتی ہیں اور ان کی کیا مصروفیات ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ رُوحانی شعور سے واقف ہو جاتا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی کا مشاہدہ کر لیتا ہے جس کی وجہ سے موت کا ڈر خوف اس میں سے نکل جاتا ہے۔ وہ اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اگلی دنیا سے مانوس ہو جاتا ہے۔

خواب نبوّت کا چھیالیسواں حصّہ ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی دنوں میں ہی سچے خوابوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب بھی دیکھتے تھے اس کی تعبیر صبح صادق کی طرح ظاہر ہو جاتی تھی۔ خواب کو جزو نبوت کہا گیا ہے۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

"خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔"

مفسرین اس کی تشریح یوں بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ 63 سال کی عمر میں اس دنیا سے پردہ فرمایا۔ وحی کے نزول کا زمانہ 23 سال ہے۔ ابتدائی چھ ماہ کا عرصہ خوابوں پر مشتمل تھا۔ 6 ماہ کو 23 سال سے وہی نسبت ہے جو ایک کو چھیالیس سے ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ خواب بھی ایک قسم کی وحی ہے جسکے ذریعے اللہ کریم خواب دیکھنے والے کو اس بھلائی یا برائی سے مطلع کر دیتا ہے جو اسکو پہنچنے والی ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"بشارتوں کے سوا نبوت کی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔"**

صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ بشارتوں سے کیا مراد ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سچا خواب"

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو صحابہ کرامؓ غمگین ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ہم کو کار خیر سے مطلع فرمایا کرتے ہیں۔ خدانخواستہ آپ اگر ہمارے درمیان موجود نہ رہے تو ہم کو کون مطلع کیا کرے گا۔ دینی اور دنیاوی امور کی بھلائی ہمیں کس طرح معلوم ہو گی؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"میری وفات کے بعد وحی تو منقطع ہو جائے گی لیکن مبشرات بند نہیں ہوں گے۔"

صحابہ کرام نے عرض کیا کہ "مبشرات" کیا چیز ہیں؟

Marfat.com

حضور ﷺ نے فرمایا:

"مبشرات وہ اچھے خواب ہیں جو نیک بندوں کو نظر آتے ہیں۔"

حضور ﷺ نے ایک دِن صحابہ کرامؓ سے فرمایا جب تم لوگوں میں سے کوئی شخص اچھا خواب دیکھے تو اسکو چاہئے کہ وہ حق تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس خواب کو اپنے مومن دوستوں اور بھائیوں کے سامنے بیان کرے اور اگر نیک آدمی برا خواب دیکھے تو چند بار یہ کہے:

"میں راندہ درگاہ شیطان سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔"

رسوُل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے گویا مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔"

حضور اکرم ﷺ نمازِ فجر کے بعد عموماً صحابہ اکرام سے یہ دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا تو بیان کرتا اور سیّدنا حضور ﷺ اس کی تعبیر بیان فرماتے۔

تمام زمینوں (SCREENS) پر نشر ہونے والی اطلاع ایک ہے:

الہامی کتابوں کے ماہر علمائے باطن کہتے ہیں:

اِنسان صرف اس زمین پر ہی آباد نہیں ہے اور بھی بے شمار سیاروں میں اِنسانوں کی آبادیاں ہیں اور ہر سیارہ میں زمین ہے۔ دوسرے سیاروں کی زمین پر زندگی کی طرزیں مختلف ہیں، لیکن تقاضے سب کے یکساں ہیں۔ جس طرح زمین پر آباد اِنسان کے اندر خواب اور بیداری کے حواس کام کرتے ہیں بالکل اسی طرح دوسرے لاشمار سیاروں میں آباد اِنسانوں میں بھی بیداری اور خواب کے حواس کام کرتے ہیں۔

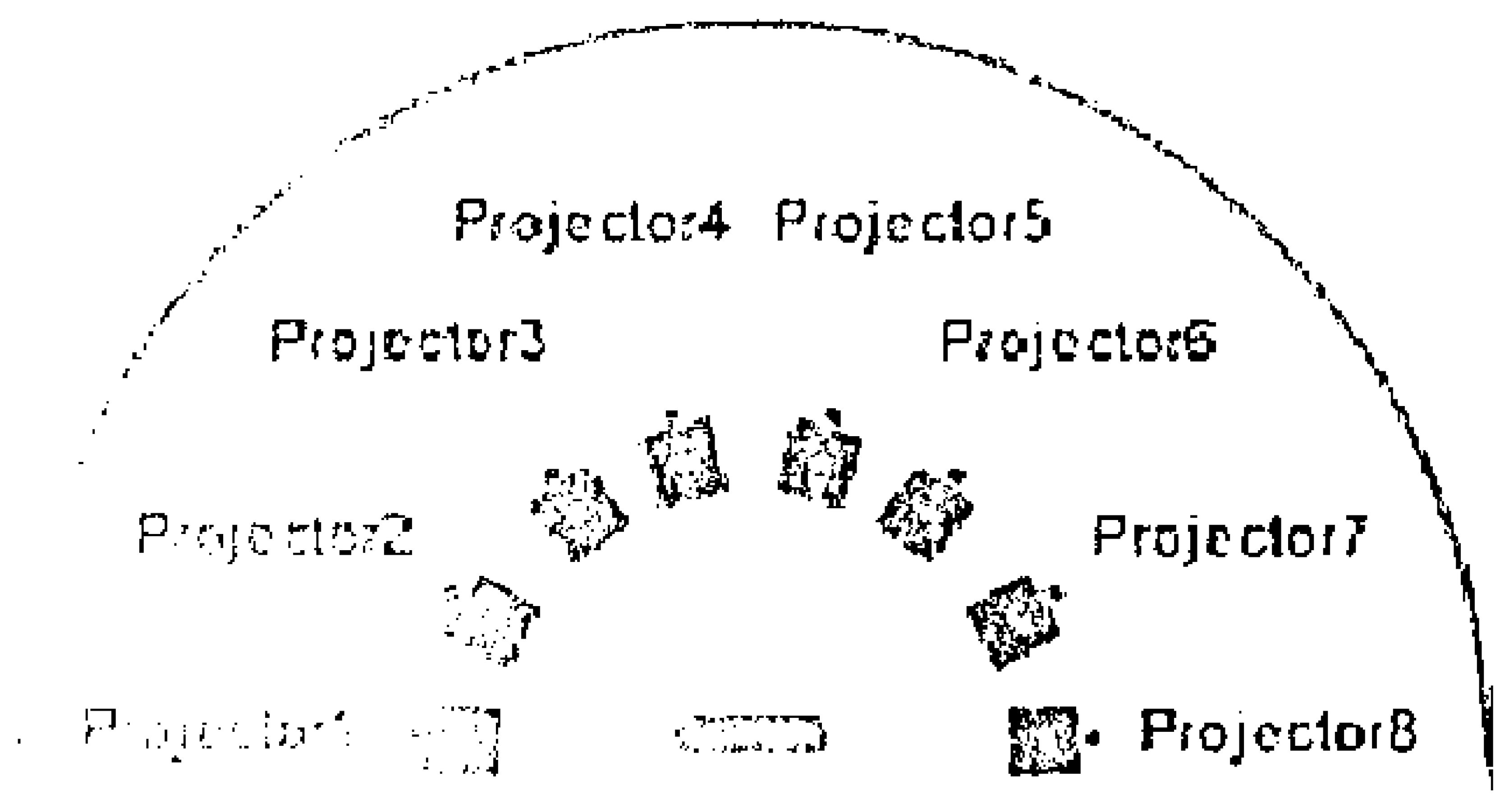

خواب کے حواس ہوں یا بیداری کے حواس ہوں دونوں کے تقاضے یکساں ہوتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ بیداری میں حواس زمان و مکان کے پابند ہوتے ہیں اور خواب میں حواس زمان و مکان کے پابند نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی اِنسان خواب میں کئے ہوئے اعمال یا دیکھے ہوئے واقعات میں ترتیب قائم نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ اسے بیداری کے ایسے حواس میں زندگی گزارنے کی عادت پڑ جاتی ہے جہاں وہ ہر قدم پر پابند ہے۔

Marfat.com

رُوحانی سائنسدان قلندر بابا اولیاءؒ بتاتے ہیں کہ کہکشانی نظاموں اور ہمارے درمیان بڑا مستحکم رشتہ ہے۔ پے در پے جو خیالات ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ دوسرے نظاموں اور ان کی آبادیوں سے ہمیں وصول ہوتے رہتے ہیں۔

اللہ کریم نے اِنسان کے اندر یہ صلاحیت ودیعت کی ہے کہ وہ غیب سے آگاہی حاصل کر سکے اس لئے اِنسان کے اندر ایسے حواس کی موجودگی ضروری ہے، جن سے وہ غیب سے متعارف ہو جائے۔ خواب میں کام کرنے والے حواس دراصل وہ صلاحیت ہے جو نوعِ اِنسان کو غیب سے نہ صرف قریب کرتی ہے بلکہ غیب کے اندر داخل کر دیتی ہے۔ بیداری میں کام کرنے والے حواس کی رفتار خواب میں کام کرنے والے حواس کی رفتار سے ساٹھ ہزار گنا کم ہے۔

قانون:

خواب ایسے حواس کی نشاندہی کرتا ہے جن کے ذریعے اِنسان کے اوپر غیب کا انکشاف ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ

ہم داخل کرتے ہیں رات کو دِن میں اور داخل کرتے ہیں دِن کو رات میں۔ (سورۃ آل عمران، پارہ3، آیت27)

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾

ہم ادھیڑ لیتے ہیں رات پر سے دِن کو اور بے شک اللہ سمیع اور علیم ہے۔ (سورۃ الحج، پارہ17، آیت42)

قرآن پاک نوعِ اِنسانی پر واضح کرتا ہے کہ بیداری کے حواس اور خواب کے حواس ایک دوسرے کے ساتھ چپکے ہوئے ہیں بالکل اس طرح جیسے ایک ورق میں دو صفحے چپکے ہوتے ہیں۔ الگ الگ ہونے کے باوجود ورق ایک ہی رہتا ہے لیکن دونوں صفحے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر یک جان ہو گئے ہیں۔

اِنسان کے اندر کام کرنے والے حواس بیداری کے ہوں یا خواب کے، غیب سے براہِ راست ایک ربط رکھتے ہیں کیونکہ ایک ہی عبارت الگ الگ دو صفحوں پر تحریر ہے اس لیے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اِنسان نے اپنی نادانی کی وجہ سے ایک حصے کا نام ظاہر اور دوسرے حصے کا نام غیب رکھ لیا ہے۔ فی الواقع یہ طرزِ فکر اللہ کے بیان کردہ قانون کے خلاف ہے۔

زمان و مکان

یعنی رات اور دِن کے حواس ایک ہی ہیں فرق یہ ہے کہ ہم نے ان حواس میں سے ایک کو اپنے اوپر مسلّط کیا ہوا

Marfat.com

ہے چونکہ یہ تسلط خود ہمارا اختیار کردہ ہے اس لئے ہم نے اس پابندی میں مقید ہو کر خود کو پابند کر لیا ہے اور اس پابندی نے ہمیں مکان (Space) اور زمان (Time) کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔

اِنسان یا کائنات میں موجود کوئی بھی نوع یا کسی بھی نوع کا کوئی فرد زندگی گزارنے کے لئے دو رخوں کا محتاج ہے۔ ایک رُخ کو ہم بیداری اور دوسرے کو خواب کہتے ہیں۔

بیداری اور خواب دونوں کا تذکرہ قرآن پاک میں لیل اور نہار کے نام سے کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کی ان آیات میں تفکر کیا جائے جن میں لیل و نہار کا تذکرہ آیا ہے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حواس ایک ہیں حواس میں صرف ردوبدل ہوتا رہتا ہے۔ یہی حواس جب رات کے پیٹرن میں داخل ہوتے ہیں تو خواب بن جاتے ہیں اور یہی حواس جب دِن کے پیٹرن میں داخل ہوتے ہیں تو بیداری بن جاتے ہیں۔

بیداری کے حواس میں حرکت کڑی در کڑی مرحلہ وار ہوتی ہے یعنی ایک لمحہ پھر دوسرا لمحہ پھر تیسرا لمحہ۔ نیند کے حواس میں مرحلہ وار حرکت سے بندہ آزاد ہو جاتا ہے یعنی ایک کے بعد یکدم دسواں بیسواں لمحہ آجاتا ہے بیداری کے عالم میں A مقام سے B مقام تک کوئی فرد اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک درمیان کے دوسرے مقامات طے نہ کر لے۔ جب کہ رات کے حواس میں C مقام سے D مقام تک پہنچنے کے لئے درمیانی مقامات سے گزرنا ضروری نہیں۔

اور یہ بھی ارشاد ہے کہ ہم رات کو دِن پر سے ادھیڑ لیتے ہیں اور دِن کو رات پر سے ادھیڑ لیتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اِنسان (جو فی الواقع حواس کے علاوہ کچھ نہیں ہے) رات اور دِن کے حواس میں داخل ہوتا رہتا ہے۔ دِن میں داخل ہوتا ہے تو حواس پابند ہو جاتے ہیں اور رات میں داخل ہوتا ہے تو حواس کے اوپر پابندی کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔ ہم جب علم غیب یا غیب کی دنیا کا تذکرہ کرتے ہیں تو دراصل رات کے حواس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں ارشاد ہے۔ ہم نے موسیٰؑ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور چالیس راتوں میں پورا کیا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کوہِ طور پر چالیس دِن اور چالیس راتیں مقیم رہے۔ ایسا نہیں ہوا کہ رات کو کوہِ طور پر چلے جاتے ہوں اور دِن کو نیچے اتر آتے ہوں۔ حضرت موسیٰؑ پر چالیس دِن اور چالیس راتوں میں رات کے حواس غالب رہے اور نتیجے میں الہامی دستاویز عطا کر دی گئی۔

هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـئًـا مَّذۡكُوۡرًا ۝١

کیا نہیں پہنچا اِنسان پر ایک زمانے میں جو تھا شے بغیر تکرار کیا ہوا۔

(سورۃ دہر، پارہ 29، آیت 1)

کبھی اِنسان ایسا وقت (حواس) تھا جس میں تکرار نہیں تھی۔ پھر ایسا وقت ہوا جس میں تکرار ہے۔ یہاں دو ایجنسیاں بن گئیں۔

۱۔ حواس

۲۔ حواس کی تکرار

Marfat.com

یہ دونوں ایجنسیاں ایک یونٹ ہیں۔ اس کی وضاحت قُرآن پاک میں سورہ آل عمران آیت 27 میں موجود ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا دستور العمل بیان فرمایا ہے۔ اللہ رات کو داخل کرتا ہے دِن میں اور دِن کو داخل کرتا ہے رات میں۔ زندگی کو موت سے نکالتا ہے اور موت کو زندگی سے نکالتا ہے۔

رات حواس کی ایک نوع ہے اور دِن حواس کی دوسری نوع ہے۔ رات کے حواس کی نوع میں مکانی اور زمانی فاصلے مُردہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن دِن کے حواس کی نوع میں یہی فاصلے زندہ ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم اس بات کی مزید تشریح کریں تو یوں کہیں گے کہ زندگی اور موت رات اور دن۔ شعور اور لاشعور میں الٹ پلٹ ہو رہے ہیں۔

رات کے حواس دِن میں داخل ہو جاتے ہیں اور دِن کے حواس رات میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ایک حواس پر اسپیس اور ٹائم کی پابندی غالب ہے۔ دوسرے حواس پر ٹائم اور اسپیس کی پابندی نہیں۔

ہم جب زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو پیدائش سے موت تک ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہر روز دِن اور ہر روز رات ہوتی ہے۔ ہم روزانہ ایک ہی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔ ایک ہی طرح کا کھانا کھاتے ہیں لیکن ہر کھانے کو نیا کھانا کہتے ہیں۔ روزانہ جس گاڑی میں دفتر جاتے ہیں اس ہی گاڑی پر برسوں سفر کرتے ہیں اس کے باوجود ہر دِن کو نیا دِن اور ہر دِن کے عمل کو نیا عمل قرار دیتے ہیں۔ یہ محض حواس کی کمزوری ہے۔ حواس ایک ہی ہیں لیکن ان میں تکرار ہو رہی ہے۔

حواس میں تکرار دو طرح ہو رہی ہے۔

حواس جب رات میں کام کرتے ہیں تو ہم رات کہتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ رات کے حواس کی نوع میں مکانی و زمانی فاصلے مُردہ ہو جاتے ہیں اور دِن کے حواس میں زمانی و مکانی فاصلے زندہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"وہی ہے جو زندگی کو موت سے نکالتا ہے اور موت کو زندگی سے نکالتا ہے۔"

قلم لکھ کر خشک ہو چکا:

سیّدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو کچھ ہونے والا ہے قلم اس کو لکھ کر خشک ہو گیا۔"

Marfat.com

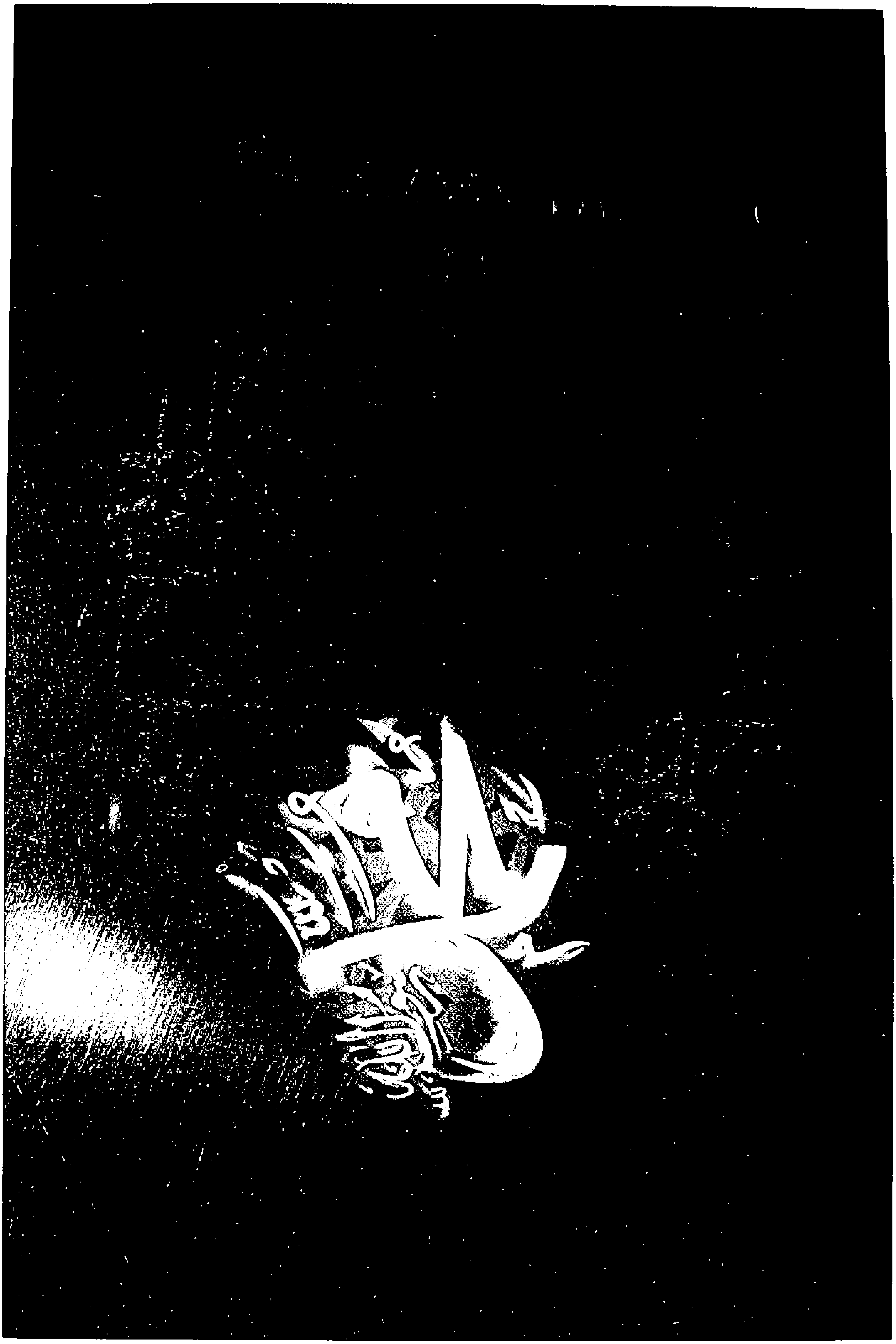

Marfat.com

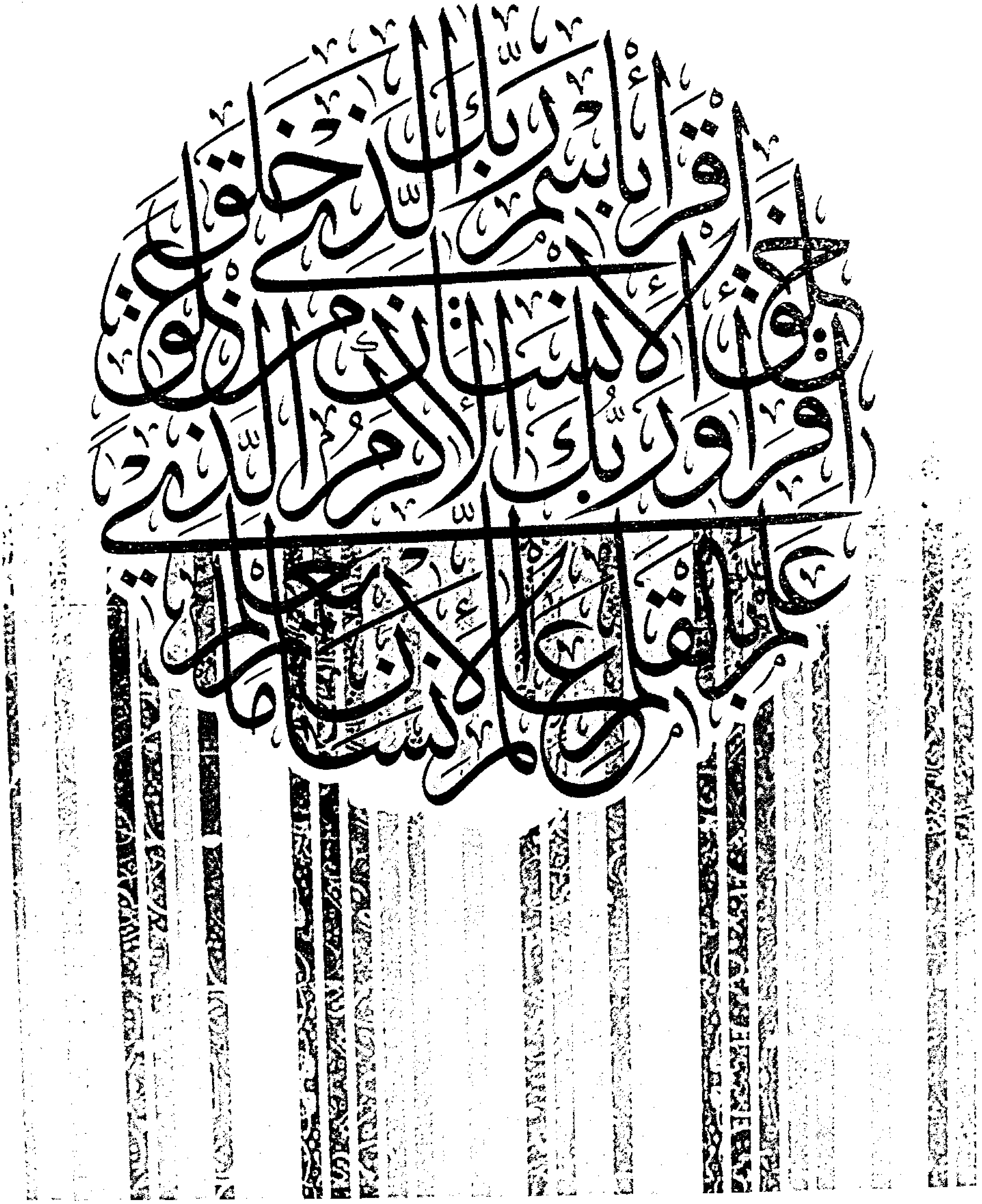
اقرأ باسم ربك الذي خلق
خلق الإنسان من علق
اقرأ وربك الأكرم الذي
علم بالقلم علم الإنسان ما لم يعلم

Marfat.com

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے اس حدیث کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرمایا،" ایک کتاب ہے جو لکھی جا چکی ہے یعنی ماضی RECORD ہے۔ اب اس کتاب کو پڑھنے کی طرزیں مختلف ہیں اگر کتاب شروع سے ترتیب و تسلسل سے پڑھی جائے یعنی ایک لفظ، پھر دوسرا لفظ، ایک سطر پھر دوسری سطر، ایک صفحہ پھر دوسرا صفحہ پھر تیسرا علیٰ ہذالقیاس اس طرح پوری کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ مطالعے کی یہ طرز وہ ہے جو بیداری (شعور) میں کام کرتی ہے۔"

اِنسان کا شعوری تجربہ یہ ہے کہ ایک دِن گزرتا ہے پھر دوسرا۔ ایک ہفتہ گزرتا ہے اور پھر دوسرا۔ اسی طرح ماہ وسال اور صدیاں اسی ترتیب اور اسی طرز سے یعنی ایک کے بعد ایک کر کے گزرتی رہتی ہیں منگل کے بعد جمعرات کا دِن اس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک بدھ کا دِن نہیں گزر جاتا۔ اسی طرح شوال کا مہینہ اس وقت تک نہیں آ سکتا جب تک کہ رمضان اور اس سے پہلے کے مہینے نہیں گزر جاتے۔ یہی طرز اِنسان کی شعوری طرز بیداری ہے۔ اس طرز کو رُوحانیت میں زمان متواتر یا زمان مسلسل SERIAL TIME کہتے ہیں۔

مطالعہ کی دوسری طرز وہ ہے کہ خواب میں کام کرتی ہے۔ ایک شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ ابھی لندن میں ہے اور ایک لمحے بعد دیکھتا ہے کہ وہ کراچی میں ہے۔ یہ بات ذہن کی اس واردات سے متعلق ہے جس کا نام غیر متواتر زمان یا NON SERIAL TIME یا لاشعور ہے۔ غیر متواتر زمان یا لاشعور دراصل کتاب کا مطالعہ کرنے کی وہ طرز ہے جس میں زمان متواتر کی ترتیب حذف ہو جاتی ہے۔ خواب میں اِنسان کے ذہن کی رفتار اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ لاشعور میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور جو کچھ خواب میں نظر آتا ہے وہ زیادہ تر مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے متعلق ہوتا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیا فرماتے ہیں کہ ازل سے ابد تک کا تمام زمانہ ماضی RECORD ہے اور جو لمحہ اس سارے زمانے کا احاطہ کرتا ہے اس کو اہل رُوحانیت لمحہ حقیقی یا زمانہ حقیقی یا REAL TIME کہتے ہیں۔ اسی زمانے کا تذکرہ سیّدنا حضور ﷺ نے اپنی حدیث مبارکہ میں ان الفاظ کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے قلم اس کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ یعنی لازمانیت لمحہ حقیقی کی حدود میں ہر چیز مکمل طور پر ہو چکی ہے جو کچھ ہو رہا ہے وہ ماضی کا ایک حصہ ہے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 28، صفحہ نمبر 41

2۔ کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، موضوع رُوحانی شعور، صفحہ نمبر 201 تا 202

3۔ کتاب " خواب اور تعبیر" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب نبوت خواب کا چھیالیسواں حصہ، صفحہ نمبر 89 تا 91

4۔ کتاب " خواب اور تعبیر" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب تمام زمینوں پر نشر ہونے والی اطلاع ایک ہے۔ صفحہ نمبر 35 تا 37

5۔ کتاب "شرح لوح وقلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، لیکچر نمبر 7 نیابت وخلافت

6۔ کتاب "شرح لوح وقلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، لیکچر نمبر 37، رات اور دن کے حواس، صفحہ نمبر 318 تا 319

Marfat.com

موضوع 27/84

وحی

THE INTIMATION

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ (THE FAMILY OF IMRAN)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ ؕ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ ۪ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: یہ واقعات غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم وحی کرتے ہیں ان کی آپ ﷺ کی طرف اور نہ تھے آپ ﷺ ان کے پاس جب پھینک رہے تھے وہ مجاور اپنے قلم، کون سرپرستی کرے گا ان میں سے مریم کی اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

(O Beloved) these are the tidings of unseen which We reveal to you. But (at that time) you were not present with them when they were casting their pens (by way of draw to determine) which of them should take care of Maryam (Mary). Nor were you with them when they were desputing with one another.

نبی کی تعریف اور وحی:

نبی وہ ہوتا ہے جس پر وحی نازل ہو اور وہ وحی کے مفہوم کو سمجھتا ہو۔ وحی کے لفظی معنی ہیں۔

1۔ اشارہ کرنا   2۔ پیغام بھیجنا

3۔ الہام یعنی دل میں کوئی بات ڈالنا

4۔ مخفی کلام

5۔ مخفی یا غیبی آواز

6۔ مخفی طریقے سے کوئی بات سمجھنا

Marfat.com

وحی میں پیغام کے ذرائع:

1۔ فرشتہ کا گھنٹی کی جھنجھناہٹ کے ساتھ آنا اور پیغام دینا۔

2۔ فرشتہ کا اِنسانی شکل میں آنا۔

3۔ مکھیوں کی بھنبھناہٹ۔

4۔ فرشتہ کا خواب میں آکر کلام کرنا۔

5۔ حالتِ بیداری یا خواب میں خود اللہ کا کلام کرنا۔

6۔ یا جس طرح اللہ چاہے۔

7۔ پیغام رسانی کا کوئی وسیلہ نہ ہو اور پیغام بغیر کسی درمیانی واسطے کے پہنچ جائے۔ جیسے رویائے صادقہ۔

8۔ گھنٹیوں کی آواز سے پیغام اَخذ کرنا۔

9۔ القا اور الہام

اللہ اور اِنسان کے درمیان قُرآن نے گفتگو کے تین واضح طریقے بتائے ہیں۔

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾

کسی بشر کی یہ قُدرت نہیں ہے کہ اللہ اس سے روبرو بات کرے اس کی بات یا تو وحی کے طور پر ہوتی ہے یا پردے کے پیچھے سے یا پھر کوئی پیغامبر بھیجتا ہے اور پیغام دیتا ہے اللہ جو چاہتا ہے۔

(سورۃ شوریٰ، پارہ 25، آیت 51)

وحی اسے کہتے ہیں کہ جو سامنے منظر ہو وہ ختم ہو جائے پردے کے پیچھے جو منظر ہو وہ سامنے آجائے۔ سورۃ شوریٰ کی اس آیت میں ہے کہ اسے آواز آتی ہے۔ فرشتہ کے ذریعہ یا رسُول کے ذریعہ۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ فرشتہ سامنے آجاتا ہے اور اللہ کی طرف سے بات کرتا ہے۔ حجاب کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شکل سامنے آتی ہے اور اس طرح بات کرتی ہے جیسے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ حجاب ہے۔

یہاں جو کچھ مزید کہنا ہے وہ یہ ہے کہ ہر فرد کو یہ توفیق ملی ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں پردے کے پیچھے ہیں پردے کے اوپر نہیں ہیں۔ جب تک یہ پردہ اٹھتا نہیں ہے یہ تینوں طریقے بیدار نہیں ہوتے۔ یہ تینوں شکلیں اس صورت میں ظاہر ہوتی ہیں جب اِنسان پردہ کے پیچھے دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

وحی کے بارے میں یہ نہ سمجھا جائے کہ وحی صرف انبیاء پر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قُرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ہم نے مریم کی طرف وحی بھیجی، ہم شہد کی مکھی کی طرف وحی بھیجتے ہیں۔ شہد کی مکھی نبی نہیں ہے۔

Marfat.com

یہاں یہ بات قابل بحث ہے کہ حضرت مریم علیہ السلام پر وحی نازل ہوتی تھی تو اس کے ساتھ پھل، پھول، انگور وغیرہ آتے تھے جنہیں کھا کر وہ اپنی زندگی گزارتی تھیں۔اس کے معنی یہ ہوئے کہ عام وحی میں کھانے پینے کی چیزیں بھی شامل ہیں۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ وحی اس طریقے کو کہتے جس میں پیغام بھیجنے والے اور جسے پیغام بھیجا جارہا ہے ان دونوں کے درمیان راز ہو اور اس پیغام رسانی کے طریقے سے دوسرا کوئی واقف نہ ہو۔

وحی کی اقسام:

وحی کا نزول دو طرح ہوتا ہے۔

1) جلی

2) خفی

جلی وحی:

یہ طریقہ ان انبیاء سے متعلق ہے جو نبی اور رسول ہوئے ہیں۔

خفی وحی:

اللہ جب اپنے کسی خاص بندے کو حکم دیتا ہے تو اسے وحی خفی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ الہام یا القا کرتا ہے یا خواب میں اسے ہدایت دی جاتی ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں اور جس طرح رسول اللہ ﷺ کے دادا حضرت عبد المطلب کو خواب میں زم زم کا نشان بتایا گیا اور پھر ان کو القا اور الہام ہوتا رہا۔ حضرت عبد المطلب نبی نہیں تھے۔

وحی کی ابتداء:

بندے کو ایک آواز سنائی دیتی ہے اور بولنے والا نظر نہیں آتا۔ جیسے حضرت موسیٰؑ نے کوہِ طور پر آواز سنی تھی جو ایک درخت سے آتی ہوئی معلوم ہوئی مگر بولنے والا نظر نہیں آیا۔ وحی کی ابتداء رویائے صادقہ سے ہوتی ہے۔

خاتم الانبیاء رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق:

"رویائے صادقہ نبوت کا چھیالیسواں حصّہ ہے۔"

Marfat.com

خواب اور نبوّت:

حضور نبی محترم سیّدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پاک یہ بتاتی ہے کہ آپ کی ابتدائی زندگی میں سچے خوابوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ ﷺ کے خواب مبنی بر حقیقت ہوا کرتے تھے۔ خواب کو خود نبوت کہا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

"خواب نبوت کا چھیالیسواں حصّہ ہے۔"

مفسرین کے مطابق آپ ﷺ پر نزول وحی کا زمانہ 23 سال پر مشتمل ہے۔ ابتدائی چھ ماہ کا عرصہ خوابوں پر مشتمل تھا۔ 6ماہ کو 23 سال سے وہی نسبت ہے جو ایک کو چھیالیس سے ہے۔ رسُول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب کو بھی ایک قسم کی وحی ہی قرار دیا ہے جسکے ذریعے اللہ کریم خواب دیکھنے والے کو اس بھلائی یا برائی سے مطلع کر دیتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت کی رُو سے وحی کی تعریف یہ ہوئی کہ وحی منجانب اللہ ہوتی ہے، وحی وہ نُور ہے جس کے اندر غیب کی خبریں ہوتی ہیں، یہ خبریں گذشتہ واقعات کی بھی ہو سکتی ہیں اور آئندہ آنے والے واقعات کے خاکے بھی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے گزرے ہوئے واقعات اور آنے والے حالات دونوں ہی سے باخبر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ وحی کے اندر شعور اور ارادہ کام نہیں کرتا۔

پیغمبروں کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے مگر وحی کی ذیلی طرزیں کشف، الہام، القاء، اور سچے خواب کی صورت میں باقی ہیں سورہ نمل میں اللہ تعالیٰ نے مکھی کی طرف وحی کرنے کا بیان کیا ہے مکھی پر وحی بھی وحی کی ذیلی طرزوں میں سے ایک ہے جو پیغمبران کرام علیہم السلام کے طریقہ نزول وحی سے مختلف ہے۔ نزول وحی کا وہ مخصوص طریقہ جس طریقہ پر پیغمبران پر وحی نازل کی جاتی تھی۔ پیغمبروں کے ساتھ ہی منقطع ہو چکا ہے مگر پیغمبروں کے بعد بھی اللہ کا کلام، اس کا حکم، اس کا تفکر، اس کی مخلوق میں نازل ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا یہی وحی کی ذیلی طرزیں ہیں۔

القاء:

اس کا لغوی مطلب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی غیبی بات کا دل میں آجانا ہے جس کا تعلق ماضی، حال، یا مستقبل سے ہو سکتا ہے۔ اس خیال سے حقیقت سامنے آجاتی ہے۔

الہام:

بعض دفعہ باطنی سماعت باطنی نگاہ سے پہلے کام کرنا شروع کر دیتی ہے۔ سماعت میں حرکت سے ورائے صوت آوازیں سنائی دیتی ہیں پہلے پہل خیالات آواز کی صورت میں آتے ہیں۔ پھر فضاء میں ریکارڈ شدہ مختلف آوازیں سنائی دیتی ہیں بالآخر شعور میں اتنی طاقت آجاتی ہے کہ جدھر توجہ جاتی ہے اس سمت کے مخفی معاملات اور مستقبل کے حالات آواز کے ذریعے سماعت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس کو تصوف میں الہام کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

کشف:

جب الہام کا عمل بار بار ہوتا ہے تو آواز کے ساتھ ساتھ نگاہ بھی کام کرنے لگتی ہے اور تصویری خدوخال نگاہ کے سامنے آجاتے ہیں اس کیفیت کو کشف کہا جاتا ہے۔

ابتدا میں کشف ارادے کے ساتھ نہیں ہوتا یا کیک خیال کے ذریعے آواز کے وسیلے سے یا تصویری منظر کے ذریعے کوئی بات ذہن میں آجاتی ہے۔ اور پھر اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ یہ صلاحیت جب ترقی کرتی ہے۔ تو ارادے کے ساتھ عمل ہونے لگتا ہے اور کسی بات یا کسی واقعہ کو ارادے کے ساتھ معلوم کیا جا سکتا ہے ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ بیک وقت مادی اور روحانی دنیا کو دیکھا جا سکتا ہے۔

سچے خواب:

اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی غیب کی اطلاعات، خبریں، واقعات خواب میں نظر آتے ہیں۔ شہد کی مکھی پر وحی سے مراد یہ ہے کہ شہد کی مکھی روحانی اور ماورائی صلاحیتوں کی حامل ہے۔ یہ وحی کی کسی نہ کسی طرز سے واقف ضرور ہے اور غیب کی خبروں کو جانتی ہے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب " 101 اولیاء اللہ خواتین " از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، ابواب وحی کی قسمیں، وحی کی ابتداء

Marfat.com

موضوع 84/ 28

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

MIRACLE OF JESUS CHRIST

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ (THE FAMILY OF IMRAN)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

ترجمہ: میں تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے نشانی لے کر آیا ہوں دیکھو میں کس طرح تمہارے سامنے مٹّی سے پرندے کی مانند ایک صورت بنا کر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے واقعی پرندہ بن جاتا ہے۔

I have come to you with a sign from your Lord,that I design for you out of clay ,as it were, the figure of a bird, and breathe into it, and it becomes a bird by Allah's Leave;

اللہ تعالیٰ نے اپنے علوم پیغمبروں کو منتقل کیے ہیں تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں ان کے علوم سے فیضیاب ہو سکیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے رُوح پھونکنے کا عمل عطا فرمایا ہے۔ اس علم اور روح پھونکنے کے فارمولے سے آپ مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے اس آیت میں آپ علیہ السلام کے معجزے کا بیان ہوا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے معجزے کے دو حصے ہیں:

حصّہ اول:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا پہلا حصّہ مٹّی سے پرندے کی شکل بنانا ہے مٹّی کا ہر ذرہ نقطہ ہے اس کے اندر حواس موجود نہیں ہیں۔ مٹّی کے بے شمار ذرے مل کر ایک پرندے کا جسم بناتے یعنی بہت سارے نقطوں کو ایک جگہ جمع کر کے اس سے پرندے کی PHYSICAL صورت بناتے تھے۔

Marfat.com

حصہ دوم:

مٹی کے پتلے یا پرندے میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ اڑ جاتا تھا۔ پھونک مارنا روح پھونکنے کا عمل ہے۔ اللہ تعالٰی نے روح پھونکنے کے عمل کو امر ربی کہا ہے اور روح کو امر رب کا ایک حصہ قرار دیا ہے۔ امر رب کی تعریف یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے۔ ہو جا۔ اور وہ ہو جاتی ہے۔ (سورۃ یٰسین)

اس آیت میں اللہ تعالٰی نے امر ربی یعنی روح کا فارمولا بتایا ہے۔ کہ امر کے ارادے میں جب کوئی شے آتی ہے تو وہ کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام جب امر ربی کی حیثیت سے اللہ تعالٰی کے اذن سے روح پھونکنے کا عمل کرتے ہیں تو خود آپ کی روح کی روشنیاں جو کہ امر ربی کی روشنی ہے۔ پھونک کے ذریعے مٹی کے ذرّوں کے خلاؤں میں بھر جاتی ہے۔ اور روح کی ہر روشنی چونکہ اللہ تعالٰی کی ذات کی روشنی ہے یہ دائرہ یا CIRCLE ہے یعنی اس کے اندر TIME AND SPACE نہیں ہے یہ روشنی ENERGY کا کام کرتی ہے جیسے ہی یہ انرجی مٹی کے پتلے یا پرندے میں آتی ہے پرندہ حرکت میں آ جاتا ہے یعنی اس کے اندر روح آ جاتی ہے اب ہم آسانی کے ساتھ اس آیت کا مفہوم سمجھ سکتے ہیں۔

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٨٢﴾

1- اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ :

امر رب یعنی دائرہ یعنی لامحدود یعنی روح۔ ارادہ بمعنی قُدرت ہے۔ یعنی لامحدودیت ہے۔ لامحدودیت میں خدوخال اور DIMENSION یا نقش و نگار نہیں ہوتے اس کا مطلب یہ ہے کہ امر رب کی روشنیاں لامحدود اور لامتناہی ہیں جو لامحدود عالم میں پھیلی ہوئی ہیں۔

2- اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا :

جب رب کی نظر ان روشنیوں کو دیکھتی ہے تو نظر کی روشنی کی حدود میں یہ روشنیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ نظر کی حدود کو ہی ارادہ کہا ہے ارادہ ان روشنیوں کو جو ہر طرف بکھری ہوئی ہیں اپنی قُدرت کی حد میں تشکیل دیتا ہے۔ ارادہ کی تشکیل روح کے خدوخال یا شکل و صورت ہے۔

3- كُنْ فَيَكُوْنُ :

اس میں شکل و صورت کی ترتیب یعنی روح کو اللہ تعالٰی کا حکم "کن" حرکت میں لے آتا ہے یہاں تک کہ یہ جب حرکت کرتی ہوئی زمین تک پہنچتی ہے تو اپنے آپ کو دیکھ لیتی ہے۔

Marfat.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو اسی فارمولے کے تحت مٹّی سے پرندہ بنا کر اس میں رُوح پھونکنا سکھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ بن کر دنیا میں تشریف لائے اور امرِ رب کے کاموں کا مظاہرہ کیا اور امرِ رب کے علوم کو عملی طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیا تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں غور و فکر کریں۔

لوگوں کے سامنے امرِ ربی کے DISPLAY میں سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو اَمرِ رَبّی کے ارادہ کا خاکہ پرندہ کی صورت میں بنا کر دکھاتے ہیں۔ اَمرِ رب خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رُوح مبارک ہے۔ اس رُوح مبارک کی نظر اللہ تعالیٰ کو عالمِ امر میں دیکھتی ہے۔ عالمِ اَمر میں ہر شے کی رُوحیں یعنی ہر شے کے فارمولے موجود ہیں۔ فارمولے نوع کی DYE یا سانچہ ہیں۔ جیسے

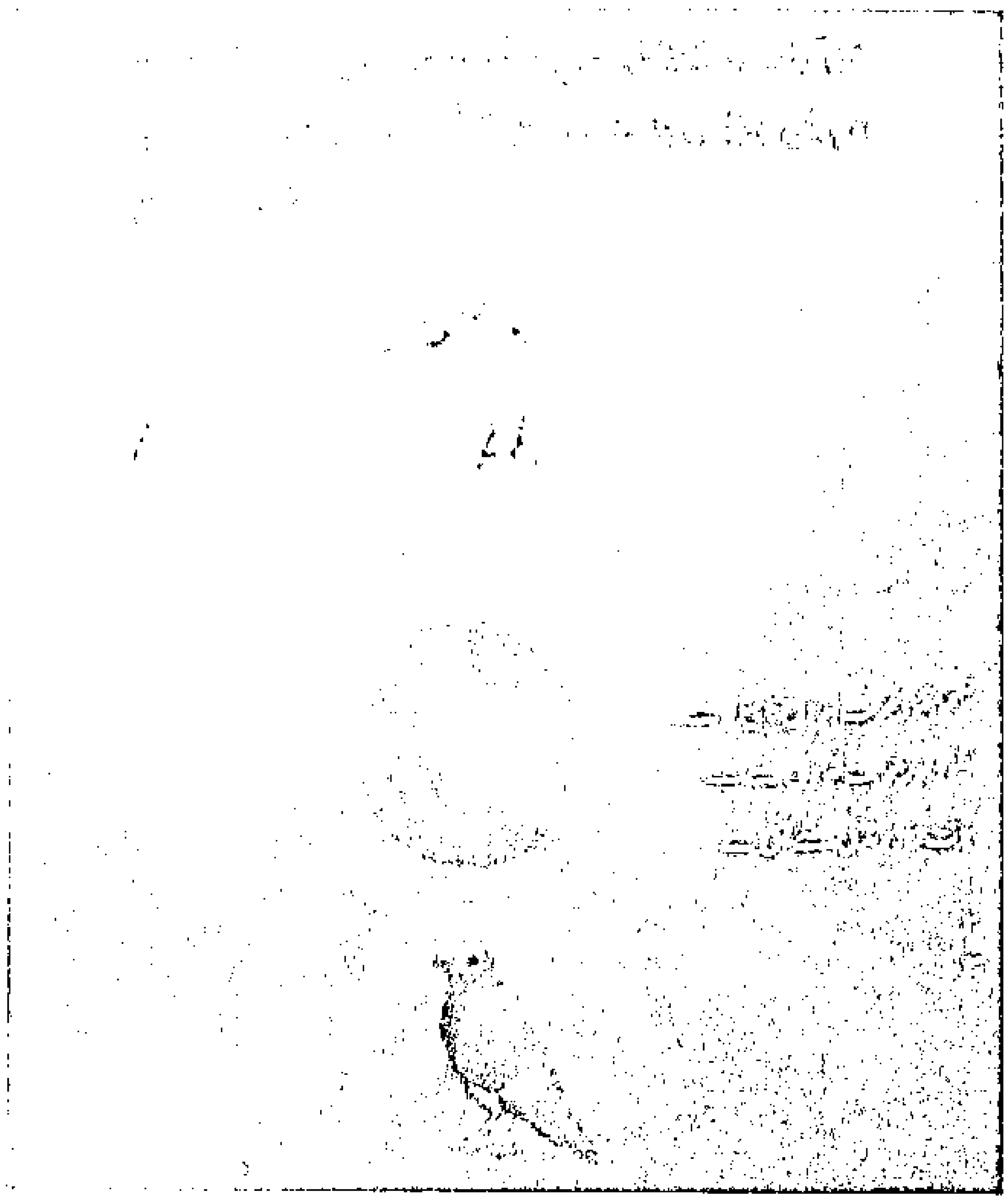

آدم علیہ السلام انسان یا بشر کا فارمولہ یا ڈائی ہیں۔ اسے ہم NEGATIVE یا خاکہ کہہ سکتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر عالمِ امر میں پرندے کے خاکے یا فارمولے پر پڑتی ہے وہ اس خاکے کے مطابق مٹّی سے پرندے کی شکل بنا دیتے ہیں کیونکہ عالمِ خلق کی ہر شے مٹّی سے تخلیق کی گئی ہے۔ اس دنیا میں ظاہری نظر رُوح کو نہیں دیکھ سکتی مگر مٹّی کے قلب میں رُوح کی حرکت کو دیکھ سکتی ہے۔ مٹّی کا پرندہ بنانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارادہ یا قدرت کو ظاہر کرتا ہے جو محدودیت ہے۔ اس محدودیت یا مٹّی کے قالب میں امرِ ربی کی روشنی، انرجی یا حکم کا کام کرتی ہے یہ حکم یا انرجی خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رُوح کی روشنی ہے جو دنیا میں آکر امرِ ربی کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے امر کا ڈسپلے کرتی ہے۔

مُردوں کو زندہ کرنا اور بیماروں کو شفا دینا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ مگر اس معجزے کی روشنیاں آج بھی اس دنیا میں کام کر رہی ہیں۔ اولیاء اللہ کی کرامتیں پیغمبروں کے معجزوں کی ذیلی شکل ہیں۔ تمام تخلیقات کا قانون ایک ہی ہے۔ نظامتِ تکوین کے لوگ چونکہ تخلیقی قوانین سے واقف ہوتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ خود یہ قوانین پڑھاتے ہیں۔ اس لئے وہ جب چاہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تخلیق کر لیتے ہیں یہی قانون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے میں بھی کارفرما ہے۔

Marfat.com

تخلیقی فارمولہ:

اگر کوئی بندہ اس نیابت کو جو اللہ تعالیٰ نے اس کو ازل میں دی ہے اگر تلاش کرنا چاہے تو سب سے پہلے اس کے یقین میں یہ بات راسخ ہونی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ رحیم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے صفتِ رحیمی سے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے ازل میں آدم کو صفت رحیم بھی منتقل ہوئی ہے۔ سالک اگر اسم رحیم کا مراقبہ کرے یعنی وہ ذہنی یکسوئی کے ساتھ اس طرف متوجہ ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمی کا جزو ہے تو اس کے اوپر تخلیقی علم منکشف ہو جاتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس ہی اسم رحیم کا تذکرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے کیا ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی کے جانور میں پھونک مار کر اڑا دیا کرتے تھے یا پیدائشی اندھے یا کوڑھی کو اچھا کر دیا کرتے تھے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے اختیارات سے اسم رحیم کی صفت کو عملاً جاری فرما دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس معجزے کا تذکرہ کر کے تخلیق کا ایک فارمولہ بیان کیا ہے۔

تخلیقی فارمولہ یہ ہے کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی روح کام کر رہی ہے۔ جب تک انسان کے اندر یا آدم زاد کے اندر روح موجود نہیں ہے، آدم کا وجود ناقابل تذکرہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کے اندر اپنی روح پھونک دی تو اس کے اندر حواس متحرک ہوئے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، باب نہ قتل کیا نہ سولی چڑھا سکے، صفحہ نمبر 39 تا 41

2۔ کتاب "شرح لوح و قلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب تدلیٰ صفحہ نمبر 72

Marfat.com

موضوع 84/ 29

تخلیق کا عِلم

SCIENCE OF CREATION

سُوۡرَۃُ اٰلِ عِمۡرٰنَ (THE FAMILY OF IMRAN)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: پھر کہا اس کو کہ ہو جا تو وہ ہو گیا۔

(He) Said: "Be!" and it was.

اللہ تعالیٰ نے قُرآن پاک میں تخلیق کا علم بیان فرمایا اور دین اور اپنی نعمت کی تکمیل کا بیان کیا ہے رُوحانیت میں تخلیق کے علم کے دو مرحلے STAGES بیان کئے گئے ہیں۔

مرحلہ اوّل FIRST STAGE :

پہلے مرحلے میں علم القلم کے تحت ارواح کی اوّلین تخلیق کا ذکر ہے اس میں تمام انواع شامل ہیں تخلیق کا یہ مرحلہ وسائل کے بغیر وجود میں آیا۔

مرحلہ دوم SECOND STAGE:

دوسرے مرحلے میں اِنسان کے لیے ایک میڈیم علق کا بیان کیا گیا ہے۔ علق عنصری یا ELEMENTAL وجود ہے جو روح کے لباس کی ابتدا ہے یہ واضح کیا گیا کہ انواع و موجودات میں اِنسان اور تخلیق کے مقصد میں اِنسان کو انفرادی حیثیت حاصل ہے انسان احسن تقویم ہے معرفت اور حقیقت جاننے کی صلاحیت زیادہ اِنسان کو عطا کی گئی ہے۔ اور اسی شرف کی بنا پر وہ دیگر مخلوقات سے افضل ہے۔

1۔ پہلے مرحلے میں عِلم القلم کے تحت کُن فیَکُون ہوا اور ارواح تخلیق ہوئیں۔

2۔ دوسرے مرحلے میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُم کہہ کر اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اپنی صِفات کا مشاہدہ اور تعارُف کرایا۔

3۔ تیسرے مرحلے میں احسن تقویم کے تحت ان صِفات کا علم اِنسان کو سکھایا گیا۔

Marfat.com

4۔ چوتھے مرحلے میں جب اِنسان عالم دنیایا اسفل السافلین میں پیدا ہوتا ہے تو کائناتی شعور سے مادی شعور میں داخل ہو جاتا ہے۔

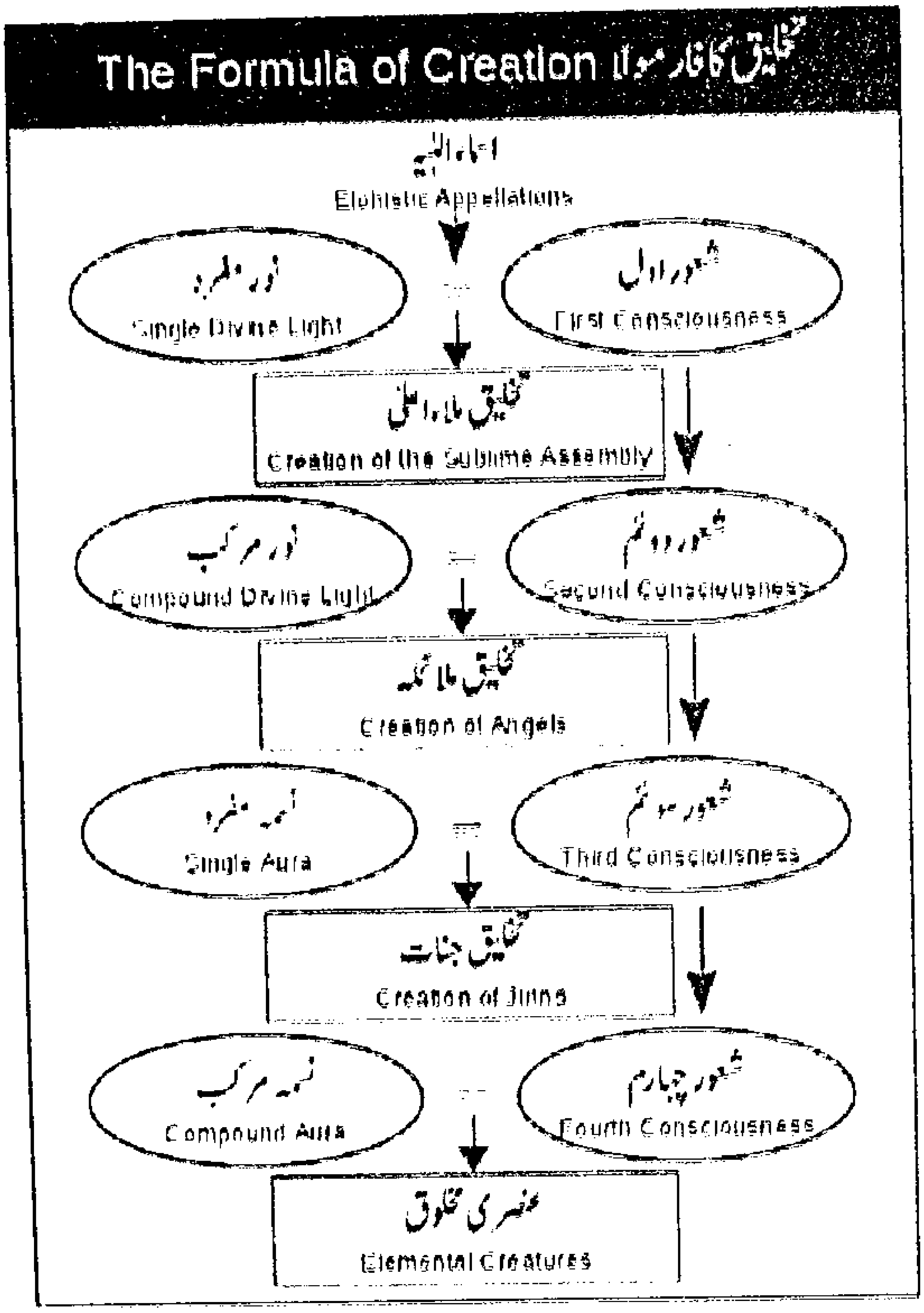

تخلیق کتاب المبین، لوحِ محفوظ اور عالم مثال سے گزرتی ہوئی عالم دنیا کے مادی شعور میں داخل ہو جاتی ہے۔

اجتماعی شعور کے مقابلہ میں اِنسان انفرادی شعور میں اتنا محدود ہوتا ہے کہ روز ازل کیا گیا عہد، مشاہدہ اور علم الاسماء کے تحت نیابت و خلافت کا منصب پس پردہ چلا جاتا ہے اور اِنسان وسائل کا محتاج بن جاتا ہے۔

انسان کا مادی شعور اتنا محدود ہے کہ وہ مظاہر یعنی آسمان، سورج، چاند، آگ، پتھر حتیٰ کے حیوانات کو بھی اپنا معبود تسلیم کر لیتا ہے۔

فطرت کی آفاقی نشانیاں، اِنسان کے عقل و شعور کو مادہ کے پس پردہ موجود، ایک کائناتی حقیقت یعنی رُوح کے شعور اور حواس کی آگاہی بخشتی ہیں۔ خالق کائنات زمان و مکان سے آزاد اور وسائل پر حاکم ہے۔

اسم اطلاقیہ:

اللہ تعالیٰ نے جب کائنات بنائی اور لفظ کُن فرمایا اس وقت اللہ تعالیٰ کے اسم رحیم کی قوت نے حرکت میں آکر کائنات کے تمام افراد، تمام اجزاء، اور تمام ذروں کو شکل و صورت بخش دی۔ اس حالت کو حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے اسم اطلاقیہ کا نام دیا ہے۔ اسم اطلاقیہ اسم مطلق سے مشتق ہے۔ پھر یہ اسم تنزل کر کے عینیہ میں داخل ہو گیا اور صِفت رحیمی سے علم میں حرکت پیدا ہو گئی۔

عالِم عینیہ:

کُن کے بعد موجودات کو علم نہیں تھا کہ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ کہاں جانا ہے؟ اس حیرت کے عالم کو عالم عینیہ کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس محویت اور اس حیرت کو ختم کرنا چاہا تو موجودات کو خطاب کر کے فرمایا:

پہچان لو میں تمہارا رب ہوں۔

Marfat.com

رُوحوں نے جواباً کہا جی ہاں ہم نے پہچان لیا۔ رُوحوں نے جب اللہ تعالیٰ کا اعتراف کر لیا تو صِفت رحیم کی حیثیت علم عینیہ سے تنزل کر کے کونیہ ہو گئی۔

مِٹّی:

شہباز کی قوت پرواز بھی مٹّی کی ممنون کرم ہے کیوں کہ اس کے جسمانی اعضاء اسی مٹّی (کل رنگ و روشنی) کی مختلف ترکیبوں سے وجود میں آئے ہیں۔ البتہ تخلیق کا اصل راز یہ ہے کہ مٹّی کے اندر خالق کائنات کا امر متحرک ہے جو مٹّی کو مختلف سانچوں میں ڈھال کر مختلف شکلوں میں ظاہر کر رہا ہے۔ کنکر، پتھر، پودے، مختلف قسم کے جانور اور اِنسان دراصل مختلف سانچے DYES ہیں۔

کائنات میں موجود جتنی اشیاء ہیں ان سب کی تخلیق ڈائیوں میں ہو رہی ہے۔ جس طرح چڑیا کی ڈائی میں پلاسٹک ڈال کر چڑیا بنائی جاتی ہے اور کبوتر کی ڈائی میں پلاسٹک ڈال کر کبوتر بنالیا جاتا ہے اسی طرح قُدرت کی بنائی ہوئی ڈائیوں میں مصالحہ MATTER ایک خاص طریقہ کار سے منتقل ہوتا رہتا ہے اور نئی نئی صورتیں وجود میں آتی رہتی ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
روحانیت کی زبان میں مٹی کا مطلب صرف مٹی نہیں بلکہ یہ ایک ایسا MECHANISM ہے جس میں تخلیقی فارمولے متحرک ہیں اور مقداریں تبدیل کر کے مختلف شکل و صورت اختیار کرتے ہیں۔ یہ مقداریں روشنیوں پر قائم ہیں اور ان روشنیوں کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔

روشنی + مِٹّی = جسم:

کائنات کی ساخت کے بارے میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ — **اللہ آسمانوں اور زمین کا نُور ہے۔** (سورۃ نُور، پارہ 18، آیت 35)

یعنی آسمانوں اور زمینوں کے اندر بسنے والی ہر شے کے اندر اللہ تعالیٰ کا نُور کار فرما ہے۔ موجودہ سائنسدانوں کی RESEARCH کے مطابق MATTER بھی روشنی کی ایک FORM ہے۔ اس کا مطلب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر شے روشنی کی مختلف شکلیں ہیں۔ اِنسان یا دنیا کی ہر تخلیق روشنیوں کی ظاہری صورت ہے اس ظاہری صورت کو جسم کہا گیا ہے اس جسم کو حرکت میں رکھنے والی روشنیاں ہیں۔ جنہیں عرف عام میں رُوح یا SOUL کہتے ہیں۔ رُوح جس جس عالم میں جاتی ہے اس عالم میں اپنی صلاحیتوں اور علوم کے مظاہرے کے لئے ایک جسم یا خول اپنے اوپر لباس کی طرح پہن لیتی ہے۔ جسے پہن کر رُوح اس دنیا میں کام کر رہی ہے۔ مادی جسم مٹّی کے ذرات سے مل کر بنا ہے اور مٹّی کے ذرات کی نیچر خلاء ہے۔ ان خلاؤں میں رُوح کی روشنیاں جذب ہو کر جسم کی صورت کو برقرار رکھتی ہے۔ جیسے ہی رُوح کی روشنیاں مٹّی کے ذرّات کی خلاؤں سے باہر نکل جاتی ہے۔ جسم کی صورت کو برقرار رکھنے والی توانائی نکل جاتی ہے جس کی وجہ سے مٹّی کے ذرات بکھر جاتے ہیں۔ کیونکہ مٹّی کے ذرات میں وہ توانائی نہیں ہے جو حواس بناتی ہے

Marfat.com

۔رُوح کی روشنیاں ہی حواس بناتی ہیں جسم محض مٹّی کے ذرات ہیں۔رُوح اپنی روشنیوں کا عالم ناسوت میں مظاہرہ کرنے کے لیئے مٹّی کے ذرات کو بطور SCREEN یا لباس استعمال کرتی ہے۔جب رُوح کا کام پورا ہو جاتا ہے تو پھر وہ یہ سکرین یا لباس چھوڑ دیتی ہے۔بس روشنیوں کے لوٹتے ہی مٹّی کے ذرات پھر پہلے کی طرح مٹّی ہو جاتے ہیں اور رُوح اپنا سفر غیب کی دنیا میں جاری رکھتی ہے۔

ہم سب ماضی ہیں

قرآن کے مطابق ہماری دنیا، سماوات، ارض، عالمین، ستارے، سیارے، کہکشانی نظام، عرش و کرسی اور ہم سب ماضی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے کھربوں سال پہلے ماضی میں کائنات کو تخلیق کیا۔فی الواقع کھربوں سال پہلے بنی ہوئی کائنات اپنا مظاہرہ کر رہی ہے۔

(اقتباس کتاب "آگہی")

غور طلب بات ہے رُوح اللہ تعالےٰ کے حکم کُن سے وجود میں آتی ہے رُوح کے اندر اللہ کے حکم کی تجلّی کام کر رہی ہے اللہ کے حکم میں زماں و مکاں نہیں ہے وہ ارادہ کرتا ہے اور کام ہو جاتا ہے رُوح بحیثیت امر ربی ہونے کے اللہ کے حکم کا MEDIUM بن کر کام کرتی ہے۔رُوح کی حرکت حکم کُن کی تجلّی ہے پس رُوح کا ارادہ اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔اور اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے یعنی رُوح TIME AND SPACE کی حدود سے آزاد ہے رُوح جب اللہ تعالیٰ کے حکم پر زمان و مکان کی حدود میں قدم رکھتی ہے تو یہ محدودیت اس کے فطری تقاضوں کے خلاف ہے اس دنیا میں آکر رُوح کو محدودیت کا وہ شعور عطا ہوتا ہے جس کے تقاضے رُوح کے فطری تقاضوں کی ضد ہیں اس محدودیت کی فضا میں گھر کر اپنی کنہ سے وابستہ رہنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔اس طرح دنیا میں آکر اِنسان کو بشری شعور حاصل ہو جاتا ہے اس بشری شعور میں ہر وقت محدودیت یعنی دنیا اور لا محدودیت یعنی رُوحانی دونوں شعور کام کر رہے ہیں۔اور اِنسان دنیا میں ان دونوں دماغوں سے کام لیتا ہے اور اس دنیا کی زندگی میں بستے ہوئے شعور کی ذات کو رُوح کے ساتھ تعلق رکھنا ضروری ہو جاتا ہے تا کہ وہ لا محدودیت کو پہچان لے۔لا محدودیت کی مثال دائرے کی ہے دائرے کے اندر ایک نقطے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ نقطے کو دائرے میں سفر کرنے کے لئے مدت درکار ہے۔

حوالہ جات:

1۔ ماہنامہ "قلندر شعور" موضوع خواجہ غریب نواز نے 22 سال شب و روز مرشد کی خدمت کی، صفحہ نمبر 43 تا 44

2۔ کتاب "شرح لوح و قلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب تدلیٰ، صفحہ نمبر 73 تا 74

3۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 24، صفحہ نمبر 37

4۔ کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، موضوع رُوحانی شعور، صفحہ نمبر 205 تا 206

5۔ کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، موضوع ایک نقطہ، صفحہ نمبر 238

Marfat.com

موضوع 84/30

اللہ کی نعمت

THE GREATEST BLESSING

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ (THE FAMILY OF IMRAN)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: اور جب اللہ نے پیغمبروں سے میثاق لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی نصرت کرنا ہوگی اور عہد لینے کے بعد پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا انہوں نے کہا ہاں ہم نے اقرار کیا فرمایا کہ تم اس عہد و پیمان کے گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

When Allah made (His) covenant with the Prophets, (He said): Behold that which I have given you of the Scripture and knowledge. And afterward there will come unto you a messenger, confirming that which ye possess. Ye shall believe in him and ye shah help him. He said: Do ye agree, and will ye take up My burden (which I lay upon you) in this (matter)? They answered: We agree. He said: Then bear ye witness. I will be a witness with you.

اللّٰــہ کی نعمـــت:

مسلمانوں کے لئے یہ بات سب سے زیادہ اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کی امت میں شامل

Marfat.com

فرمایا۔ حضرت محمد ﷺ کا امتی ہونا دنیا کی ہر نعمت سے بڑی نعمت ہے۔ یہ کس قدر بڑی نعمت ہے اس کا کچھ اندازہ دورِ ازل میں ہونے والی ایک مجلس سے لگایا جاسکتا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے ایک اقرار لیا۔ اسی مجلس کا ذکر مذکورہ آیت میں ملتا ہے۔

غور کیجیے! اگر کوئی نبی بھی نبی آخر ﷺ کا زمانہ پاتے تو وہ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے اقرار کے تحت آپ ﷺ کے امتی ہونے پر فخر محسوس کرتے۔ حضور ﷺ کا امتی ہونا وہ شرف ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاءؑ سے بھی اقرار لیا تھا۔ ہمیں سوچنا چاہیئے کہ یہ کتنی بڑی نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمادی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی آخر ﷺ کی امت میں پیدا کیا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا امتی ہونا دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس بے نیاز ہستی نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے امتی ہونے کا شرف ہمیں بخشا۔

حوالہ جات:

1۔ کتابچہ "سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات" از ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی، موضوع اللہ کی نعمت، صفحہ نمبر 9تا10

Marfat.com

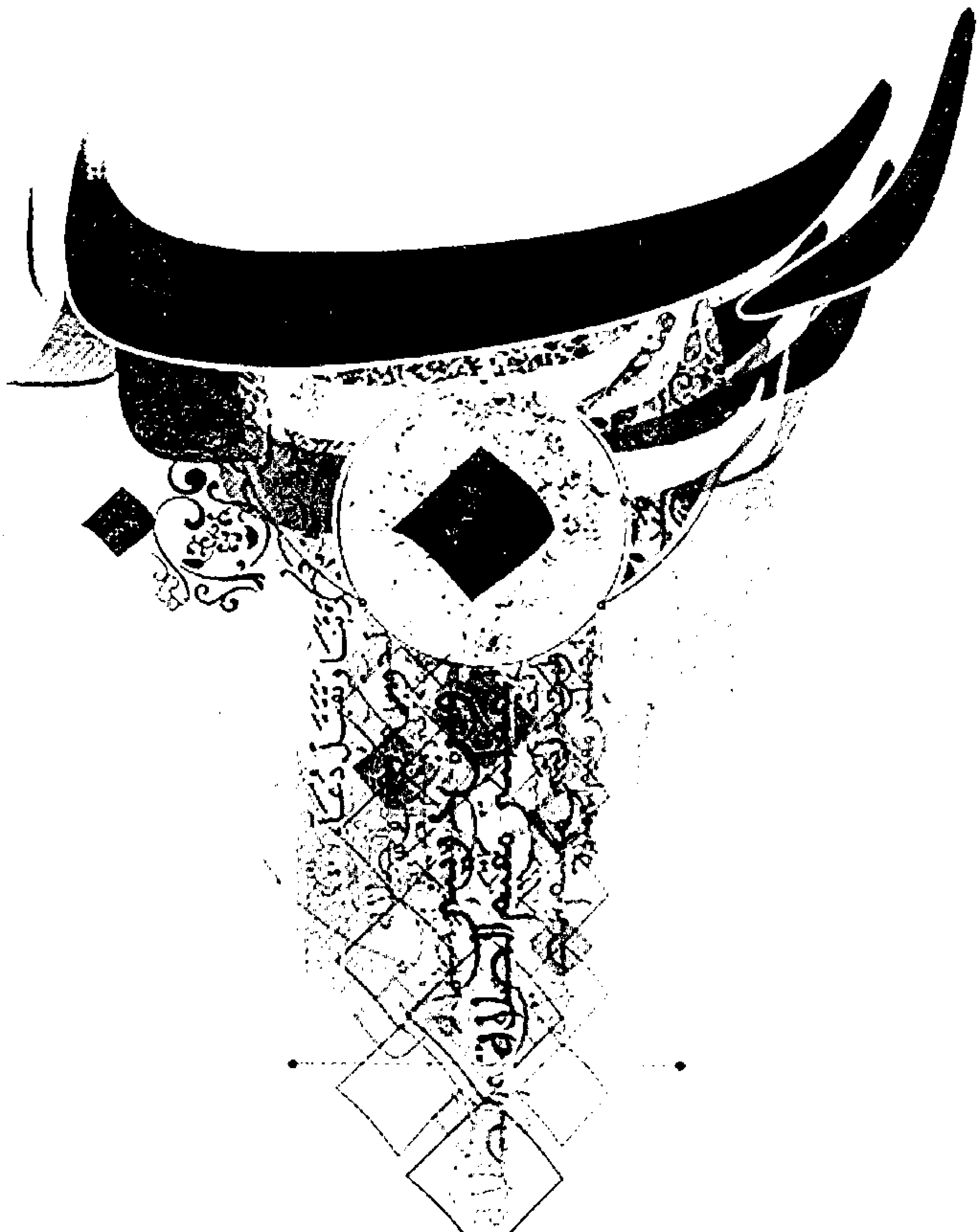

Marfat.com

Marfat.com

موضوع 84/ 31

نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ کا وصال

DEMISE OF HOLY PROPHET(S.A.W)

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ (THE FAMILY OF IMRAN)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ: اور محمدؐ تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرما جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عنقریب اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اجر دے گا۔

Muhammad is but a messenger, messengers (the like of whom) have passed away before him. Will it be that, when he dieth or is slain, ye will turn back on your heels? He who turneth back doth no hurt to Allah, and Allah will reward the thankful.

جب سیّدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا سے رُخصت ہوئے تو ان کے پاس دنیا کا مال و متاع نہیں تھا۔ سیّدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہیں سپرد خاک کرنے کا فیصلہ کیا گیا جہاں آپؐ نے وفات پائی تھی۔ جب مسجد میں جمع عام مسلمانوں کو یہ علم ہوا کہ سیّدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رحلت فرما چکے ہیں تو ان میں کہرام مچ گیا اور سب لوگ بے اختیار ہو کر رونے لگے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں کو روتا دیکھ کر گرجدار آواز میں بولے، "کیوں روتے ہو یہ شیون زاری کیا ہے؟" پھر انہوں نے میان سے اپنی تلوار نکال لی اور بہت رعب دار آواز میں بولے! "جو کوئی یہ کہے گا کہ سیّدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہو چکے ہیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ ابھی یہ مکالمہ جاری تھا کہ حضرت ابو بکرؓ مسجد میں تشریف لائے اور حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"یا عمرؓ! خاموش رہو اور اپنی تلوار میان میں رکھ لو"۔

Marfat.com

پھر انہوں نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔

"اے لوگو! تم میں سے جو شخص محمد رسوُل اللہ ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے اور جو شخص تم میں سے اللہ کی پرستش کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا"۔

پھر سورۃ آل عمران کی آیت تلاوت فرمائی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡــًٔا ؕ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۴﴾

حوالہ جات:

1۔ کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ جلد اوّل" باب عفو و درگزر، صفحہ نمبر 178 تا 179

Marfat.com

موضوع 32/84

صاحبِ اِستقامت لوگ

PEOPLE WITH CONSTANCY

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ (THE FAMILY OF IMRAN)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

ترجمہ: کتنے ہی انبیاء گزرے ہیں جن کا ساتھ دے کر بہت اللہ والوں نے جنگ کی اللہ کی راہ میں ان پر جو مصیبتیں آئیں اُن سے وہ پست ہمّت نہیں ہوئے انہوں نے کمزوری بھی نہیں دکھائی اور دشمن کے آگے گھٹنے بھی نہیں ٹیکے اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

And with how many a prophet have there been a number of devoted men who fought (beside him). They quailed not for aught that befell them in the way of Allah, nor did they weaken, nor were they brought low. Allah loveth the steadfast.

قریش کے غلاموں میں ایک سیاہ فام غلام بھی تھا جس کا نام وحشی تھا۔ اس نے لالچ میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ کو ڈھونڈلیا اور ان کی تاک میں بیٹھ گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ بڑی دلیری سے تلوار چلا رہے تھے۔ وحشی کو ان کا سامنا کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔ وحشی نے جب دیکھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ کی پیٹھ اس کی طرف ہے تو اس نے اپنا نیزہ ان کی طرف اتنی زور سے پھینکا کہ نیزے کی نوک سینے کے پار ہوگئی اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ کی رُوح پرواز کرگئی۔ جب ہندہ نے یہ سنا کہ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ وحشی کے ہاتھوں قتل ہو چکے ہیں تو اس نے اُسی لمحے نہ صرف یہ کہ وحشی کو آزاد کر دیا بلکہ میدان جنگ میں کھڑے کھڑے اپنے کنگن اور ہار اتار کر اُسے بخش دیے اور ایک تیز دھار چاقو سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ کا پیٹ چاک کر کے جگر نکال کر چبانا شروع کر دیا۔ پھر اس نے اُن کے کان اور ناک کاٹے۔ ہندہ جگر خور نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ قریب ہی پڑی مسلمانوں کی لاش کے کان اور ناک کاٹ کر ڈوری میں پرو کر ہار بنایا اور گلے میں ڈال کر وحشیانہ رقص کیا۔

ہندہ کے علاوہ قریش کی ایک اور عورت سلافہ بنت سعد بھی میدان جنگ میں وارد ہوئی۔ درندہ صفت سلافہ بنت سعد اس

Marfat.com

مسلمان شہید کا سر کاٹ کے لے گئی جس نے جنگ بدر میں اس کے بیٹے کو قتل کیا تھا۔ بہت مکروہ چیخ میں اس نے کہا جب تک میں زندہ ہوں کھوپڑی کے اس پیالے میں پانی پیا کروں گی۔

لڑائی ختم ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ چچا کا پیٹ اور سینہ چاک ہے اور کلیجہ چبا کر پھینک دیا گیا ہے۔ کان اور ناک بھی کٹے ہوئے ہیں تو آپ بے انتہا غمگین ہوئے۔ وحشی جب ابو سفیان کی فوج سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے اقرار کیا کہ وہ حضرت حمزہ کا قاتل ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف فرما دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا کہا کہ وہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کے سامنے نہ آئے۔ لہٰذا اس دن کے بعد کبھی وحشی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہیں آیا۔ لیکن اس نے حضرت حمزہ کا خون بہا ادا کرنے کے لئے مسیلمہ کذاب سمیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جنگ احد میں مسلمانوں کو پہنچنے والے نقصان کے باعث یہودیوں نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ یہودیوں نے لوگوں سے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہوتے تو انہیں شکست نہ ہوتی تو اس موقع پر سورۃ آل عمران کی مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

مومن اور ناامیدی:

مومن ہر حالت میں ثابت قدم رہتا ہے۔ کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں وہ کبھی ناامیدی کی دلدل میں نہیں پھنستا۔ اللہ کا شکر ادا کرنا اس کا شعار ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ جس طرح خوشی کا زمانہ آتا ہے اسی طرح مصائب کا دور آنا ایک رد عمل ہے۔ وہ آزمائش کے زمانے میں جدوجہد اور عمل کے راستے کو ترک نہیں کرتا کیوں کہ اسکی پوری زندگی ایک مہم اور جدوجہد ہوتی ہے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد اوّل" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب احد کے میدان میں، صفحہ نمبر 128 تا 130

2۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 140، صفحہ نمبر 117

Marfat.com

موضوع 84/ 33

سخاوت GENEROSITY

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ (THE FAMILY OF IMRAN)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ ؕ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۸۰﴾

ترجمہ: جو لوگ مال میں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا ہے بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں وہ اچھا نہیں بلکہ ان کے لئے برا ہے وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا اور آسمانوں اور زمین کا وارث اللہ ہی ہے اور جو عمل تم کرتے ہو اللہ کو معلوم ہے۔

And let not those who hoard up that which Allah hath bestowed upon them of His bounty think that it is better for them. Nay, it is worse for them. That which they hoard will be their collar on the Day of Resurrection. Allah's is the heritage of the heavens and the earth, and Allah is Informed of what ye do.

دنیا کی تاریخ میں ان لوگوں کا کردار بھی ثابت ہے جن لوگوں نے پیغمبروں کی مخالفت کی اور پیغمبروں کو قتل کیا۔ تاریخ کے صفحات میں ایسے لوگوں کا کردار بھی موجود ہے جس کردار میں سخاوت عام ہے اور ایسے کردار بھی موجود ہیں جس کردار میں کنجوسی اور بخیلی اپنی معراج کو پہنچی ہوئی ہے۔ اس بات کو مزید تشریح کے ساتھ اس طرح کہا جائے گا کہ کنجوسی اور بخیلی کے کردار کا باوا آدم قارون ہے۔ جب تک دنیا قائم رہے گی قارون کی ذریّت قارون کی اولاد اور قارون کے کردار سے متاثر لوگ موجود رہیں گے۔

سخاوت کے بیان میں حاتم طائی کا نام لیا جاتا ہے۔ جب تک دنیا موجود ہے حاتم طائی کے کردار کے لوگ یا حاتم طائی کے گروہ کے لوگ بھی موجود رہیں گے۔ دنیا میں پیغمبروں کا کردار بھی موجود ہے۔ پیغمبروں کے کردار کو جب ہم خوردبین نظر سے دیکھتے ہیں تو ہمیں وہاں اچھائی کے علاوہ کوئی دوسری چیز نظر نہیں آتی۔ یعنی وہ ایسے کردار سے متصف ہیں کہ جس کردار میں لطافت حلاوت کے علاوہ

Marfat.com

کوئی دوسری چیز شامل نہیں ہو سکتی۔ کردار کے تعیّن کو اگر مختصر کر کے SHORT FORM میں بیان کیا جائے تو طرزِ زندگی کی دو قدریں قائم ہوتی ہیں۔ ایک طرز وہ ہے جس میں آدمی شیطنیت سے قریب ہو کر شیطان بن جاتا ہے اور دوسری انبیاءؑ کی طرز وہ ہے جس طرز کے اندر داخل ہو کر آدمی سراپا رحمت بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں شریک ہو جاتا ہے۔ وہ تمام طرزیں جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہیں شیطانی طرزیں ہیں اور وہ تمام طرزیں جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرتی ہیں پیغمبرانہ طرزیں ہیں۔ پیغمبرانہ طرزوں اور شیطانی طرزوں کا تجزیہ کرنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جو بندہ رحمانی طرزوں میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر پیغمبروں کے اَوصاف منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہ بات کہنا بے جا نہ ہو گا کہ پیغمبروں کے اَوصاف اللہ تعالیٰ کے اَوصاف ہیں یعنی جب کوئی بندہ پیغمبرانہ زندگی میں سفر کرتا ہے تو دراصل وہ ان صفات میں سفر کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اپنی ذاتی صفات ہیں اور جب کوئی بندہ ان پیغمبرانہ صفات سے منہ موڑ لیتا ہے تو وہ ان طرزوں میں اور صفات میں زندگی گزارتا ہے جو دراصل تاریک کثیف جہالت سے معمور شیطانی طرزیں ہیں۔ شیطانی طرز یہ ہے کہ آدمی کے اوپر خوف و ہراس مسلّط رہتا ہے۔ ایسا خوف و ہراس جو زندگی کے ہر مقام کو ناقابل شکست و ریخت زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہے۔ اس کا دن ہو یا رات وہ ایک خوف میں بسر ہوتا ہے کبھی اسے زندگی ضائع ہونے کا خوف ہوتا ہے کبھی وہ معاشی ضروریات کے پورا نہ ہونے کے خوف میں مبتلا ہے، کبھی اس پر بیماریاں حملہ آور ہوتی ہیں، کبھی وہ مسائل کے انبار میں اس طرح دب جاتا ہے کہ اسے اس انبار سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ موت جس کو ہر حال آنا ہے اس کے اوپر خوفناک شئے بن کر مسلّط ہو جاتی ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ موت سے کسی بھی طرح رستگاری حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوجود اس اٹل حقیقت سے گھبراتا رہتا ہے، بھاگتا رہتا ہے۔

شیطانی طرزوں میں ایک بڑی قباحت یہ ہے کہ آدمی ذہنی اور نظری طور پر اندھا ہوتا ہے وہ چند سو گز سے زیادہ کی چیز نہیں دیکھ سکتا۔ اور یہی چیزیں اس کو دردناک عذاب میں مبتلا رکھتی ہیں۔ اس کے برعکس پیغمبرانہ طرزوں میں آدمی کے اوپر خوف اور غم مسلّط نہیں ہوتا وہ عدم تحفّظ کے احساس سے دور رہتا ہے۔ موت چونکہ ایک اٹل حقیقت ہے اس لئے وہ مرنے کے لئے تیار رہتا ہے اور جب وہ مرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو موت اس کے لئے دنیا کی سب سے زیادہ خوشنما چیز بن جاتی ہے۔ اسے اس بات کا سراغ مل جاتا ہے کہ موت کوئی بھیانک شئے نہیں ہے بلکہ موت ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کا نام ہے۔ جس طرح اس رنگ و بو کی دنیا میں وہ زندگی کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے اسی طرح مرنے کے بعد کے عالم میں وہ کھاتا پیتا ہے، جاگتا ہے، سوتا ہے۔ روحانی اور جسمانی تمام ضروریات پورا کرتا ہے اور یہ بات محض اس کے قیاس میں داخل نہیں ہوتی بلکہ وہ اس شگفتہ زندگی کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ بات وہی ہے کہ ایک طرزِ فکر کے آدمی دوسری طرزِ فکر کے آدمیوں سے ممتاز رہتے ہیں۔

شیطانی طرزِ فکر میں زندگی گزارنے والا بندہ انبیاءؑ کے گروہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور انبیاءؑ کی طرزِ فکر سے آشنا بندہ شیطانی گروہ میں کبھی داخل نہیں ہوتا۔ شیطانی طرزِ فکر میں ایک بڑی خراب اور لایعنی بات یہ ہے کہ بندہ ہر عمل اس لئے کرتا ہے کہ اس عمل کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ یعنی وہ عمل کرنے کا صلہ چاہتا ہے اور اس صلے کا نام اس نے ثواب رکھا ہے۔ تصوف ایسے عمل کو

Marfat.com

جس عمل کے پیچھے کاروبار ہو جس عمل کے پیچھے کوئی ذاتی غرض وابستہ ہو ناقص قرار دیتا ہے اور یہی انبیاءؑ کی بھی طرزِ فکر ہے۔ جہاں تک قرآن پاک میں اس بات کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اچھے لوگوں کے اعمال کی جزا کے سلسلے میں اپنے انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے لیکن اس بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ نیک عمل اس لئے کرے کہ اسے اس کا اجر ملے گا اور اسے اس اجر میں زر و جواہرات کے محلات ملیں گے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "روح کی پکار" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب بخیلی اور سخاوت میں فرق، صفحہ نمبر 89 تا 91

Marfat.com

موضوع 84/ 34

اولی الباب

PERSON WITH REAL WISDOM

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ (THE FAMILY OF IMRAN)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ
لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ
وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ
سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾

ترجمہ: زمین و آسمان کی پیدائش اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان اہل عقل کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اپنے اللہ کو یاد کرتے ہیں (ان کی دعا یہ ہوتی ہے کہ) پروردگار تو نے یہ نظام ہستی بے مقصد نہیں بنایا۔ تو اس سے پاک ہے (کہ کوئی بے مقصد کام کرے) پس اے ہمارے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔

Verily! In the creation of the heavens and the earth, and in the alternation of night and day, there are indeed signs for men of understanding.Those who remember Allah (always, and in prayers) standing sitting and lying down on their sides, and think deeply about the creation of the heaven and the earth, (saying): "Our Lord! You have not created (all) this without purpose, glory to You! (Exalted be You above all that they associate with You as partners). Give us salvation from the torment of the fire.

Marfat.com

اولی الباب کی تعریف:

اولی الباب خواتین و حضرات کی درج ذیل خصوصیات بتائی جاتی ہیں:

1۔ اولی الباب کا مطلب ہے سمجھدار اِنسان جو آسمان وزمین کی تخلیق، کائناتی نظام و سائل کی پیدائش، اِنسانی زندگی میں کام آنے والی ENERGY اور توانائی پر غور وفکر کرتا ہے۔

2۔ اولی الباب جب تخلیق کے چھوٹے چھوٹے ادوار (بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپے اور موت) پر تفکّر کرتا ہے تو اس کے اندر یقین کا پیٹرن بن جاتا ہے کہ کائنات کو بنانے والی کوئی ہستی ہے اور یہی ہستی کائنات پر حاکم، مالک اور قادر ہے۔

3۔ ان کی طرز فکر میں خالق ومالک کی ہستی اس طرح جذب ہو جاتی ہے کہ وہ جان لیتے ہیں کہ ہم اس لئے زندہ ہیں کہ ہمارے خالق نے ہمیں تحفظ دیا ہوا ہے۔

4۔ وہ یہ بھی دیکھ لیتے ہیں کہ اللہ ان کے اندر موجود ہے۔

5۔ انہیں یہ بھی علم ہو جاتا ہے کہ کائنات کا ہر ذرّہ نُور کے غلاف میں بند ہے، ایسا نُور جو حواس خمسہ سے نظر نہیں آتا ہے، ایسی روشنی جو حواس خمسہ کے ادراک سے ماوراء ہے۔

تخلیقات پر گہری نظر:

قُرآن کہتا ہے کہ زمین و آسمان میں اہل ایمان کے لئے حقائق وبصائر موجود ہیں۔ یعنی اہل ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ زمین و آسمان کی حقیقتوں اور زمین و آسمان کے اندر موجود تخلیقات کے فارمولوں اور EQUATIONS پر ان کی گہری نظر ہوتی ہے۔ ان کے مشاہدے کی طاقت کہکشانی نظاموں کی نقاب کشائی کرتی ہے۔ قُرآن بار بار یہ اعلان کرتا ہے کہ یہ نشانیاں ایمان والوں کے لئے ہیں۔ مفہوم یہ ہے کہ نشانیاں تو سب کے لئے ہیں مگر اِنسانوں میں صرف ایمان والے لوگ ہی اللہ کی نشانیوں، آیتوں اور حکمتوں پر غور وفکر کرتے ہیں۔ غفلت اور جہالت میں ڈوبے ہوئے لوگ جو جانوروں کی طرح جیتے ہیں، ضدّی اور ہٹ دھرم جو "میں نہ مانوں" کی زندہ متحرک تصویر ہیں ان کے لئے اللہ کی نشانیوں کا ہونا یانہ ہونا برابر ہے۔

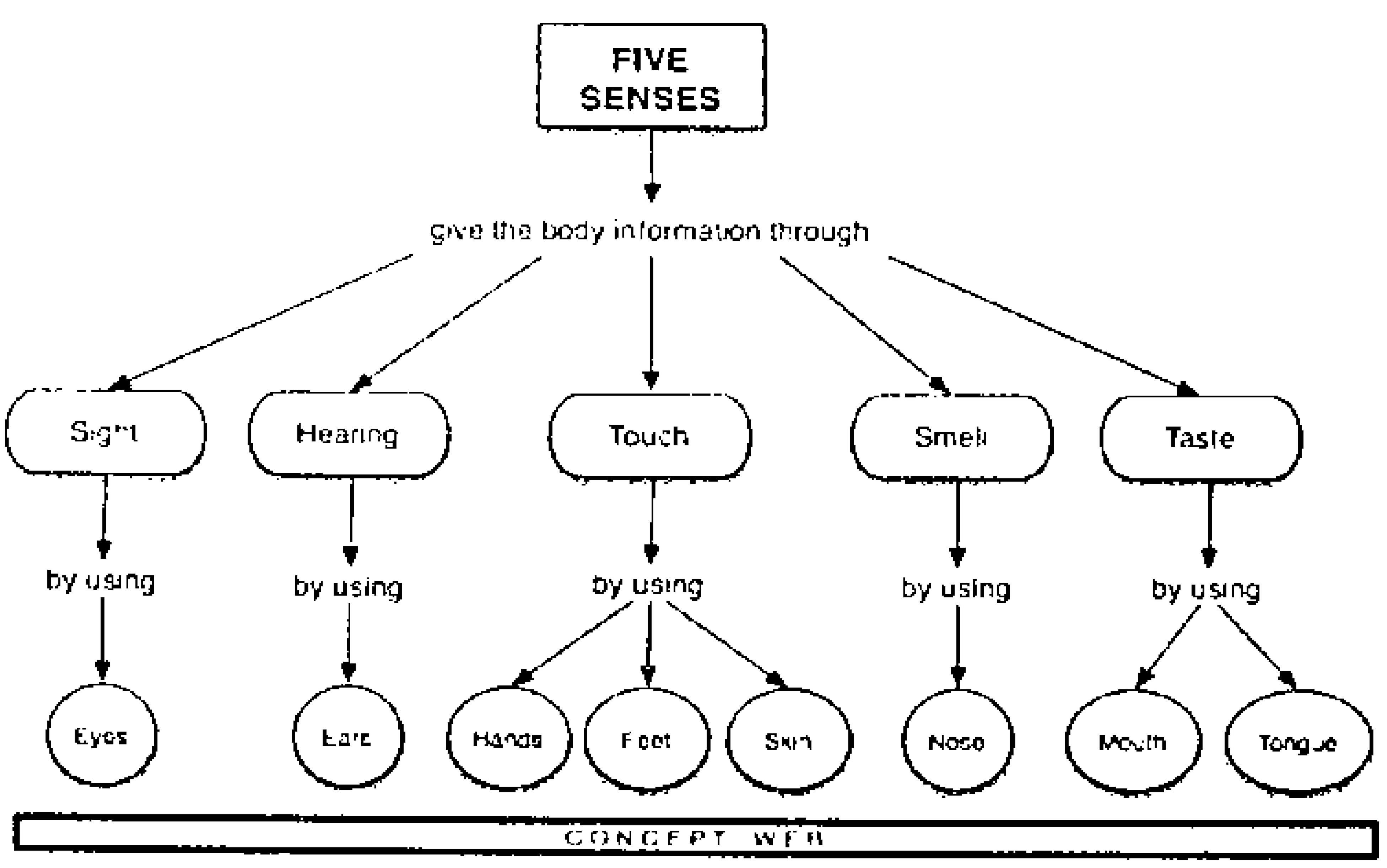

دو گروہ:

اس تمہید کا مطلب یہ ہوا کہ کائنات کا کھوج لگانے والے دو گروہ ہیں۔

ایک گروہ محدود حواس خمسہ میں کائنات کو تلاش کرتا ہے، کائنات کے اربوں

Marfat.com

کمربوں اسرار میں سے چند اسرار پر سے تو پردہ اٹھ سکتا ہے لیکن محدود اور مفروضہ حواس میں سے کوئی آدمی وسیع اور عریض کائنات کو نہیں دیکھ سکتا اور نہ کوئی کائناتی وسعتوں میں داخل ہو سکتا ہے، اس کے برعکس اولی الالباب (وہ لوگ جو مفروضہ حواس سے نکل کر لامحدود حواس میں داخل ہو جاتے ہیں) جب تفکر کرتے ہیں تو لامحدود کائنات ان کے سامنے آجاتی ہے، آج کی سائنس شعوری ارتقاء کی معراج سمجھی جاتی ہے، کہا جاتا ہے کہ سائنس نے انسان کے شرف کی تکمیل کر دی ہے۔

انسانی ترقی:

انفرادی یا اجتماعی جہد وجہد کے نتیجے میں ترقی نصیب ہوتی ہے اور انفرادی یا اجتماعی تساہل یا عیش پسندی کے نتیجے میں قوموں کو ترقی کے بجائے زوال نصیب ہوتا ہے۔ ترقی کے یہی دو رخ ہیں۔ توقیر کی ایک حالت یہ ہے کہ کسی فرد یا کسی قوم کو دنیاوی عزت، دنیاوی وجاہت اور دنیاوی شان و شوکت نصیب ہو۔ ترقی کا دوسرا رُخ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ظاہری حالت میں رہتے ہوئے جس فرد یا قوم کی ترقی غیب کی دنیا تک ہوتی ہے دراصل وہی اصلی ترقی اور شان و شوکت ہے۔

موجودہ سائنسی ترقی باعث رحمت؟:

ترقی اور تنزل جب زیر بحث آتے ہیں تو ذہن اس طرف بھی متوجہ ہوتا ہے کہ ترقی یا تنزل میں کون سے عوامل کارفرما ہیں۔ سائنس نے ترقی تو کی لیکن یہ ترقی استغناء کے خلاف ہوئی ہے۔ ترقی کا دوسرا رخ جو فی الواقع حقیقی رخ ہے اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ظاہری حالت میں رہتے ہوئے غیب کی دنیا میں جس فرد یا جس قوم کی رسائی ہوتی ہے۔ دراصل وہی اصل ترقی، عزت اور شان و شوکت ہے۔ ان دونوں رخوں پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات پوری طرح ہمارے سامنے آتی ہے کہ موجودہ دور میں سائنسی ترقی کا دارومدار صرف ظاہری ترقی پر ہے۔ بے شک وہ قومیں جنہوں نے علوم میں تفکر کیا اور جدوجہد کے نتیجے میں نئی نئی اختراعات کیں اور دنیاوی اعتبار سے ترقی یافتہ ہیں لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہی ترقی یافتہ قومیں سکون اور اطمینان قلب سے محروم ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہی قومیں حقیقت سے دور ہیں یا حقیقی دنیا کا ان سے ابھی کوئی واسطہ یا تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ حقیقت میں ذہنی انتشار نہیں ہوتا۔ حقیقت کے اوپر کبھی خوف اور غم کے سائے نہیں منڈلاتے۔ حقیقی دنیا سے متعارف لوگ ہمیشہ پرسکون رہتے ہیں موجودہ دور بے شک ترقی کا دور ہے لیکن اس ترقی کے ساتھ ساتھ جس قدر صعوبتیں، پریشانیاں اور ذہنی انتشار سے نوعِ انسانی دوچار ہوئی ہے وہ اس سے پہلے کے دور میں نہیں تھی۔ وجہ صرف یہ ہے کہ اس ترقی کے پیچھے ذاتی منفعت ہے وہ انفرادی ہو یا قومی ہو۔ اگر یہ ترقی فی الواقع نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے ہوتی تو قوموں کو اطمینان و سکون نصیب ہوتا۔ انفرادی یا اجتماعی ذہن کے طرز فکر میں اگر یہ بات ہوتی کہ ہماری کوشش، جدوجہد اور اختراعات سے نوعِ انسانی کو اور اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچے تو یہ طرزِ فکر انبیاء کی طرز فکر ہے اور یہ طرز فکر اللہ کی طرز فکر ہے۔ یہ طرز فکر آدمی کے اندر استغناء سے پیدا ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا بار بار یا زیادہ صحیح اندازوں کے مطابق 16 مرتبہ تباہ ہو کر دوبارہ آباد ہوئی ہے۔ خوبصورت، رنگین، باغ و بہار سے مزین، پرکشش برفانی کہساروں، موتی کی طرح چمکتے دمکتے آبشاروں، آفتاب کی شعاعوں اور چاند کی کرنوں کا مسکن یہ دنیا اب

Marfat.com

پھر چالیس ہزار ایٹم بموں کی زد میں موت کے دہانے پر کھڑی ہانپ رہی ہے۔ یہ کیسی ترقی ہے کہ ہم نے آتش فشاں کو اپنا مسکن بنالیا ہے۔ بالآخر ترقی کا یہ فسوں ایک دن ٹوٹ جائے گا۔ اس سے پہلے بھی ہوتا رہا ہے کہ وہ قومیں جو فنا اور بقا کے فارمولوں سے ناآشنا ہو گئی تھیں زمین پر سے اٹھالی گئیں اور آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ ذرا سوچئے تو سہی، تباہی ہمارے تعاقب میں ہے اور ہم اسے ترقی کا نام دے کر خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ ایک روز فسوں ساز لوگوں کو یہ باور کرنا ہوگا کہ ایٹمی ہتھیار نوع انسانی کے لیے ترقی نہیں بلکہ انسانی نسل کے لئے دہکتی بھٹی ہے۔ یہ اربوں کھربوں ڈالر نوع انسانی کی بقا اور خوشحالی کے کام آتے مگر انسان دشمن سائنسدانوں نے ان ڈالروں کو بھٹی میں جھونک دیا ہے۔ کوئی نجات دہندہ آئے گا اور آتش گیر فسوں کو راکھ کے ڈھیر میں بدل دے گا تاکہ نوع انسانی سکون و آشتی کا سانس لے سکے۔

یہ کیسی تکمیل ہے کہ ہر انسان پریشان ہے، آسائش و آرام کے لئے جتنی چیزیں ایجاد کی جارہی ہیں یا ہو چکی ہیں انہوں نے زندگی کو عذاب بنادیا ہے۔ ہر گھر بے سکون اور پریشانی کا ٹارچر سیل بن گیا ہے یہ عجیب منطق ہے آرام و آسائش کا ہر سامان ہونے کے باوجود آدمی پریشان ہے بیمار ہے، جیسے جیسے سائنسی ایجادات اور مادی ترقی معرض وجود میں آرہی ہے اسی مناسبت سے بیماریاں بھی ترقی پا رہی ہیں، بے سکونی اور پریشانی کے عفریت نے انسان کو ڈس لیا ہے۔

زمین بیمار اور عضو ضعیف کی مانند کراہ رہی ہے۔ خدارا میرے اور اپنے اوپر رحم کرو۔ مگر کوئی کان ایسا نہیں جو اس کی سسکتی ہوئی اور غم میں ڈوبی ہوئی آواز کو سنے۔ اپنی برتری حاصل کرنے کے لئے قوموں نے ایسے ایسے ہتھیار بنالئے ہیں جن کے اوپر موت منڈلا رہی ہے اور ان ہتھیاروں کی موت چار ارب انسانوں کی موت کا پیش خیمہ ہے۔ ایک مرتبہ جب کوئی چیز وجود پا لیتی ہے تو اس کا استعمال لازمی ہو جاتا ہے۔

آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بے شمار ایجادات اور لامتناہی آرام و آسائش کے باوجود ہر شخص بے سکون، پریشان اور عدم تحفظ کا شکار ہے۔ سائنس چوں کہ MATTER پر یقین رکھتی ہے۔ اور مادہ یا MATTER عارضی اور فکشن ہے۔ اس لئے سائنس کی ہر ترقی، ہر ایجاد اور آرام و آسائش کے تمام وسائل عارضی اور فنا ہو جانے والے ہیں۔ جس شئے کی بنیاد ہی ٹوٹ پھوٹ اور فنا ہو اس سے کبھی حقیقی مسرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ مذہب اور لامذہب میں یہ بنیادی فرق ہے کہ لامذہبیت انسان کے اندر شکوک و شبہات، [illegible] یقینی احساسات کو جنم دیتی ہے۔ جبکہ مذہب تمام احساسات، خیالات، تصورات اور زندگی کے اعمال و حرکات کو قائم بالذات اور مستقل ہستی سے وابستہ کر دیتا ہے۔

ایجادات کا قانون:

جسم مثالی جب غیب کے کسی واقعہ کو غیب میں دیکھتے ہوئے کسی خاکے کو مادی دماغ و شعور کو دکھانا چاہتا ہے تو اس خاکے کی دیکھی ہوئی تصویر مادی دماغ میں منتقل کر دیتا ہے یا دوسرے لفظوں میں جسم مثالی اپنے دماغ کی وہ روشنی مادی دماغ میں بھر دیتا ہے جس روشنی میں جسم مثالی کے ساتھ رونما واقعہ کی پوری صورت موجود ہے گویا انسان کے شعور کو خواب میں ملنے والی ہر اطلاع اور تصویر جسم

Marfat.com

مثالی کے حافظے کا ایک نقش ہے یہی نقوش جب شعور کے پردے سے باہر آتے ہیں تو مادی صورت میں ظاہر ہو جاتے ہیں اس طرح

انسان کی ہر ایجاد دنیا سے پہلے غیب میں جسم مثالی کی آنکھ سے گزرتی ہے اور جسم مثالی روشنیوں کے عالم میں اس ایجاد سے کام لیتا ہے۔

جب جسم مثالی اس بات کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ دنیاوی جسم بھی اس ایجاد سے فائدہ اٹھائے تو خواب یا خواب کی صورت میں دنیاوی شعور میں یہ بات منتقل کر دیتا ہے اس طرح ایجادات عمل میں آتی ہیں مگر کیونکہ دنیاوی جسم TIME AND SPACE کا پابند ہے اس وجہ سے عالم مثال سے عالم ناسوت (موجودہ دنیا) میں آتے آتے اور PHYSICAL صورت میں ظہور پذیر ہوتے ہوتے ایک مدت لگ جاتی ہے۔ جیسے جیسے انسانی شعور کی SPEED بڑھتی جاتی ہے انسان کے ذہن سے ٹائم اور اسپیس کا دباؤ کم ہوتا جاتا ہے اور اس کے ظاہری کاموں کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔

انبیاء ربانی اور حکماء ربانی میں یہ فرق ہے کہ:

1۔ انبیاء باطن سے ظاہر کو تلاش کرتے ہیں اور

2۔ حکماء ظاہر سے باطن کو تلاش کرتے ہیں۔

کسی حد تک حکماء کی طرز تلاش غلط نہیں، لیکن اس طرز میں ایک نقص ہے کہ وہ جن چیزوں کی علامتیں خارج میں نہیں دیکھتے ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس رویے سے کائنات کی ساخت میں جتنے حقائق مخفی ہیں وہ زیادہ تر انجانے رہ جاتے ہیں۔ انبیاء کے رویہ میں یہ نقص نہیں ہے۔ وہ ذات مطلق کے ذریعہ امر مطلق کو تلاش کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی فکر ایسے اجزاء کو پا لیتی ہے جو مظاہر کے پابند نہیں ہیں۔ انبیاء مظاہر کو نظر انداز نہیں کرتے تاہم وہ مظاہر کو اصل قرار دے کر صرف مظاہر کی روشنی میں گم نہیں ہو جاتے۔ وہ مظاہر کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتے ہیں جتنی مظاہر کی اصلوں کو انبیاء کی زبان میں مظاہر کی اصلوں کا نام صفات الٰہیہ ہے۔ وہ اس رویہ سے یعنی صفات کے ذریعے ذات مطلق تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ ان پر ذات مطلق کی حکمتیں منکشف ہو جاتی ہیں، پھر یہ ان کے لئے ناممکن ہے کہ ان مصلحتوں کو نظر انداز کر دیں یا مقصد حیات نہ بنائیں۔ انبیاء کی فکر میں ذات مطلق ہی حیات ہے۔ اس لئے وہ حیات کو ابدی قرار دینے پر مجبور ہیں۔

(اقتباس "لوح و قلم" باب وہم کیا ہے؟)

ہم یہ نہیں کہتے کہ سائنسی ایجادات نوع انسانی کے لئے فائدہ مند نہیں ہیں یا سائنسی ایجادات میں مزید وسعت نہیں ہونی چاہیے، ہم ان حقائق پر سے پردہ اٹھانا چاہتے ہیں جو اس ترقی کے پیچھے نوع انسانی کی ہلاکت کا سبب بن رہی ہے اور یہ ہلاکت ہے کہ سائنسی ایجادات کا محور "مادیت" ہے، اگر SCIENTIST کائنات کی چیزوں پر تفکر کر کے ایجادات کا رُخ خالق کائنات کی طرف پھیر دے تو یہ دنیا خوشحال بن جائے گی۔ چھوٹی سے چھوٹی عقل والا آدمی اور بڑے سے بڑا دانشور اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ سائنسی ایجادات قدرت کے پیدا کردہ وسائل کے تابع ہیں اور جتنے بھی وسائل زمین پر موجود ہیں ان میں جڑی بوٹیاں، جڑی بوٹیوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے مشینوں کے لئے میٹریل، ہوا، پانی، گیس، روشنی، قُدرت نے ہر چیز ہر شخص کے لئے مفت فراہم کی ہے۔ انسانی ذہن مفروضہ حواس سے نکل کر اولی الالباب کے دائرے میں داخل ہو جائے تو انسان حقیقت سے آشنا ہو جائے گا تو یہ زمین جنت ارضی بن جائے گی۔

Marfat.com

سائنسی علوم کا رُوحانی علوم سے تعلق:

موجودہ دور شعوری ارتقاء کے عروج کا زمانہ ہے۔ MATTER میں ریسرچ اور اِنسانی ایجادات کا سلسلہ شعوری ارتقاء کا باعث بنتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اِنسانی ایجادات اور ریسرچ ایجاد سے پہلے کہاں تھیں؟ چلیے ہم یہ مان لیتے ہیں کہ انسان کی ریسرچ سے پہلے ان کا وجود نہیں تھا۔ مگر اگر وجود نہیں تھا۔ تو ریسرچ کا خیال کیسے آیا؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ خیال کی روشنی ریسرچ اور ایجادات کا فارمولا ہے۔ جس طرح بغیر بیج کے پودا نہیں اُگتا۔ اسی طرح بغیر خیال کے کوئی عمل نہیں ہوتا۔ بیج کے اندر پورا درخت بند ہے۔ اسی طرح خیال کے اندر پوری ریسرچ اور ایجاد بند ہے۔ بیج کو ہم درخت کے علم کا CONDENSED نقطہ کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے خیال کو ہم شے کے علم کی CONDENSED روشنی کہہ سکتے ہیں۔

ساری کائنات اور کائنات کے اندر بسنے والی ہر شے کا تعلق بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کے علم سے ہے۔ کائنات کی ہر شے اور ہر فرد کا دماغ علم کی روشنی کو جذب کر رہا ہے اور دماغ میں یہ روشنیاں خیال بن کر وارد ہوتی ہیں۔ خیال جب عملی حدود میں پہنچتا ہے تو خیال کے اندر کا خاکہ ظاہری آنکھ اور حواس کے دائرے میں آجاتا ہے۔ ظاہری حواس کے دائرے سے علم کی روشنی پھر دوبارہ شعور کی گہرائی میں ریکارڈ بن کر محفوظ ہو جاتی ہے۔ اس محفوظ شدہ ریکارڈ کو آدمی جب جی چاہے اپنے ارادے کے ساتھ شعور کی گہرائی یا حافظے سے شعور کی سطح پر لا سکتا ہے۔ اس طرح ساری کائنات کے افراد کے دماغ سے لہریں نکل بھی رہی ہیں اور جذب بھی ہو رہی ہیں۔ اسی پر زندگی چل رہی ہے۔ اِنسان میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ غیب کی ماورائی مخلوق کے ذہن کی لہریں بھی وصول کر لیتا ہے۔ یعنی اعراف میں بسنے والی رُوحوں کے خیالات بھی اس تک پہنچ جاتے ہیں۔ ایسے خیالات دنیا والوں کے لئے ریسرچ کرنے کی تحریک پیدا کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ تمام سائنسی علوم اور ریسرچ کہیں نہ کہیں موجود ہیں۔ جہاں یہ علوم موجود ہیں۔ وہ روشنی کا عالم ہے۔ اگر اس روشنی میں ذہن کی فکر داخل ہو جائے تو آدمی اپنی قوتِ ارادی سے اس کے اندر کے علوم حاصل کر لیتا ہے یہی آدمی کی ایجادات اور سائنسی علوم کہلاتے ہیں۔

سائنسدانوں کو ان علوم کے حاصل کرنے میں ایک مدت لگ جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی عقل اور شعور کی کسوٹی پر ان علوم کو سیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر کسی جگہ عقل تسلیم نہیں کرتی تو وہ ماننے سے صاف انکار کر دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف رُوحانی آدمی غیب سے واقف ہوتا ہے۔ اس کا مشاہدہ غیب میں ہوتا ہے۔ اس کا یقین مشاہدے کی بناء پر مستحکم ہوتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ ہر علم پہلے ہے۔ پھر علم کا ڈسپلے ہے۔ علم روشنی ہے۔ ڈسپلے شے ہے۔ علم جان یا رُوح ہے۔ ڈسپلے جسم ہے۔ رُوح کا وجود جسم سے پہلے ہے۔ اسی بنیاد پر یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے۔ کہ سائنسی علوم رُوحانی علوم کا جز ہیں۔ رُوحانی علوم جب عالم ناسوت میں اپنا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور مادی حواس ان سے واقف ہو جاتے ہیں آدمی یہ بات جان لیتا ہے کہ مظاہرات میں اِنسان کا ارادہ کام کر رہا ہے۔ مگر وہ علوم جن کے اندر اِنسان کا ارادہ نہیں ہے۔ وہ فطرت کہلاتے ہیں۔ مثلاً ہوا کا چلنا۔ بادلوں کا برسنا۔ سورج چاند ستاروں کا طلوع و غروب ہونا اور ایسے تمام مظاہر فطرت اللہ کے ارادے سے عمل میں آرہے ہیں۔ اسی کے ساتھ اِنسان کے ارادے سے بھی ذیلی تخلیقات عمل میں آرہی ہیں۔ جو اِنسان کی فطری صلاحیتوں کے استعمال کا نتیجہ ہیں۔ فطرت کی تخلیقات اور اِنسان کی ایجادات میں فرق یہ ہے کہ فطرت بغیر وسائل و اسباب کے تخلیق

Marfat.com

کرتی ہے اور انسان فطرت کے پیدا کردہ وسائل واسباب میں اپنی عقل وارادے کو استعمال کر کے ایجادات کرتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ روحانی علوم کی روشنیاں فطرت میں پہلے سے موجود ہیں۔ سائنسدان ان روشنیوں میں تفکر کر کے ایجادات کرتے ہیں۔

خیال:

اگر ہم کائنات کو عالم خیال کہیں تو غلط نہ ہو گا۔ عالم کائنات اللہ تعالیٰ کے کائنات بنانے کے خیال کا مظاہرہ ہے مظاہراتی صورت میں انسان کے دماغ کا ایک جانب رابطہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کے اس تفکر سے ہے جس تفکر میں ساری کائنات ایک ذاتِ واحد کے تصور کا ذریعہ ہے۔ دوسری جانب اِنسان کا دماغ اپنی انفرادیت سے وابستہ ہے۔ ذات واحد کا تفکر کل ذات ہے۔ اور ذات فرد کی فکر کل ذات کے تفکر کا ایک جزو ہے۔ ساری کائنات میں مخلوقات آباد ہیں ہر فرد کے اندر دو قسم کے شعور کام کر رہے ہیں۔ ایک شعور انفرادیت کا ہے اور ایک اجتماعیت کا۔ اجتماعی شعور سے انفرادی شعور فیڈ ہو رہا ہے اسی کو خیال کہتے ہیں۔

انتقال خیال TELEPATHY :

انسان ایک ایسا حیوانِ ناطق ہے جو آواز کی لہروں کے ذریعے اپنے خیال دوسروں تک پہنچاتا لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دوسرے حیوان جن کو حیوان غیر ناطق کہا جاتا ہے اپنے خیالات الفاظ کا سہارا لئے بغیر دوسروں تک منتقل کرتے ہیں اور دوسرے حیوان ان خیالات کو قبول کرتے اور سمجھتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ الفاظ کا سہارا لئے بغیر بھی خیالات اپنے پورے معنی اور مفہوم کے ساتھ منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ دماغ ایک ایسا آلہ یا MACHINE ہے جو انفرادی سطح پر کل ذات کی انفارمیشن RECEIVE کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اجتماعی یا نوعی سطح پر ایک ذات کی انفارمیشن کو کل ذات تک TRANSMIT بھی کرتا ہے۔ اس طرح جو خیال بھی دماغ قبول کرتا ہے اس خیال کو عملی پراسس سے گزار کر اس کی کارکردگی کی اطلاع کل ذات تک پہنچا دیتا ہے۔ اس سارے عمل کو انتقال خیال کہتے ہیں۔

کائنات کی ہر شے کے اندر انتقال خیال کا یہ دہرا عمل جاری و ساری ہے اور یہی عمل کائنات کو حرکت میں رکھے ہوئے ہے۔ کائنات کے ہر فرد اور شے کے دماغ سے خیال کی روشنی نکل بھی رہی ہے اور دماغ کے اندر جذب بھی ہو رہی ہے اس طرح ساری کائنات میں خیالات ایک فرد سے دوسرے فرد میں TRANSFER یا منتقل ہو رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم زمین پر رہتے ہوئے بھی آسمانی مخلوق سے واقف ہیں۔ آدمی کا ریسیور جتنا طاقتور ہو گا اتنا ہی وہ خیالات کو اور ان کے اندر کی انفارمیشن کو زیادہ CATCH کرے گا۔

یہ عجیب سربستہ راز ہے کہ پوری کائنات کے افراد اطلاعات اور خیالات میں ایک دوسرے سے ہم رشتہ ہیں۔ البتہ اطلاعات میں معنی پہنانا الگ الگ وصف ہے۔ بھوک کی اطلاع شیر اور بکری دونوں میں موجود ہے لیکن بکری اس اطلاع کی تکمیل میں گھاس کھاتی ہے اور شیر بھوک کی اس اطلاع کو پورا کرنے کے لئے گوشت کھاتا ہے۔ بھوک کے معاملے میں دونوں کے اندر قدرِ مشترک ہے۔ بھوک کی اطلاع کو الگ الگ معنی پہنانا دونوں کا جداگانہ وصف ہے۔

Marfat.com

> غار حرا جبل نور میں واقع ہے۔ یہ بڑی پرمسرت اور حیرت انگیز بات ہے کہ عربی میں حرا ریسرچ اور تحقیق کو کہتے ہیں۔ جبکہ جبل نور کا مطلب ہے روشنی کا پہاڑ اور پہاڑ سے مراد لامحدود وسعت ہے۔ اس طرح جبل نور میں غار حرا میں تشریف لے جانے کا مطلب یہ ہوا کہ سیدنا حضور ﷺ غار حرا میں لامحدود روشنی کو تلاش کرنے اور اللہ کی نشانیوں پر غور کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

مسلمان اور تسخیرِ کائنات:

آج سائنس نے اس بات کا سراغ لگا لیا ہے کہ دنیا میں موجود ہر شئے، اس میں آدم زاد ہو، کوئی درخت ہو، درخت کے پتے ہوں، آبی مخلوق ہو، زمین کی مخلوق ہو، چوپائے ہوں یا پرندے، ساری مخلوق اپنے جسم کے ساتھ ساتھ ایک اور جسم رکھتی ہے جو ظاہرہ آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ سائنس دانوں نے ایسے کیمرے ایجاد کر لئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ گوشت پوست سے مرکب جسم پر ایک اور جسم موجود ہے اور یہ جسم ایسی روشنیوں سے بنا ہوا ہے جو روشنیاں گوشت پوست کی آنکھ سے تو نظر نہیں آتیں۔

لیکن ان کی موجودگی کا یقین کیمرے کے لینس سے ضرور ہو جاتا ہے۔ سائنس نے یہ بھی تحقیق کیا ہے کہ جسمانی خدوخال کے اوپر روشنی کا یہ آدمی یا روشنی کا یہ ہیولا کچھ دیر تک قائم رہتا ہے مثلاً ایک آدمی کسی جگہ کچھ دیر کے لئے بیٹھا یا کھڑا رہا اور وہاں سے چلا آیا وہ آدمی یا وہ پرندہ یا وہ چوپایا جس جگہ بیٹھا یا کھڑا رہا وہاں اس کا ہیولا چند سیکنڈ تک قائم رہتا ہے۔

سائنس کی تحقیق سے الگ ہو کر کچھ مشاہدات ایسے ہیں جو ہر آدمی کی زندگی میں داخل ہیں۔ مثلاً یہ کہ دو آپس میں ملنے والے دل یا جسم جدائی سے بے حال ہیں اور فراق کی گھڑیاں گن گن کر گزارتے ہیں۔ جب ملتے ہیں تو ہر دو افراد کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے جسم میں ایک کرنٹ سا دوڑ گیا ہو، چونکہ یہ بات عام زندگی کا معمول نہیں ہے اس لئے آدمی اس کو ایک اتفاق یا بہت سی دوسری باتوں کی طرح انہونی کہہ کر گزر جاتا ہے۔ جب کوئی باپ یا کوئی ماں اپنے چھوٹے بچے کو سینے سے لگا کر ایک محویت کے عالم میں ذہنی طور پر یکسو ہو جائے۔ تو محسوساتی طریقے پر آدمی یہ قبول کرتا ہے کہ بچے کے جسم کے اندر سے کوئی چیز نکل کر ماں یا باپ کے سینے میں جذب ہو رہی ہے بعض مرتبہ یہ کیفیت اتنی شدید ہوتی ہے کہ والدین کے اوپر ایک خمار کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

یہ ایک ایسی کیفیت ہے جس سے کوئی حلیم الطبع آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ سوال یہ ہے کہ بچے کے اندر وہ کونسی شئے یا صفت ہے یا وہ کیا حرکت ہے جو سینے پر لٹانے کے بعد والدین کے جسم کے اندر اترتی ہوئی محسوس ہوتی ہے؟ یہ وہی روشنی ہے جو اپنے پورے خدوخال کے ساتھ اپنے پورے جسمانی اعضاء کے ساتھ کائنات کے ہر فرد کے جسم کے اوپر ہر آن ہر لمحہ ہر وقت موجود ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے یا وہی روشنیاں ہیں جن روشنیوں کو کیمرے کے لینس نے محفوظ کر کے دکھا دیا ہے۔

ہماری بد نصیبی یہ ہے کہ ہم ایک ایسی قوم ہیں کہ جو چیزیں ہمہ وقت ہمارے سامنے آتی ہیں ہم ان کے اوپر بھی غور و تفکر نہیں کرتے۔ مخلوق کے اوپر روشنیوں کے اس غلاف کا تذکرہ قرآن پاک میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ہم نے کبھی قرآن میں تفکر نہیں کیا۔ جب باہر سے کوئی چیز ہمیں ملی تو ہم اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ زبان سے ہم یہ کہتے ہیں کہ مسلمان قوم ہی اشرف المخلوقات کہلانے کی مستحق ہے۔ عمل ہمارا ایسا ہے کہ ہم چوپایوں کی صف میں کھڑے ہونے کے قابل نہیں ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ عیسائی، یہودی،

Marfat.com

ہندو دوزخی ہیں۔ اس کے باوجود کہ ہم انہیں دوزخی کہتے ہیں ہم ان کے محتاج ہیں۔ ہم ان کی تحقیق اور ان کی ایجادات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دنیا میں اگر کوئی قوم یا فرد ان لوگوں کی تحقیق سے اور ان لوگوں کی ایجادات سے فائدہ نہ اٹھائے تو وہ فرد دنیا میں چیونٹی سے کم حیثیت شمار کیا جائے گا اور اس کا اقوام عالم سے رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

دوزخی کی تعریف یہ ہے کہ وہ ذلیل و خوار ہو، دوزخی کی تعریف یہ ہے کہ وہ مفلوک الحال ہو، دوزخی کی تعریف یہ ہے کہ وہ غلام ہو، محکوم ہو، بڑی عجیب بات ہے کہ جن لوگوں کو ہم دوزخی کہتے ہیں وہ مفلوک الحال نہیں ہیں۔ بزعم خود ہم جنّتی لوگ ان کے دست نگر ہیں۔ جن لوگوں کے بارے میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوزخ کا ایندھن ہیں ہم ان کی ایجادات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

یہ کہنا کہ کون دوزخی ہے، کون جنّتی ہے یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ لیکن کھلی آنکھوں سے جو چیز نظر آرہی ہے وہ یہ ہے کہ محکومی، محتاجی، دست نگری اور احساس کمتری جیسی صِفات آج مسلمان قوم میں موجود ہیں اور یہ صِفات مسلمان قوم میں اس لئے موجود ہیں کہ وہ کلمہ ضرور پڑھتی ہے لیکن اس کا کلمہ پڑھنا یقین کے دائرے میں داخل نہیں ہوا۔ ہر آدمی ہر مسلمان جو کچھ کہتا ہے عمل اس کے خلاف کرتا ہے۔ کہتا یہ ہے کہ میں موحد ہوں شرک نہیں کرتا۔ عمل یہ ہے کہ دولت کی پرستش کرتا ہے۔ ایسی چیز کی پرستش کرتا ہے جس کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عذاب الیم کی بشارت دی ہے۔ کہتا یہ ہے کہ میں مسلمان ہوں یعنی سلامتی میرا مسلک ہے۔ عمل یہ ہے کہ ہر آدمی اختلافی مسائل میں اور فروعی باتوں میں پھنسا ہوا ہے، فرقے ہیں کہ بنتے چلے جارہے ہیں۔ ہر آدمی خود کو جنّتی دوسروں کو دوزخی کہتا ہے۔ حالانکہ کسی فرقے کے پاس اس بات کی سند نہیں ہے کہ وہ جنّتی ہے اور نہ وہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں دوزخی ہوں۔ یہ ساری باتیں کیوں ہیں؟

یہ سب اس لئے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنا مقام نہ پہچاننے کی گویا قسم کھالی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کو ایمان والوں کو کائنات میں فضیلت بخشی اور ہمارا یہ حال ہے کہ ہم کائنات میں تو دور کی بات ہے زمین کے چھوٹے سے کرہ پر ذلیل و خوار ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں سوچنے سمجھنے تفکّر کرنے اور نت نئی ایجادات کرنے کی صلاحیتوں سے محروم کر دیا ہے؟ کیا ہمارے اوپر پہرے لگا دیئے گئے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تفکّر نہ کریں؟

قُرآن تو اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ تفکّر کرو۔ اشیائے کائنات کی ماہیّت میں ڈوب جاؤ اور دیکھو کہ کائنات کی اشیاء میں اللہ تعالیٰ کی کون کون سی صِفات کام کر رہی ہیں۔ رسُول اللہ ﷺ کی اُمّت کی حیثیت سے اُمّت مسلمہ پر لازم ہے کہ غور و فکر کی تعلیمات اور سنّت پر عمل پیرا ہو کر شعوری ارتقاء اور ذہنی وسعت حاصل کرے۔ غار حرا کی سنّت اُمّت مسلمہ کے لئے اس بات کا پیغام ہے کہ باطن میں موجود انوار و تجلّیات کی روشنیوں کو تلاش کر کے ان کے اندر تفکّر کیا جائے۔

جس قوم سے تحقیق، تلاش اور ایجادات نکل جاتی ہیں وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ عِلم اُمّت مسلمہ کا ورثہ ہے۔ قُرآن یہ بھی کہتا ہے کہ جو قومیں اپنی تبدیلی نہیں چاہتیں وہ زمین پر بوجھ بن جاتی ہیں۔ وہ محکوم اور غلام بن کر زندگی گزارتی ہیں۔ مسلمانوں کا دعویٰ یہ ہے کہ رسُول ﷺ ہمارے ہیں۔ کتاب ہماری ہے۔ اللہ ہمارا ہے اور ہم کائنات پر حاکم بنائے گئے ہیں۔ لیکن آج ہمارا جو حال ہے وہ سب کے سامنے ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

بحیثیت رب اللہ تعالیٰ سب کے رب ہیں۔ بارش جب برستی ہے تو تمام زمین پر برستی ہے کسی مخصوص کھیت پر یا کسی مخصوص کیاری پر یا کسی مخصوص ٹکڑے پر بارش نہیں برستی۔ جس زمین پر کسان ہل چلا دیتا ہے، بیج ڈال دیتا ہے وہاں بیج کی نشوونما ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بحیثیت رب کے تمام عالم کے رب ہیں۔ بحیثیت ربوبیت کے اللہ تعالیٰ کا فیض، اللہ تعالیٰ کے انعامات، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں، اللہ تعالیٰ کے علوم عام ہیں۔ بات وہی ہے کہ جب کوئی قوم کوئی فرد تفکّر کرتا ہے اور اپنی صلاحیتوں کو گہرائی میں استعمال کرتا ہے تو اسے خصوصیت حاصل ہو جاتی ہے۔ بارش کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ زمین کی کوکھ کو جب کسان کھول دیتا ہے یعنی زمین کے اندر میں وہ ایسی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے کہ باہر سے کوئی چیز آئے تو اس میں محفوظ ہو جائے تو بارش کے قطرے گہرائی میں جذب ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں پھول کھلتے ہیں، پھل لگتے ہیں، سایہ دار درخت اُگتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک قانون ہے۔ جب تک کوئی قوم کوئی فرد اپنے اندر کے اندر داخل ہو کر اپنی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو نہیں کریدتا وہ صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ سائنس دانوں نے MATTER یا مادہ کے اندر تفکّر کیا۔ اپنے ذہن کی گہرائی سے مادہ کی گہرائی کو تلاش کر کے اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی صفات کے چھپے ہوئے پرت کو ادھیڑا تو نتیجے میں اس ایک شئے کی طاقت کو حاصل کر لیا۔ یہ ایک مربوط نظام ہے جو ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گا۔ جتنے پیغمبرؑ تشریف لائے سب نے یہ بات نوعِ انسانی کے ذہنوں میں نقش کرنے کی کوشش کی کہ آدم زاد ایک طرف گوشت پوست کے وجود میں قید ہے اور دوسری طرف اس کے اندر ایسی صلاحیتیں چھپی ہوئی ہیں جو بیدار ہو جائیں تو کائنات اس کے لئے مسخر ہو جاتی ہے جب تک قوم اختلافی اور لایعنی باتوں کو چھوڑ کر تفکّر اور تحقیق کو اپنا شعار نہیں بنائے گی اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر نہیں کرے گی، نہ اس دنیا میں عزّت و احترام حاصل کر پائے گی نہ اُس دنیا میں۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "صدائے جرس" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب 9 کروڑ میل، صفحہ نمبر 152

2۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 65، صفحہ نمبر 78

3۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 211، صفحہ 153

4۔ کتاب "توجیہات" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع ترقی اور تنزل، صفحہ 171 تا 173

5۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 235، صفحہ نمبر 165

6۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 54، صفحہ نمبر 67

7۔ کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، باب خواب اور زندگی، صفحہ نمبر 258 تا 259

8۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 219، صفحہ نمبر 157

9۔ کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، باب رُوحانی شعور، صفحہ نمبر 206 تا 207

10۔ کتاب "ذات کا عرفان"، از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب مسلمان اور تسخیر کائنات، صفحہ نمبر 212 تا 215

11۔ کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، باب رُوحانی شعور، صفحہ نمبر 207 تا 209

Marfat.com

موضوع 35/84

حقوقِ نسواں

WOMEN RIGHTS

سُوْرَۃُ النِّسَآءِ (WOMEN)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ۝۱

ترجمہ: لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا یعنی اوّل اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت پیدا کر کے روئے زمین پر پھیلا دیئے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو اور قطع رحمی سے بچو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

O mankind! Be careful of your duty to your Lord Who created you from a single soul and from it created its mate and from them twain hath spread abroad a multitude of men and women. Be careful of your duty toward Allah in Whom ye claim (your rights) of one another, and toward the wombs (that bare you). Lo! Allah hath been a atcher over you.

خواتین کے حقوق:

مفہوم یہ ہے کہ مرد اور عورت ایک ہی چشمہ کی دو نہریں ہیں۔

اسلام سے قبل عورتوں کی حیثیت یہ تھی کہ مرد اسے اپنی میراث سمجھتا تھا۔ عورت کی رضامندی یا مشورے کا کوئی تصوّر نہیں تھا۔ مرد جہاں چاہے عورت کو فروخت کر دیتے تھے۔

اسلام نے عورت کا مردوں کی میراث ہونے کے تصوّر کو ختم کر دیا۔ قرآنی احکامات کے مطابق قیامت کے دن مرد اور عورت یکساں ہونگے۔ جزا یا سزا سب کو ان کے اعمال کے مطابق ملے گی۔

Marfat.com

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر اور اس لئے کہ خرچ کئے انہوں نے اپنے مال۔

(سورۃ النساء، پارہ 5، آیت 34)

اِسلام نے مرد کو جو برتری دی ہے وہ صرف اس لئے ہے کہ مرد کو خاندان کا سربراہ و کفیل بنایا گیا ہے۔ وہ بھی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جسمانی طور پر عورتوں سے زیادہ طاقت دی ہے۔ لیکن بہت سے حالات میں عورت وہ کچھ کرتی ہے جو مرد نہیں سکتا۔ مثلاً نو مہینے بچے کو پیٹ میں غذا فراہم کرنا۔ پیدائش کے بعد سوا دو سال تک دودھ پلانا۔ بزرگ خواتین و حضرات تسلیم کرتے ہیں کہ ایک بچے کا کام چار بڑے آدمیوں کے برابر ہوتا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾

اور ہم نے اِنسان کو جسے اسکی ماں تکلیف پر تکلیف سہہ کر پیٹ میں اُٹھائے رکھتی ہے پھر اسکو دودھ پلاتی ہے اور آخر کار دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے میں نے تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی کہ تمکو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

(سورۃ لقمان، پارہ 21، آیت 14)

اِسلام نے عورت کو حق دیا کہ وہ انفرادی طور پر کاروبار اور معاشرتی روابط قائم کر سکتی ہے۔ جائیداد رکھ سکتی ہے۔ غرض ہر وہ کام کر سکتی ہے جو مرد کر سکتا ہے۔ صحابیاتؓ اور دیگر معروف مسلمان خواتین کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے ملازمت، کاروبار، زراعت، تبلیغ، طب، فوج اور دیگر تمام شعبوں میں آزادانہ کام کیا ہے۔

دورِ جاہلیت میں عورت کو کمزور، لاغر، بیوقوف اور ناقص العقل کہا جاتا تھا اور شادی کے معاملے میں والدین یا ولی کی رضامندی ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اِسلام نے جہاں ماں باپ کی وراثت اور زندگی کے دیگر شعبوں میں عورت کے حقوق متعین کئے ہیں وہاں شادی جیسے اہم مسئلے پر بھی اس کی رائے اور رضامندی کو نظر انداز نہیں کیا۔ اگر ایک عاقل اور بالغ لڑکی برضا و رغبت شادی کے لئے رضامند نہ ہو تو شادی نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کنواری عورت سے نکاح کے معاملے میں اجازت حاصل کی جائے اگر دریافت کرنے پر وہ خاموش رہے تو اسی کو اس کی اجازت سمجھا جائے اور اگر انکار کرے تو اس پر جبر نہیں کرنا چاہئے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک کنواری لڑکی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا ہے وہ اس نکاح سے ناخوش ہے۔ آپ ﷺ نے اسے نکاح ختم کرنے کا اختیار دے دیا۔ (ابوداؤد)

حضرت خنساء بنتِ خدامؓ کہتی ہیں کہ وہ بیوہ تھیں ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا وہ اس نکاح سے ناخوش تھیں۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے متعلق عرض کیا۔ آپ ﷺ نے وہ نکاح رد کر دیا۔ (بخاری)

Marfat.com

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بریرہؓ کا شوہر ایک نحیف سیاہ فام غلام تھا۔ وہ مدینہ کی گلیوں میں روتا ہوا بریرہؓ کے پیچھے پیچھے پھرتا تھا، آنسوؤں سے اس کی داڑھی بھیگ جاتی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے ایک روز فرمایا:

"عباسؓ! کیا تمہیں اس پر تعجب اور حیرت نہیں ہے کہ مغیث، بریرہ کو چاہتا ہے اور بریرہ اس سے نفرت کرتی ہے؟"

پھر آپ ﷺ نے بریرہ سے فرمایا:

"بریرہ! کاش تو رجوع کر لیتی" یعنی مُغیث سے دوبارہ نکاح کر لیتی۔

بریرہؓ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ مجھے حکم دیتے ہیں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "میں حکم نہیں دیتا سفارش کرتا ہوں۔"

بریرہؓ نے عرض کیا: "مجھے اس کی ضرورت نہیں۔" (بخاری)

زمانہ جاہلیت میں مرد کھڑے کھڑے تین دفعہ طلاق کے الفاظ کہہ کر اپنی بیوی کو علیحدہ کر دیتا تھا۔ اِسلام نے اس طریقے کو ختم کر کے ایک لائحہ عمل بنایا کہ میاں بیوی کے درمیان جھگڑے کی صورت میں دونوں کے خاندانوں میں سے ایک ایک ثالث مقرر کیا جائے۔ اور وہ ان میں صلح کرانے کی کوشش کریں۔ اگر کامیاب نہ ہوں تو پھر تین وقفوں سے طلاقیں دی جائیں۔

اِسلام نے طلاق کی اجازت شدید ضرورت میں دی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ کے نزدیک حلال اعمال میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل طلاق ہے۔" (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

حضرت محمود بن لبیدؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں۔ آپ ﷺ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

"کیا خدا کی کتاب کے ساتھ کھیل کرتے ہو؟ حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔" (نسائی)

"عورت کو طلاق نہ دو کیونکہ اللہ ایسے مردوں کو پسند نہیں کرتا جو بھونرے کی طرح پھول پھول کا مزہ چکھتے پھریں۔" (الفصاحت)

شیطان اپنے گروہ میں سب سے اچھا اسے مانتا ہے جو میاں بیوی میں تفریق کرا دے۔ (مشکوٰۃ)

Marfat.com

موضوع 84/ 36

نفسِ واحدہ

سُوْرَۃُ النِّسَآءِ (WOMEN)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہیں تخلیق کیا ہے نفس واحدہ سے۔

(Lord) Who created you from Nafsin Wahida

نسبتِ وحدت:

اللہ تعالیٰ جب تخلیق کا تذکرہ فرماتے ہیں اور اپنی خالقیت کا اعلان کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں" وہی ہے جس نے تمہیں تخلیق کیا ہے نفس واحدہ سے" ۔ تصوف میں اسکا اِصطلاحی نام نسبت وحدت ہے اور اس کو ایک نقطہ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جس میں تمام کائنات بند ہے۔

بادی النظر ہم غور کرتے ہیں کہ نفس واحدہ کیا چیز ہے تو عام طرزوں میں یہ کہہ دیا جاتا ہے نوع انسانی آدم سے پیدا ہوتی ہے یعنی نفس واحدہ سے مراد آدم ہے۔ یہ طرزِ فکر یا تاویل درست نہیں اس لئے کہ جب آدم کا تذکرہ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق آدم کا پتلا سڑی مٹی سے تخلیق ہوا حقیقت میں نفس واحدہ جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ کہ ہم نے تمہیں نفس واحدہ سے تخلیق کیا ہے وہ نقطہ ہے جو ساری کائنات کی بنیاد ہے اور اس نقطہ میں کائنات کا ایک ایک ذرہ ریکارڈ ہے کوئی چیز اس سے باہر نہیں ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ آدمی اپنے اندر موجود اس نقطہ سے واقف ہو جائے اور اس کی نگاہ اس نقطہ کے اندر کام کرنے لگے۔

اسی نقطہ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، "جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا"۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اور حضور اکرم ﷺ کے ارشاد پر تفکر کیا جائے تو اس کے معانی اور مفاہیم اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ ہمارے سامنے آتے ہیں اور ہم ان دونوں میں باہمی ربط موجود پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے تمہیں تخلیق کیا نفس واحدہ سے اور مشکل یہ آن پڑی ہے کہ جب عرفان نفس کا کوئی مسئلہ سامنے آتا ہے تو ہم ان قرآنی آیات کو جس میں عرفان نفس کے متعلق واضح اور روشن ہدایات موجود ہیں متشابہات کہہ کر گزر جاتے ہیں، حالانکہ اس کتاب میں کسی قسم کے شک کی کوئی گنجائش نہیں خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ کتاب میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ان لوگوں کو ہدایت بخشتی ہے جو متقی ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں

Marfat.com

یعنی غیب ان کے مشاہدے میں ہوتا ہے ان حضرات کی ایک تعریف یہ بھی ہے کی ان کی عام طرز فکر یہ ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں یہ بات ہمارا یقین ہے یعنی یہ بات ہمارے مشاہدے میں ہے کہ ہر بات، ہر کام، ہر عمل، ہر حرکت خواہ وہ ابتدا ہو یا انتہا ظاہر ہو یا چھپی ہوئی سب اللہ کی طرف سے ہے مطلب یہ کہ کسی چیز کے عمل درآمد ہونے میں براہ راست اللہ تعالیٰ کی مشیت کا عمل دخل ہے۔

لطائف:

اس سے پہلے کہ یہ تشریح کی جائے کہ لطیفہ کیا ہوتا ہے اور روح اور لطیفہ میں کیا ربط ہوتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ زندگی کی تشریح بیان کی جائے۔ جس علم میں کائنات اپنی ہر شکل وصورت میں موجود تھی اللہ تعالیٰ کے اس علم کو واجب یا علم القلم کہتے ہیں۔ علم القلم کو ذات کا عکس بھی کہتے ہیں۔ ذات کا عکس اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ علم واجب کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفات ایک قدم اور تنزل کرتی ہیں تو علم واقعہ بن جاتی ہیں۔ یہ وہ عالم کہلاتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے ظہور تخلیق کا ارادہ فرمایا اور لفظ "کن" کہہ کر اپنے ارادے کو کائنات کی شکل و صورت بخشی۔ دراصل ارادہ ہی ازل کی ابتداء کرتا ہے۔

ازل کے ابتدائی مرحلے میں موجودات ساکت و صامت ہیں موجودات کی شکل کو روحانیت کی زبان میں علم وحدت، کلیات یا علم لوحِ محفوظ کہتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ موجودات کا سکوت ٹوٹے اور حرکت کا آغاز ہو تو اللہ تعالیٰ نے موجودات کو مخاطب کر کے ارادہ فرمایا۔ الَستُ بِربِّکُم۔ یہ پیغام سن کر موجودات کا ہر فرد متوجہ ہو گیا اور اس میں شعور پیدا ہو گیا اور اس شعور نے "بلیٰ" کہہ کر اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اعتراف کر لیا۔ یہ عالم واقعہ کی پہلی شکل تھی۔ اشیاء (موجودات) میں جب حرکت کی ابتدا ہوئی تو عالم واقعہ کی دوسری شکل میں آغاز ہو گیا۔ اس ہی شکل کو عالم مثال یا "عالم جو" کہتے ہیں۔

درج بالا تشریح سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مخلوق کی ساخت میں روح کے تین حصے ہیں۔

انسان کے اندر کائنات

ذات انسانی کے اندر ایک نقطہ ہے، اور یہ نقطہ کائنات کی مائیکرو فلم ہے۔ اس نقطہ کو جب پھیلنے اور نشر ہونے کا موقع دیا جاتا ہے تو ساری کائنات دماغ کی سکرین پر فلم بن کر متحرک ہو جاتی ہے۔

اس نقطہ کی ایک بھرپور مثال برگد کے درخت کے بیج سے دی جاسکتی ہے۔ برگد کا بیج خشخاش کے دانے سے بھی چھوٹا ہوتا ہے۔ جب زمین کی کوکھ ایک خاص PROCESS کے تحت اس کو حرارت پہنچاتی ہے تو بیج کے اوپر کا پرت اتر جاتا ہے اور اندر سے برگد کا درخت نمودار ہو جاتا ہے پھر اس درخت کی جسامت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اس کے نیچے بارات تک ٹھہر جاتی ہیں اور اس کی وسعت پھر بھی برقرار رہتی ہے۔ جب خشخاش سے چھوٹے دانے میں برگد کا درخت چھپا ہوا تھا تو انسان جو اشرف المخلوقات ہے، اس کے اندر کیا کچھ نہیں چھپا ہو گا؟ فیضان قدرت عام ہے۔ جب کچھ چاہا جاتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ قدرت انسان کی رہنمائی میں ہر لمحہ اور ہر آن مصروف عمل ہے۔ جب ہم ایٹم تلاش کر سکتے ہیں، آواز کی لہروں کو پوری دنیا میں منتشر کر سکتے ہیں، مائیکرو فلم کی تحقیق کر سکتے ہیں تو اپنے اندر اس نقطہ سے بھی وقوف حاصل کر سکتے ہیں جس کے اندر برگد کے بیج کی طرح پوری کائنات ریکارڈ ہے۔

Marfat.com

1۔ رُوحِ اعظم

2۔ رُوحِ اِنسانی

3۔ رُوحِ حیوانی

روح اعظم

رُوحِ اعظم عِلم واجب (علم القلم) کے اجزا سے مرکّب ہے۔ رُوح اِنسانی علم وحدت (علم لوحِ محفوظ) کے اجزاء سے بنتی ہے۔ رُوح حیوانی "جو" (عالم مثال) کے اجزاء ترتیبی پر مشتمل ہے۔

روح انسانی روح حیوانی

رُوحِ اعظم کی ابتدا لطیفہ اخفیٰ اور انتہا لطیفہ خفی ہے۔ یہ روشنی کا ایک دائرہ ہے جس میں کائنات کی تمام غیب کی معلومات نقش ہوتی ہیں۔ یہ وہی معلومات ہیں جو ازل سے ابد تک کے واقعات کے متن حقیقی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس دائرے میں مخلوق کی مصلحتوں اور اسرار کا ریکارڈ محفوظ ہوتا ہے۔ اس دائرے کو تصوف کی زبان میں ثابتہ اور عام زبان میں تحت لاشعور کہتے ہیں۔

رُوحِ اِنسانی کی ابتدا لطیفہ سری ہے اور انتہا لطیفہ رُوحی ہے یہ بھی روشنی کا ایک دائرہ ہے اس دائرے میں وہ احکامات نقش ہو رہے ہیں جو زندگی کا کردار بنتے ہیں۔ اس دائرے کا نام اعیان ہے۔ عام زبان میں اسے لاشعور بھی کہا جاتا ہے۔

تیسرا حصّہ رُوحِ حیوانی کی ابتدا لطیفہ قلبی اور انتہا لطیفہ نفسی ہے۔ یہ روشنی کا تیسرا دائرہ ہے۔ اس کا نام "جوّیہ" ہے۔ عمومی لفظوں میں اسے شعور بھی کہا جاتا ہے۔

روشنی کے یہ تینوں دائرے تین اوراق کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہوتے ہیں۔ ان کا مجموعی نام رُوح، امر ربی، جزو لاتجزیٰ یا اِنسان ہے۔ لطیفہ اس شکل وصورت کا نام ہے جو اپنے خدوخال کے ذریعے معنی کا انکشاف کرتا ہے۔ مثلاً شمع کی لو ایک ایسا لطیفہ ہے جس میں اجالا، رنگ اور گرمی تینوں ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں (ان کی ترتیب سے ایک شعلہ بنتا ہے جو نظر آنے کی ایک شکل کا نام ہے) ان تین اجزاء سے مل کر دکھائی دینے والی شکل کا نام شعلہ رکھا گیا ہے۔ یہ شعلہ جن اجزا کا مظہر ہے ان میں سے ہر جزو کو ایک لطیفہ کہیں گے۔

لطیفہ نمبر 1 شعلہ کا اجالا ہے۔

لطیفہ نمبر 2 شعلہ کا رنگ ہے۔

لطیفہ نمبر 3 شعلہ کی گرمی ہے۔

ان تینوں لطیفوں کا مجموعی نام شمع ہے جب کوئی شخص لفظ شمع استعمال کرتا ہے تو معنوی طور پر اس کی مراد تینوں لطیفوں کی یکجا صورت ہوتی ہے۔

اسی طرح اِنسان کی رُوح میں چھ لطیفے ہوتے ہیں جس میں

Marfat.com

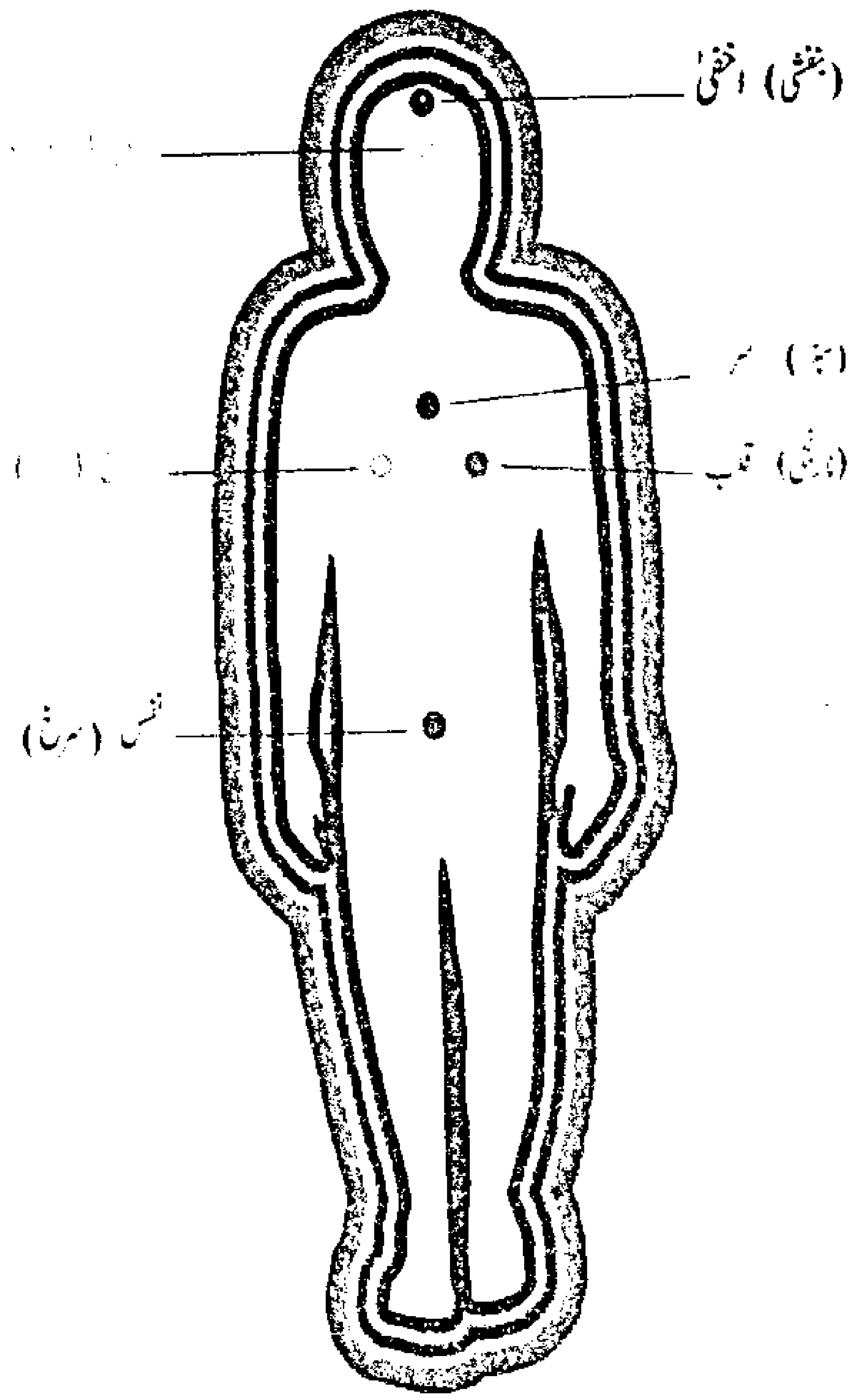

پہلا لطیفہ اخفیٰ ہے۔

دوسرا لطیفہ خفی ہے۔

تیسرا لطیفہ سرّی ہے۔

چوتھا لطیفہ رُوحی ہے۔

پانچواں لطیفہ قلبی ہے اور

چھٹا لطیفہ نفسی ہے۔

ان چھ لطیفوں کا مجموعی نام رُوح یا اِنسان یا امر ربی کہلاتا ہے۔

لطائف کی تفصیل:

یہ بات سامنے آچکی ہے کہ کائنات میں موجود ہر شے لہروں کے تانے بانے پر قائم دائم ہے اور یہ لہریں نُور کے اوپر قائم ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق زمیں و آسمان اللہ کا نُور ہیں تخلیق کی ایک حیثیت نُورانی ہے دوسری حیثیت روشنی ہے ان لہروں اور تخلیق کے نُورانی وصف کو تلاش کرنے کے لئے اہل اللہ نے اِنسانی شعور کی مناسبت سے قاعدے اور ضابطے بنائے ہیں اور ایک نقطہ کو چھ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ ایک سالک آسانی سے سمجھ سکے۔

اس نقطے کے چھ حصوں کو تصوّف میں لطائف ستہ یعنی چھ لطیفے کہا گیا ہے۔

مخلوقات میں لطائف کی تعداد

ہر مخلوق میں تخلیقی امور کے اعتبار سے الگ الگ لطائف ہیں۔

نمبر شمار	مخلوق	لطائف کی تعداد
1	جنّات	5
2	ملائکہ	4
3	اجرام سماوی	3
4	حیوانات	2
5	جمادات اور نباتات	1
6	انسان	6

Marfat.com

لطائف نام اور رنگ:

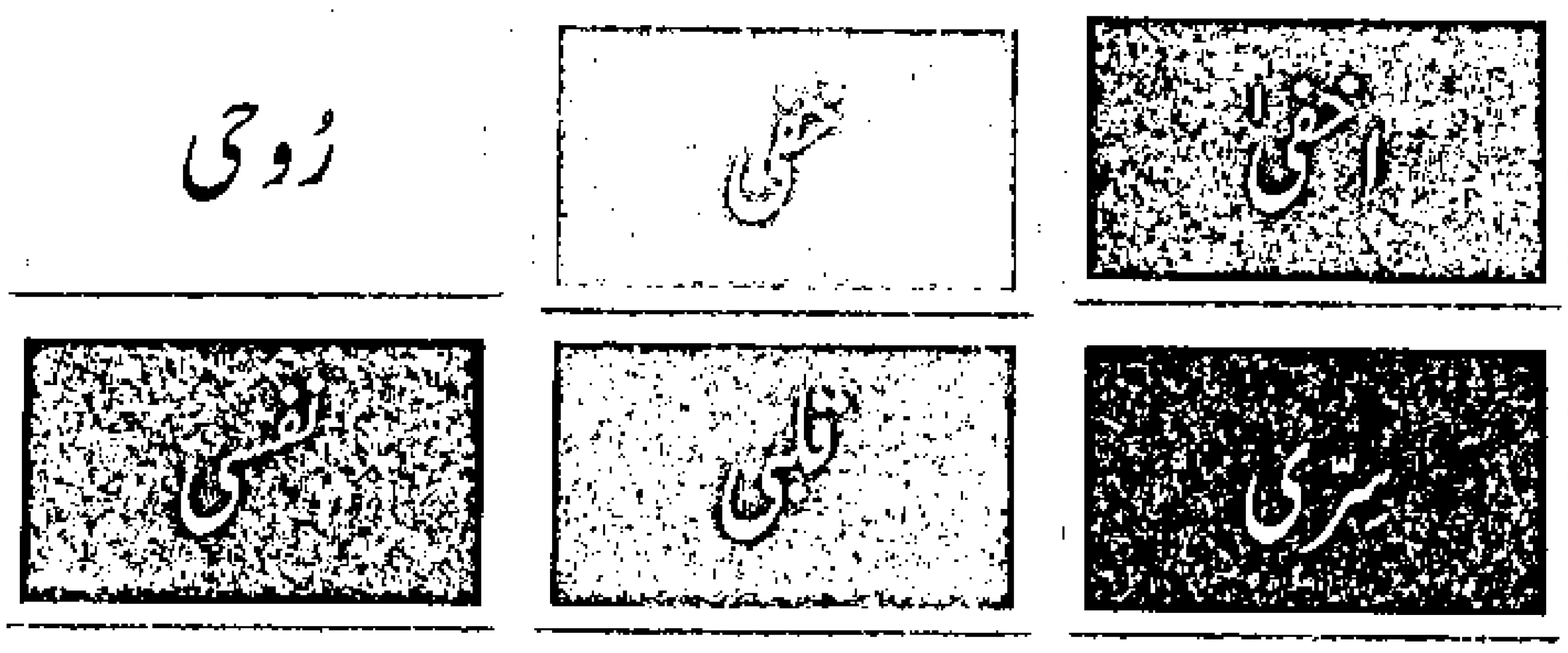

1۔ اخفیٰ (بنفشی Purple)

2۔ خفی (نیلگوں Blue)

3۔ رُوحی (زرد Yellow)

4۔ سرّی (سبز Green)

5۔ قلبی (نارنجی Orange)

6۔ نفسی (سرخ Red)

فرشتوں کے 4 لطائف یہ ہیں:

1۔ رُوحی　　2۔ سرّی　　3۔ قلبی　　4۔ خفی

جنّات کے 5 لطائف یہ ہیں:

1۔ نفسی　　2۔ قلبی　　3۔ رُوحی　　4۔ سرّی　　5۔ خفی

اجرام سماوی کے 3 لطائف یہ ہیں:

1۔ رُوحی　　2۔ سرّی　　3۔ قلبی

حیوانات کے 2 لطائف یہ ہیں:

1۔ رُوحی　　2۔ سرّی

جمادات اور نباتات ایک لطیفہ "لطیفہ نفسی" کی مخلوق ہیں

چار نہریں:

اِنسانی 6 لطائف کو 4 نہریں سیراب کرتی ہیں:

نہر تسوید، نہر تجرید، نہر تشہید، نہر تظہیر

نہر تسوید:

نہر تسوید کا نزول لطیفہ اخفیٰ میں ہوتا ہے۔

نہر تجرید:

نہر تجرید کا نزول لطیفہ سرّی میں ہوتا ہے۔

Marfat.com

نہر تشہید:

نہر تشہید کا نزول لطیفہ قلبی میں ہوتا ہے۔

نہر تطہیر:

نہر تطہیر کا نزول لطیفہ نفسی میں ہوتا ہے۔

پہلا لطیفہ جس کو اخفیٰ کا نام دیا گیا ہے ہر انسان کے اندر نقطہ واحدہ ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جو اللہ کا گھر ہے جس میں اللہ بستا ہے جس نقطہ کے اوپر براہ راست اللہ کی تجلّیات کا نزول ہوتا ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جس کے اندر داخل ہو جانے سے اِنسان کائنات کے اندر جاری و ساری نظام میں داخل ہو جاتا ہے اور کائنات کے اوپر اس کی حکومت قائم ہو جاتی ہے۔

لطیفہ اخفیٰ اور لطیفہ خفی کے دائرے کو رُوح اعظم، نُور مطلق، نسمہ مطلق، ثابتہ کہتے ہیں۔

لطیفہ اخفیٰ:

لطیفہ اخفیٰ کا مقام سر کے درمیان میں ہے۔ لطیفہ اخفیٰ کا رنگ بنفشی PURPLE ہے۔

لطیفہ خفی:

لطیفہ خفی کا رنگ نیلا BLUE ہے۔ لطیفہ خفی کا مقام دونوں ابروؤں کے درمیان پیشانی پر ہے۔ رُوحِ اعظم (خفی، اخفیٰ) کو نہر تسوید ہر لمحہ سیراب کرتی رہتی ہے۔ رُوحِ اعظم سے واقف بندہ اللہ تعالیٰ کی تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار تجلّیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ لطیفہ اخفیٰ میں علم الٰہی کی اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں اور اسرار و رموز کا ریکارڈ ہوتا ہے انہیں لطیفہ خفی کی روشنی میں پڑھا جا سکتا ہے۔ رُوحِ اعظم کو اپنے پیر و مرشد کی نظر کرم کی طرز پر متحرک کیا جا سکتا ہے۔

لطیفہ اخفیٰ + لطیفہ خفی = رُوحِ اعظم، نُور مطلق، نسمہ مطلق یا ثابتہ

لطیفہ سرّی:

لطیفہ سرّی کا مقام سینے کے دائیں طرف ہے۔ لطیفہ سرّی کا رنگ سبز ہے۔ لطیفہ سرّی میں فرد کے مطلق احکامات لوحِ محفوظ کے تمثلات کی شکل میں محفوظ ہوتے ہیں۔ لطیفہ سری کے متحرک ہونے پر بندے کی نظر عالم مثال پر پڑتی ہے۔

لطیفہ رُوحی:

لطیفہ رُوحی کا رنگ زرد YELLOW ہے۔ لطیفہ رُوحی سے متعارف کو عالم اعراف کا شعور حاصل ہو جاتا ہے۔ لطیفہ سری اور لطیفہ رُوحی کے دائرے کو رُوحِ اِنسان، نور مُرکّب، نسمہ مفرد، اعیان (عین) کہتے ہیں۔ رُوحِ اِنسانی (لطیفہ سرّی + لطیفہ رُوحی) کو نہر تجرید ہر لمحہ سیراب کرتی ہے۔

Marfat.com

لطیفہ سرّی + لطیفہ رُوحی = رُوحِ انسانی (نسمہ مفرد اور عین)

لطیفہ قلبی:

لطیفہ قلبی کا مقام دل ہے۔ لطیفہ قلبی کا رنگ نارنجی ORANGE ہے۔ لطیفہ قلبی میں انسان اپنے اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے ان اعمال کو لطیفہ نفسی کی روشنی میں پڑھا جاتا ہے۔ لطیفہ قلبی متحرک ہونے سے انسان جنّات سے متعارف ہو جاتا ہے۔

لطیفہ نفسی:

لطیفہ نفسی کا مقام ناف سے ذرا نیچے ہے۔ لطیفہ قلبی کو نہر تشہید سیر اب کرتی ہے۔ مراقبہ کے ذریعہ لطیفہ نفسی کی روشنیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ لطیفہ قلبی اور لطیفہ نفسی کے دائرے کو رُوحِ حیوانی، نسمہ مُرکّب، جوّیہ کہتے ہیں۔

لطیفہ نفسی + لطیفہ قلبی = رُوحِ حیوانی، نسمہ مُرکّب، جوّیہ

دوسرا اطلاق رُوح کی وہ روشنی ہے جس کے ذریعے تمثیلات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ تصوّف کی زبان میں دونوں اطلاق کا مجموعی نام "تدلّی" ہے۔ تدلّی دراصل اسمائے الٰہیہ اللہ تعالیٰ کی وہ صفات ہیں جو ذات کا عکس بن کر تنزل کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ یہی صفات موجودات کے ہر ذرے میں تدلّی بن کر محیط ہوتی ہے۔

پانچ لطیفوں کو چھوڑ کر آخری چھٹا لطیفہ جس کو اخفیٰ کا نام دیا گیا ہے ہر انسان کے اندر نفس واحدہ ہے یہی وہ نقطہ ہے جس میں داخل ہونے کے بعد کائنات صحیح معنوں میں انسان کے لئے تسخیر ہو جاتی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد سمجھ لیتا ہے کہ "ہم نے مسخر کر دیا سب کا سب تمہارے لئے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں"۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب تمہارا محکوم ہے اور تم اس کے حاکم ہو اس ارشاد کی مزید تفصیل یہ سامنے آتی ہے کہ ہم نے تمہارے لئے سورج کو مسخر کیا، چاند کو مسخر کیا، ستاروں کو مسخر کیا، مسخر ہونے سے یہ مطلب نکالا جاتا ہے کہ چاند اور سورج کو اللہ تعالیٰ نے ایک ڈیوٹی تفویض کی ہے اور یہ بات ان کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ مخلوق کی خدمت کریں چاند ہو، سورج ہو، ستارے ہوں، نباتات ہوں یا جمادات پانی ہو یا گیس چرند ہوں یا پرندے انسان کی خدمت گزاری میں مصروف ہیں یہ سب مسخر ہونے کی تعریف میں نہیں آتا۔

مسخر ہونا کسی چیز پر حاکمیت قائم ہونے کے معنی رکھتا ہے کہ اس چیز پر تصرّف کیا جا سکے موجودہ صورت یہ کہ انسان چاند اور سورج کے تصرّف میں زندگی بسر کر رہا ہے اگر چاند سورج تصرّف ختم کر دیں تو زمین کا وجود باقی نہ رہے مثلاً ہم دھوپ کے محتاج ہیں ہم اس بات کے بھی محتاج ہیں کہ چاند اپنی روشنی سے ہماری فصلوں کو پروان چڑھائے۔ ہمیں چاند اور سورج پر کوئی حاکمیت حاصل نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت:

خیال کو مظہر بننے کے لئے تین دائروں میں سفر کرنا پڑتا ہے۔ ان تین دائروں کے نام درج ذیل ہیں:

1۔ دائرہ اول ثابتہ

Marfat.com

2۔ دائرہ دوم اعیان

3۔ دائرہ سوم جویہ

دائرہ اول "ثابتہ" کا اصطلاحی نام ← روحِ اعظم

دائرہ دوم "اعیان" کا اصطلاحی نام ← روحِ انسانی

دائرہ سوم "جویہ" کا اصطلاحی نام ← روحِ حیوانی

کوئی علم ان تین دائروں سے گزرے بغیر علم نہیں بنتا۔ جب سالک ان تین دائروں کے اندر داخل ہو جاتا ہے تو اس کے اندر روح کی صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ اور جس جس مناسبت سے یہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں اسی مناسبت سے وسعت بڑھتی جاتی ہے۔ اندر کی آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے اور جس جس مقام پر سفر کرتی ہے حضور قلندر بابا اولیاء نے اس کو چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا حصہ کشف الجو ہے۔ کشف الجو ایسی صلاحیت ہے جب بیدار ہو جاتی ہے تو سالک کو اس بات کا شعور حاصل ہو جاتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی نسبت حاصل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت حاصل ہونا نسبت وحدت ہے۔ نسبت کے معنی یہ ہیں کہ سالک کو ایک مخصوص طرز فکر حاصل ہو جائے۔ مثلاً بندہ یہ جان لے سمجھ لے اور اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ میں مخلوق ہوں اور میرا خالق اللہ ہے۔ نسبتوں کی بہت سی اقسام ہیں۔ علمائے باطن نے اٹھارہ نسبتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

نسبت عشق، نسبت سکینہ، نسبت مطمئنہ وغیرہ وغیرہ اس وقت ہمارے پیش نظر نسبت وحدت ہے۔

جب انسان کو اس بات کا یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ ہوں اور اس ذات کے علاوہ دوسری کوئی ذات خالق نہیں ہے تو اس کے ذہن میں پوری کائنات کا ایک تصور ابھرتا ہے۔ بالفاظ دیگر نسبت وحدت کے تحت خالق کائنات اور تخلیق کا نظام اس کے ذہن میں منعکس ہونے لگتا ہے۔ جب کائنات کا اجتماعی نظام ذہن کے اوپر منعکس ہوتا ہے تو تفکر اس طرف رہنمائی کرتا ہے کہ کوئی بساط ہے جہاں پوری مخلوقات موجود ہیں اور تخلیق کائنات کا پورا پروگرام نقش ہے۔ اس کے بعد یہ بات علم میں آ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ اور اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ یہی وہ یقین ہے جس کی بنا پر انسان چاند ستاروں اور اپنی زمین میں الگ ماحول اور زمین کے اوپر موجود دوسری مخلوقات سے متعارف ہوتا ہے۔

نسبت وحدت کے تحت جس کسی بندے کے یقین میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ ہم مخلوق ہیں اور ہمارا بنانے والا اللہ ہے۔ ایسا اللہ جو یکتا ہے اس کا کوئی ہم عصر نہیں ہے تو یقین راسخ ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہو چکا ہے جو کچھ موجود ہے یا جو کچھ آئندہ ہو گا وہ سب "کُن" کے بعد کا مظاہرہ ہے۔

سیدنا حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

"قلم لکھ کر خشک ہو گیا۔"

نسبت وحدت جب گہری ہو جاتی ہے تو دوسری بات ہمارے اوپر منکشف یہ ہوتی ہے کہ کسی بات کو صحیح سمجھنے کے لئے اور اس

Marfat.com

کی تہہ تک پہنچنے کے لئے انسان کا غیر جانبدار ہونا ضروری ہے۔ اگر غیر جانب دار NEUTRAL ذہن نہیں ہو گا تو معنی پہنانے میں مصلحتیں شامل ہو جائیں گی۔

ہر شخص کو دو طرز فکر حاصل ہیں یا ایک ہی طرز فکر کے دو زاویے حاصل ہیں۔ ایک زاویہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات سے الگ ہو کر سوچتا ہے اور دوسرا زاویہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات کو سامنے رکھ کر غور و فکر کرتا ہے۔ جو بندہ اپنی ذات کو سامنے رکھ کر تجسس کرتا ہے یا کسی مسئلہ کو گہرائی میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے اوپر حقائق منکشف نہیں ہوتے اور جو بندہ اپنی ذات سے ماوراء ہو کر یعنی غیر جانبدار ہو کر کسی مسئلہ کی حقیقت کو تلاش کرتا ہے تو اس کے اوپر حقائق منکشف ہو جاتے ہیں۔ نسبت وحدت کے تحت دنیا میں موجود ہر فرد کو یہ صلاحیت ودیعت کی گئی ہے تاکہ کوئی فرد کوئی گروہ کوئی طبقہ کوئی قوم یا کسی بھی مذہب و ملت کا آدمی معاملات کی تفہیم اور صحیح فیصلوں سے استفادہ کر سکے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "یہ تیسرے بندے" از میاں مشتاق احمد عظیمی، باب حضرت امام جعفر صادق روحانی توجیہہ، صفحہ نمبر 33 تا 34

2۔ کتاب "یہ تیسرے بندے" از میاں مشتاق احمد عظیمی، باب حضرت امام جعفر صادق روحانی توجیہہ، صفحہ نمبر 34

3۔ کتاب "احسان و تصوف" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب ظہورِ تجلّیات ربانی، صفحہ نمبر 129 تا 130

4۔ کتاب "یہ تیسرے بندے" از میاں مشتاق احمد عظیمی، باب حضرت امام جعفر صادق روحانی توجیہہ، صفحہ نمبر 34

5۔ کتاب "شرح لوح و قلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب رویا کی صلاحیتیں، صفحہ نمبر 23 تا 24

6۔ کتاب "شرح لوح و قلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب رویا کی صلاحیتیں، صفحہ نمبر 27 تا 28

Marfat.com

موضوع 37/84

حق مہر

سُوْرَۃُ النِّسَآءِ (WOMEN)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۲۰

ترجمہ: اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کرنی چاہو۔ اور پہلی عورت کو مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لینا۔ بھلا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لے لو گے؟

But if you invent to replace a wife by another and you have given one of them a Qintar (of gold i.e. great amount) as Mahr, take not the least bit of it back ; Would you take it wrongfully without a right and (with) a manifest sin?

حق مہر:

اسلام سے قبل عرب میں یہ رواج تھا کہ اکثر لوگ جب اپنی بیویوں کو علیحدہ کرتے تھے تو نہ عورت کو حق مہر دیتے تھے اور نہ ہی خوش اسلوبی سے زخصت کرتے تھے۔ عورت بے یارو مددگار ہو جاتی تھی۔ کوئی اس کا پرسان حال نہ ہوتا تھا۔ اسی لئے معاشرے میں بے حیائی عام ہو گئی تھی۔

اسلام نے جہاں عورت کو دیگر بے شمار حقوق سے نوازا وہاں اس کے ایک حق، حق مہر کے لئے بھی باضابطہ قانون بنایا۔ اس قانون کی رو سے حق مہر کا بنیادی مقصد بیوی کو تحفظ دینا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مہر کی مقدار کے حوالے سے قنطار کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کے لغوی معنی "سونے کے ڈھیر" کے ہیں جسے ہر قیمت پر ادا کرنا فرض ہے۔ اس میں کسی حیلے کی گنجائش نہیں۔

مہر کی رقم کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اگر مہر مؤجل (PAYABLE ON DEMAND) مانگنے پر شوہر، لڑکی کو ادا نہیں کرتا تو ایسی صورت میں لڑکی نہ صرف حقوق زوجیت ادا کرنے سے انکار کر سکتی ہے بلکہ شوہر سے علیحدہ بھی رہ سکتی ہے۔

طلوعِ اسلام سے پہلے لوگ دوسرے مال کی طرح اپنے مرحوم رشتے داروں کی بیویوں کے وارث بن جاتے تھے۔ اگر چاہتے تو بے مہر انہیں اپنی زوجیت میں رکھتے یا کسی اور کے ساتھ شادی کر دیتے اور مہر لے لیتے تھے یا عورت کو قید کر دیتے تھے۔

Marfat.com

ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ نے بر سر منبر فرمایا کہ:

"عورتوں کا مہر زیادہ نہ رکھو۔"

ایک عورت نے کہا کہ:

"اے ابن خطاب !اللہ ہمیں دیتا ہے اور تم منع کرتے ہو۔"

امیر المومنین نے فرمایا:

"اے عمر !تجھ سے ہر شخص زیادہ سمجھدار ہے۔جو چاہو مقرر کرو۔"

سیّدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کا مہر پانچ سو درہم یا اس قیمت کے اونٹ تھے۔حضرت جویریہؓ کا مہر چار سو درہم حضرت ام حبیبہؓ کا چار سو درہم اور حضرت سودہؓ کا مہر چار سو درہم تھے۔اس دور میں ایک اونٹ کی قیمت چار سو درہم تھی اور اونٹ محض دودھ اور گوشت کا ذریعہ نہیں تھا بلکہ بار برداری کے لئے صحرائی جہاز کی حیثیت رکھتا تھا۔

مہر کی رقم کتنی ہونی چاہیئے:

ھدایہ۔جلد اول۔"کتاب الذکوٰۃ المال" میں لکھا ہے کہ دور نبوی ﷺ میں ایک دینار دس درہم کے برابر تھا۔حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت میمونہؓ کا مہر پانچ سو درہم یعنی پچاس دینار تھا۔پچاس دینار، پانچ سو پچھتر 575 گرام سونے کے برابر تھے۔پانچ سو درہم کا مطلب آدھا کلو اور پچھتر گرام سونا ہے۔حضرت خدیجہؓ کا مہر موجودہ دور (اگست، ستمبر 2016) کی مالیت کے مطابق آدھا کلو پچھتر گرام سونا تھا جو پاکستانی زر مبادلہ میں پچیس لاکھ اٹھارہ ہزار پانچ سو2518500 روپے ہے۔حضرت عائشہؓ کا مہر بھی آدھا کلو پچھتر گرام سونا تھا جس کی مالیت پچیس لاکھ اٹھارہ ہزار پانچ سو روپے بنتی ہے۔حضرت میمونہؓ کا مہر بھی پچیس لاکھ اٹھارہ ہزار پانچ سو روپے تھا۔

اللہ کے محبوب نبی مکرم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر، حضرت بی بی فاطمہؓ کا مہر چھ سو درہم تھا۔جس کا وزن آدھا کلو آدھا پاؤ ایک چھٹانک پندرہ گرام (696.65 گرام) سونا بنتا ہے۔اتنے وزن سونے کی مالیت، پاکستانی کرنسی میں، موجودہ دور (اگست، ستمبر 2016) میں تیس لاکھ اکیاون ہزار تین سو ستائیس3051327 روپے ہے۔

حوالہ جات:

1۔ دور نبوی ﷺ کا نظام حکومت۔ترجمہ التر تیب الاداریہ۔علامہ عبد الحیٔ کتانی

2۔ تذکار صحابیات۔تالیف:طالب الہاشمی

3۔ اسلام کے معاشی نظریئے۔ڈاکٹر محمود یوسف الدین

4۔ ابن خلدون

5۔ المحسنات السلطانیہ

6۔ النقود السلامیہ۔تقی الدین احمد المقریزی۔مطبوعہ قسطنطنیہ

Marfat.com

موضوع 84/ 38

قوّامون INCHARGE

سُوْرَۃُ النِّسَآءِ (WOMEN)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ

ترجمہ: شوہر اپنی بیویوں کے قوام ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شوہروں نے اپنے مال خرچ کئے۔

Men are in charge of women, because Allah hath men the one of them to excel the other, and because they spend of their property (for the support of women).

سورہ النساء کی ان آیات کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا جاتا ہے کہ مرد عوتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر افضل بنایا ہے اور اس لئے کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ اس آیت کے تین حصے کئے جاسکتے ہیں:

اول: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ

دوم: بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

سوم: وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ

عربی زبان کے لفظ قوّامون کا اُردو زبان میں ترجمہ حاکم کیا گیا ہے۔ اس آیت میں جہاں ایک کو دوسرے پر فضیلت کا ذکر ہے وہاں صرف یہ مطلب نکالا گیا ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے حالانکہ زندگی میں بے شمار مقامات ایسے آتے ہیں جہاں پر اسلام نے عورت کا رتبہ یہاں تک بڑھادیا ہے کہ مرد اس تک پہنچ ہی نہیں سکتا خاص طور پر جب عورت کا کردار بحیثیت ماں کے زیر بحث آتا ہے۔ عورت کی بحیثیت ماں اس قدر فضیلت بیان ہوئی ہے کہ جنّت کو ماں کے قدموں تلے بتایا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں فضیلت کا ذکر اگر مرد کے لئے سمجھا جائے گا تو یہ مطلق فضیلت نہیں ہے بلکہ مرد کے کسی کردار سے منسلک اور مشروط ہے۔ بصورتِ دیگر اس کا اطلاق مختلف اوقات میں مختلف اِنسانوں یعنی کبھی مرد کبھی عورت پر ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

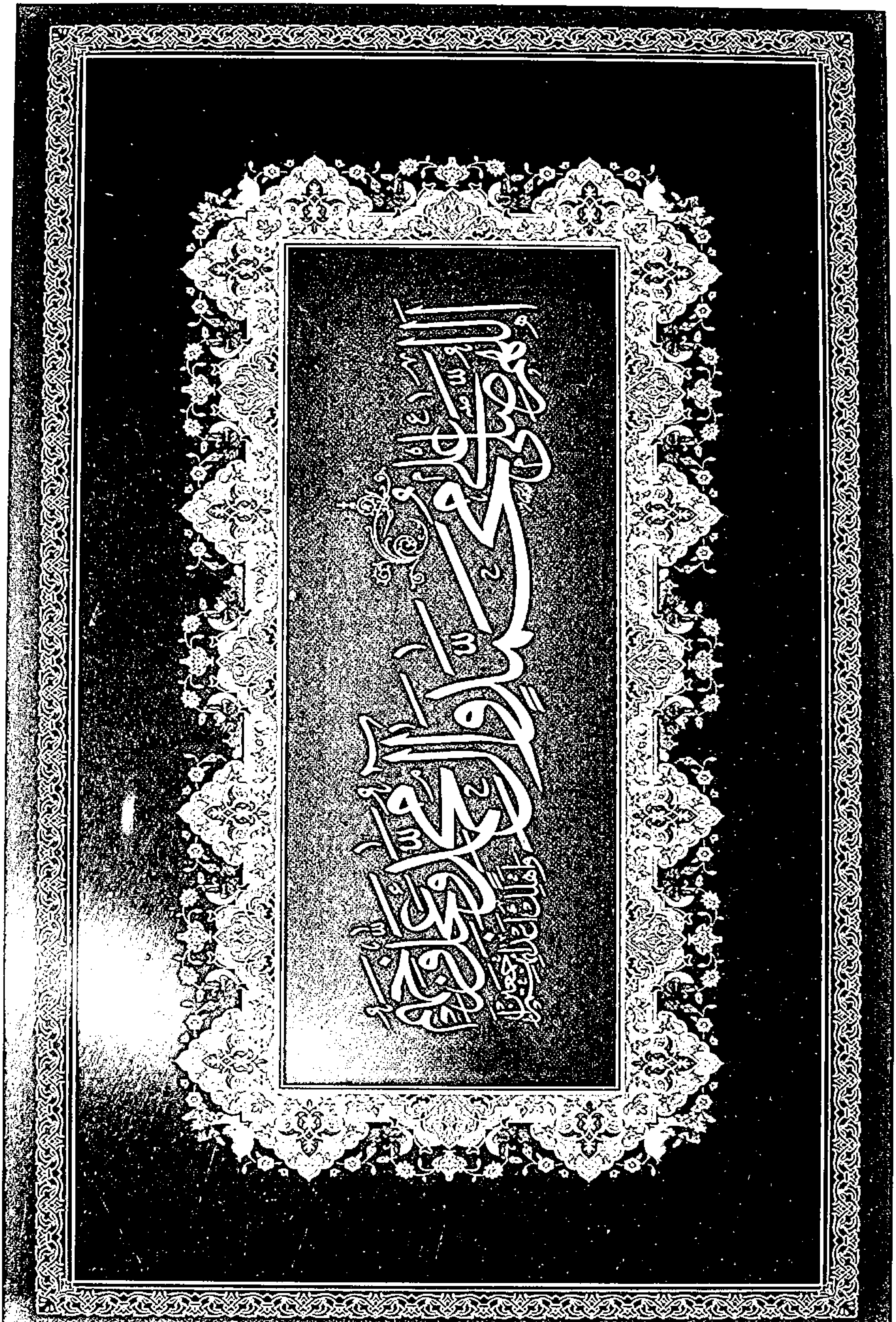

Marfat.com

Marfat.com

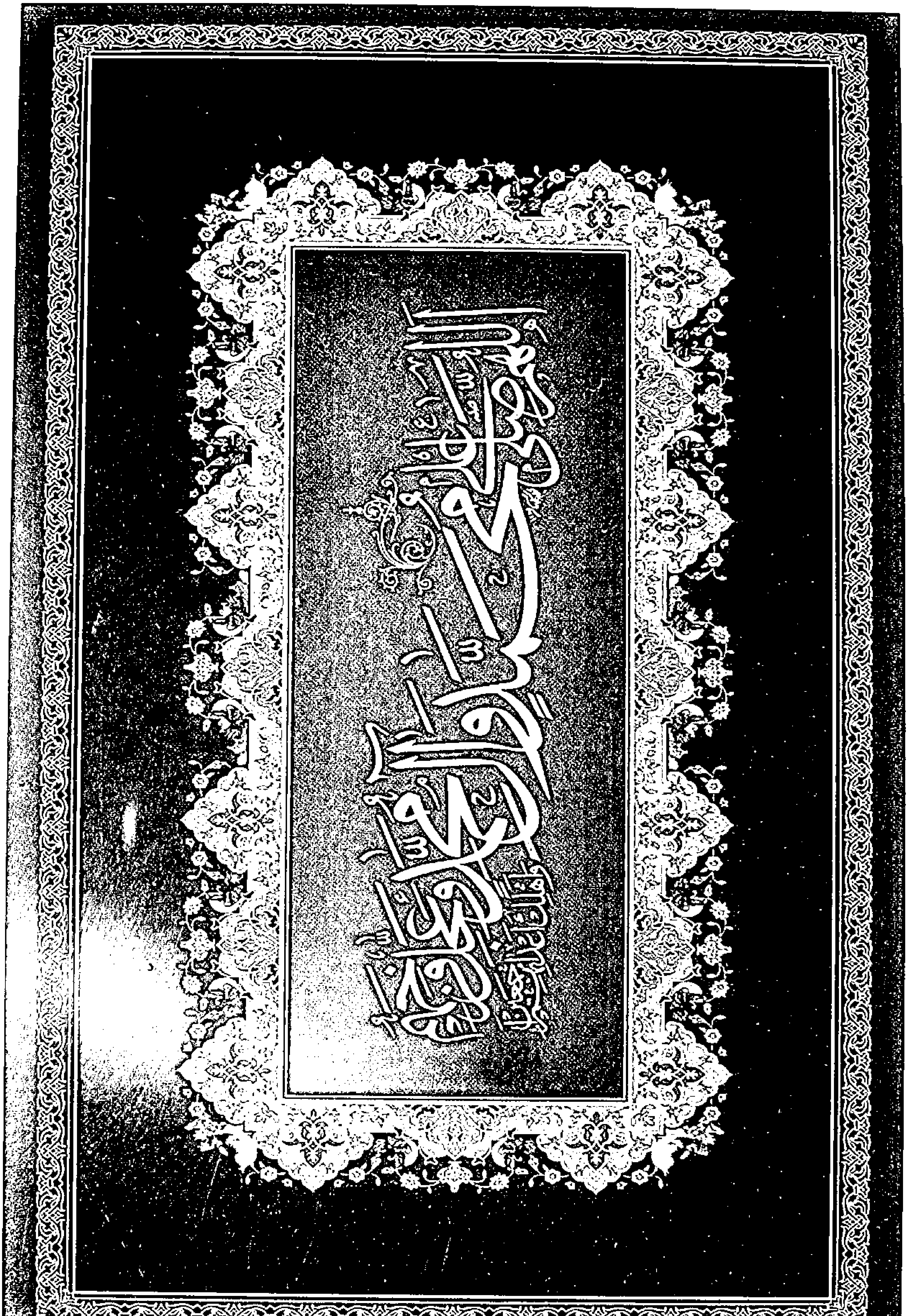

Marfat.com

Marfat.com

اس آیت میں آگے وہ سبب بیان ہو رہا ہے جسے مرد کی فضیلت سے منسلک قرار دیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ مال خرچ کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ پہلے مال پاس ہو۔ مال پاس ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مال کمایا جائے۔ مال کمانے کے لئے گھر سے باہر نکل کر معاشی سرگرمیاں میں حصہ لینا اور جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ چنانچہ مرد گھر کی ضروریات پورا کرنے کے لئے محنت مشقت کر کے مال کما کر لاتا ہے اس طرح اُس کا یہ حق بنتا ہے کہ گھر کے معاملات اس کی رائے یا اس کی مرضی کے مطابق چلائے جائیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر کوئی مرد گھر کی کفالت کے لئے اپنی معاشی ذمہ داریاں پوری نہیں کرنا چاہتا اور مجبوراً اُس کی بیوی، بیٹی یا بہن کو معاش کے حصول کے لئے تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔۔۔۔ تو پھر اس کی فضیلت گھر میں قائم رہے گی؟۔۔۔۔ بعض گھروں میں ایسی صورت حال پیش آسکتی ہے کہ گھر کے کفیل مرد کا انتقال ہو جائے یا وہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر کہیں چلا جائے اور بچوں کی پرورش کی تمام تر ذمہ داری ماں پہ آپڑے۔ اس ماں کے پندرہ سولہ سال کے لڑکے ہوں جو تعلیم حاصل کر رہے ہوں تو کیا ایسے گھر میں سرپرست ماں ہو گی یا مرد ہونے کی وجہ سے اس ماں کے لڑکے گھر کے سرپرست قرار پائیں گے۔۔۔ ظاہر ہے کہ گھریلو معاملات، بچوں کے رشتے ناتوں کا فیصلہ وہ لڑکے نہیں بلکہ ان کی ماں ہی کرے گی۔

اس آیت میں لفظ قوامون کا مطلب حاکم سمجھ لیا گیا ہے جبکہ عربی زبان کی لغت میں قوامون کے معنی ہیں۔ "دوسرے کی ضروریات زندگی پورا کرنے کا ذمہ دار" عربی زبان کی لغت المنجد میں قوام کے یہ معنی بتائے گئے ہیں: بانصرام، قد والا، معاملات کا ذمہ دار اور کفیل معاملات کی ذمہ داری پورا کرنے پر قادر، قوام کی جمع قوامون ہے۔ ان معنی کو سامنے رکھتے ہوئے اس آیت پر غور کیا جائے تو اک بالکل ہی مختلف صورتحال سامنے آتی ہے۔ بجائے اس کے مرد کو عورت پر حاکم قرار دے کر عورت کے درجہ کو مرد سے کم سمجھا جائے یہاں تو عورت کی سہولت کے لئے اس کے حق کی وکالت کی جا رہی ہے۔ گھریلو زندگی کے حوالے سے اس بات کی بہت اہمیت ہے۔ گھر کا نظام چلانا مرد اور عورت کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ بچوں کی پرورش اور نشوونما اور گھر کی دیکھ بھال عورت کے ذمہ ہو تو اخراجات کی فراہمی سے بری الذمہ رہنا اس کے لئے بہتر ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں اپنی بیوی اور بچوں کے لئے اور گھر کے دوسرے زیر کفیل افراد کے لئے معاش کے حصول کے لئے دوڑ دھوپ اور وسائل کی فراہمی مرد کے ذمے قرار دی گئی ہے۔

مرد عورتوں کے لئے ضروریات زندگی فراہم کرنے کے ذمہ دار ہیں اور ایسا کر کے مرد عورت پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ عورت گھر کے اندر کی ذمہ داریاں ادا کر کے اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ اور مرد گھر کے باہر کی ذمہ داریاں ادا کر کے اپنا کردار ادا کرتا ہے۔

اب ان آیات کی ترجمانی اس طرح ہو سکتی ہے کہ عورتوں کے لئے وسائل مہیا کرنے اور ان کے امور کی دیکھ بھال مردوں کی ذمہ داری ہے کیونکہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت دی ہے۔ اور فضیلت کیوں ہے اس لئے کہ وہ (یعنی مرد) اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گھر کے باہر کام کاج یا مال کمانا صرف مرد کا حق نہیں قرار دیا گیا۔ عورت اگر چاہے تو وہ بھی معاشی سرگرمیوں میں حصہ لے کر مال کما سکتی ہے۔ لیکن ایسی صورتحال میں اسلام نے عورت کو مرد پر فضیلت دی ہے وہ اس طرح کہ گھر کے اخراجات کی فراہمی مرد کے ذمے لگائی گئی ہے لیکن عورت کے لئے ایسی کوئی ذمہ داری نہیں ہے عورت اگر اپنی کمائی میں سے

Marfat.com

مرد کو ایک پیسہ بھی نہ دے تو مرد کا اس پر کوئی دعویٰ نہیں ہے۔

مرد جو کچھ کمائیں وہ ان کا حصّہ ہے اور عورتیں جو کچھ کمائیں وہ ان کا حصّہ ہے۔ سورۃ النساء میں فضیلت کے اس مشروط اعلان کے علاوہ کہیں بھی عورت پر مطلق حاکمیت کا کوئی فرمان قرآن میں نہیں ملتا۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "خطباتِ لاہور" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب سیشن برائے سوال و جواب، صفحہ نمبر 309 تا 311

Marfat.com

موضوع 84/ 39

اللہ کا نور

سُوۡرَۃُ النِّسَآءِ (WOMEN)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطًا ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ: اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

And Allah is Ever Encompassing all things.

ذات اور صِفات کا مفہوم:

صِفات کا تعلق ذات سے ہے۔ ذات کے بغیر صِفات کا وجود تسلیم کرنا ایسا ہی ہے جیسے سورج کے بغیر دھوپ کے وجود کو تسلیم کر لیا جائے۔ یہ ایک نامکمل بات ہے اس لئے کہ دھوپ سورج کی روشنی ہے۔ اگر سورج اپنی روشنی باہر نکالنے کے بجائے اپنے اندر سمیٹ لے تو دھوپ کا تذکرہ زیر بحث نہیں آ سکتا۔ یعنی سورج کا وجود بغیر دھوپ کے ممکن ہے۔ مگر دھوپ کا وجود بغیر سورج کے ناممکنات میں سے ہے۔ سورج سے نکلنے والی ہر شعاع جو سورج کی ذات سے باہر خارج ہو رہی ہے اس کے اندر ذات کا تصوّر موجود ہے ذات کے تصوّر کے بغیر صِفات کا وجود زیر بحث نہیں آتا صِفات کی پہچان ذات ہی کے ذریعے سے ہوتی ہے یہی مفہوم مذکورہ بالا آیت کا بھی ہے۔

وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطًا ﴿۱۲۶﴾ اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (سورۃ النسا، پارہ 6، آیت 126)

وحدانیّت سے مراد:

کائنات کی ہر شے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے جو اپنی ہستی میں واحد ہے۔ دوسرے معنوں میں کائنات اللہ تعالیٰ کے دریائے وحدانیت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات بھی انسانی شعور کی فہم سے بالاتر ہے۔ وہ جزوی طور پر ان کے علوم حاصل کرتا ہے مگر اس کی عقل میں مکمل طور پر اس کی ذات و صِفات کی معرفت نہیں سما سکتی۔

وحدانیّت سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہر گز نہیں ہے۔ بلکہ وحدانیت سے مراد ذات کا وہ THRESHHOLD LEVEL یا وہ حد ہے جس کے اندر خود اِنسان کا اپنا تفکّر کام کرتا ہے۔ اس کی تشریح یوں کی جا سکتی ہے کہ انسانی ذہن کا تفکّر اللہ تعالیٰ کی ذات کو جس حد تک

Marfat.com

سمجھتا ہے اس حد کا نام وحدانیت ہے۔ یہ حد خود انسانی فکر کی انتہا ہے اور یہ خود انسانی تفکّر کی اختراع ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ذات لامتناہی ہے اور کسی بھی حد میں اسے پابند نہیں کیا جا سکتا۔ انسان جب اپنے نقطہ ذات میں تفکّر کرتا ہے تو اس کی فکر سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اپنے کنہ سے مل جاتی ہے وہ اپنی اصل کو پہچان لیتا ہے۔ یعنی اس کی فکر اپنے ہی نقطہ ذات کی گہرائیوں میں انتہا تک سفر کرتی ہے۔ اس انتہا پر اسے سوائے نفس واحدہ کے اور کسے شے کا احساس نہیں ہوتا اور یہی فکر وحدانیّت کا تفکّر بن کر اس کے شعور میں واپس لوٹ آتی ہے۔ وہ شعوری طور پر اللہ تعالےٰ کو ذات واحد کی حیثیت سے پہچان لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نُور:

سرورِ کائنات حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

"مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نُور سے دیکھتا ہے"

حضور ﷺ کی اس حدیث شریف پر غور و فکر کرتے ہیں۔

دیکھنے کی ایک طرز یہ ہے کہ اس میں نُور شامل ہو جاتا ہے اور آدمی کی آنکھ پر نُور کا لینز فٹ ہو جاتا ہے۔ ہمارا روز مرہ کا مشاہدہ OBSERVATION ہے کہ جب عینک میں سرخ شیشہ لگاتے ہیں تو ہمیں ہر چیز سرخ نظر آتی ہے۔ عینک کا شیشہ نیلا ہو تو ہر چیز نیلی، ہرا ہو تو ہر چیز ہری نظر آتی ہے لیکن اگر شیشہ بے رنگ سفید اور شفاف ہو تو اس طرح نظر آتا ہے جس طرح بغیر عینک کے نظر آتا ہے۔ اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ آنکھ وہی کچھ دیکھتی ہے جو اسے دکھایا جائے بالفاظ دیگر آنکھ پر جس قسم کا لینز لگا دیا جائے اسی مناسبت سے رنگین، صاف، دور یا قریب دکھائی دیتا ہے۔

عام حالات میں آنکھ جس طرح دیکھتی ہے وہ اپنے اور دوسری چیز کے درمیان خلا رکھ کر دیکھتی ہے حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ مومن اللہ تعالیٰ کے نُور سے دیکھتا ہے اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ مومن کو اللہ کی نظر حاصل ہو جاتی ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا ہے:

ترجمہ: "اللہ کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی مگر اللہ اس آنکھ کا ادراک بن جاتا ہے۔"

ایک جگہ یوں بھی ارشاد ہوا ہے:

ترجمہ: "تم ہماری سماعت سے سنتے ہو ہماری بصارت سے دیکھتے ہو اور ہمارے دماغ سے سوچتے ہو۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ﴿۱۲۶﴾ — اللہ ہر شے پر محیط ہے۔ (سورۃ النساء، پارہ 6، آیت 126)

یعنی اللہ ایک دائرہ ہے اور ہر چیز اس میں بند ہے۔

جب کوئی سالک اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس قابل ہو جاتا ہے کہ اللہ کا یہ ارشاد کہ میں تمہاری رگ جاں سے قریب ہوں اس کے مشاہدہ میں آ جاتا ہے تو اس کو وہ نظر حاصل ہو جاتی ہے جس کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومن کی فراست

Marfat.com

سے ڈرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد کیا گیا ہے:

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ

اے رسول آپ سے رُوح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ رُوح میرے رب کے امر سے ہے۔

(سورۃ بنی اسرائیل، پارہ 15، آیت 85)

قرآن پاک کی آیات میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۲﴾

بے شک اِنسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ ہم نے اِنسان کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا تا کہ اسے آزمائیں تو ہم نے اسکو سنتا دیکھتا بنایا۔

(سورۃ دہر، پارہ 29، آیت 1،2)

بات سیدھی اور صاف ہے کہ انسان گوشت پوست اور ہڈیوں کے ڈھانچے کے اعتبار سے نا قابل تذکرہ تھا اور ہے۔ اس کے اندر اللہ کی رُوح اس کی تمام صلاحیتوں اور بندگی میں تمام اعمال اور حرکات کی بنیاد ہے۔ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ جب انسان مر جاتا ہے تو قائم رہتا ہے لیکن حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ یعنی حرکت تابع ہے رُوح کے۔ کہنا یہ ہے کہ رُوح ہی زندگی ہے اور زندگی کے تمام اعمال اور حرکات کا دارومدار ہی رُوح پر ہے۔

رُوح کی IDENTIFICATION شناخت:

رُوح کی ہر حرکت میں مقداریں کام کرتی ہیں۔ اور یہ معین مقداریں استعمال کر کے رُوح مختلف حیثیتوں اور رنگ و روپ میں اپنا تعارف پیش کرتی ہے رُوح جب ان معین مقداروں کے تانے بانے کے ساتھ وہ لباس تیار کرتی ہے جس کو ہم درخت کہتے ہیں تو رُوح ہمیں درخت کی شکل میں نظر آتی ہے اور رُوح جب وہ مقداریں پیش کرتی ہے جو بکری میں کام کرتی ہے تو وہ ہمیں بکری نظر آتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جتنی نوعیں اور نوعوں کے اندر مختلف شکل و صورت ہم دیکھتے ہیں یا ایسی نوعیں جو ہماری نظروں [illegible] رُوح کی ہر آن اور ہر لمحہ بدلتی ہوئی تصویریں ہیں۔ رُوح ملاء اعلیٰ کے لباس میں خود کو پیش کرتی ہے تو ملاء اعلیٰ ہے۔ ملاء اعلیٰ میں جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل شامل ہیں جب رُوح حاملان ملائکہ سماوی یا ملائکہ ارضی کے لباس میں خود کو پیش کرتی ہے تو اسی نام سے پکاری جاتی ہے۔

UNIVERSE .... اللہ کے علم کا مظاہرہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا "اللہ وہ ہے جو ہر چیز پر محیط ہے۔" یہ بھی ارشاد ہے کہ "جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اللہ اسے جانتا ہے اگر تم ایک ہو تو دوسرا اللہ ہے اور اگر تم دو ہو تو تیسرا اللہ ہے۔ اللہ ہی ابتداء ہے اللہ ہی انتہا ہے۔"

Marfat.com

ان سارے ارشادات میں یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی کہ اللہ کا علم لا محدود، غیر متغیر اور لامتناہی اس لئے ہے کہ یہ علم کی حدود و بندیوں سے ماوراء ہے۔ ان ارشادات سے یہ بات بھی منکشف ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے علم کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس سے منشاء خالصتاً آزادی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب کائنات بنانے کا ارادہ کیا تو فرمایا "کُن" اور کائنات وجود میں آگئی۔

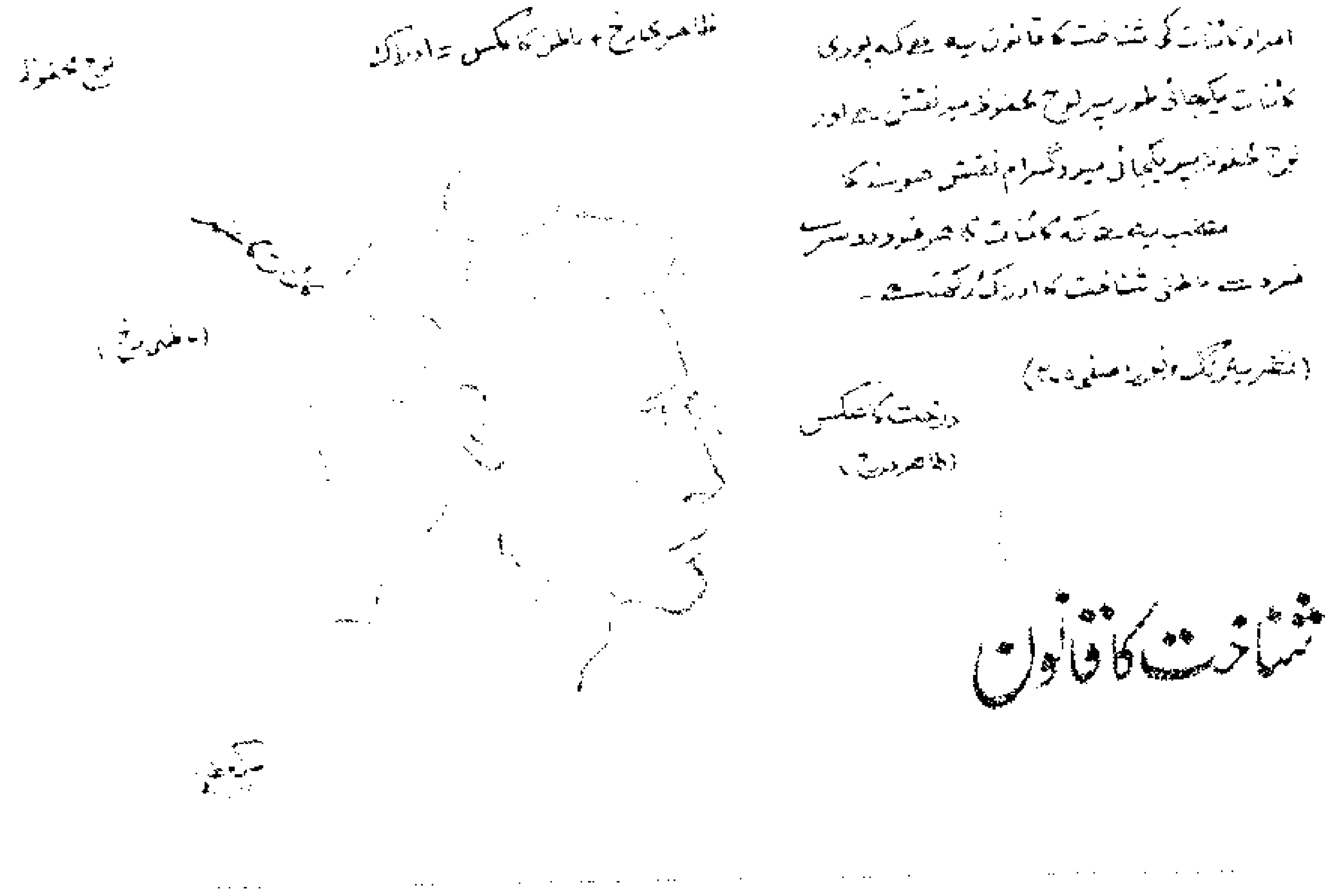

شناخت کا قانون

اس بات کو آسان الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ کائنات دراصل اللہ تعالیٰ کا علم ہے چونکہ علم کا DISPLAY ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم نے کائنات کا روپ اختیار کیا ہے اس لئے پوری کائنات بھی بجز علم کے کوئی اور حیثیت نہیں رکھتی علم کی حیثیت زیادہ ہو یا قلیل بہر حال وہ علم ہے اس کو ہم اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ سمندر کے پانی کا ایک قطرہ بہر حال سمندر ہے۔ سمندر سے لئے ہوئے ایک قطرہ آب کو پانی کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ چونکہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے علم کا مظاہرہ ہے اس لئے کائنات کی حقیقت کی بنیاد اور کائنات کی ہیئت سوائے علم کے کچھ نہیں ہے۔ جب ہم عالم ناسوت میں بند زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں اور زندگی کے اندر فکر کرتے ہیں تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ساری زندگی علم کے علاوہ کچھ نہیں اور علم اس وقت علم ہے جب اس کے اندر معانی اور مفہوم موجود ہوں علم کے اندر معانی اور مفہوم کی ایک طرز یہ ہے کی بندہ اپنے اختیارات سے علم کے اندر معانی پہناتا ہے اور علم کے اندر اصل مفہوم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذہن میں ہے بظاہر کائنات میں غور کرنے سے عجیب قسم کی پریشانی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام قائم کیا جس نظام میں زیادہ تر تکلیف و قباحت ہے مثلاً یہ کہ آدمی کھائے بغیر نہیں رہ سکتا ہر آدمی سونے پر مجبور ہے اتنی بندشیں ہیں کہ جن کا کوئی شمار نہیں۔ علم کا یہ مفہوم اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود علم سے الگ ہے۔

وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا کا عکس:

یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسان اپنے ذہن میں کائنات کی ہر چیز سے رُوشناس ہے۔ ہم جس چیز کو حافظہ کہتے ہیں وہ ہر دیکھی ہوئی چیز کو اور ہر سُنی ہوئی بات کو یاد رکھتا ہے۔ جن چیزوں سے ہم واقف نہیں ہیں ہمارے ذہن میں ان چیزوں سے واقفیت پیدا کرنے کا تجسس موجود ہے، اگر اس تجسس کا تجزیہ کیا جائے تو کئی رُوحانی صلاحیتوں کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ یہی تجسس وہ صلاحیت ہے جس کے ذریعے ہم کائنات کے ہر ذرّے سے رُوشناسی حاصل کرتے ہیں۔ اس قوت کی صلاحیتیں اس قدر ہیں کہ جب ان سے کام لیا جائے تو وہ کائنات کی

Marfat.com

تمام ایسی مَوجودات سے جو پہلے کبھی تھیں یا اب ہیں یا آئندہ ہوں گی، واقف ہو جاتی ہیں۔ واقفیّت حاصل کرنے کے لئے ہمارا ذہن تجسّس کرتا ہے۔ تجسّس ایک ایسی حرکت کا نام ہے جو پوری کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ قُرآن پاک میں اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کو احاطہ کرنے والی صِفت کا تذکرہ ہے۔ اس صِفت کا عکس اِنسان کی رُوح میں پایا جاتا ہے۔ اس ہی عکس کے ذریعے اِنسان کا تحتِ لاشعور عالمِ رُؤیا کائنات کی ہر چیز سے واقف ہے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، باب دریائے وحدانیت، صفحہ نمبر 210 تا 211

2۔ کتاب "توجیہات" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب اللہ کا نُور، صفحہ نمبر 35 تا 37

Marfat.com

موضوع 84/ 40

رفع المسیح علیہ السلام

TRANSFER OF JESUS CHRIST

سُوْرَةُ النِّسَآءِ (WOMEN)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا

صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ

مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: اور انکے اس دعوٰی کے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کیا، حالانکہ اصل میں نہ تو اس کو قتل کر سکے، نہ صلیب پر چڑھا سکے۔ بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا۔ جو لوگ یعنی مسیحی اس کے بارے میں آپس میں اختلاف کر رہے ہیں وہ بھی اس معاملے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کے پاس اس کے بارے میں کوئی قطعی علم نہیں ہے بلکہ صرف گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ یقیناوہ مسیح کو قتل نہیں کر سکے بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

And because of their saying (in boast), "We killed Massiah, Issa (Jesus), son of Maryam (Mary), the messenger of Allah", but they killed him not , nor crucified him . but the resembelence of Issa (Jesus) was put over another man (and they killed that man), and those who differ therein are full of doubts. They have no (certain) knowledge, they follow nothing but conjecture. For surely; they killed him not. But Allah raised him up(with his body and soul) unto Himself. And Allah is Ever All-Powerful, All-Wise.

Marfat.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں صحت سے متعلق یا میڈیکل سائنس نے کافی ترقی کر لی تھی۔ لوگوں کا رجحان صحت کے اصولوں اور بیماریوں کے علاج کی طرف تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وقت کی ضرورتوں کے مطابق مُردوں کو زندہ کیا۔ برص اور کوڑھ جیسے لاعلاج امراض سے لوگوں کی جان چھڑائی۔ اندھوں کو آنکھیں دیں۔ آپؑ کے یہ تمام معجزے صحت ہی کے متعلق تھے اس زمانے کے لوگوں کو یہ تو معلوم ہی تھا کہ کوڑھ اور برص نہایت موذی مرض ہیں۔ ان سے احتیاط لازمی ہے مگر وہ یہ نہ جانتے تھے کہ اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ اصل میں تمام کچھ رُوح ہے۔ یہ جسم رُوح کا لباس ہے۔ جیسے فرض کریں کہ آپ اگر کوئی حرکت کریں تو جو کپڑے آپ پہنے ہونگے تمام کپڑے بھی ساتھ ہی حرکت کریں گے۔ حرکت بدن کا فعل ہے۔ کپڑے بدن کا مفعول ہیں۔ جو بدن کی حرکت کو قبول کر کے حرکت کرتے ہیں۔ اسی طرح بدن یا جسم کے اندر حواس یا حس بھی رُوح کے تابع ہیں جیسے جیسے خود اپنی ذات کی نفی ہوتی چلی جائے گی ویسے ویسے حقیقی ذات سامنے آتی جاتی ہے۔ اور جب رُوح بھی اپنی نفی کر دیتی ہے تو فکر میں سوائے ذات باری تعالیٰ کے اور کچھ باقی نہیں رہتا پھر کائنات عالم میں ہونے والی ہر حرکت اللہ تعالیٰ کے امر کی حرکت بن جاتی ہے جو اس کے حکم کُن کے دائرے میں عمل میں آتی ہے۔ اور حکم کُن کے دائرے میں حرکت کرنے والا ایک ایک ذرّہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہے اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی 45 ویں آیت میں بیان کیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ

یعنی اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تجھے ایک حکم کی حضرت مریمؑ کو آیت مذکورہ میں کلمہ سے مراد حکم کُن ہے یہاں حضرت عیسیٰؑ کو کلمہ کہا ہے یعنی حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کا حکم ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے قالب میں اللہ تعالیٰ کا امر اللہ تعالیٰ کے حکم سے حرکت میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ کی ذات، ذات امر ہے۔ یہ جسم حقیقی ذات امر نہیں ہے بلکہ حقیقی ذات وہ کلمہ یا روح ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت مریمؑ کے رحم میں پھونکی گئی اس حقیقت کا انکشاف حضرت عیسیٰؑ کے اللہ تعالیٰ کی جانب اٹھائے جانے میں ملتا ہے۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۗ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

اور انکے اس دعویٰ کے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کیا، حالانکہ اصل میں نہ تو اس کو قتل کر سکے، نہ صلیب پر چڑھا سکے۔ بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا۔ جو لوگ یعنی مسیحی اس کے بارے میں آپس میں اختلاف کر رہے ہیں وہ بھی اس معاملے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کے پاس اس کے بارے میں کوئی قطعی علم نہیں ہے بلکہ صرف گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ یقیناً وہ مسیح کو قتل نہیں کر سکے بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ (سورہ نساء، پارہ 6، آیت 157، 158)

Marfat.com

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی نفی کی ہے کہ حضرت مریمؑ کے فرزند حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے رسُول کی حیثیت سے دنیا میں نازل کئے گئے تھے انہیں قتل کر دیا گیا۔ یعنی حضرت عیسیٰؑ قتل نہیں ہوئے یہاں اللہ تعالیٰ کا اشارہ اپنے امر کی تجلّی سے ہے۔ کہ امر کی جس روشنی کو حضرت عیسیٰؑ مسیح کا نام دے کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں دنیا میں بھیجا گیا تھا اس حکم کو لوگوں نے مار دیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی اس ناقدری کی وجہ سے اپنے اَمر کی روشنی کو اپنے پاس اٹھالیا۔ یہاں رَفع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ رَفع سے مراد پستی سے بلندی کی طرف اٹھانا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی ناقدری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اَمر کی تجلّی کو جو حکم دے کر بھیجا تھا۔ اس تجلّی کو واپس اپنے پاس آنے کا حکم دیا اور لوگوں نے انہیں جو اذیّت پہنچائی اس کے صلے میں انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا عرفان عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی طرف اٹھانے سے مراد ذات کا عرفان عطا کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ آیت مذکورہ میں اسی حقیقت کا انکشاف فرماتے ہیں کہ لوگ تو ان کے ظاہری جسم کو سولی پر چڑھانے یا نہ چڑھانے کے چکر میں پڑ گئے۔ اور اس پر بھی تمام لوگوں کا اتفاق نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے پاس اس کا علم ہی نہیں ہے۔ اس وجہ سے وہ گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ یعنی جس کے جی میں جو آیا وہ کہتا ہے۔ اور اسی پر یقین رکھتا ہے۔ جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے کیونکہ حقیقت تو چھپی ہوئی ہے۔ لوگوں کی نظر تو صرف ظاہر میں کام کرتی ہے اسی وجہ سے وہ ظاہر میں دیکھ کر قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ اپنی دانست میں انہوں نے اپنے معزز رسُول کو قتل کر کے اس کی جس قدر ہو سکی تذلیل کر لی۔ مگر وہ لوگ ایسے اندھے تھے جیسے اندھا شخص ہر شے کو ٹٹول ٹٹول کر محسوس کرتا ہے اور اسی حس سے وہ مشاہدے کا کام لیتا ہے کبھی اس کی حس صحیح بتا دیتی ہے اور کبھی وہ غلط ہو جاتا ہے یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اپنے برگزیدہ رسُول محترم کو سولی پر چڑھا دیا۔ کہ انہوں نے تو اپنی دانست میں اپنے پاس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو لانے والے کی اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے والے کی تذلیل کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے کلمے کی اور اپنی رُوح کی یہ بے حرمتی پسند نہ آئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمہ اور اپنی رُوح کو واپس اپنی ذات کی طرف بلا لیا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ لوگوں کو ظاہر کی بجائے حقیقت میں نظر کرنے کی تلقین کرتے ہیں کہ ہر شے کا ظاہر محض حرکت یا فعل ہے۔ حرکت کی روشنی یا رُوح یا حکم شے کے اندر باطن میں کام کر رہا ہے۔ ظاہر کو دیکھ کر باطن کو نہیں پہچانا جا سکتا۔ لوگوں کی نظر ظاہر میں کام کرتی تھی۔ ان کا شعور ظاہر میں کام کرتا تھا۔ انہوں نے اچھے برے کی تمیز کئے بغیر اپنے رسُول کو سولی پر چڑھا دیا۔ اور اپنے اس کام سے ان کے دل مطمئن بھی ہوئے۔ مگر یہ اطمینان عارضی اور وقتی ہے۔ کیونکہ جھوٹا ہے فکشن ہے۔ یہ اللہ کا حکم بھی نہیں ہے۔ اس کو انرجی خود اپنے شعور سے مل رہی ہے۔ اور شعور کا رابطہ رُوح یعنی حکم سے ختم ہو جاتا ہے تو شعور کی انرجی زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتی۔ وہ مر جاتا ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ وہ انہیں قتل کرنے کے بعد بھی مشتبہ ہو گئے اور گمان کرنے لگے کہ قتل کیا کہ نہیں کیا۔ ان کے شعور ان کی عقلوں کو اللہ تعالیٰ نے بند کر دیا اور ان کی نظروں پر پردے گرا دیئے تاکہ وہ حقیقت کو جان ہی نہ سکیں۔ وہ حقیقت جو اللہ کا امر ہے۔ حکم ہے۔ اس کا کلمہ۔ اس کی رُوح ہے۔ جو مسیحؑ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ایک برگزیدہ رسُول ہے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، موضوع نہ قتل کیا نہ سُولی چڑھا سکے، صفحہ نمبر 42 تا 45

Marfat.com

موضوع 41/84

خوشخبری سنانے والے

BEARER OF GOOD NEWS

سُوۡرَۃُ النِّسَآءِ (WOMEN)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ

وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ﴿۱۶۵﴾

ترجمہ: اللہ نے ان رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور ہشیار کرنے والے بنا کر بھیجا تاکہ ان رسولوں کے بعد ان لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے یقیناً اللہ غالب اور صاحب حکمت ہے۔

Massengers as bearer of good news as well as of warning in order that mankind should have no plea against Allah after the (coming of) Massenger. And Allah is ever All-Powerful, All-Wise.

زمین پر انسان کی پیدائش سے قبل جنّات آباد تھے۔ جنّات بھی اچھے اور برے کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اچھے کاموں کا حکم اور برے کاموں سے منع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، سرکشی، جھوٹ، لڑائی، فساد، قتل اور خون خرابہ یہ سب برے کام ہیں۔

آہستہ آہستہ جنّات میں برے کام زیادہ ہونے لگے جس سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوئے اور کئی مرتبہ جنّات کو سزا دی گئی لیکن وہ نافرمانی سے باز نہ آئے۔ جب زمین پر جنّات کی سرکشی، نافرمانی، اور فساد زیادہ ہو گیا تب اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو تخلیق کیا اور اسے اپنی صِفات کا علم سکھایا۔ اِنسان کو زمین پر بھیجا گیا اور حکم دیا!

اچھے اور برے کاموں کے درمیان فرق کرو۔ ہم تمہیں سیدھا راستہ دکھائیں گے پیغمبر تمہاری اولاد کو نیک اور اچھے کاموں کا حکم پہنچائیں گے۔ جو شخص سیدھا راستہ اختیار کر کے نیک کام کرے گا اس کے لئے خوف اور غم نہیں ہو گا جو شخص پیغمبروں کی بات نہیں مانے گا وہ جوابدہ ہو گا۔ زمین پر شکر گزار بندوں کی طرح رہو اور نیک عمل سے دوسرے اِنسانوں کی خدمت اور خیر خواہی کرو۔ اس طرح تم وہ نعمتیں دوبارہ حاصل کر لو گے جو جنّت میں حاصل تھیں۔ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ جو کوئی شیطان کے دھوکے میں آکر دنیا کی

Marfat.com

مختصر زندگی کے آرام و آسائش کے لئے نافرمانی کرے گا اور برے کاموں سے دوسرے لوگوں کو تکلیف پہنچائے گا وہ شیطان کا دوست اور ساتھی بن کر جہنم میں جائے گا۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اچھائی اور برائی کا فرق سمجھانے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اس دنیا میں بھیجے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا

یہ سارے رسول خوش خبری سنانے والے اور آگاہ کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے اللہ بہر حال غالب رہنے والا اور حکیم و دانا ہے۔ (سورۃ النساء، پارہ 6، آیت 165)

حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ اور دوسرے تمام پیغمبرانؑ نے توحید کے ساتھ ساتھ رواداری کی تعلیمات دی ہیں۔

بندہ یہ جان لے ہم مخلوق ہیں ہمارا خالق یہ چاہتا ہے کہ مخلوق خوش رہے پوری نوعِ انسانی پر سکون زندگی گزارے۔ سب ایک دوسرے سے محبت کریں۔ ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچائیں، بزرگ خواتین و حضرات کا ادب کریں۔ والدین کا احترام کریں۔ بچوں سے شفقت سے پیش آئیں۔ بلا تفریق رنگ و نسل، مذہب و ملت اور ذات و قوم ایک دوسرے کی عزت اور جان و مال کا احترام کریں۔

دوہرا پن DUALITY:

ہر انسان کے دو وجود یا دو جسم اور کائنات میں موجود ہر مخلوق کے بھی دو وجود یا دو رُخ ہیں۔ اسی طرح زمین بھی مخلوق ہے۔ اس کے بھی دو وجود یا دو جسم ہیں۔

جس طرح مادی وجود میں مختلف گیسز کا عمل دخل ہے یا مادی وجود کی وریدوں اور شریانوں میں خون دوڑ رہا ہے۔ اسی طرح زمین کے مادی وجود میں بھی گیسز کا براہِ راست عمل دخل ہے اور زمین کی وریدوں اور شریانوں میں بھی انرجی، توانائی اور پانی دوڑ رہا ہے۔۔۔ زمین کے اوپر جو آبادیاں ہیں۔۔۔ ہر وقت ان میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔

گول کڑوں RINGS کی طرح پہاڑ ہیں۔ کڑوں کی طرح پہاڑوں نے زمین کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔ زمین مسلسل ROTATORY محوری اور TRANSLATORY CIRCULAR طولانی گردش میں سفر کر رہی ہے۔۔۔۔۔ اس گردش کو پہاڑ کے گول کڑے کنٹرول کرتے ہیں۔ یہ پہاڑ میخوں کی طرح زمین میں گڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ

ہم نے زمین کو فرش بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔ (سورۃ النباء، پارہ 30، آیت 6،7)

Marfat.com

موضوع 42/84

وضو ABLUTION

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ (THE TABLE SPREAD)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ

ترجمہ: مومنو جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو تم منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں۔

O ye who believe! When ye rise up for prayer, wash your face, and your hands up to the elbows, and lightly rub your heads and (wash) your feet up to the ankles.

سائنسی تجربات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نباتات، جمادات، حیوانات اور انسانی زندگی ایک برقی نظام کے تحت رواں دواں ہے۔ انسانی جسم سے حاصل ہونے والی بجلی کی طاقت ایک ٹارچ یا جیبی ریڈیو چلانے کے لئے کافی ہے۔ تحقیق سے ثابت ہوا کہ کسی درخت کے پتے پر مکھی بیٹھ کر اس کے ریشوں کو حرکت دیتی ہے تو اس پتے میں برقی رو دوڑنے لگتی ہے۔

مخلوقات میں برقی رو:

ارسطو نے بتایا تھا کہ تارپیڈو TORPEDO مچھلی اپنی برقی قوت سے انسان کو چونکا سکتی ہے۔ اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے ریت میں چھپ جاتی ہے اور جب مچھلیاں پاس آتی ہیں تو اپنے اندر کام کرنے والی برقی رو سے انہیں بیہوش کر دیتی ہے۔

1885ء کا واقعہ ہے کہ ایڈبرگ میں ایک سیاہ لڑکا پایا گیا جس کے جسم پر انگلی چھو جانے سے بجلی کا کرنٹ محسوس ہوتا تھا۔ اس لڑکے کی عام نمائش ہوئی۔ ڈاکٹر جانسن نے اس کو اپنے پاس ملازم رکھ لیا اور اس پر تجربات کئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس لڑکے کے سر کے نزدیک خاص کر زبان چھونے سے زیادہ زور کا جھٹکا محسوس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اسٹون اور بہت سے ماہرین برق نے اسے دیکھا تو حیرت سے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

Marfat.com

ڈاکٹر اے ڈبلیو ملٹن، افریقہ کے مشہور سیّاح کا بیان ہے کہ انہوں نے غصہ میں ایک نیگرو کو مارنا شروع کر دیا تو دیکھا کہ جہاں جہاں کوڑا اس کے جسم پر لگا تو وہاں سے بجلی کے شرارے نکلے۔ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ اِنسان کے جسم میں سوئی چبھونے اور گرم و سرد پانی میں بھگونے سے ایک ہلکی برقی رو پیدا ہوتی ہے۔ معمولی آواز، روشنی، ذائقہ اور بُو کے احساسات سے بھی اِنسانی جسم میں برقی رو پیدا ہوتی ہے۔ قدرت کا یہ عجیب سربستہ راز ہے کہ اِنسان کے اندر بجلی پیدا ہوتی رہتی ہے اور پورے جسم میں سے دَور کر کے پیروں کے ذریعے ارتھ ہو جاتی ہے۔

وضو کی سائنس:

نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی بندہ وضو کی نیّت کرتا ہے تو روشنیوں کا بہاؤ ایک عام ڈگر سے ہٹ کر اپنی راہ تبدیل کر لیتا ہے۔ وضو کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے اعضاء میں سے برقیے ELECTRONS نکلتے رہتے ہیں۔ اور اس عمل سے اعضائے جسمانی کو ایک نئی طاقت اور قوت حاصل ہوتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"بے شک بندہ جب وضو کرلے اور اچھی طرح کرلے پھر نماز کے لئے کھڑا ہو جائے تو اللہ اس کی جانب توجہ فرماتا ہے، اس سے سرگوشی فرماتا ہے اور اس کی جانب سے توجہ نہیں پھیرتا جب تک کہ وہ شخص خود اپنی توجہ پھیر لے یا دائیں بائیں توجہ کرلے۔"

ہاتھ دھونا:

جب ہم وضو کے لئے ہاتھوں کو دھوتے ہیں تو انگلیوں کے پوروں میں سے نکلنے والی شعاعیں ایک ایسا حلقہ بنالیتی ہیں جس کے نتیجے میں ہمارے اندر دَور کرنے والا برقی نظام تیز ہو جاتا ہے اور برقی رو ایک حد تک ہاتھوں میں سمٹ آتی ہے۔ اس عمل سے ہاتھ خوبصورت ہو جاتے ہیں۔ صحیح طریقہ پر وضو کرنے سے انگلیوں میں ایسی لچک پیدا ہو جاتی ہے جس سے آدمی کے اندر تخلیقی صلاحیتوں کو کاغذ یا کینوس پر منتقل کرنے کی خفیہ صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔

کُلّی کرنا:

ہاتھ دھونے کے بعد ہم کُلّی کرتے ہیں۔ کُلّی کرنے سے جہاں منہ کی صفائی ہوتی ہے وہاں دانتوں کی بیماریوں سے نجات ملتی ہے۔ جبڑے مضبوط ہو جاتے ہیں اور دانتوں میں چمک دمک پیدا ہو جاتی ہے۔ قوّتِ ذائقہ بڑھ جاتی ہے اور آدمی ٹانسلز کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔ وضو کرتے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسواک کی تاکید فرمائی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"مسواک منہ کو صاف اور بینائی کو تیز کرتی ہے۔ مسواک آدمی کے اندر فصاحت پیدا کرتی ہے۔"

Marfat.com

ناک میں پانی ڈالنا:

کُلّی کرنے کے بعد ناک میں پانی ڈالا جاتا ہے۔ ناک اِنسانی جسم میں ایک نہایت اہم اور قابل توجہ عضو ہے۔ ناک کی زبردست صلاحیت یہ ہے کہ آواز میں گہرائی اور سہانا پن پیدا کرتی ہے۔ ذرا انگلیوں سے ناک کے نتھنوں کو دبا کر بات کرنے کی کوشش کیجئے۔ آپ کو فرق معلوم ہو جائے گا۔ ناک کے اندر پردے آواز کی خوبصورتی میں ایک مخصوص کردار ادا کرتے ہیں۔ کاسۂ سر کو روشنی فراہم کرتے ہیں۔ ناک کے خاص فرائض میں صفائی کے کام کو بڑا دخل ہے۔ یہ پھیپھڑوں کے لئے ہوا کو صاف، مرطوب، گرم اور موزوں بناتی ہے۔ ہر آدمی کے اندر روزانہ تقریباً پانچ سو مکعب فٹ ہوا ناک کے ذریعے داخل ہوتی ہے۔ ہوا کی اتنی بڑی مقدار سے ایک بڑا کمرہ بھرا جا سکتا ہے۔ برف باری کے موسم میں منجمد اور خشک دن آپ برف پوش میدان میں اسکیئنگ SKIING شروع کر دیں لیکن آپ کے پھیپھڑے خشک ہوا سے کوئی دل چسپی نہیں رکھتے۔ وہ اس کی ایک رمق قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ انہیں اس وقت بھی ایسی ہوا کی ضرورت ہوتی ہے جو گرم اور مرطوب فضا میں ملتی ہے یعنی وہ ہوا جس میں اسّی فیصد رطوبت ہو اور جس کا درجۂ حرارت نوّے درجہ فارن ہائیٹ سے زیادہ ہو۔

پھیپھڑے جراثیم سے پاک، دھوئیں یا گرد و غبار اور آلودگیوں سے مصفّٰی ہوا طلب کرتے ہیں۔ ایسی ہوا فراہم کرنے والا معمولی ایئر کنڈیشنر AIR CONDITIONER ایک چھوٹے ٹرنک کے برابر ہوتا ہے لیکن ناک کے اندر نظام قدرت نے اس کو اتنا مختصر اور مجتمع INTEGRATED کر دیا ہے کہ وہ صرف چند انچ لمبا ہے۔

ناک ہوا کو مرطوب بنانے کے لئے تقریباً چوتھائی گیلن نمی روزانہ پیدا کرتی ہے۔ صفائی اور دوسرے سخت کام نتھنوں کے بال انجام دیتے ہیں۔ ناک کے اندر ایک خوردبینی جھاڑو ہے۔ اس جھاڑو کے اندر غیر مرئی روئیں ہوتے ہیں جو ہوا کے ذریعے معدہ کے اندر پہنچنے والے مضر جراثیم کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ جراثیم کو اپنے مشینی انداز میں پکڑنے کے علاوہ ان غیر مرئی رووں کے پاس ایک اور دفاعی ذریعہ ہے جسے انگریزی میں لائیسوزیم LYSOZIUM کہتے ہیں۔ اس دفاعی ذریعہ سے ناک آنکھوں کو INFECTION سے بچاتی ہے۔ جب کوئی نمازی وضو کرتے وقت ناک کے اندر پانی ڈالتا ہے تو پانی کے اندر کام کرنے والی برقی رو ان غیر مرئی رووں کی کارکردگی کو تقویت پہنچاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ بے شمار پیچیدہ بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔

چہرہ دھونا:

چہرہ دھونے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اس سے عضلات میں لچک اور چہرہ کی جلد میں نرمی اور لطافت پیدا ہو جاتی ہے۔ گرد و غبار سے بند مسامات کھل جاتے ہیں۔ چہرہ روشن، پُرکشش اور بارعب ہو جاتا ہے۔ دوران خون کم یا زیادہ ہو تو اس کے اندر اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ منہ دھوتے وقت جب پانی آنکھوں میں جاتا ہے تو اس سے آنکھوں کے عضلات کو تقویت پہنچتی ہے، ڈھیلے میں سفیدی اور

Marfat.com

پُتلی میں چمک غالب آجاتی ہے۔ وضو کرنے والے بندے کی آنکھیں پرکشش، خوبصورت اور پُر خمار ہو جاتی ہیں۔ چہرہ پر تین بار ہاتھ پھیرنے سے دماغ پر سکون ہو جاتا ہے۔

کہنیوں تک ہاتھ دھونا:

کہنیوں تک ہاتھ دھونے میں یہ مصلحت پوشیدہ ہے کہ اس عمل سے آدمی کا تعلق براہِ راست سینے کے اندر ذخیرہ شدہ روشنیوں سے قائم ہو جاتا ہے اور روشنیوں کا ہجوم ایک بہاؤ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس عمل سے ہاتھوں کے عضلات مضبوط اور طاقتور ہو جاتے ہیں۔

مسح کرنا:

کاسۂ سر کے اوپر بال آدمی کے اندر اینٹینا ANTENNA کا کام کرتے ہیں۔ یہ بات ہر باشعور شخص جانتا ہے کہ آدمی اطلاعات کے ذخیرے کا نام ہے۔ جب تک اسے کسی عمل کے بارے میں اطلاع نہ ملے وہ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ مثلاً کھانا ہم اس وقت کھاتے ہیں جب ہمیں بھوک لگتی ہے، پانی اس وقت پیتے ہیں جب ہمارے اندر پیاس کا تقاضا ہوتا ہے، سونے کے لئے بستر پر اس وقت لیٹتے ہیں۔ جب ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ اب ہمارے اعصاب کو آرام کی ضرورت ہے۔ خوشی کے جذبات و احساسات ہمارے اوپر اس وقت مظہر بنتے ہیں، جب ہمیں خوشی سے متعلق کوئی اطلاع فراہم ہوتی ہے۔ اسی طرح غیض و غضب کی حالت کا انحصار بھی اطلاع پر ہے۔ وضو کرنے کی نیت دراصل ہمیں متوجہ کر دیتی ہے کہ ہم یہ کام اللہ کے لئے کر رہے ہیں۔ وضو کے ارکان پورے کرنے کے بعد جب ہم سر کے مسح تک پہنچتے ہیں تو ہمارا ذہن غیر اللہ سے ہٹ کر اللہ کی ذات میں مرکوز ہو چکا ہوتا ہے۔ مسح کرتے وقت جب ہم سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں تو سر کے بال ANTENNA ان اطلاعات کو قبول کرتے ہیں جو ہر قسم کی کثافت، محرومی اور اللہ سے دوری کے لئے ہیں۔ یعنی بندہ کا ذہن اس اطلاع کو قبول کرتا ہے جو مصدرِ اطلاعات (اللہ تعالیٰ) سے براہِ راست ہم رشتہ ہے۔

گردن کا مسح:

ماہرینِ رُوحانیات نے اِنسانی جسم کو چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک حصّہ حبل الورید JUGULAR VEIN ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "میں رگِ جان سے زیادہ قریب ہوں"۔ یہ رگِ جان (حبل الورید) سر اور گردن کے درمیان میں واقع ہے۔ گردن کا مسح کرنے سے اِنسانی جسم کو ایک خاص توانائی حاصل ہوتی ہے جس کا تعلق ریڑھ کے اندر حرام مغز اور تمام جسمانی جوڑوں سے ہے۔ جب کوئی نمازی گردن کا مسح کرتا ہے تو ہاتھوں کے ذریعے برقی رو نکل کر رگِ جان میں ذخیرہ ہو جاتی ہے اور ریڑھ کی ہڈی کو اپنی گزرگاہ بناتے ہوئے جسم کے پورے اعصابی نظام میں پھیل جاتی ہے جس کے ذریعے اعصابی نظام کو توانائی ملتی ہے۔

Marfat.com

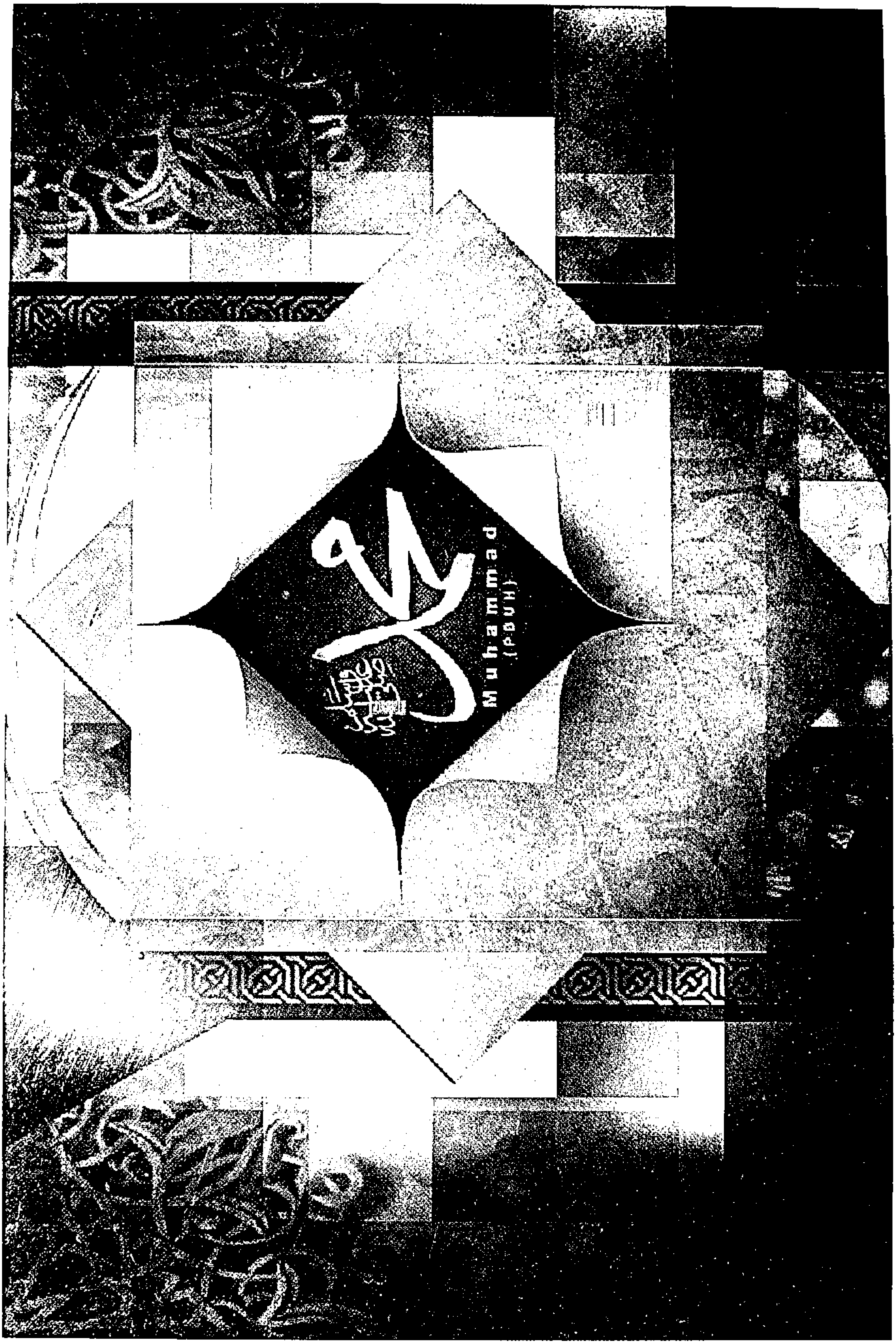

Marfat.com

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

Marfat.com

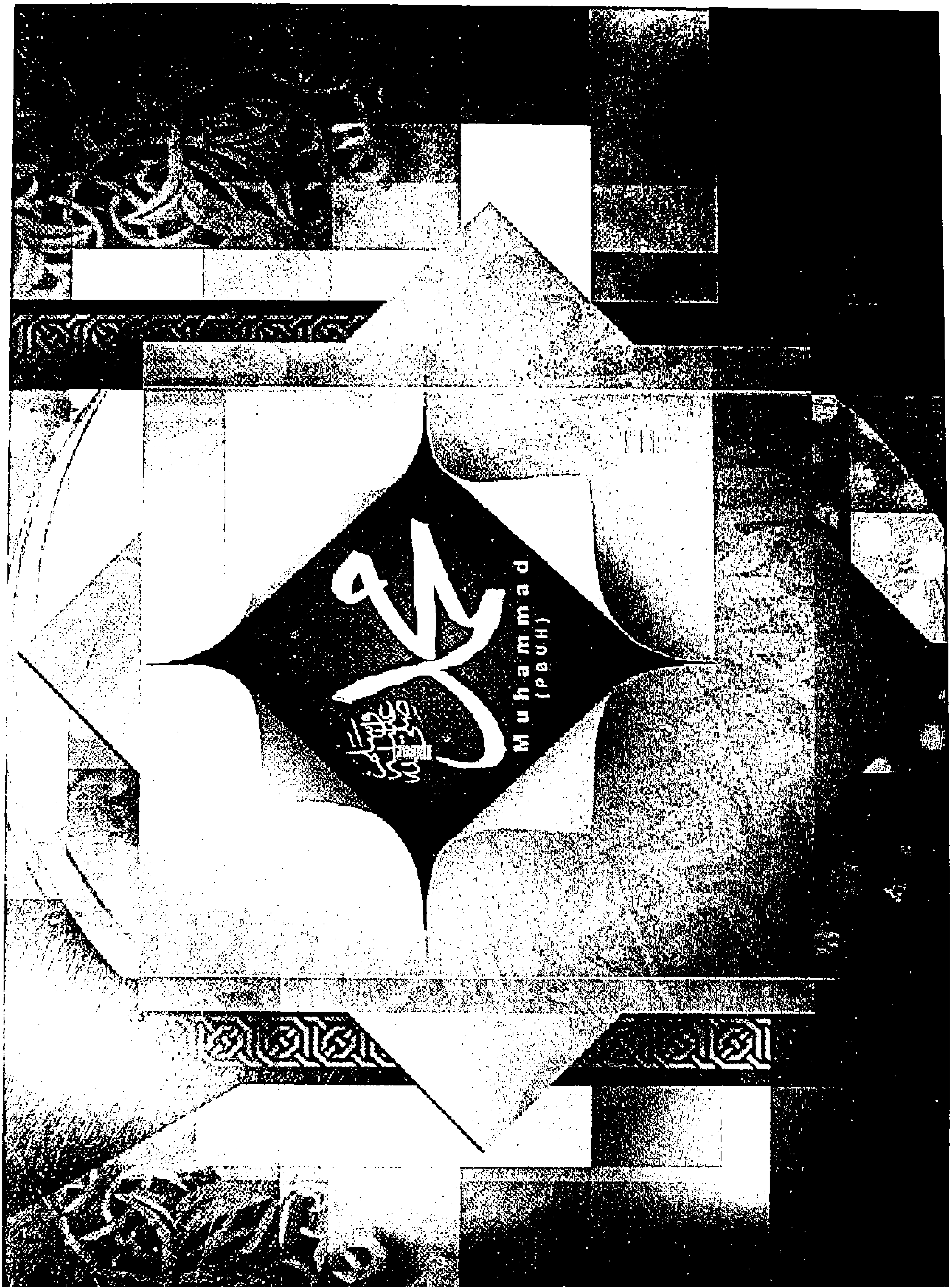

Marfat.com

الا بذکر الله تطمئن القلوب

Marfat.com

پیروں کا مسح کرنا یا دھونا:

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ دماغ اطلاعات قبول کرتا ہے اور یہ اطلاعات لہروں کے ذریعے منتقل ہوتی ہیں۔ اطلاع کی ہر لہر ایک وجود رکھتی ہے۔ وجود کا مطلب متحرک رہنا ہے۔ قانون یہ ہے کہ روشنی ہو یا پانی اس کے لئے بہاؤ ضروری ہے اور بہاؤ کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی مظہر بنے اور وہ خرچ ہو۔ جب کوئی بندہ پیر دھوتا ہے تو زائد روشنیوں کا ہجوم POISON پیروں کے ذریعے ارتھ EARTH ہو جاتا ہے اور جسم اِنسانی زہریلے مادوں سے محفوظ رہتا ہے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "روحانی نماز" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب وضو اور سائنس

Marfat.com

موضوع 84/ 43

ہابیل قابیل

ABEL AND CAIN

سُوْرَةُ الْمَآئِدَة (THE TABLE SPREAD)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ
يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ
بَسَطْتَّ اِلَىَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِىْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِىَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْۤ اَخَافُ اللّٰهَ
رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّىْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِىْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ
وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ
اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ ۚ
فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور اے نبی انکو آدم کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کے حالات جو بالکل سچّے ہیں پڑھ کر سنادو کہ جب ان دونوں نے بار گاہ الٰہی میں ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی نیاز تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی اب قابیل ہابیل سے کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس نے کہا کہ اللہ پرہیز گاروں ہی کی نیاز قبول فرمایا کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے

Marfat.com

مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لئے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا۔ مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ کو بھی سمیٹ لے اور اپنے گناہ کو بھی پھر تو اہل دوزخ میں سے ہو جائے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ آخر اسکے یعنی قابیل کے نفس نے اسکو اپنے بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی تو اس نے اسے قتل کر دیا پھر خسارہ پانے والوں میں ہو گیا۔ اب اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدنے لگا تا کہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے کہنے لگا ہائے کمبخت مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوے جیسا ہی ہو تا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ پھر وہ پشیمان ہو گیا۔

But recite unto them with truth the tale of the two sons of Adam, how they offered each a sacrifice, and it was accepted from the one of them and it was not accepted from the other. (The one) said: I will surely kill thee. (The other) answered: Allah accepteth only from those who ward off (evil). Even if thou stretch out thy hand against me to kill me, I shall not stretch out my hand against thee to kill thee, lo! I fear Allah, the Lord of the Worlds. Lo! I would rather thou shouldst bear the punishment of the sin against me and thine own sin and become one of the owners of the Fire. That is the reward of evil doers. But (the other's) mind imposed on him the killing of his brother, so he slew him and became one of the losers. Then Allah sent a raven scratching up the ground, to show him how to hide his brother's naked corpse. He said: Woe unto me! Am I not able to be as this raven and so hide my brother's naked corpse? And he became repentant.

ہابیل اور قابیل حضرت آدمؑ کے بیٹے تھے۔ قرآن میں حضرت آدمؑ کے ان دونوں بیٹوں کے ناموں کا ذکر نہیں ہے۔ صرف ابن آدم (آدم کے دو بیٹے) کہا گیا ہے۔ البتہ تورات میں ان کے یہی نام بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت آدمؑ کے زمانے میں دستور یہ تھا کہ حضرت حواؑ سے توام (جڑواں) پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی کا عقد دوسری بار ہونے والے توام بچوں کے ساتھ کر دیا کرتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق قابیل اور ہابیل کی شادی کا معاملہ درپیش تھا۔ قابیل عمر میں بڑا تھا اور اس کی بہن اقلیمہ ہابیل کی بہن غازہ سے زیادہ حسین اور خوبرو تھی۔ اس لئے قابیل کو یہ انتہائی ناگوار تھا کہ دستور کے مطابق اس کی بہن کی شادی ہابیل کے ساتھ کی جائے۔ فساد ختم کرنے کے لئے حضرت آدمؑ نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں اپنی اپنی قربانی اللہ کے لئے پیش کریں جس کی قربانی قبول ہو جائے وہی اپنے ارادے کو پورا کر لینے کا مستحق ہے۔

Marfat.com

توریت کے مطابق اس زمانے میں قربانی کا یہ الہامی دستور تھا کہ نذر و قربانی کی چیز کسی بلند جگہ پر رکھ دی جاتی اور آسمان سے آگ نمودار ہو کر اس کو جلا دیتی تھی۔ اس قانون کے مطابق ہابیل نے اپنے ریوڑ سے ایک بہترین دنبہ خدا کی نذر کیا اور قابیل نے اپنی کھیتی کے غلے میں سے کرم خوردہ غلہ قربانی کے لئے پیش کیا۔ روایات کے مطابق ہابیل کی قربانی قبول ہوئی۔ قابیل اس کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے غیض و غضب میں آکر ہابیل سے کہا کہ میں تجھ کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑوں گا تا کہ تو اپنی مراد کو نہ پہنچ سکے۔ ہابیل نے جواب دیا!

"میں تو کسی طرح تجھ پر ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ باقی تیری جو مرضی آئے وہ کر۔ رہا قربانی کا معاملہ تو خدا کے ہاں تو نیک نیّت کی ہی قربانی قبول ہو سکتی ہے۔ وہاں بدنیّت کی دھمکی کام آسکتی ہے اور نہ بے وجہ کا غم اور غصہ"

قابیل پر اس نصیحت کا الٹا اثر ہوا اور اس نے مشتعل ہو کر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔

قتل کے بعد قابیل حیران تھا کی اس کی نعش کا کیا کرے۔ ابھی تک نسل آدم موت سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت آدمؑ نے مُردے کے جسم کے بارے میں حکم الٰہی نہیں سنایا تھا۔ قُرآن میں ہے کہ قابیل نے دفنانے کا عمل کوّے سے سیکھا۔ ایک کوّے نے زمین کرید کرید کر گڑھا کھودا ہے۔ قابیل نے سوچا کہ مجھے بھی اپنے بھائی کے لئے اسی طرح کا گڑھا کھودنا چاہیے۔ بعض روایات میں ہے کہ کوّے نے دوسرے مُردہ کوّے کو اس گڑھے میں چھپا دیا۔ قابیل نے یہ دیکھا تو اپنی ناکارہ زندگی پر بے حد افسوس کیا اور کہنے لگا!

" میں اس حیوان سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اپنے جرم کو چھپانے کی اہلیت بھی نہیں رکھتا" بعد ازاں ندامت اور پچھتاوے کے احساس کے ساتھ اپنے بھائی کی نعش کو سپردِ خاک کر دیا۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ جلد سوم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب ہابیل قابیل، صفحہ نمبر 59 تا 60

Marfat.com

موضوع 44/84

THE APPROACH وسیلہ

سُوۡرَةُ الۡمَآئِدَةِ (THE TABLE SPREAD)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ

ترجمہ: اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔

O you who believe! Do your duty to Allah and fear Him. Seek the means of approach to Him.

انسان پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو انسان اس لمحے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنی ذات کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی بزرگی و برتری قبول کر لیتا ہے اور اپنی کمزوری و کمتری کا اعتراف کر لیتا ہے۔ بندے کا اپنی بے بسی کا اعتراف کرنا خالق کی شان حقیقی کا دروازہ کھٹکھٹانا ہے۔ اس کی شان ربوبیت رحمت بن کر بے بس اور ناتواں بندے کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ جہاں اسے سکون اور چین مل جاتا ہے اور یہی اس کی دعا کی قبولیت کی گھڑی ہے اسی لمحے قدرت کی جانب سے بندے کے لئے ایسے اسباب و وسائل RESOURCES مہیا ہو جاتے ہیں۔ جن کے ذریعے بندہ اللہ کی رحمت کا ادراک کر لیتا ہے۔

نیک ہستیوں کے ارادے کی قوت:

اللہ تعالیٰ کے احکامات کی روشنی انسان کے پاس کسی نہ کسی وسیلے APPROACH سے پہنچتی ہے غور کرنے کی بات ہے کہ اگر بندے کا اللہ کے ساتھ براہ راست رابطہ ہوتا تو بندہ اللہ تعالیٰ کی آواز بھی سنتا اور اس کو اپنی آنکھ سے دیکھ بھی لیتا مگر نہ کوئی اللہ تعالیٰ کی آواز براہِ راست سنتا ہے اور نہ اللہ کو کوئی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر روشنی کائنات کی حدود میں کسی نہ کسی وسیلے سے پہنچ رہی ہے۔ جب یہ روشنی بندے تک پہنچتی ہے تو بندہ اس روشنی کو MEANS AND RESOURCES کی شکل میں دیکھ لیتا ہے۔ کیونکہ بندے کی نظر وسائل اور اسباب ہی میں کام کرتی ہے ان وسائل و اسباب سے نظر ہٹا کر جب بندہ اپنے مالک کی جانب رجوع کرتا ہے تو پھر اسے انہی سیڑھیوں سے اوپر چڑھنا پڑتا ہے جس زینے سے اتر کر اس کی فکر، شعور کی حدود میں داخل ہوئی تھی۔ لہٰذا لامحدودیت کی لامتناہی فضاؤں کے اندر اپنے شعور کی ہستی کا اپنی ذات کے نقطے کو اپنے تار کے ساتھ قائم رکھنے کے لئے وسیلے یا APPROACH کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ کائنات کا ہر فرد اللہ تعالیٰ کے امر کے ساتھ تار کے ذریعے وابستہ ہے۔ یہی تار اس کی زندگی کا

Marfat.com

وہ راستہ ہے جس پر چل کر وہ اپنے معبودِ حقیقی تک پہنچتا ہے۔ اسی تار کے ذریعے احکامِ الٰہی کی روشنی مختلف افراد کے وسیلے سے اس تک پہنچتی ہے۔ اور پھر اسی تار کے ذریعے مخلوق کے وسیلوں سے گزر کر وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ انسان کی ہر فکر اور خیال اسی طریقے سے کام کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیک ہستیوں کے ذریعے سے دعا مانگی جائے تو جلد قبول ہوتی ہے۔ جس طرح کمرے میں ایک سے زیادہ بلب روشن کرنے سے روشنی بڑھ جاتی ہے اسی طرح نیک لوگوں کے وسیلے سے دعا مانگنے سے انسان کے ارادے کو ان برگزیدہ بندوں کے ارادے کی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے ارادے اور کوششوں کے ساتھ مصیبت کے اس جال کی گرفت سے باہر نکل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے لیکن اس نے اپنا تعارف پیغمبروں کے ذریعے ہی کروایا اور وہ راستے بتائے جن راستوں پر چل کر کوئی بندہ اپنے خالق کا عرفان حاصل کرتا ہے۔ پیغمبروں کی اس تعلیم یعنی عرفان کی منزل کی نشاندہی پیغمبروں کے وارث اولیاء اللہ کرتے ہیں۔ علم و آگہی اور عرفان الٰہی کا یہ سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک قائم رہے گا۔

دعا میں وسیلہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ جس کے ذریعے سے دعا مانگی جا رہی ہے دستِ طلب اس کے سامنے دراز کیا جا رہا ہے۔ وسیلے سے مراد ان روشنیوں کا تعارف حاصل کرنا ہے۔ جن کے ذریعے اللہ اور اس کے برگزیدہ بندے کا ایک خاص تعلق اور رابطہ قائم ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

اے ایمان والو! اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کرو اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔ (سورۃ المائدۃ، پارہ 7، آیت 35)

مفسرین اور اکابرینِ اُمت کے نزدیک وسیلے سے مراد "مرشد" کا وسیلہ ہے یعنی استاد شاگرد کا رشتہ ہے شاہ عبدالرحیمؒ، شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے وسیلے سے یہی معنی مراد لئے ہیں۔

اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ وسیلے سے مراد شیخ طریقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن منکرینِ طریقت کہتے ہیں کہ وسیلے سے مراد نیک اعمال ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"اگر نیک عمل وسیلہ ہے تو شیخ طریقت بھی مرید کے لئے ایک نیک اعمال کرنے کا یا صراطِ مستقیم پر چلنے کا، عرفانِ ذات کے بعد عرفانِ الٰہی حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔"

علامہ زمخشریؒ، شاہ ولی اللہؒ، عبدالرحیمؒ، بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادیؒ، معین الدین چشتیؒ، نظام الدین اولیاءؒ اور تمام اولیائے کرام، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ سلاسل اور حضرت مجدد الف ثانیؒ، مولانا رومؒ، فریدالدین عطارؒ، علامہ اقبالؒ اور قلندر بابا اولیاءؒ لفظِ وسیلہ سے مراد شیخ ہی لیتے ہیں۔

حوالہ جات:

1- کتاب "معرفتِ عشق" از سیدہ سعیدہ خاتون عظیمی، باب نمبر، صفحہ نمبر 270-272

Marfat.com

موضوع 45/84

صاحبِ جنّت و دوزخ

INMATES OF HEAVEN AND HELL

سُوۡرَۃُ الۡاَعۡرَافِ (THE HEIGHTS)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ نَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَہَلۡ
وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّکُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیۡنَہُمۡ اَنۡ لَّعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی
الظّٰلِمِیۡنَ ﴿ۙ۴۴﴾ الَّذِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا ۚ
وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ کٰفِرُوۡنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: اور اہلِ جنّت دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے کہ جو وعدہ ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا ہم نے تو اسے سچا پالیا بھلا وہ وعدہ جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا کیا تم نے بھی اسے سچا پالیا، بولے ہاں، پھر پکارا ایک پکارنے والے نے کہ لعنت ہے اللہ کی بے انصافوں پر۔ جو روکتے ہیں اللہ کی راہ سے، اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی اور وہ آخرت سے منکر ہیں۔

And the people of Paradise will call out to the inmates of Hell: We have really found true the promise that our Lord made to us . Have you (also) found true what your Lord promised (you) ? They will answer .Yes. Thereupon a herald will call you amongst them : The curse of Allah is on the wrong doers. (It is they) who used to hinder (the people) from thepath of Allah and looked for crookedness in it and they disbelieved in the Hereafter.

سمجھا یہ جاتا ہے کہ گوشت پوست اور ہڈیوں کے ڈھانچے کا نام انسان ہے۔ حالانکہ تمام مذہبی کتابوں کی تعلیمات کی روشنی میں گوشت پوست سے بنا ہوا آدمی اصل انسان نہیں بلکہ رُوح کا لباس ہے۔ رُوح جب اپنے لباس سے رشتہ منقطع کر لیتی ہے تو لباس کی حیثیت کچھ نہیں رہتی۔ آپ اس کو جلا دیجئے، ٹکڑے ٹکڑے کر دیجئے یا گڑھے میں دفن کر دیجئے۔ اپنی طرف سے اس کی کوئی مدافعت

Marfat.com

نہیں ہو گی۔ رُوح ہر عالم میں لباس بدلتی ہے جس طرح اس آب و گل کی دنیا میں گوشت پوست کا لباس اختراع کرتی ہے اسی طرح مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی نئے لباس میں مظاہرہ کرتی ہے اور اس لباس میں وہ تمام صفات اور صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں جو اس دنیا میں ریکارڈ ہو چکی ہیں وہاں لوگ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور انہیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ خوشی اور رنج و غم کیا ہے؟ یہ لوگ آپس میں جنّتی اور دوزخی لوگوں میں امتیاز بھی کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ سورہ اعراف میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَنَادٰٓى اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلۡ وَجَدْتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَـعَمۡ‌ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيۡنَهُمۡ اَنۡ لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ۝

اور اہل جنّت، دوزخ والوں کو پکار کر کہیں گے کہ جو وعدہ ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا ہم نے تو اسے سچا پالیا بھلا وہ وعدہ جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا کیا تم نے بھی اسے سچا پالیا، بولے ہاں، پھر پکارا ایک پکارنے والے نے کہ لعنت ہے اللہ کی بے انصافوں پر۔ جو روکتے ہیں اللہ کی راہ سے، اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی اور وہ آخرت سے منکر ہیں۔ (سورہ اعراف، پارہ 8، آیت 44، 45)

ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک اوٹ حائل ہو گی جس کی بلندیوں پر کچھ اور لوگ ہوں گے۔ ہر ایک کو اس کی حالت سے پہچانیں گے اور جنّت والوں سے پکار کر کہیں گے، "سلامتی ہو تم پر۔۔۔۔" یہ لوگ جنّت میں داخل تو نہیں ہوئے مگر اس کے امیدوار ہوں گے اور جب ان کی نگاہیں دوزخ والوں کی طرف پڑیں گی تو کہیں گے:

"اے رب ہمیں ان ظالموں میں شامل نہ کیجئے۔"

پھر یہ اعراف کے لوگ دوزخ کی چند بڑی شخصیتوں کو ان کی علامتوں سے پہچان کر پکاریں گے:

مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡكُمۡ جَمۡعُكُمۡ وَمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۝ اَهٰٓؤُلَۤاءِ الَّذِيۡنَ اَقۡسَمۡتُمۡ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحۡمَةٍ‌ ؕ اُدۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ۝

دیکھ لیا تم نے، آج نہ تمہارے جتھے تمہارے کسی کام آئے اور نہ وہ ساز و سامان جن کو تم بڑی چیز سمجھتے تھے اور کیا اہل جنّت وہی لوگ نہیں ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ان کو تو اللہ اپنی رحمت میں سے کچھ نہیں دے گا۔ آج ان سے کہا گیا کہ داخل ہو جاؤ جنّت میں تمہارے لئے نہ خوف ہے نہ غم۔

(سورۃ اعراف، پارہ 8، آیت 48، 49)

اللہ کے ارشاد کے مطابق مرنے کے بعد نوع انسان اور نوع اجنہ کے لئے دو طبقے ہیں ایک علیین (اعلیٰ) اور دوسرا سجین (اسفل)۔

حوالہ جات:

1۔ ماہنامہ "قلندر شعور"، شمارہ دسمبر 2014، باب روح کا لباس، صفحہ نمبر 67 تا 68

Marfat.com

موضوع 46/84

چھ دن اور کائنات

THE UNIVERSE AND SIX DAYS

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ (THE HEIGHTS)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۣ قف

ترجمہ: میں نے چھ روز میں آسمان کو بنایا اور عرش پر جا کر متمکن ہو گیا۔

Allah, Who created the heavens and the earths in six days. then mounted He the Throne.

قرآن واضح طور پر بتا رہا ہے کہ اس کائنات کی تخلیق ستہ ایام یعنی چھ یوم میں کی گئی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات مبارکہ میں لفظ یوم یا اس کی جمع ایام کا مطلب سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ ہم اس زمین پر وقت کی پیائش سورج کے گرد زمین کے چکر لگانے اور زمین کی اپنی حرکت سے کرتے ہیں۔ اس زمین کے کسی حصہ پر دن کا مطلب وہ صورتحال ہے جب زمین کا ایک حصہ سورج کے سامنے ہو اور زمین کی اپنی حرکت کے باعث وہ حصہ سورج کے سامنے نہ رہے تو زمین کے اس مقام پر رات ہوتی ہے۔ یہ عمل زمین پر متواتر ہو رہا ہے۔ یعنی زمین کے کسی حصہ پر صبح طلوع ہو رہی ہے کہیں دوپہر ہے کہیں سہ پہر کہیں شام پڑ رہی ہے۔ کہیں رات ہو چکی ہے۔ اس زمین پر دن کا وقفہ 24 گھنٹہ ہے۔ جبکہ سال تقریباً 365 دنوں کا ہوتا ہے۔

نظامِ شمسی کے دوسرے سیاروں پر دن کا وقفہ اور سورج کے گرد ان کے چکر کے لحاظ سے ان کا سال مختلف ایام پر مشتمل ہوتا ہے۔ مثلاً عطارد MERCURY پر ایک دن کا دورانیہ زمین کے تقریباً 58 دن ساڑھے 15 گھنٹے کے مساوی ہوتا ہے۔ زہرہ VENUS پر ایک دن کی طوالت زمین کے تقریباً 243 دن کے برابر ہوتی ہے۔ زمین پر ایک دن کی طوالت 24 گھنٹے پر مشتمل ہے۔ مریخ MARS پر ایک دن کا دورانیہ زمین کے تقریباً ساڑھے 24 گھنٹے کے مساوی ہے۔ مشتری JUPITER کا دورانیہ زمین کے تقریباً 9 گھنٹے 55 منٹ کے برابر ہے۔ زحل SATURN پر ایک دن کی طوالت زمین کے تقریباً دس گھنٹے 39 منٹ کے مساوی ہے۔ یورینس URANUS پر ایک دن کا دورانیہ زمین کے تقریباً 7 گھنٹے 14 منٹ کے برابر ہے۔ نیپچون NEPTUNE پر یہ طوالت زمین کے تقریباً 16 گھنٹے 6 منٹ کے مساوی ہوتی ہے۔ پلوٹو پر ایک دن کی طوالت زمین کے تقریباً 6 دن 9 گھنٹے پر مشتمل ہے۔ چنانچہ یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہمارے لئے یوم دن یا DAYS زمین کی حرکت اور سورج کے گرد اپنی حرکت کے تحت وجود میں آتے ہیں۔

Marfat.com

قرآن پاک تخلیق کائنات کا ذکر کرتے ہوئے چھ ایام کا ذکر کرتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس وقت سورج کا، زمین کا وجود ہی نہ تھا جب یہ اجسام موجود ہی نہ تھے تو ان کی محوری یا طولانی حرکت یا ان پر منحصر وقت کے کسی پیمانے کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ تخلیق کائنات کے بارے میں مختلف قرآنی آیات میں یوم یا ایاّم کا مطلب کیا ہے؟ ہم کہہ سکتے ہیں کی ان آیات میں ایام کا مطلب وقت کا کوئی دور یا مراحل ہیں۔

وقت TIME:

وقت اللہ تعالیٰ کی ایسی تخلیق ہے جس کے اسرار و رموز سے اِنسان قطعی نا آشنا ہے۔ قرآن پاک سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ کائنات کے مختلف خطوں میں وقت کی کیفیت و کمیت (اگر ان اصطلاحات کا اطلاق کیا جاسکے تو) میں بہت فرق ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝

وہ ہر ایک کام کی تدبیر کرتا ہے۔ آسمان سے زمین تک پھر اسی کی طرف رجوع کرے گا اس دن کے جس کی مقدار تمہارے حساب میں ایک ہزار برس ہے۔ (سورہ سجدہ، پارہ 21، آیت 5)

یہ ایک ایسے ٹائم زون کا ذکر ہے جہاں ایک دن ہماری زمین کے ایک ہزار برس کے برابر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝

اور ملائکہ اور رُوح اس کے حضور آتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار 50 ہزار برس ہے۔

(سورہ المعارج، پارہ 29، آیت 4)

سورہ المعارج کی یہ آیت ہمیں ایک اور ٹائم زون سے مطلع کرتی ہے۔

ایک ٹائم زون یا وقت کی ایک کیفیت کا علم ہمیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے معراج کے واقعے سے ہوتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مکی دور کے آخری حصہ میں ایک رات آرام فرمارہے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ اسلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یاد فرمایا ہے۔ حضرت محمد ﷺ حضرت جبریل علیہ اسلام کے ساتھ روانہ ہوئے پہلے بیت المقدس تشریف لے گئے وہاں انبیا علیہ السلام کی نماز کی امامت فرمائی۔ اس کے بعد آسمانوں پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی انتہائی قربت آپ ﷺ کو حاصل ہوئی پھر آپ ﷺ واپس زمین پر تشریف لائے جس وقت آپ کروڑہا میل کے اس مقدس سفر سے واپس مکہ میں اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے تو یہاں صورتحال یہ تھی کہ اس زمین پر چند لمحے ہی گزرے تھے دروازے کی کنڈی ہل رہی تھی اور بستر مبارک ابھی تک گرم تھا۔ یہ مختلف ٹائم زون کی ایک اور مثال ہے۔

Marfat.com

ان مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس ساری کائنات میں اس کی تخلیق کے بعد بھی وقت کے مختلف پیمانے موجود ہیں لیکن جب یہ کائنات وجود میں نہیں آئی تھی اس دور کے تذکرہ میں ایام کا ذکر دراصل ایک مرحلہ یا ایک فیز کا ذکر سمجھنا چاہئے۔

چنانچہ قرآنی آیات سے نوع انسانی کو یہ راہنمائی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری کائنات چھ مراحل میں تخلیق فرمائی۔

اہل یہود کا عقیدہ ہے کہ کہ کائنات کی تخلیق چھ دنوں میں ہوئی اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ساتویں دن یعنی یوم سبت پر خالق کائنات نے آرام کیا۔ اس لئے یہودی ہفتے کو کام نہیں کرتے اور آرام کرتے ہیں۔ تاہم اس عقیدے کی بنیاد درست معلوم نہیں ہوتی۔ یہ کائنات بناتے وقت دن کا اس طرح وجود ہی نہ تھا جیسا کہ سورج اور زمین کی تخلیق ہونے کے بعد ان کے حرکات کے نتیجہ میں زمین پر دن وجود میں آیا۔ یہود کے اس اعتقاد کی دوٹوک نفی خود قرآن پاک نے فرمادی ہے۔

اللہ زبردست اور قوی ہے، اللہ کی شان یہ ہے کہ اسے کبھی تھکن یا بیزاری نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کو آرام کی ضرورت نہیں اللہ تھکتا نہیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ

کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے زندہ ہمیشہ قائم رہنے والا نہ اسے اونگھ آسکتی ہے اور نہ نیند۔ (سورۃ بقرۃ، پارہ3، آیت 255)

اس بارے میں ایک اور آیت واضح طور پر آگاہ کرتی ہے کہ:

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ۖۗ وَّ مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾

ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو ان کے درمیان ساری چیزوں کو چھ ایام میں تخلیق کیا اور (اس کام کے انجام دینے میں) ہمیں کوئی تھکن لاحق نہ ہوئی۔ (سورۃ ق، پارہ26، آیت37)

اللہ کو اس کائنات کی تخلیق میں یا اس کا نظام چلانے میں نہ کوئی تھکن ہوتی ہے اور نہ اسے اونگھ یا نیند آتی ہے۔

اللہ کی صفت خالقیت کی شان یہ ہے کہ اس کی ہر تخلیق زندگی کے تمام ضروری تقاضوں سے مذئین ہے۔ اس کی تخلیق میں کسی قسم کی کوئی بے ربطگی نظر نہیں آئے گی۔ قرآن پاک لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ کائنات میں غور کریں اور تلاش کریں۔

سورۃ الملک آیت 3 میں اللہ باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾

اسی نے سات آسمان اوپر تلے بنائے۔ اے دیکھنے والے کیا تو رحمٰن کی تخلیق میں کچھ نقص دیکھتا ہے؟ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھ کو آسمان میں کوئی شگاف نظر آتا ہے؟

(سورۃ الملک، پارہ29، آیت 3)

Marfat.com

ساری کائنات اور کائنات کے اندر تمام نوعیں اور افراد ایک مرکزیت کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ مختلف مراحل اور زندگی کے مختلف زمانے ظاہری نظروں سے الگ الگ نظر آتے ہیں لیکن زمانے کے نشیب و فراز اور زندگی کے مراحل میں تغیر و تبدل کتنا ہی کیوں نہ ہو سب کا تعلق مرکزیّت سے ہے۔ مرکزیّت کے درمیان لہریں یا شعاعیں واسطہ ہیں۔ ایک طرف مرکزیّت سے لہریں یا شعاعیں نزول کر کے افراد کائنات کو فیڈ کرتی ہیں اور دوسری طرف فرد کے اندر نزول ہونے کے بعد صعود کرتی ہیں نزول و صعود کا یہی سلسلہ ہی زندگی ہے۔

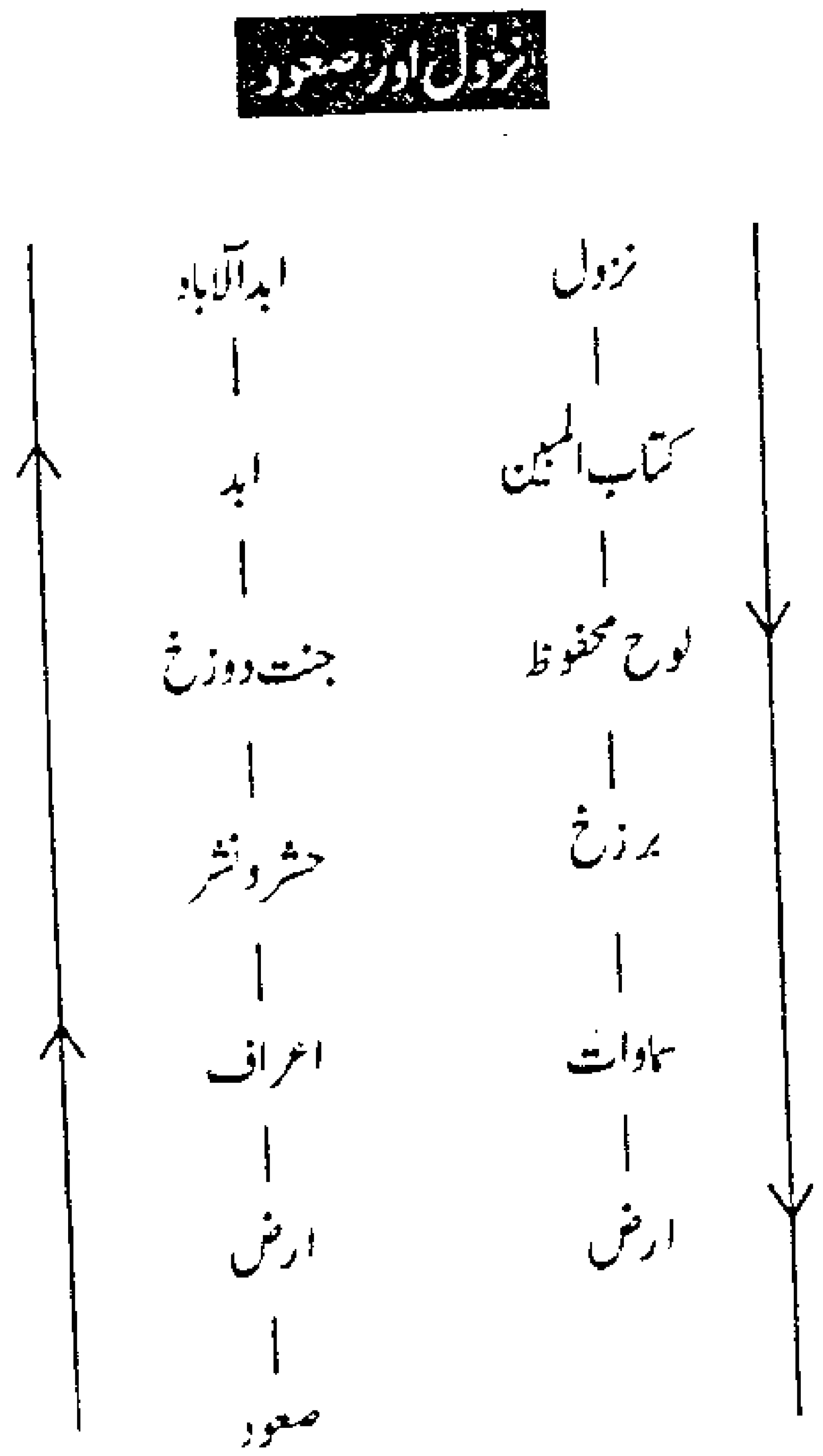

آپ یہ غور کریں کہ زمین پر جو چیز بھی نازل ہو گی، بچے کا پیدا ہونا بھی زمین پر نزول، اس کا رُخ صعود کی طرف ہے۔ بچہ بڑا ہو رہا ہے۔ آسمان کی طرف بڑھ رہا ہے، درخت بھی بڑا ہو رہا ہے۔ ہر چیز جو نزول کر رہی ہے وہ صعود کر رہی ہے۔ یہ بات بھی رُوحانی طالبعلم کو معلوم ہے کہ مرنے کے بعد آدمی اعراف میں چلا جاتا ہے۔ اعراف بھی بلند مقام ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اِنسان کی زندگی نزول و صعود ہے۔ وہ نزول کرتا ہے، زمین پر نازل ہوتا ہے اور عالم بالا میں صعود کر جاتا ہے۔

کوئی آدمی اس بات کو تسلیم کرے یا نہ کرے لیکن اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو چیز زمین پر نازل ہو گی وہ ہر حال میں صعود کرتی ہے۔

اِنسان کیا ہے____؟

اِنسان اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے وہ نزول اور صعود میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ جب ساری زندگی رجوع الی اللہ ہے تو ہمارا کام تو بہت آسان ہو گیا ہے۔ صرف ہمیں اتنا سوچنا ہے کہ پیدائش کے بعد ہمارا رُخ ہر لمحہ ہر آن اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اگر ہم اس بات کو سمجھ لیں، اس بات کو بار بار دہرائیں تو ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جائے گا۔

مختصر یہ کہ ساری کائنات میں لہر یا شعاع دور کرتی ہے۔ شعاع اور لہر کے دورانیہ کو دیکھتے ہوئے جو کائنات کی صورت بنتی ہے اس کو دائرے کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔

پوری کائنات ایک دائرہ ہے اور یہ دائرہ جب صعودی اور نزولی حرکت کرتا ہے تو چھ دائرے بن جاتے ہیں۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے "فی ستۃ ایام" کہا ہے۔ میں نے کائنات کو چھ دن میں بنایا ہے۔ کائنات اور افراد کائنات کے پہلے دائرہ کا نام لطیفہ نفسی ہے۔

مثال:

لطیفہ نفسی ایک چراغ ہے جس میں سے روشنی نکل رہی ہے۔ چراغ کی اس روشنی یا لو کا نام نگاہ ہے۔ چراغ کی لو ہوتی ہے جہاں لو ہو گی وہاں کا ماحول روشن اور منور ہو جاتا ہے۔ جہاں تک لو کی روشنی پڑتی ہے یہ خود کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ چراغ کی لو میں بے شمار رنگ

Marfat.com

ہیں جتنے رنگ ہیں اتنی ہی کائنات میں رنگینیاں ہیں۔ چراغ کی لو کی روشنی ہلکی "مدہم" تیز اور بہت تیز ہوتی رہتی ہے۔ جن چیزوں پر روشنی بہت ہلکی پڑتی ہے ان چیزوں سے متعلق ہمارے دماغ میں "توہم" پیدا ہوتا ہے اور جن چیزوں پر روشنی ہلکی پڑتی ہے ان چیزوں سے متعلق ہمارے دماغ میں "خیال" پیدا ہو جاتا ہے اور جن چیزوں پر لو کی روشنی تیز پڑتی ہے ان چیزوں کا ہمارے ذہن میں "تصور" بنتا ہے اور جن چیزوں پر لو کی روشنی بہت تیز پڑتی ہے ہماری نگاہ ان کو "دیکھ" لیتی ہے۔

عِلم کی دو طرزیں:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

اے پیغمبر جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجیے) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والی کی پکار سنتا ہوں لٰہذا وہ میری بات دل سے قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ راہِ راست پر آجائیں۔ (سورۃ بقرۃ، پارہ 2، آیت 186)

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ﴿۱۶﴾

میں تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ (سورہ ق، پارہ 26، آیت 16)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ

میں نے چھ روز میں آسمان کو بنایا اور عرش پر جا کر متمکن ہو گیا۔ (سورۃ اعراف، پارہ 8، آیت 54)

ان دونوں آیات سے ہمیں عِلم کی دو طرزیں حاصل ہوتی ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ہمیں دو راستے ملے ہیں یعنی عِلم (اللہ) ایک ہی ہے مگر اس کے حصول کی طرزیں مختلف ہیں، منزل ایک ہی ہے مگر راستے مختلف ہیں۔ روحانیت کے علوم بھی دو طرزوں میں حاصل ہوتے ہیں۔

قُربِ نوافل کے ذریعے

قُربِ فرائض کے ذریعے

قربِ فرائض:

قربِ فرائض کا علم یا علم جذب ایک دم حاصل ہوتا ہے۔ سیّدنا حضور ﷺ غار حرا گئے حضرت جبرائیلؑ نے ان کو گلے لگایا

Marfat.com

اور تمام علوم منتقل کر دیئے یعنی انہوں نے باقاعدہ کسی سے کوئی تربیت حاصل نہیں کی۔ حضرت موسیٰؑ آگ لینے گئے تو وہاں ان کو نبوت مل گئی۔ یعنی ہم کہہ سکتے ہیں جن کیفیات میں یہ علم حاصل ہوتا ہے اسے جذب کہتے ہیں قربِ فرائض کا علم آسانی سے حاصل نہیں ہوتا اس کے لئے ذہن کو اس حد تک تیار کرنا پڑتا ہے کہ بندہ مادی تقاضوں کو چھوڑ دے۔ مثلاً اگر کسی کو قربِ فرائض کے ذریعے علم دینا مقصود ہو تو اسے کہا جائے گا کہ کشکول پکڑو اور جنگلوں میں نکل جاؤ، اگر بندہ خلوص دل کے ساتھ وہ کام کرتا ہے تب جا کر قربِ فرائض کی طرف اس کا ذہن بنتا ہے۔ ورنہ وہ تباہ و برباد ہو سکتا ہے۔

نزول و صعود

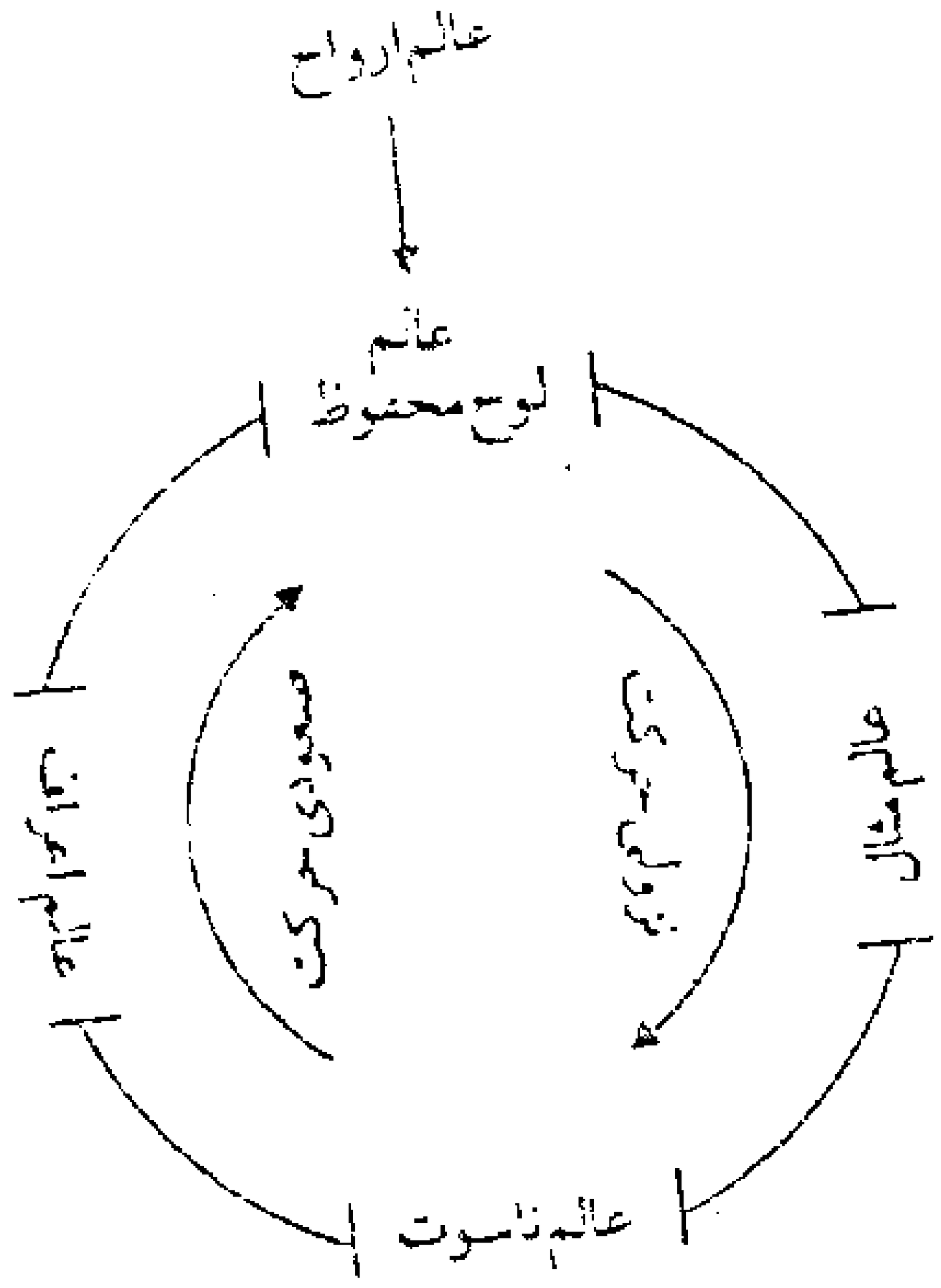

مثال:

حضرت ابراہیم بن ادھم سلسہ چشتیہ کے بانیوں میں سے تھے انہیں جو علم حاصل ہوئے وہ قربِ فرائض کے ذریعے حاصل ہوئے مگر اس کے لئے ان کو اپنی بادشاہت کو ترک کرنا پڑا۔ حضرت ذوالنون مصری ایک بزرگ گزرے ہیں جو کہ قربِ فرائض کی کیفیات میں سے گزرے ہیں مگر انکی حالت یہ ہوگئی تھی کہ وہ یہ کہتے تھے کہ مجھ سے زیادہ دنیا میں کوئی اور ذلیل و خوار نہ ہوگا یعنی انھوں نے اس قدر تکلیفیں اٹھائیں تب جا کر انہیں قربِ فرائض کا علم ہوا۔

قربِ نوافل:

قربِ نوافل ایسی کیفیت ہے جس میں حصول علم کے ساتھ ساتھ زندگی کے باقی معاملات بھی چلتے ہیں۔

حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا ارشاد ہے کہ مرشد کامل یہ جانتا ہے کہ مرید کو سلوک کی راہ میں چار ZONES مقامات سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔

☆ ZONE اول	:	عالم ناسوت
☆ ZONE دوم	:	عالم ملکوت
☆ ZONE سوم	:	عالم جبروت
☆ ZONE چہارم	:	عالم لاہوت

عالم ناسوت:

عالم ناسوت نفس کی دنیا ہے اور جس میں حواسِ خمسہ سے افعال صادر ہوتے ہیں۔ سالک اپنی ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعے اس عالم سے گزرتا ہے۔

Marfat.com

عـــالمِ ملکوت:

عالم ملکوت وہ مقام ہے جہاں کے افعال تسبیح، قیام، رکوع اور سجود تک محدود ہوتے ہیں۔

عـــالمِ جبـروت:

عالم ملکوت کے بعد سالک عالم جبروت میں داخل ہوتا ہے جہاں ذوق وشوق، محبت، اشتیاق، طلب، وجد، سکر کے سوا کچھ نہیں۔

عـــالمِ لاہوت:

چوتھا عالم جس میں سالک داخل ہوتا ہے عالم لاہوت جو لامکاں میں شامل ہے جہاں نہ گفتگو ہے نہ جستجو۔ ازل سے ابد تک کے دائرے کو حواس اور شعور کے اعتبار سے چار طبقات ZONES میں تقسیم کیا گیا ہے۔

عالم ناسوت، عالم ملکوت، عالم جبروت، عالم لاہوت

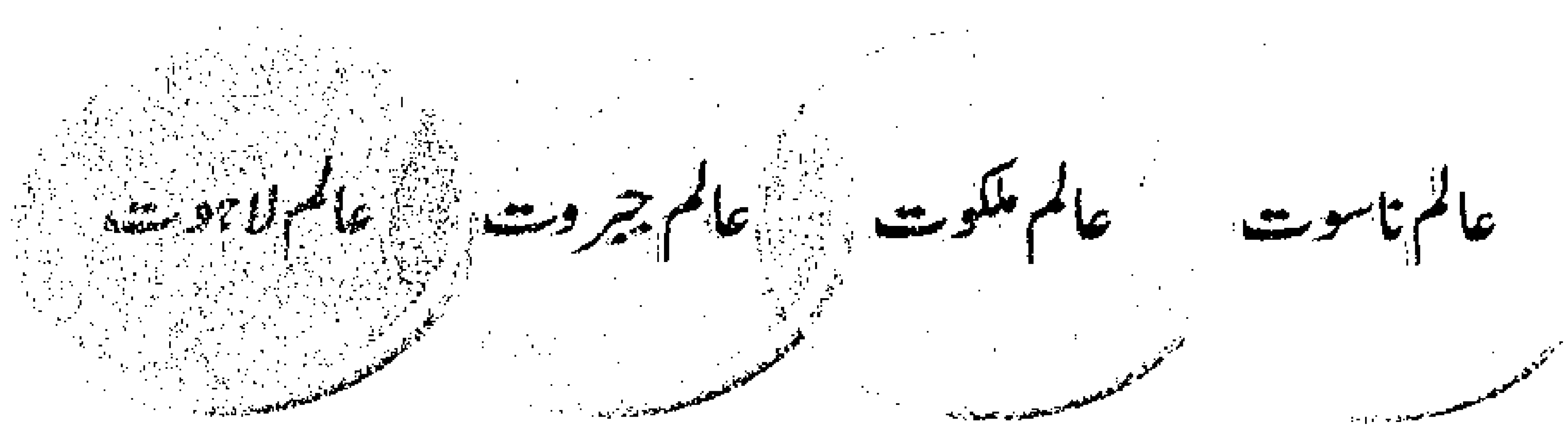

عالم ناسوت ہماری مادی دنیا کا نام ہے۔ وہ قوانین قُدرت جو عالم ناسوت اور عالم ملکوت کے درمیان جاری و ساری ہیں۔ ان قوانین کا نام "شریعت" ہے وہ قوانین قُدرت جو عالم ملکوت اور عالم جبروت کے درمیان جاری وساری ہیں ان قوانین قُدرت کو " طریقت" کہتے ہیں وہ قوانین قُدرت جو عالم جبروت اور عالم لاہوت کے درمیان جاری وساری ہیں ان قوانین کو " حقیقت" کہتے ہیں۔ شریعت، طریقت، حقیقت کے تمام علوم اسمائے الٰہیہ کے علوم ہیں اور یہی اِنسان کی تفہیم و تعلیم کا مکمل دائرہ ہے۔ ایک آدمی حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کا نائب کہلانے کا اسی وقت مستحق ہو سکتا ہے جب وہ شریعت، طریقت اور حقیقت کے علوم سے آراستہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نیابت کے دائرے میں آدم کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کی ہے کہ ہم نے آدم کو اپنا خلیفہ اور نائب زمین پر مقرر کیا اور اسے اسمائے الٰہیہ کے کل علوم عطا فرما دیے۔ اس کلام الٰہی کی رو سے اللہ تعالیٰ کا براہ راست نائب وہی ہو سکتا ہے۔ جو ان تمام علوم سے

Marfat.com

آشنا ہو جو علوم اسمائے الٰہیہ کہلاتے ہیں۔ اور جو براہ راست آدم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کیا گیا ہے ذات باری تعالیٰ سے براہ راست تعلق اور رابطہ قائم کرنے کے لئے ان تینوں علوم کا جاننا لازمی ہے۔ اصل میں اِنسان کا عِلم جاننے سے مراد شعور کے اندر علوم کی روشنیوں کا جذب کرنا ہے شعور میں عِلم کی روشنیاں جب جذب ہو جاتی ہیں تو یہی روشنیاں اِنسان کے شعوری حواس بنتی ہیں۔ ذات باری تعالیٰ حقیقت ہے۔ جب تک شریعت و طریقت کے علوم کی روشنیاں اِنسان کے شعور کے اندر منتقل نہیں ہوتیں وہ حقیقت کے دائرے میں نہیں پہنچ سکتا اور جب تک حقیقت کی تجلّیات شعور میں منتقل نہیں ہوتیں۔ حقیقت سے آشنا نہیں ہو سکتا۔ اِنسان کی مثال ایک پیالے کی سی ہے۔ اس پیالے میں جو کچھ بھرا جاتا ہے۔ پیالہ اس کی لذت سے روشناس ہوتا ہے۔ جب تک شعور میں حقیقت کی روشنی جذب نہیں ہوتی حقیقت سے واقفیت نہیں ہو سکتی۔

یکجائی پروگرام کا ڈسپلے:

رُوحانیت میں غیب کے مشاہدے کی ایک نظر "سیر" ہے۔ سیر کی آنکھ یہ دیکھتی ہے کہ کائنات کا سارا یکجائی پروگرام لوحِ محفُوظ پر منقوش ہے اور لوحِ محفُوظ کا منقوش پروگرام خالق کائنات کی تجلّی سے بے شمار زمینوں SCREENS پر ڈسپلے ہو رہا ہے۔ تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار نوعیں اور اِنسانی شماریات سے زیادہ ان نوعوں کے افراد کائنات کے کل پرزے ہیں۔ یہ کائناتی مشین ایک دائرے CIRCLE میں چل رہی ہے۔ جزو لاتجزیٰ وجود سے اس کی حرکت شروع ہوتی ہے اور ماوراہستی کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ آسمان، زمین، درخت، پہاڑ، چرندے، پرندے، حشرات الارض، فرشتے، جنّات اور اِنسان سب اس عظیم الشان نظام کے اجزاء ہیں جن کے اشتراک سے حرکت کا منظّم سلسلہ جاری و ساری ہے۔ البتہ اِنسان ایسا واحد فرد ہے جو نظام کائنات کی میکانزم سے واقف ہے۔ باقی مخلوق اس میکانزم سے واقفیّت نہیں رکھتی۔

حوالہ جات:

1- ماہنامہ "رُوحانی ڈائجسٹ" شمارہ اپریل 2007

2- کتاب "شرح لوح و قلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب اندر کی آواز، صفحہ نمبر 94 تا 95

3- کتاب "معرفت عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، موضوع راہِ طریقت، صفحہ نمبر 20 تا 21

4- کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع نمبر 10، صفحہ نمبر 23

Marfat.com

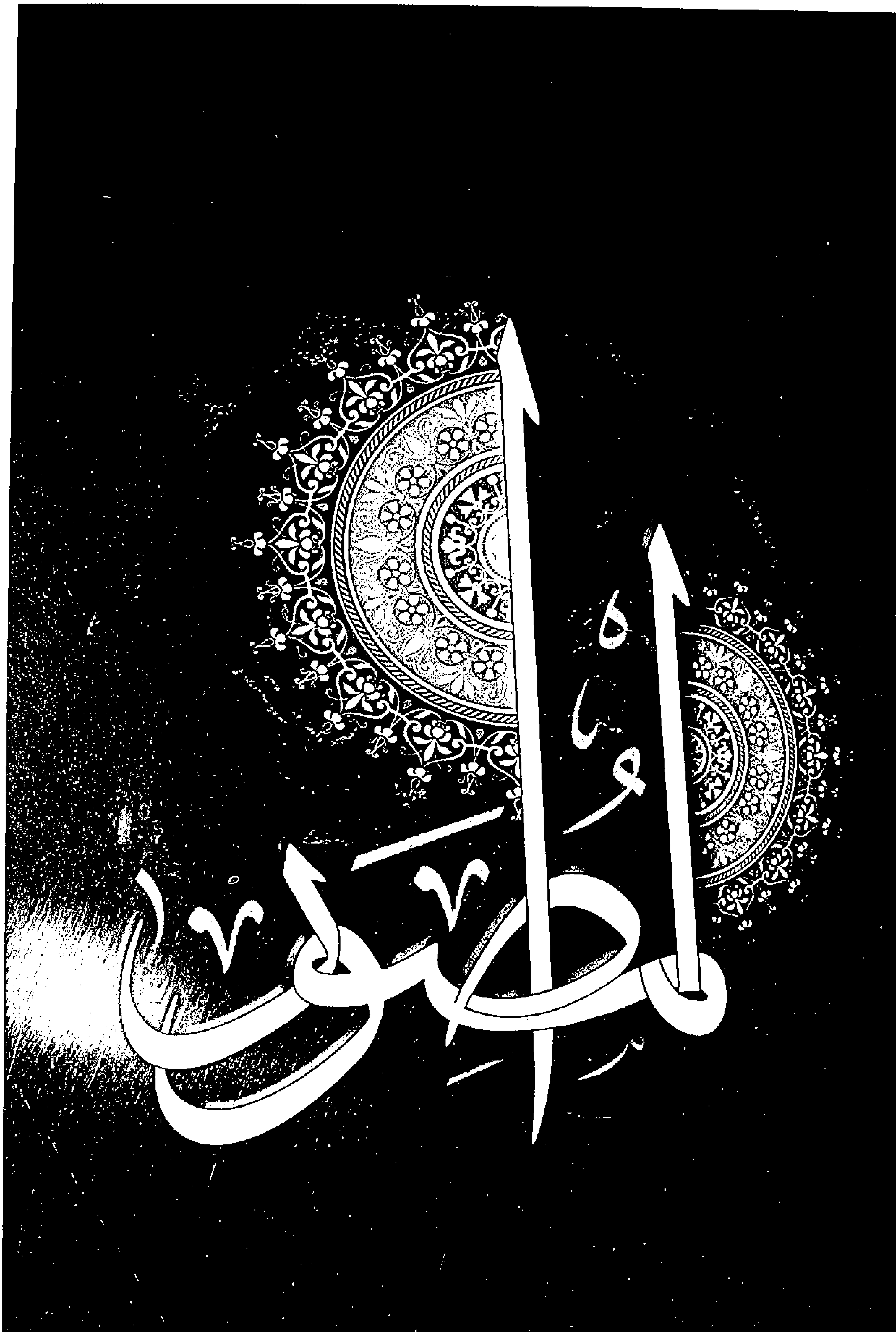

Marfat.com

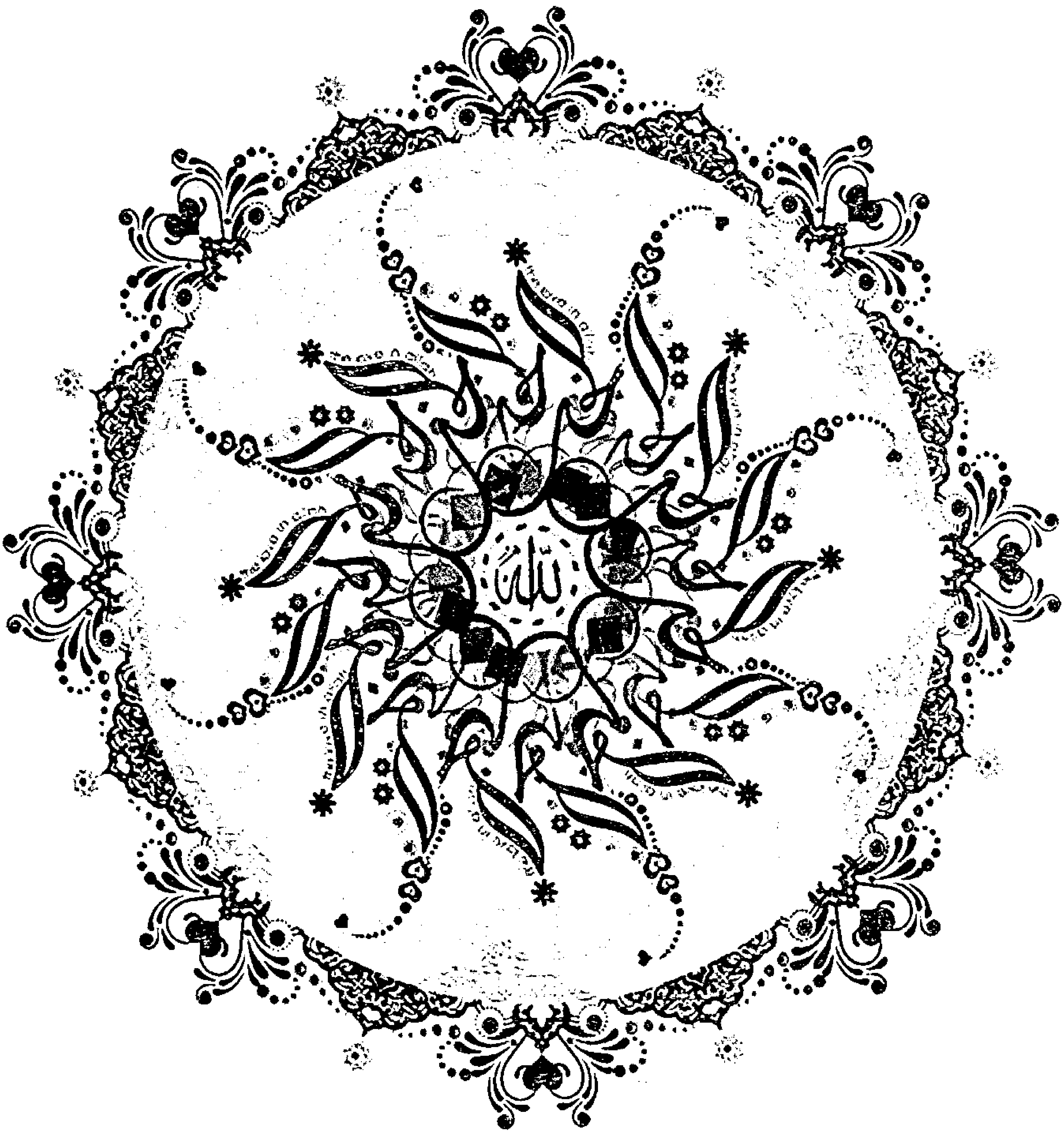

Marfat.com

موضوع 47/84

تباہی کا سبب

THE CAUSE OF DESTRUCTION

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ (THE HEIGHTS)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ
رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ
وَّ زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ: حضرت ہودؑ نے کہا اے میری قوم۔ نہیں مجھ میں ذرا نادانی۔ بلکہ میں تو رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے پہنچاتا ہوں تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور میں تو ایسا خیر خواہ ہوں۔ جو دیانت دار ہو۔ کیا تم تعجب کرتے ہو کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعے جو تم میں سے ہے۔ تا کہ وہ ڈرائے تمہیں اور یاد کرو جب اس نے بنا دیا تمہیں جانشین قوم نوحؑ کے بعد اور بڑھا دیا تمہیں جسمانی لحاظ سے قد و قامت میں تو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔

(Hud) said: "O my people! There is no foolishness in me, but (I am) a messenger from the Lord of the Alamin (mankind, jinns and all that exists)! "I convey unto you the Messeengers of my Lord, and I am a trustworthy advisor (or well wisher) for you. Do you wonder that there has come to you a Reminder (and an advice) from your Lord from a man amongst you that he may warn you? And remember that He made you successors after the people of Nuh (Noah), and increased you simply in stature. So remember, the graces (bestowed upon you) from Allah, so that you may be successful.

Marfat.com

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دنیا از سرِ نو بسائی گئی۔ دنیا کی تعمیر میں حضرت نوح علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی طرز فکر اور صلاحیتیں کام کر رہی ہیں اور اسی پیغمبرانہ طرز فکر کے ساتھ آپ علیہ السلام کے پیروکاروں نے آپ علیہ السلام کے ساتھ مل کر وحدانیت کی روشنی میں ایک نئی دنیا کا آغاز فرمایا۔ اور جب تک نوع اِنسانی نے وحدانیت کے تفکر کا تحفظ کیا اور نوع اِنسانی کی قدروں کو پامال کرنے سے باز رہے۔ دنیا میں چین سکون کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا حاصل رہی۔ وہ ربوبیت کی خوشگوار فضاؤں میں اپنے رب کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ اور وحدانیت کی لامتناہی وسعتوں میں آزادی کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے فطرت کی نرم و گداز آغوش سے ہمکنار ہوتے رہے۔

مگر افسوس کہ اِنسان کی فطری کمزوری اور نسیان کی عادت ایک دن اس پر غالب آ ہی گئی۔ اور پھر دنیا کی قوموں کے اندر آہستہ آہستہ نافرمانی کا وہ ذہن جو حضرت نوح علیہ السلام کی مدتوں کی جانفشانی سے مغلوب ہو چکا تھا۔ جاگ اٹھا۔ اور اس کے اندر ابلیسیت کروٹ بدلنے لگی۔ کلام پاک میں طوفان نوح کے بعد قوم عاد کا ذکر ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام اس قوم کی اصلاح کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ قوم عاد کی سرکشی بھی ان کی غرور اور دنیاوی قوت تعیش کا سبب تھی۔

مندرجہ بالا آیات میں صاف صاف ذکر موجود ہے کہ قوم ہودؑ جسمانی لحاظ سے بہت طاقتور تھے۔ اس سے مراد یہ ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں جسمانی صحت و تندرستی کو بحال رکھنے والی تمام آسائشیں عطا فرمائی تھیں۔ مگر افسوس کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی راہ سے بھٹک گئے۔ اور وحدانیت کی بجائے بت پرستی کی طرف مائل ہو گئے۔ قرآن کریم کے مطابق قوم عاد فنِ تعمیر میں ید طولیٰ رکھتی تھی۔

اَتَبۡنُوۡنَ بِکُلِّ رِیۡعٍ اٰیَۃً تَعۡبَثُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ تَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ ﴿۱۲۹﴾ وَ اِذَا بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِیۡنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۳۱﴾ وَ اتَّقُوا الَّذِیۡۤ اَمَدَّکُمۡ بِمَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّکُمۡ بِاَنۡعَامٍ وَّ بَنِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ وَ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۱۳۴﴾

تم تعمیر کرتے ہو کہ اونچے مقام پر ایک یادگار بے فائدہ۔ اور اپنی رہائش کے لئے بناتے ہو مضبوط محلات اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑے ظالم اور بے درد بن کر گرفت کرتے ہو۔ پس تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو اور ڈرو اس ذات سے جس نے مدد کی تمہاری ان چیزوں سے جن کو تم جانتے ہو اس نے مدد فرمائی۔ تمہارے مویشیوں اور فرزندوں سے اور باغات اور چشموں سے۔

(سورۃ شعراء، پارہ 18، آیت 128 تا 134)

قوموں کی تباہی اور گمراہی کے واقعات میں قدرت کا ایک ہی اصول کارفرما ہے۔ کہ جب نوع اِنسانی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور شے کو اپنا ذہنی مرکز بنا لیتی ہے تو رفتہ رفتہ اللہ کی ذات سے اس کا ذہن ہٹنے لگتا ہے اور اس کی تمام صلاحیتیں دنیا کے حصول میں خرچ ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اِنسان ہی کے تصرف کے لئے بنائی ہے۔ وہ اپنے بندوں کو ہر طرح کے آرام و آسائش مہیا کرتا ہے۔ اور

Marfat.com

اپنی پیدا کردہ نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے دیکھ کر خوش ہوتا ہے مگر یہ سب کچھ اس وقت ہوتا ہے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیّت کو تسلیم کر لے اور اس کی ربوبیت کا منکر نہ بنے۔ قرآن پاک میں جہاں بھی قوموں کے زوال کا ذکر آیا ہے۔ اس بات کی وضاحت کر دی گئی۔ گزری ہوئی قوموں کی طرز زندگی، بود و باش اور ان کے طرز تفکّر کو اس لئے بیان کیا گیا تا کہ آئندہ آنے والی نسلیں ان کے غلط نقش قدم پر چلنے کی کوشش نہ کریں۔ اور ان کی تباہی اور بربادی کی داستانوں سے عبرت حاصل کریں۔ قرآن پاک کی رو سے کسی قوم کا زوال اس کے انتہائی عروج کے بعد آیا۔ اس بات سے قدرت کے اس قانون کی نشاندہی ہوتی ہے کہ نوعِ انسانی کا اجتماعی شعور جب اپنے نقطہ عروج پر پہنچتا ہے تو شعور کی مرکزیت قائم ہو جاتی ہے۔ جس کو ہم شعور کا بالغ ہونا کہتے ہیں۔

قوم عاد کی ہلاکت اور تباہی کے بعد عاد کے قبیلے کے کچھ لوگ جو حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے وہ حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کر کے حجاز اور شام کے درمیانی خطے میں آباد ہو گئے اور قوم ثمود کے نام سے مشہور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے پیغمبر کی برکتوں سے عاد قبیلے کے لوگ یہاں خوب پھلے پھولے اور تاریخ بتاتی ہے کہ ان کے باغات رشک ارم تھے۔ زراعت و باغبانی اور علوم و فنون میں مہارت رکھنے کی وجہ سے ان کی معاشی حالت بہت عمدہ تھی۔ اور حضرت ہود علیہ السلام کے پردہ فرمانے کے بعد آہستہ آہستہ قوم ثمود کے لوگ صراط مستقیم سے بھٹکتے چلے گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جیسے ہی انسان کے عقیدہ میں کمزوری واقع ہوئی وہیں شیطان اسے دبوچ لیتا ہے۔ انسان کے اندر نافرمانی کا ذہن اس کے کمزور عقیدے ناپختہ ارادوں کے باعث غالب آجاتا ہے۔ اور سب سے پہلے انسان کے ذہن میں شیطان ایک سے زیادہ خداؤں کا خیال ڈالتا ہے۔ اور بت پرستی کی طرف مائل کرتا ہے۔ قوم ثمود جب راہ حق سے بھٹک گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝

"جھٹلایا قوم ثمود نے رسولوں کو جب کہا انہیں ان کے بھائی صالح نے کیا تم نہیں ڈرتے۔ میں تمہارے لئے رسول امین ہوں سو تقویٰ اختیار کرو اور میری پیروی کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی معاوضہ میرا معاوضہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا تمہیں رہنے دیا جائے گا اس میں جس میں تم یہاں ہو۔ امن سے ان باغات اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جن کے شگوفے بڑے نرم و نازک ہیں اور تراشتے رہو گے پہاڑوں میں گھر ماہر بنتے ہوئے۔ پس تقویٰ اختیار کرو اور میرا اتباع کرو۔"

(سورۃ الشعراء، پارہ 18، آیت 141 تا 150)

Marfat.com

یہاں ثمود کی معاشرتی حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگ زراعت میں آگے ہونے کے ساتھ ساتھ فنون سنگ تراشی میں بھی بہت بڑھے ہوئے تھے۔ یہ لوگ پہاڑ کے اندر خوبصورت اور مضبوط گھر بناتے اور اس بات پر مغرور تھے۔ کہ پہاڑوں کے اندر پتھروں سے تراشے ہوئے مکانات ہر قسم کے موسمی تغیّرات سے محفُوظ ہیں اسی غرور نے ان کے دل پتھر کی طرح سخت کر دیے اور وہ اپنے ظلم میں آگے بڑھ گئے۔ حضرت صالحؑ کی دعوت پر لبیک کی بجائے وہ تنقید پر اتر آئے اور وہ اپنے غرور اور نافرمانی میں حد سے بڑھتے ہوئے حضرت صالحؑ سے معجزہ کی ضد کرنے لگے۔

حوالہ جات:

1- کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، موضوع حضرت ہود صالحؑ، صفحہ نمبر 224 تا 225

2- کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، موضوع حضرت ہود صالحؑ، صفحہ نمبر 225 تا 226

3- کتاب "معرفتِ عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، موضوع حضرت ہود صالحؑ، صفحہ نمبر 228 تا 229

Marfat.com

موضوع 48/84

ایڈز

ACQUIRED AMUNO DEFECIENCY
SYNDROME (AIDS)

سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ (THE HEIGHTS)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝٨٠

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝٨١

ترجمہ: جب اس نے اپنی قوم سے کہا: تم ایسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جس کو تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو (حقیقت یہ ہے کہ) تم تو بالکل حد سے گزر گئے ہو۔

And Lo! (Remember) when he said unto his folk: Will ye commit abomination such as no creature ever did before you? Lo! ye come with lust unto men instead of women. Nay, but ye, are wanton folk.

نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے مردوں کا آپس میں اختلاط اس قوم کا دستور بن گیا تھا۔ خباثت اور بے حیائی عام ہو گئی تھی۔ حکمران، سردار، معززین شہر اور طبقہ روٴسا میں حیاسوز حرکتیں گھر گھر پھیل گئی تھیں بھری محفلوں میں ناپسندیدہ عمل کر کے خوش ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوطؑ کو اسی قوم کی طرف مبعوث کیا۔ آپ نے بے حیائیوں اور خباثتوں پر اہلِ سدوم کو ملامت کی اور بری باتوں سے بچنے کی نصیحت کی۔ قوم کو گمراہی اور ظلمت کے اندھیروں سے نکالنے کے لئے رب کائنات کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے اور شرافت اور پاکیزگی کے اعمال اپنانے کی ترغیب دی۔ اصلاح اور تزکیہ نفس کے لئے ہدایات و نصیحت کا ترغیبی پروگرام قوم پر بہت شاق گزرا۔ مٹی سے تخلیق پانے والی مظاہر کی کشش نے ان کے حواس کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ وہ بدمستی کی اس کیفیت سے نکلنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ لوگ پندو نصائح کو عیش کوشی اور لذت کی راہ میں رکاوٹ تصور کرتے تھے۔ حضرت لوطؑ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

Marfat.com

حضرت لوطؑ فرشتوں کی ہدایت کے مطابق اپنے متعلقین کے ہمراہ سدوم سے رات کے وقت نکل کر زغر نامی مقام پر پہنچ گئے۔ صبح کے نزدیک ایک ہولناک آواز بلند ہوئی اور اہلِ سدوم کے حواس معطل ہو گئے اور تمام بستیاں ان کے مکینوں سمیت اُلٹ دی گئیں۔ حضرت لوطؑ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جس مقام پر موجود تھے وہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہا۔ حجاز سے شام کو ملانے والی شاہراہ پر اس تباہ شدہ شہر کے آثار آج بھی نظر آتے ہیں۔ چار ہزار سال گزر گئے لیکن اس علاقے میں ہر طرف پھیلی ہوئی ویرانی ختم نہیں ہوئی۔ اب اس مغضوب قوم کی نشانی بحرِ مُردار بھی باقی ہے۔ جسے بحرِ لوط بھی کہتے ہیں یہ بحیرہ کرہ ارض پر پست ترین علاقہ ہے بحرِ مُردار جو اب سمندر نظر آتا ہے پہلے زمانے میں خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھا۔ سدوم اور عمورہ کی آبادی اسی علاقہ میں تھی جب اہل سدوم پر عذاب نازل ہوا تو شدید زلزلوں کے باعث یہ زمین چار سو میٹر سطح سمندر سے نیچے چلی گئی اور ساری آبادیاں پانی میں غرق ہو گئیں۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝ وَ اِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

پس انہیں طلوع آفتاب کے ساتھ ہی سخت آتشیں کڑک نے آ لیا۔ سو ہم نے ان کی بستی کو زیروزبر کر دیا اور ہم نے ان پر پتھر کی طرح سخت مٹی کے کنکر برسائے۔ بے شک اس میں اہل فراست کے لئے نشانیاں ہیں۔ اور بے شک وہ بستی ایک آباد رستے پر واقع ہے۔ بے شک اس میں اہل ایمان کے لئے نشانی ہے۔

(سورہ الحجر، پارہ 14، آیت 77)

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

اور ہم نے سمجھنے والوں کے لیئے اس بستی میں ایک کھلی نشانی چھوڑ دی۔

(سورہ عنکبوت، پارہ 20، آیت 35)

ایڈز AIDS:

حضرت لوطؑ کے قصے میں غیر طبعی عمل کا تذکرہ ہے اور اس غیر طبعی عمل کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے ناپسند قرار دیا ہے کہ اس سے نوعِ انسانی میں طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جو انسانی تباہی کا پیش خیمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحمان و رحیم ہیں وہ اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ جب قوم نے اللہ کے فرستادہ بندے حضرت لوطؑ کی نصیحت پر عمل نہیں کیا اور خود اپنی ہلاکت کے درپے ہو گئی تو اللہ تعالےٰ نے عذاب نازل فرمایا تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں میں یہ ہولناک بیماریاں منتقل نہ ہوں۔

ایڈز سے کس قسم کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں سائنسی تحقیق کے مطابق ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

ایڈز ایک خطرناک مرض ہے جو HIV HUMAN IMMUNO DEFECIENCY وائرس کے ذریعے پھیلتا ہے۔ یہ وائرس جسم کے مدافعتی نظام IMMUNE SYSTEM کو تباہ کر دیتا ہے ایڈز کا بنیادی سبب غیر فطری طریقہ سے مَردوں کا آپس میں جنسی ملاپ

Marfat.com

ہے۔ہر جاندار کے لئے اللہ نے ایک مدافعتی نظام بنایا ہے جس کی وجہ سے تمام اجسام جراثیم اور بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ایڈز میں مدافعتی نظام اس حد تک کمزور ہو جاتا ہے کہ نزلہ وزکام سے بھی انسان اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔ایڈز کا مریض ایڈز سے نہیں مرتا بلکہ دیگر خطرناک بیماریاں لاحق ہونے سے مر جاتا ہے اور اس مرض کے حامل افراد کو کینسر اور دیگرINFECTIONS با آسانی ہو جاتے ہیں۔شروع میں ایڈز کا مریض صحتمند نظر آتا ہے لیکن H.I.V جراثیم آہستہ آہستہ جسمانی دفاعی نظام کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔یہ وائرس خون میں جنسی رطوبتوں میں بھی چلے جاتے ہیں اور خون میں سفید خلیوںMACROPHAGES W.B.Cs کو بھی متاثر کرتے ہیں۔یہ خطرناک بیماری آدمی سے آدمی، عورت سے عورت، عورت سے آدمی یا پھر عورت سے بچوں میں بھی منتقل ہو جاتی ہے۔یہ جراثیم مریض کے خون VAGINAL FLUID، یا لعاب کے ذریعے دوسرے افراد میں سرائیت کر جاتے ہیں۔ایڈز کے زیادہ تر مریض شروع میں نزلہ زکام میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جسم پر LYPMH NODES بن جاتے ہیں اور ہر سال دس فیصد وزن کم ہوتا رہتا ہے، بخار رہتا ہے پسینہ بہت آتا ہے مستقل دستوں کا مرض لگ جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ پھیپھڑے، دماغ، آنتیں اور جلد بھی متاثر ہوتی ہے۔ مریض کھانستا رہتا ہے معمولی ٹھنڈ سے نمونیا ہو جاتا ہے۔ جسم کے مختلف حصوں پر جراثیم حملہ کر کے انہیں مفلوج کر دیتے ہیں۔انفیکشنز کی وجہ سے مریض دن بدن کمزور ہوتا جاتا ہے۔ چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہتا جلد یا پھیپڑوں میں چھوٹے چھوٹے گولNODULES بن جاتے ہیں جن سے کینسر ہو جاتا ہے اور وزن اتنا کم ہو جاتا ہے کہ مریض مر جاتا ہے۔ابھی تک اس مرض کا کوئی مادی علاج دریافت نہیں ہوا۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ جلد سوم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب حضرت لوطؑ، صفحہ نمبر 164

2۔ کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ جلد سوم" از خواجہ شمس الدین عظیمی، باب ایڈز، صفحہ نمبر 167 تا 169

Marfat.com

موضوع 49/84

اَلَستُ بِرَبِّکُم۔قَالُو بَلیٰ

"Am I not your Lord?"

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ (THE HEIGHTS)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ
بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۙ﴿۱۷۲﴾

ترجمہ: اور جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے نکلی ہوئی تمام نسلوں کو حاضر کیا اور انہیں خود اپنے اوپر گواہ بنا کر ان سے پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سارے انسان بولے: یقیناً ہم اس پر گواہی دیتے ہیں (یہ ہم نے اس لئے کیا کہ) قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔

And (remember) when your Lord brought forth from the children of Adam, from their loins, their seed and made them testify as to themselves (saying): "Am I not your Lord?" They said: "Yes! We testify," lest you should say on the Day of Resurrection: "Verily, we have been unaware of this."

مقصدِ تخلیق:

جب کچھ نہیں تھا تو اللہ تھا اللہ نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ پہچان کے لئے ضروری تھا کہ کسی دوسری ہستی کا وجود ہو جو پہچانے۔ اللہ تعالیٰ نے "کُن" ارشاد فرمایا اور ساری کائنات تخلیق ہو گئی گویا اللہ تعالےٰ کا حکم یعنی لفظ کُن کائنات کی صورت میں وجود پذیر ہو گیا۔ اسی حکم کی بناء پر وسیع و عریض اور لامتناہی کائنات، کھربوں کہکشانی نظام، کھربوں سیارگان اور ستارے وجود میں آئے۔ جب ہم اس لفظ "کُن" یعنی ہو جا پر غور کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ کہنے والی ہستی کے ذہن میں ایسا پروگرام ہے جس کے تحت وہ کسی چیز کو نہ صرف وجود میں لانا چاہتی ہے بلکہ اسے قائم رکھنے کے لئے وسائل بھی فراہم کرتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا ذہن اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور یہ علم اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔

Marfat.com

کُن اور قالو بلٰی کا وقفہ:

کُن کہنے کے ساتھ جب عالم ارواح میں کائنات تخلیق پائی تو وہ تمام صفات موجود ہوگئیں جن کی بنیاد پر کائنات کو تخلیق کیا گیا۔ اب تمام کائنات بشمول تمام نوعوں کے سکوت کی حالت میں تھی۔ کائنات کی حیثیت ایک گونگی بہری شے کی سی تھی اس کو اپنا ادراک تو تھا مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ میں کیا ہوں؟ کیوں ہوں؟ کون ہوں؟ اور، میرا بنانے والا کون ہے؟ اس لاعلمی کو علم سے بدلنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کو کائنات کے سامنے پیش کیا اور فرمایا:

"اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ" "کیا نہیں ہوں میں تمہارا رب؟"

کائناتی پراسس کا آغاز IGNITION:

تمام نوعیں اس آواز کی طرف متوجہ ہوئیں اور ان کو سماعت عطا ہوئی۔ انہوں نے اللہ کی آواز کو سنا، دوسرے مرحلے، میں ان کو صفتِ بصارت عطا ہوئی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تیسرے مرحلے میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوال پر سوچا سمجھا پھر اپنے ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لیا اور جواب میں فرمایا:

"قَالُوْا بَلٰی ۛ" "بیشک آپ ہی ہیں ہمارے رب"

اس کے بعد اِنسان اور دوسری نوعوں کو کائناتی PROCESS میں ڈال دیا گیا اور اِنسان لوحِ محفوظ اوّل، لوحِ محفوظ دوئم سے ہوتا ہوا عالم ناسوت یعنی اس مادی دنیا تک آ پہنچا۔

گویا تخلیق کائنات کا مقصد صرف اور صرف یہ نکلا کہ اِنسان اللہ تعالیٰ کو پہچانے۔ دوسرے الفاظ میں خالق نے ایک تصویر بنائی اس تصویر میں اللہ نے اِنسان، حیوان، درخت، پودے، پہاڑ، پانی، آسمان وغیرہ بنائے اور اب وہ یہ چاہتا ہے کہ میری بنائی ہوئی تصویر مجھے پہچانے میری حمد بیان کرے۔ اگر یہ تصویر اپنے ہی رنگوں میں الجھی رہے گی تو اپنے اصل مقصد یعنی اللہ تعالیٰ کی پہچان سے دور ہو جائے گی اور مقصد تخلیق کی تکمیل ممکن نہیں ہوگی۔

اِنسان ایک گمشدگی کے عالم میں تھا۔ اس کو سماعت حاصل تھی نہ بصارت چونکہ سماعت اور بصارت دونوں حاصل نہیں تھیں اس لئے اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو مخاطب کیا تو مخلوق کی حیثیت قائم ہوئی۔ اِنسان کا اور تمام کائنات کا اللہ کے ساتھ ایک اٹوٹ رشتہ ہے۔ یہ رشتہ ہمارے اندر دو رُخ متعین کرتا ہے۔ ایک رُخ کا نام احساس ہے اور دوسرے رُخ کا نام محسوس کرنا ہے۔ جس طرح اِنسان نے اللہ کو دیکھ کر یہ محسوس کیا تھا کہ میں مخلوق ہوں مغلوب ہوں یا کسی کے تابع ہوں۔ یہی قانون پوری زندگی اور عالمین میں جاری ہے۔ آپس میں جب دو دوست یا افراد ملتے ہیں یا ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں تو اس دوست کا اثر قبول کرتے ہیں۔ یہ اثر دو طرح کا ہوتا ہے۔ دو دوستوں میں ایک اثر ڈالنے والا ہوتا ہے اور ایک اثر قبول کرنے والا ہوتا ہے۔ دوست دوسرے

Marfat.com

دوست کو دیکھ کر اپنے معمول کے مطابق کوئی رائے قائم کرتا ہے یعنی دوسرے دوست کی صفات کو بطور احساس اپنے اندر قبول کرتا ہے۔

صفات کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فرد کی صفات کو قبول کر کے اپنی محکومیت کا اعتراف کیا جائے۔ یہ قانون اِنسان حیوانات نباتات سب میں مشترک ہے۔ درخت کو ہم اس وقت تک درخت تسلیم نہیں کر سکتے جب تک درخت کی صفات کو اپنے اندر قبول نہ کرلیں۔ اسی طرح کوئی درخت اس وقت درخت نہیں ہے جب تک کسی اِنسان کی صفت سے مغلوب ہو کر اپنی محکومیت کا اعتراف نہ کرے۔ دیکھنے کی طرز یہ ہے کہ مخلوق کا ہر فرد دوسرے فرد کو اپنے اندر دیکھتا ہے۔ اور اپنے اندر دیکھنا اس وقت ممکن ہے جب نفی کر دی جائے۔ اپنی نفی کرنا ہی مغلوب ہونا اور محکوم ہونا ہے۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ہوئی حضرت عمر نے حضرت اویس سے درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ اس پر حضرت اویس نے دو سوال کئے:

یا عمر! آپ اللہ کو جانتے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا "جی ہاں میں اللہ کو جانتا ہوں۔"

"یا عمر! اللہ بھی آپ کو جانتا ہے؟"

جواب دیا، "اللہ بھی مجھے جانتا ہے۔"

ان دونوں باتوں کا مطلب بالکل واضح ہے۔ صرف یہ کافی نہیں کہ انسان اللہ کی راہ میں قدم اٹھائے اور کام پورا ہو جائے۔ وہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قدم صرف اللہ کے لئے اٹھایا گیا ہے یا اور بھی مصلحتیں شامل ہیں؟ اس میں جنت بھی ایک مصلحت ہے اور بہت سی نیکیاں بھی مصلحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس وقت تک نہیں پہچانتے جب تک کہ مقصد صرف اللہ کی ذات نہ ہو۔ اگر ایک آدمی کا مقصد جنت ہے تو جنت اسے جانتی ہے۔ کہتی ہے " آؤ! لبیک"۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ روحانیت میں اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا مقصد، کوئی دوسری غایت شریک کرنا کفر ہے۔

مائیکروفلم MICROFILM:

جوں ہی یہ سوال جواب ہوئے وہاں موجود تمام فرشتوں، جنّات اور تمام نوعوں نے یہ مشاہدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا سوال پوچھنا اور مخلوقات کا جواب دینا یہ تمام منظر ایک ریکارڈ کی صورت میں گواہی دینے والی رُوحوں کے ذہن میں مائیکروفلم MICRO FILM کی طرح رکھ دیا گیا ہے۔

تصوّف کا مقصد:

تصوّف کا مقصد و منشا یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کو پہچان لے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ سڑی ہوئی مٹّی سے بنا ہوا آدمی، اللہ تعالیٰ جیسی پُر عظمت ہستی کو دیکھ لے۔ کیونکہ دیکھے بغیر پہچاننا ممکن نہیں؟

تخلیقِ کائنات کی ابتداء کو جس طرح اہلِ رُوحانیت بتاتے ہیں اگر قلم بند کیا جائے تو وہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میں ایسی مخلوق پیدا کروں جو مجھے جانے اور پہچانے۔ اللہ تعالیٰ نے CREATION تخلیق کے فارمولے اپنے ذہن میں کیا بنائے وہ خود جانتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ بات چاہی اور پسند کی کہ کائنات کو تخلیق کیا جائے۔ چنانچہ کائنات کو پورے خدوخال اور عمل و حرکت کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کُن کہہ کر وجود کا لباس پہنا دیا۔ کائنات

Marfat.com

بشمول (اِنسان اور جنّات) وجود میں آ تو گئے لیکن کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ کون ہے؟ کیوں ہے؟ اور کیا ہے؟ اس مرحلے پر اللہ تعالیٰ نے اِنسانوں، جنّات، فرشتوں اور پوری کائنات کو ان کی حیثیت سے آگاہ کیا۔ یعنی انہیں یہ علم بخشا کہ تمہارا ایک وجود ہے۔ چنانچہ فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّکُم (میں ہوں تمہارا رب) مخلوق کے دماغ کے پردے پر دو باتیں وارد ہوئیں۔

مخلوق نے جب اللہ تعالیٰ کی آواز سنی تو اس کے اندر فہم و ادراک اور نظر پیدا ہو گئی اور دریائے حیرت سے نکل کر اس نے آواز کی جانب دیکھا۔ جیسے ہی اسے نظر ملی۔ نظر کی مرکزیت اللہ تعالیٰ قرار پائے۔ دیکھنے کے بعد مخلوق نے کہا۔ قَالُو بلیٰ جی ہاں! ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں۔

عالمین:

ہم پیدا ہونے سے پہلے کہاں تھے؟ اس کا آسان سا جواب یہ ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے تمام اِنسان، حیوانات، عالم ارواح میں موجود تھے۔ عالم ارواح سے منتقل ہو کر عالم ناسوت (مادی دنیا) میں آ گئے لیکن جب ہم عالم ارواح کا تذکرہ کرتے ہیں۔ تو یہ بات تشریح طلب بن جاتی ہے کہ عالم ارواح کیا ہے؟ عالم ارواح کا علم لامتناہی علم ہے لیکن اللہ نے جن لوگوں کو یہ علم عطا کیا ہے وہ اس علم سے روشناس ہیں اور علم اپنے شاگردوں کو منتقل کر دیتے ہیں۔

رُوحانیت کے سوا اور کوئی ذریعہ تعلیم نہیں جس کے ذریعے اِنسان خود اپنی ذات کی حقیقت سے آشکارا ہو۔ رُوحانیت یعنی علم حضوری کے لئے اپنی رُوح سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے تو اِنسان یہ جان لیتا ہے کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے؟ اور اس کی منزل کیا ہے؟ یعنی علم حضوری کے ذریعے ازل سے لے کے ابد تک کی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ ازل اور ابد اللہ تعالیٰ کا دائرہ کُن ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کُن کہا تو ساری کائنات وجود میں آ گئی یعنی رُوحیں وجود میں آ گئیں وجود میں آنے کے بعد اِنسان کی رُوح دس زندگیاں گزارتی ہے۔

1۔ عالم ارواح: یہ وہ مقام ہے جہاں رُوحیں موجود ہیں۔

2۔ مقام برزخ: جب شکم مادر میں آنے کے لئے رُوح نیچے اترتی ہے۔

3۔ عالم ناسوت: موجودہ دنیا جہاں پیدائش کے بعد رُوح جسمانی طور پر دنیاوی شعور کے ساتھ زندگی گزارتی ہے۔

4۔ عالم اعراف: مرنے کے بعد کا عالم۔

5۔ عالم نفخ صور: اعراف کے بعد جہاں رُوحیں منتقل ہوتی ہیں۔

6۔ عالم حشر نشر: نفخ صور کے بعد جب اِنسان جسمانی حالت میں اٹھے گا اسی کو قیامت کا دن کہا ہے۔

7۔ عالم یوم الحساب: جب اللہ تعالیٰ حساب کتاب لیں گے۔

8۔ جنّت دوزخ:

Marfat.com

9۔ ابد:

10۔ ابدالآباد: وہ مقام جہاں کُن سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ذہن میں کائنات کی تصویر تھی۔

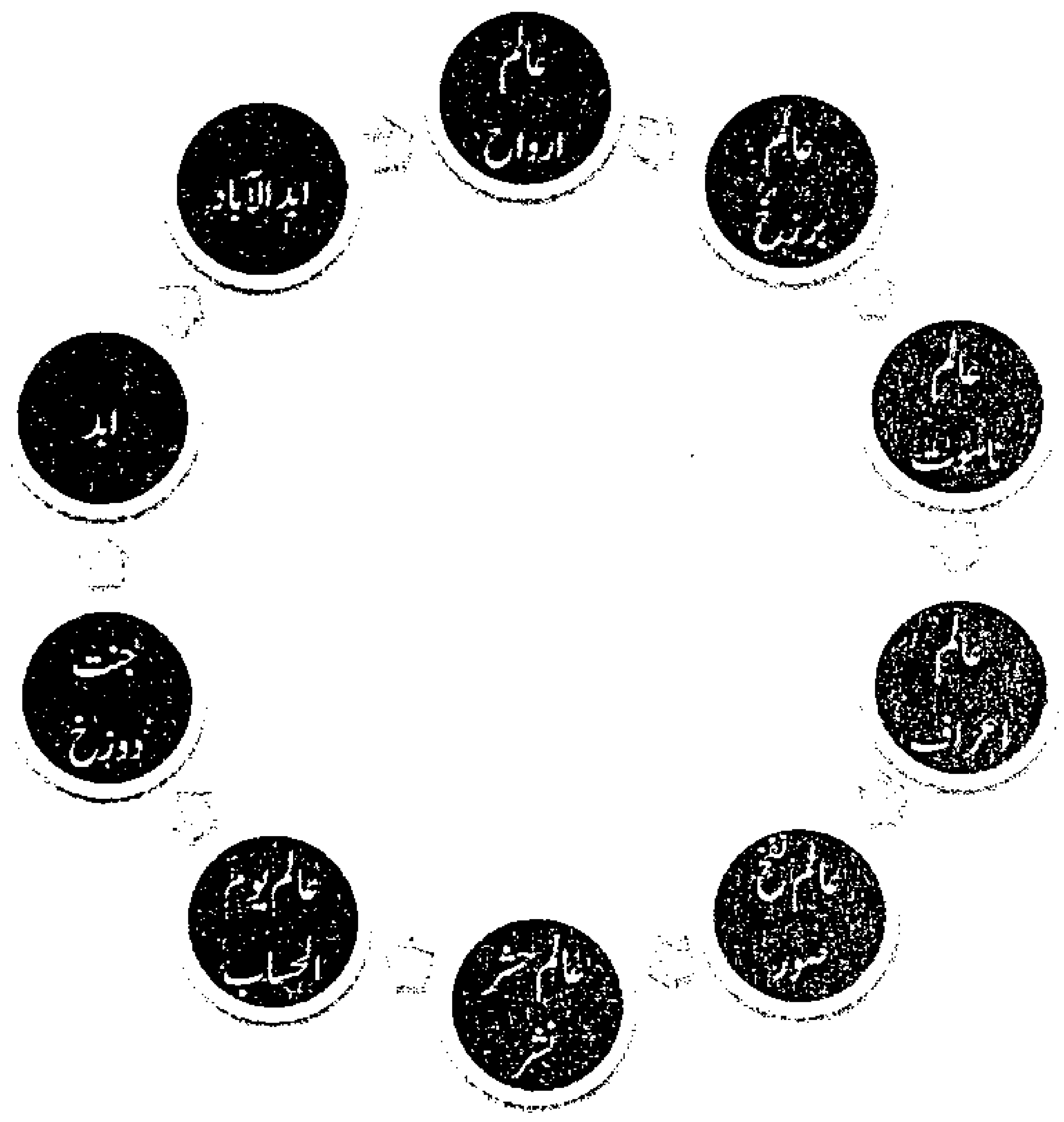

ان تمام زندگیوں میں رُوح کے مختلف حواس کام کرتے ہیں اور حواس کی منتقلی کا نام ہی موت ہے۔

تفکّر کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تخلیق کے پروگرام سے اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ اسے جانا پہچانا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہچاننے کے بے شمار راستے متعیّن کئے ہیں اور مختلف نوعوں کو پہچاننے کی مختلف صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ حاملانِ عرش، ملائکہ سماوی، ارضی، اور ملائکہ عنصری سب ہی اللہ تعالیٰ کا عِرفان رکھتے ہیں۔ جنّات کو بھی اللہ تعالیٰ کے عِرفان کی صلاحیت دی گئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب کرداروں میں سب سے زیادہ باصلاحیت اِنسان کو بنایا ہے۔ یعنی اِنسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیتیں ودیعت INSTALL کر دی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوقات سے زیادہ قریب سے پہچان سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں جس کو آدم کہا گیا ہے کو اپنے خصوصی عِرفان کے لئے منتخب کیا اور اسے اپنی صفات کا براہِ راست عِلم بخشا اور یہ عِلم عطا فرمانے کے بعد اس بات کو بھی ظاہر فرما دیا کہ صفات کا یہ عِلم صرف اِنسان کو حاصل ہے۔

دیکھنے کی طرز:

اللہ تعالیٰ نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُم فرما کر کائنات کو نگاہ کا عِلم عطا کیا۔ دیکھنے کی طرزوں میں قانون بہت زیادہ اہم ہے کہ دیکھنے کا عِلم اس وقت مکمل نہیں ہوتا جب تک نگاہ کے لئے کوئی ہدف نہ بن جائے۔ یعنی نگاہ کسی چیز کو ٹارگٹ کے بغیر نہیں دیکھ سکتی۔ کائنات یا اِنسان کی نگاہ کا پہلا ٹارگٹ اللہ تعالیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمایا کہ "میں تمہارا رب ہوں" تو اِنسان کی نگاہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ٹارگٹ بن گئی اور یہاں سے اِنسان گمشدگی کے دریا سے باہر آگیا۔ جب اِنسان گمشدگی کے دریا سے باہر آیا تو اس نے پہلے اللہ کو دیکھا اور پھر ساری کائنات کو یکجائی پروگرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہوئے سنا۔ اقرار کا سننا اور تمام کائنات کو ایک کنبے کی

Marfat.com

حیثیت میں دیکھنا اور محسوس کرنا کہ ہماری حیثیت صرف نگاہ کی ہے نگاہ کی دوسری حرکت ہے۔ پھر نگاہ نے دوسری تیسری چوتھی اور پانچویں کروٹ بدلی۔ اب اس نے دیکھا کہ فی الواقع ہر چیز کی حیثیت یہ ہے کہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں بس وہی ہے۔ اس دیکھنے کو وحدت الشہود کہتے ہیں۔

جب نگاہ WITH MEDIUM (بالواسطہ) دیکھتی ہے تو خود کو مکانیت اور زمانیت کے اندر محبوس اور مقید محسوس کرتی ہے اور جیسے جیسے بالواسطہ دیکھنے کی طرزیں گہری ہوتی جاتی ہیں اسی مناسبت سے کثرت درکثرت درجے تخلیق ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ نگاہ کہیں گفتار، کہیں نظارہ، کہیں شہود، کہیں سماعت اور کہیں لمس بن جاتی ہے۔ شہود، قوت، نظارہ، شامہ اور لمس مکانیت کے اندر محدود ہیں۔ ان حرکات کو تنزلات کہا جاتا ہے۔ ہر تنزل کے دو جز ہوتے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے قانون بیان فرمایا ہے کہ ہر شے دو رُخوں پر تخلیق کی گئی ہے۔ اسی طرح تنزل بھی دو رُخوں پر قائم ہے۔

اب ہم یوں کہیں گے کہ انسان دوسرے تنزل میں داخل ہو گیا اور اس دوسرے تنزل میں اس نے شعور، نگاہ، شکل و صورت، گفتار، سماعت، رنگینی، احساس، کشش، اور لمس سے وقوف حاصل کیا۔ تنزل اوّل، وحدت کا ایک درجہ ہے۔ اور تنزل دوئم، کثرت کے پانچ درجے ہیں۔ اس طرح تنزلات کی تعداد چھ ہو گئی۔ پہلے تنزل کو لطیفہ وحدت اور دوسرے درجوں کو لطائف کثرت کہتے ہیں۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود:

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا جہاں تک تعلق ہے یا جس عالم کو اہل تصوّف محض وحدت کا نام دیتے ہیں یہ ذہن انسان کی اپنی اختراع ہے۔ اِنسان اپنی محدود فہم کے مطابق یا محدود فکری صلاحیت کے مطابق جو کچھ بیان کرتا ہے وہ اِنسان کی اپنی محدود فکر ہے۔ یہ کہنا کہ عالم وحدت، وحدت باری تعالیٰ ہے ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدت کو یا اللہ تعالیٰ کے کسی وصف کو اِنسانی شعور بیان کرنے سے قطعی قاصر ہے۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان کرتے ہیں تو دراصل اپنی ہی محدود فکری صلاحیتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کسی لفظ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی صفات کا مکمل احاطہ ہو سکے۔ اِنسان اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں جس لامحدودیت کا اظہار کرتا ہے فی الواقع وہ اپنے محدود دائرہ کا تذکرہ کرتا ہے۔ یعنی اِنسان کی محدود فکر کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات جس حد تک سما جاتی ہیں اس نے اس کو لامحدودیت کا نام دے دیا۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کی وحدت کا تذکرہ کرتے ہیں تو فی الحقیقت اپنی وحدت کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو اس حد تک سمجھا ہے۔

اِنسان جس مقام کے تعین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے یا سمجھنے کے لئے کارکردگی کا مظاہرہ کرتا ہے اس ہی مناسبت سے وہ اللہ تعالیٰ کا تذکرہ کر دیتا ہے۔ چونکہ اِنسان کی لامحدود نگاہ بھی محدود ہے اس لئے آگے اور آگے اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ اس کے ادراک میں یہ بات نہیں آتی کہ جو کچھ ہے اس سے آگے بھی کچھ ہے۔ وہ بے بسی کی حالت میں سمجھ میں آنے والے عالم کا نام وحدت الوجود یا وحدت الشہود رکھ دیتا ہے۔ آخری نبی سیّدنا حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

Marfat.com

پہچاننے کا جو حق ہے وہ ہم سے پورا نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۷

اور زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ قلمیں بن جائیں اور یہ جو سمندر ہے اس کے علاوہ سات سمندر اس کے ساتھ اور مل جائیں (وہ روشنائی بن کر اللہ کی صفات لکھیں) تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی حقیقت یہ ہے کہ اللہ عزیز اور حکیم ہے۔

(سورۃ لقمان، پارہ 21، آیت 27)

یعنی درخت قلم بن جائیں تب بھی اللہ تعالیٰ کی باتوں کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔

سعید رُوحیں:

اگر ہم سعید رُوحیں نہ ہوتے تو اپنے اللہ کی عبادت و ریاضت کی کوشش نہ کرتے، نافرمانی کے بعد توبہ نہ کرتے۔ اچھے اور بُرے کی تمیز نہ رکھتے اور سب سے بڑھ کر اللہ سے دعاؤں میں اس کی خوشنودی اور بخشش نہ چاہتے۔ اِس کے مقابلے میں ہمارے اردگرد ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنہیں دنیاوی کاموں کے علاوہ آخرت سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ نہ انہیں کوئی مذہب سے لگاؤ ہوتا ہے اور نہ ہی مرنے کے بعد اللہ سے ملاقات کا شوق ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے حتمی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سعید رُوحیں نہیں ہیں۔ ہمیں ان کو بھی راہ راست پر لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کسی بھی شخص کی زندگی میں ٹرننگ پوائنٹ U-TURN آسکتا ہے۔ لہٰذا اپنی طرف سے ان کے لئے نیک خواہشات رکھنی چاہئیں کیونکہ اللہ بہت معاف کرنے والا ہے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "شرح لوح و قلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب اجمال، صفحہ نمبر 85 تا 86

2۔ کتاب "خلیفۃ الارض" از نعمان ریاض عظیمی، باب الستُ برَبِّکُم، صفحہ نمبر 30

3۔ کتاب "توجیہات" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب پُر عظمت ہستی، صفحہ نمبر 39 تا 40

4۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 212، صفحہ نمبر 153

5۔ کتاب "معرفت عشق" از سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی، موضوع انبیاء اور ان کے معجزے، صفحہ نمبر 54

6۔ کتاب "توجیہات" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب پُر عظمت ہستی، صفحہ نمبر 41

7۔ کتاب "شرح لوح و قلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب وحدت الوجود و وحدت الشہود، صفحہ نمبر 52 تا 55

Marfat.com

موضوع 50/84

مذکر مونث GENDER

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ (THE HEIGHTS)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ

ترجمہ: وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔

He it is who did create you from a single soul, and therefrom did make his mate that he might take rest in her.

حضرت حوّا علیہ السلام کی تخلیق:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ

وہی ہے جس نے تم کو بنایا ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا کہ اسے آرام ملے۔ (سورۃ اعراف، پارہ 9، آیت 189)

"اور خداوند نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا۔ اور اس نے اس کی پسلیوں میں ایک حصّہ نکال لیا اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا اور خدا اس پسلی سے جو اس نے آدم میں سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر آدم کے پاس لایا" (کتاب پیدائش باب 2: 21-22)

مونث، مذکر کا تخلیقی راز:

محققین کی رائے ہے کہ قرآن کریم صرف حوا علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر نہیں کر رہا بلکہ عورت کی تخلیق کے متعلق اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ وہ بھی مرد ہی کا حصّہ ہے۔ اس کو اس طرح سمجھا جائے کہ آدمؑ کے اندر عورت کا وجود تھا۔ اللہ نے جب چاہا کہ آدم کے دونوں رُخوں کا مظاہرہ ہو تو عورت کے وجود کو آدمؑ سے الگ کر دیا۔ علماء باطن کہتے ہیں کہ یہاں ہر شے دو رُخوں سے مرکّب ہے۔ مرد کا وجود بھی دو رُخوں پر قائم ہے اور عورت کا وجود بھی دو رُخوں پر قائم ہے۔ عورت کے اندر مرد چھپا ہوا ہے اور مرد کے اندر عورت چھپی ہوئی ہے۔ اگر آدمؑ کے اندر حوا نہ ہوتی تو حواؑ کی پیدائش ممکن نہیں تھی۔ دوسری مثال حواؑ کے اندر سے آدمؑ کی پیدائش ہے

Marfat.com

جس کو آسمانی کتابوں نے عیسیٰ کا نام دیا ہے۔

غالب اور مغلوب پَرَت (LAYER):

ہر فرد دو پَرَت سے مُرکّب ہے ایک پَرَت ظاہر اور غالب رہتا ہے اور دوسرا پَرَت مغلوب اور چھپا ہوا رہتا ہے۔ مَرد یا عورت دونوں دو دو رُخوں سے مُرکّب ہیں۔ ایک ظاہر رُخ اور ایک باطن رُخ۔ عورت میں ظاہر رُخ عورت کے خدوخال میں جلوہ نما ہو کر ہمیں نظر آتا ہے اور باطن رُخ وہ ہے جو نظر نہیں آتا اسی طرح مَرد کا ظاہر رُخ مَرد کے خدوخال بن کر ہمارے سامنے آتا ہے اور باطن رُخ وہ ہے جو مخفی رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مَرد بحیثیت مَرد جو نظر آتا ہے وہ اس کا ظاہر رُخ ہے اور عورت بحیثیت عورت جو نظر آتی ہے ور اس کا ظاہر رُخ ہے۔ مَرد کے ظاہر رُخ کا متضاد باطن رُخ "عورت" جو اس کے ساتھ لپٹا ہوا ہے اور عورت کے ظاہری رُخ کے ساتھ کا متضاد باطن رُخ "مَرد" لپٹا ہوا ہے۔ افزائش نسل اور جنسی کشش کا قانون بھی ان ہی دو رُخوں پر قائم ہے۔ عورت کا باطن رُخ مَرد چونکہ مغلوب ہے اور غالب خدوخال میں نمودار ہو کر مظہر نہیں بنا اس لئے وہ غالب اور مکمل رُخ کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کے اندر جذب ہونے کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ اسی طرح مَرد کے اندر چھپا ہوا پَرَت "عورت" چونکہ مغلوب اور نامکمل ہے اسلئے وہ بھی عورت کے ظاہری رُخ سے ہم آغوش ہو کر اپنی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔ علماء باطن فرماتے ہیں کہ قانون قُدرت کے مطابق اگر ذہنی مرکزیت کسی رُخ پر قائم ہو جائے اور اِنسان کے اندر کا رُخ جسے قُرآن میں "اَمر رب" کہا گیا ہے، متحرک ہو جائے تو مغلوب پَرَت متشکل ہو جاتا ہے۔ اور یہی بات حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آئی۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ جلد سوم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب حضرت حوا کی تخلیق، صفحہ نمبر 57 تا 59

Marfat.com

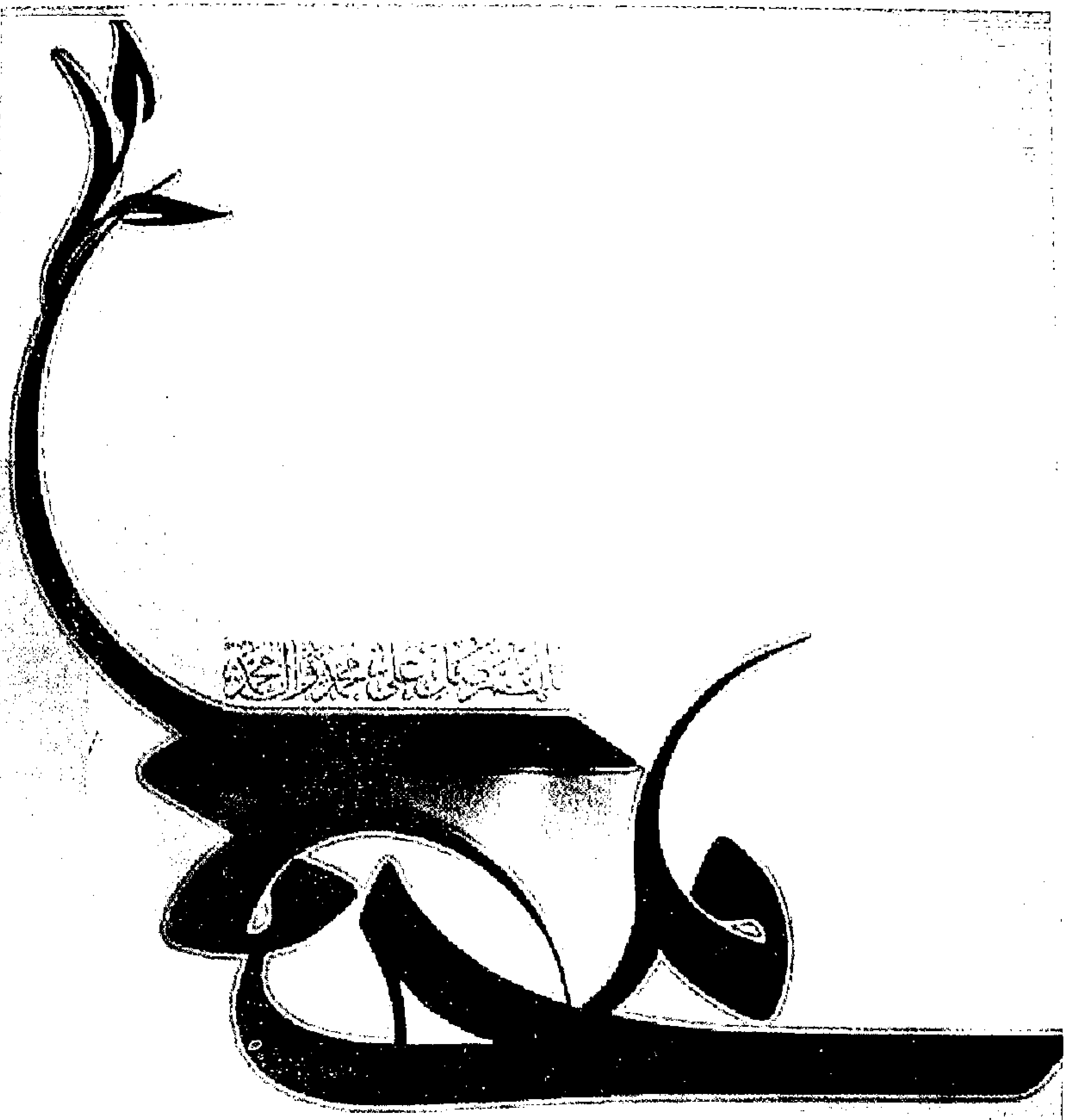

Marfat.com

Marfat.com

موضوع 51/84

جنگِ بدر

BATTLE OF BADAR

سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ (SPOILS OF WAR)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ ۠ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۚ

وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْہُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ان دشمنوں کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ انہیں اللہ نے قتل کیا اور اے نبی ﷺ جب تم نے ان پر خاک پھینکی تو یہ تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تا کہ اللہ مومنوں کو ایک بہترین آزمائش میں کامیاب کرے یقیناً اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

Ye (Muslims) slew them not, but Allah slew them. And thou (Muhammad) threwest not when thou didst throw, but Allah threw, that He might test the believers by a fair test from Him. Lo! Allah is Hearer, Knower.

ہجرت کے دوسرے سال سترہ رمضان کو بدر کے مقام پر دونوں افواج کا آمنا سامنا ہوا۔ اس جنگ میں مسلمان تعداد کے لحاظ سے قریش کے مقابلے میں ایک تہائی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور فتح اور نصرت عطا فرمائی۔ قریش کی فوج کا سپہ سالار ابو جہل اس جنگ میں ہلاک ہوا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کا تذکرہ قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ ۠ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۚ وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْہُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۷﴾

ان دشمنوں کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ انہیں اللہ نے قتل کیا اور اے نبی ﷺ جب تم نے ان پر خاک پھینکی تو یہ تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تا کہ اللہ مومنوں کو ایک بہترین آزمائش میں کامیاب کرے یقیناً اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ (سورۃ انفال، پارہ 9، آیت 17)

جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی خبر مکہ پہنچی تو اہل مکہ نے ایک اور جنگ کے ذریعے مسلمانوں سے بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔

حوالہ جات:

1- کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ جلد اوّل" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب تین سو تیرہ بمقابلہ ایک ہزار، صفحہ نمبر 117 تا 118

Marfat.com

موضوع 84 /52

حضرت ابو ایوب انصاریؓ

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ (SPOILS OF WAR)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی ہیں تحقیق ایمان والے اور ان کو بخشش ہے روزی عزّت کی۔

And those who believed, and emigrated and strove hard in the cause of Allah as well as those who gave (them) asylum and aid; these are the believers in truth, for them is forgiveness and Rizqun Kareem.

شہر مدینہ بلندی پر واقع ہے۔ اس کے شمال اور جنوب میں دو پہاڑ ہیں۔ مدینہ کے تین اطراف یعنی مشرق، مغرب، جنوب میں منجمد شدہ آتش فشاں پھیلا ہوا ہے۔ مدینہ کی آب و ہوا معتدل ہے اور وہاں جزیرہ عرب کے دوسرے علاقوں کی نسبت بارشیں زیادہ ہوتی ہیں۔ سیّدنا حضور ﷺ قصویٰ نامی اونٹنی پر سوار جب مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینے کے باشندوں نے آگے بڑھ کر اونٹنی کی مہار تھام لی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ سیّدنا ﷺ کی میزبانی کا شرف اسے نصیب ہو حضور ﷺ نے کہا: " میری اونٹنی کی لگام چھوڑ دو۔ میری اونٹنی وہاں بیٹھے گی جہاں خدا کی مرضی ہو گی اور میں بھی وہیں قیام کروں گا جہاں خدا چاہے گا"۔

سیّدنا ﷺ کی اونٹنی قصویٰ مدینے کے کئی محلوں سے گزری اور محلہ النجار میں داخل ہو گئی۔ مدینہ کے سارے مسلمان پیغمبر ﷺ کی اونٹنی کے پیچھے چل رہے تھے اور یہ جاننے کے مشتاق تھے کہ اونٹنی کہاں بیٹھے گی۔

قصویٰ کچھ دیر تک قبیلہ نجار کے محلے میں چکر لگاتی رہی پھر ایسے قطعہ زمین میں داخل ہو گئی جو بالکل خالی تھا اونٹنی وہاں پہنچ کر چند قدم اور آگے بڑھی پھر ٹھہر گئی اور زمین پر گھٹنے ٹیک دیے۔ اس جگہ پر جہاں اونٹنی نے گھٹنے ٹیکے تھے کوئی گھر موجود نہیں تھا۔ اور اس

Marfat.com

قطعہ زمین کو کھجوریں خشک کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ البتہ وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک گھر تھا۔ اور مسلمانوں نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بتایا کہ یہ گھر ابوایوب انصاریؓ نامی شخص کی ملکیت ہے۔ جس جگہ حضور ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی۔ حضور ﷺ نے مالیت سے زیادہ رقم دے کر وہ زمین خرید لی۔

مدینہ پہنچنے کے دوسرے دن پیغمبر اسلام ﷺ نے مسلمانوں کی مدد سے اس جگہ پر مسجد کی تعمیر شروع کر دی۔ بلا امتیاز سارے مرد جن میں خود حضور ﷺ بھی شامل تھے اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈھوتے، پتھر لاتے، گارا بناتے، اور مسجد کی تعمیر میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ مذکورہ مسجد کی تعمیر میں سات ماہ کا عرصہ لگا۔ مسجد کا قبلہ بیت المقدس تھا۔

مسجد میں ان مہاجرین کے لئے جن کے پاس رہنے کو جگہ نہ تھی اینٹوں اور گارے کی مدد سے ایک بہت بڑا چبوترہ بنایا جو کہ آج بھی صُفہ کے نام سے معروف ہے۔ صُفہ میں قیام کرنے والے لوگوں کو اہلِ صُفہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ مکہ سے آنے والے مسلمان چونکہ تہی دست تھے۔ ان کے پاس رہنے کے لئے جگہ نہیں تھی پیغمبر اسلام ﷺ نے انصار سے فرمایا کہ مسلمانوں میں کسی ایک کے ساتھ عہدِ اخوّت باندھ لیں۔ اور انہیں اپنے گھروں میں جگہ دیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر حصولِ معاش کا کام کریں مکہ سے آنے والے 186 مسلمانوں نے مدینہ کے مسلمانوں یعنی انصار کے ساتھ عہد اخوت باندھا اور ان لوگوں کے گھروں میں پناہ گزین ہو گئے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ

اور جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی ہیں تحقیق ایمان والے اور ان کو بخشش ہے روزی عزّت کی۔

(سورۃ انفال، پارہ 10، آیت 74)

انتخاب درِ ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ:

بظاہر یہ بات تعجب خیز معلوم ہوتی ہے کہ اہل مدینہ تو حضور ﷺ کو اپنے پاس ٹھہرانے کے لئے قدم قدم پر التجائیں کرتے رہے لیکن اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے حضور ﷺ کو قیام کرنے کے لئے مدینہ بھر میں صرف حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مکان منتخب کیا۔۔۔۔ اس میں آخر کیا حکمت ہے؟

حضور ﷺ کی ولادت سے طویل عرصہ قبل ایک بادشاہ گزرا ہے جس کا نام تبع ابن حسان تھا۔ وہ زبور کا پیروکار تھا اور بہت نیک انسان تھا۔ ایک دفعہ تقریباً ڈھائی لاکھ افراد کو لے کر مکہ مکرمہ میں حاضر ہوا۔ اور زیارت کے بعد کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھایا۔ واپسی پر اس کا گزر اس جگہ سے ہوا جہاں اب مدینہ طیبہ آباد ہے۔ تو اس کے ساتھ سفر کرنے والے چار سو علماء نے خواہش ظاہر کی کہ ہم یہاں مستقل طور پر قیام کرنا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ہماری مذہبی روایات کے مطابق یہ جگہ ایک عظیم نبی

Marfat.com

احمد ﷺ کی جلوہ گاہ بنے گی۔ ہم یہاں اس لئے رہنا چاہتے ہیں کہ شاید ہمیں اس نبی ﷺ کے دیدار اور خدمت کی سعادت حاصل ہو جائے۔ نیک دل بادشاہ نے نہ صرف ان کو اجازت دے دی بلکہ سب کے لئے مکانات بھی تعمیر کرادیے۔ اور رہائش کی جملہ ضروریات بھی مہیا کر دیں۔ پھر ایک مکان خصوصی طور پر بنوایا اور آنے والے نبی ﷺ کے نام ایک خط تحریر کیا۔ جس میں اقرار کیا کہ میں آپ ﷺ پر ایمان لا چکا ہوں اور اگر آپ ﷺ کا ظہور میری زندگی میں ہوا تو آپ ﷺ کا دست و بازو بن کر رہوں گا۔

اس کے بعد یہ دونوں چیزیں مکان اور خط اس عالم کے حوالے کر دیں جو ان میں سے سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار تھا۔ اور کہا کہ فی الحال تم اس مکان میں رہو اور یہ خط سنبھال کر رکھو اگر تمہاری زندگی میں اس نبی ﷺ کا ظہور ہو گیا تو یہ دونوں چیزیں میری طرف سے ان کی خدمت میں پیش کر دینا۔ ورنہ اپنی اولاد کو یہی وصیت کر جانا تا کہ یہ دونوں چیزیں نبی ﷺ تک پہنچ جائیں۔

اس وصیت پر نسل در نسل عمل ہوتا رہا اور یہ چیزیں پرہیز گار انسان کی اولاد میں منتقل ہوتی رہیں اس طرح طویل عرصہ گزر گیا۔ اب اس مردِ صالح کی اولاد میں سے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس مکان کے محافظ و نگہبان تھے اور خط بھی انہی کے پاس محفوظ تھا۔

حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تو حضور ﷺ نے اس خط کو پڑھوا کر سنا اور اس کے مندرجات سے اتنے مسرور ہوئے کہ تین بار فرمایا: "میرے نیک بھائی تبع کو خوش آمدید"

Marfat.com

موضوع 53/84

غارِ ثور

THE CAVE OF SOAR

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ (REPENTANCE)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

ترجمہ: اگر تم حضور ﷺ کی مدد نہیں کرو گے تو کچھ پرواہ نہیں۔ ان کی مدد تو اللہ نے اس وقت بھی فرمائی تھی جب منکرین حق نے انہیں اس حال میں مکہ سے نکالا تھا جب وہ دو کا دوسرا تھے۔ (یاد کرو) جب وہ دونوں اس غار (غارِ ثور) میں تھے اور اس وقت انہوں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ غم نہ کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس وقت اللہ نے ان پر سکون قلب نازل فرمایا اور ان کی مدد ایسے لشکروں سے کی جن کو تم نہیں دیکھ سکتے۔ اللہ نے منکرین حق کا بول نیچا کر دیا اور اللہ ہی کا کلمہ بلند رہا یقیناً اللہ غالب اور حکیم ہے۔

If ye help him not, still Allah helped him when those who disbelieve drove him forth, the second of two; when they two were in the cave, when he said unto his comrade: Grieve not. Lo! Allah is with us. Then Allah caused His peace of reassurance to descend upon him and supported him with hosts ye cannot see, and made the word of those who disbelieved the nethermost, while Allah's word it was that became the uppermost. Allah is Mighty, Wise.

Marfat.com

قریش کے کارندے اسی رات مکہ کے آس پاس پھیل گئے۔ اور گردونواح کے بیابانوں میں حضور ﷺ کی تلاش شروع کردی۔ انہوں نے یہ اعلان بھی کروایا کہ جو شخص آپ ﷺ کو ڈھونڈ نکالے گا اسے سو اونٹ پیش کئے جائیں گے۔ اگلے روز قریش کے کارندے تیز رفتار اونٹوں کے ذریعے اس علاقے تک پہنچ گئے جہاں حضور ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ قریش کے افراد غار کے سامنے سے گزرے تعاقب کرنے والوں نے دیکھا کہ غار کے منہ پر مکڑی کا جالا بنا ہوا ہے۔ پیغمبر اسلام حضور ﷺ کا تعاقب کرنے والا دوسرا گروہ بھی غار کے قریب سے گزرا اور انہوں نے دیکھا کہ غار میں ایک پرندے کا گھونسلا بنا ہوا ہے اور اس کے انڈے بھی ہیں۔ قریش کی آمدورفت دیکھ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پریشان ہو گئے لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے انہیں تسلّی دیتے ہوئے خدا کی مدد کا یقین دلایا۔

حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین شب و روز اسی غار میں ٹھہرے رہے۔ تین روز کی جستجو کے بعد قریش بھی تھک گئے اور مکہ واپس چلے گئے۔ اسی اثناء میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ طے شدہ منصوبے کے مطابق دو سفید اونٹنیاں لے کر مذکورہ غار تک پہنچ گیا۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ جلد اوّل" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب دارالندوہ، صفحہ نمبر 107 تا 108

Marfat.com

موضوع 54/84

مشرکین کے لئے مغفرت

FORGIVENESS TO IDOLATERS

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ (REPENTANCE)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى

ترجمہ: پیغمبر اور وہ لوگ جو ایمان لائے مناسب نہیں کہ خدا سے مشرکوں کے لئے مغفرت طلب کریں چاہے وہ لوگ ان کے اقرباء میں سے ہوں۔

It is not for the Prophet, and those who believe, to pray for the forgiveness of idolaters even though they may be near of kin (to them)

ایک دن ابی لہب نے بنو ہاشم کے تمام افراد کو ایک ضیافت میں شرکت کی دعوت دی اور حضور ﷺ کو بھی مدعو کیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو ابی لہب نے حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا!

"میں چاہتا ہوں کہ بنو ہاشم کے تمام افراد کے سامنے تجھ سے تیرے جد عبد المطلب کے بارے میں سوال کروں اور پوچھوں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ مشرکین جہنم میں جائیں گے تو تمہارے خیال میں عبد المطلب جنّت میں ہیں یا جہنم میں؟"

حضور ﷺ نے جواب میں قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى

پیغمبر اور وہ لوگ جو ایمان لائے مناسب نہیں کہ خدا سے **مشرکوں کے لئے مغفرت طلب کریں** چاہے وہ لوگ ان کے **اقرباء میں سے ہوں۔** (سورۃ توبہ، پارہ 10، آیت 113)

حوالہ جات:

1۔ کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ جلد اوّل" از خواجہ شمس الدین عظیمی، باب ابو طالب کی گھاٹی، صفحہ نمبر 89

Marfat.com

موضوع 55/84

عرش العظیم

THE GREAT THRONE

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ (REPENTANCE)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿١٢٩﴾

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔

There is no deity except Him. On Him I have relied, and He is the Lord of The Great Throne.

لوحِ محفوظ:

کائنات بنانے کا خیال اللہ تعالیٰ کے ذہن میں آیا تو کائنات میں بے شمار مخلوقات وجود میں آگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے "کُن" فرمایا یعنی "ہو جا" اور کُن کا ظہور اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے تصور میں جو کچھ اور جس طرح تھا اسی شکل و صورت کے ساتھ ایک سکرین پر نقش ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود پروگرام کے کردار جس تختی پر نقش ہوئے اس کو مذہب لوحِ محفوظ کہتا ہے۔

سات آسمان:

آسمان نظر کی حد ہے جب شعور لاشعور کی فضاؤں میں داخل ہوتا ہے تو شعور کی بینائی آہستہ آہستہ بڑھتی ہے اور انسان کی باطنی نظر لاشعور یا غیب کے عالمین میں دیکھتی ہے۔ غیب کے عالمین کو دیکھنے میں اللہ کی جانب سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے مگر ہر آسمان کی حدود میں جو عالمین آباد ہیں وہاں اللہ کی مختلف صفات کی روشنیاں کام کر رہی ہیں۔ شعور کی نظر اس لئے آسمان کی حد کو پار نہیں کر سکتی کیونکہ شعور اسمائے الٰہیہ اور ان کی روشنیوں کے علوم سے ناواقف رہتا ہے۔ مگر جو بندہ اسمائے الٰہی کے علوم اور ان کے قوانین سے واقف ہو جاتا ہے اور وہ اپنے ارادے اور شعور کے ساتھ لاشعور کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ وہ بغیر کسی رکاوٹ کے غیب کی دنیا کا مشاہدہ اپنی باطنی نظر کے ساتھ کر لیتا ہے۔ ہر آسمان کی سطح اسمائے الٰہیہ کی ان روشنیوں سے بنی ہے جن کی روشنی یا شعاعیں ان عالمین میں داخل ہو کر عالمین کی تخلیق کرتی ہیں۔ آسمان کی سطح پر اسمائے الٰہیہ کی روشنیاں جمع ہونے کی وجہ سے نظر ان روشنیوں کے پار دیکھنے سے معذور

Marfat.com

رہتی ہے۔ مگر جب بندہ اللہ کی ذات اور صفات میں تفکّر کرتا ہے تو اسمائے الٰہیہ کی یہ روشنیاں اس کے اندر جذب ہونے لگتی ہیں اور یہ روشنیاں خود اپنا تعارف بندے سے کراتی ہیں۔ اس طرح شعور ان روشنیوں سے واقف ہو جاتا ہے اور شعور کا واقف ہونا ہی شعور کا دیکھنا ہے۔

اس دنیا میں بندہ جس حد تک اسمائے الٰہیہ کے علوم سیکھتا جاتا ہے اور اس میں یہ روشنیاں جذب ہوتی جاتی ہیں۔ مرنے کے بعد بندے کا اعراف انہی حدود کے اندر قائم ہوتا ہے۔ یعنی مرنے کے بعد بندہ اپنے ظاہری حواس کے ساتھ اور ظاہری نظر کے ساتھ ان عالمین میں رہتا ہے۔

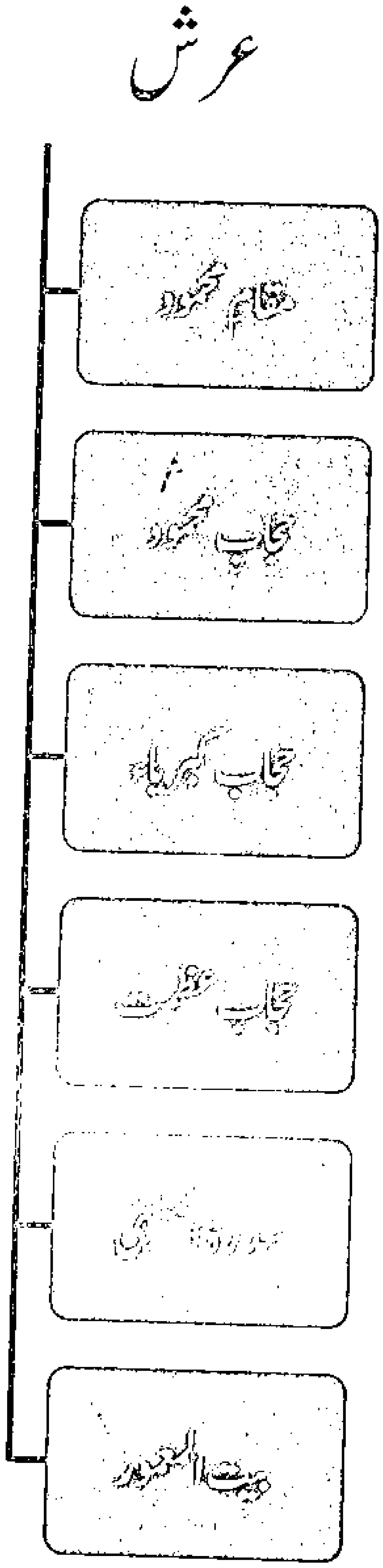

کائنات کی چار جہتیں DIMENSIONS:

کائنات کی چار جہتیں یا DIMENSIONS ہیں - ایک جہت مادہ یا MATTER ہے۔ دوسری جہت روشنی ہے۔ تیسری جہت نور ہے۔ اور چوتھی جہت اللہ کا نور ہے۔ اللہ کے ذہن کو علم واجب کہتے ہیں۔ انسان کے علم کی معراج یہ ہے کہ وہ علم واجب (حجاب محمود) کو دیکھ لیتا ہے۔ حجاب محمود سے مراد عرش اعظم کی انتہا ہے ہم جب عرش کہتے ہیں تو ہمارے سامنے زمین، سات آسمان، عرش، سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور ہوتا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور سے آگے کے مقامات حجاب عظمت، حجاب کبریاء اور حجاب محمود ہیں۔

عرش:

عرش مجموعہ ہے مراتب کے حساب سے بیت المعمور، سدرۃ المنتہیٰ، حجاب عظمت، حجاب کبریاء، حجاب محمود اور مقام محمود کا۔

بیت المعمور:

سدرۃ المنتہیٰ سے نیچے ایک اور بلندی ہے اس بلندی کی وسعتوں کو بیت المعمور کہتے ہیں۔ یہ بالکل خانہ کعبہ کے اوپر ہے۔ اسے فرشتوں کا خانہ کعبہ بھی کہتے ہیں۔

سدرۃ المنتہیٰ:

اللہ کے مقرب فرشتوں کی پرواز جہاں تک ہے اسے سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہیں۔

Marfat.com

حجابِ عظمت:

یہ وہ بلندیاں ہیں جن سے عرش کی ابتداء ہوتی ہے۔ نہرِ تطہیر اور نہرِ تشہید کے انوارات کا اسی سے تعلق ہے۔ رُوحِ حیوانی کے علوم اس سے حاصل ہوتے ہیں۔

حجابِ کبریاء:

حجابِ عظمت اور حجابِ محمود کے درمیان کی بلندیاں حجابِ کبریاء کہلاتی ہیں۔ نہرِ تجرید کے انوارات اس کو سیر اب کرتے ہیں۔ رُوحِ اِنسانی کے علوم کا تعلق حجابِ کبریاء سے ہے۔

حجابِ محمود:

یہ وہ بلندیاں ہیں جن سے عرشِ اعظم کی انتہا مراد ہے یہ عالم اللہ کے مقرب فرشتوں کی پرواز سے ماوراء ہے۔ اس کو نہرِ تسوید کے انوار سیر اب کرتے ہیں۔ جن سے رُوحِ اعظم کے علوم حاصل ہوتے ہیں۔

مقامِ محمود:

اللہ تعالیٰ نے اِنسان کے لئے مقامِ محمود یعنی اِنسانیت کی معراج، منزلِ کمال مقرر کی ہے۔ مقامِ محمود وہ حد ہے جس تک اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو اسمائے الٰہیہ کے علوم عطا فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات و کمالات، شعائر و عادات اور قوانین تجلّیات کو اللہ تعالیٰ کے اسماء قرار دیا گیا ہے۔ مقامِ محمود حضور ﷺ کا مقام ہے جس تک شاذ و نادر ہی کوئی آج کے دور میں آپ ﷺ کی نسبت، مرشد کریم کے فیض اور اللہ کی خصوصی رحمت سے پہنچتا ہے۔ اور وہاں کے علوم حاصل کرتا ہے۔

عین اور صادر العین:

روشنی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک روشنی وہ ہے جو ہم نگاہ کے ظاہری رخ سے دیکھتے ہیں اور دوسری قسم کی روشنی وہ ہے جو ہم نگاہ کے باطنی رخ سے دیکھتے ہیں۔ باطنی رخ سے نظر آنے والی روشنی ازل سے یکساں حالت پر قائم ہے اس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ اس روشنی میں نقش و نگار نہیں ہوتے البتہ ذات کا ادراک ہوتا ہے ازل سے یکسانیت پر قائم رہنے والی روشنی کا نام "صادر العین" ہے۔

روشنی کی دوسری اصل جو ازل سے یکسانیت پر قائم نہیں ہے اور یکسانیت پر قائم نہ رہنے کی وجہ سے اس میں تغیر ہوتا رہتا ہے کا نام "عین" ہے۔

K File-16 Back

Marfat.com

مثالیت اور عنصریت:

صادر العین اور عین یعنی غیر تغیر اور تغیر پذیر کی اصلیں عالم امر میں قائم ہیں۔ صادر العین اور عین کے بعد نقش و نگار اور خدوخال کا عالم شروع ہوتا ہے۔ نقش ونگار کے بھی دورخ ہیں۔ ایک کا نام مثالیت ہے اور دوسرے کا نام عنصریت ہے۔
عنصریت کے جسم کا مرکز مادی دنیا میں ہوتا ہے روشنی کا جسم اور روشنی کے جسم کے خدوخال دونوں کا تعلق عالم امکان سے ہے۔ کائناتی تخلیق میں حدوں کا تعین، گریز اور کشش کا عمل دخل ہے۔ زید کی حدود کا تعین، بکر کی حدود کا تعین، زید میں کشش و گریز، بکر میں کشش و گریز ان کو تصوف میں "بعد" کہا گیا ہے۔

چار بعد کی تشریح یہ ہے:

1۔ "صادر العین" یعنی کائنات کی وہ اصل جو غیر متغیر ہے۔

2۔ "عین" روشنی کی وہ اصل جو تغیر پذیر ہے لیکن روشنی کی اس اصل میں ابعاد یا DIMENSIONS نہیں ہوتے۔

3۔ "مثالیت" روشنی کا ایسا جسم جس میں خدوخال نہیں ہوتے ہیں لیکن نقش و نگار کا تعلق مادی دنیا سے نہیں ہے۔

4۔ "عنصریت" روشنی کا ایسا جسم جو مادی دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ عنصریت وہ جسم ہے جو مادی آنکھ سے نظر آتا ہے۔

مثالیت۔ وہ جسم جو مادی آنکھ سے نظر نہیں آتا باطنی آنکھ سے نظر آتا ہے۔ سیدنا حضور ﷺ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ کائنات سے پہلے کیا تھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

" امعاء"

اس کے بعد سوال کیا گیا پھر کیا ہوا؟

فرمایا:

"ماء"

امعاء عربی اصطلاح میں ایسی منفیت کو کہتے ہیں جو عقل انسانی سے ماوراء ہے۔ امعاء میں خدوخال نہیں ہوتے۔ اور ماء عربی میں ثبت کو کہتے ہیں خدوخال نہ ہونے کے باوجود عقل انسانی اس کا اِدراک کر سکتی ہے۔ یہ ثبت عالم امر ہے۔ ثبت سے ماوراء عالم نور ہے۔ انسانی تفہیم و تعلیم اور شعور اور لاشعور کی معراج عالم انوار سے جس مقام تک ہے اس کا نام حجاب محمود ہے۔ حجاب محمود عرش کی بلندی ہے۔ وہ بلندی جس کو عرش کی انتہا کہا جا سکتا ہے۔ انسان کے اندر اتنا ادراک موجود ہے کہ وہ حجابِ محمود کی تفہیم کا خود کو خوگر بنا سکتا ہے اور حجاب محمود میں اللہ کی تجلیات وصفات کو سمجھ سکتا ہے۔
یہ وہ مقام ہے جہاں مقرب فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اس عالم سے نیچے ایک اور عالم سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ مقرب فرشتوں کی پرواز کی انتہا ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ سے نیچے ایک اور بلندی بیت المعمور ہے۔

Marfat.com

حوالہ جات:

1۔ کتاب "راہِ سلوک" از میاں مشتاق احمد عظیمی، باب مقاماتِ رُوح، صفحہ نمبر 208 تا 211
2۔ کتاب "شرح لوح و قلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب حجاب محمود، سدرۃ المنتہیٰ، بیت المعمور، صفحہ نمبر 183 تا 184
3۔ کتاب "شرح لوح و قلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب حجاب محمود، سدرۃ المنتہیٰ، بیت المعمور، صفحہ نمبر 185

Marfat.com

موضوع 56/84 وقت TIME

سُوْرَۃُ یُوْنُس (JONAH)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ

ترجمہ: وہی ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور کیا اور اس کے گھٹنے بڑھنے کے لئے منزلیں ٹھیک مقرر کیں تاکہ تم برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرو۔

It is He Who made the sun a shining thing and the moon as a light and measured out its stages, that you might know the number of years and the reckoning.

وقت TIME:

وقت درحقیقت کیا ہے یہ سوال زمانہ قدیم ہی سے دانشوروں اور سائنسدانوں کے لئے معمہ رہا ہے۔ فلاسفر علماء نے اپنی اپنی حدودِ فکر کے مطابق وقت کے بارے میں مختلف نظریات پیش کئے ہیں۔

وقت کے بارے میں نظریات THEORIES:

دو ہزار سال پہلے کے دانشوروں کا ماننا یہ تھا کہ کوئی سے دو واقعات کا درمیانی وقفہ ہی وقت ہے جس کی پیمائش ممکن ہے اور وقت سب کے لئے ایک سا ہی ہوتا ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ وقت ایک بہتی نہر کی طرح ہوتا ہے۔ جو منظم طریقے سے اپنے منبع SOURCE سے مخرج DESTINATION کی طرف بہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وقت کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔ تو یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس کی ابتدا ہے تو یہ کہاں سے آیا ہے؟ اور انتہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب وقت نہیں ہوگا!

بعض فلسفیوں کا عقیدہ تھا کہ:

Marfat.com

وقت وجود نہیں رکھتا بلکہ وقت دراصل دو حرکتوں کے درمیانی فاصلے کا نام ہے۔ کوئی مرتّب شعور مخلوق جیسے اِنسان اس فاصلے کا احساس کرے تو یہ فاصلہ اس کے لئے زمانہ کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

یعنی جن واقعات سے ہم گزرتے ہیں وہی ہمیں وقت کے گزرنے کا احساس دلاتے ہیں۔۔۔ تو کیا جن واقعات سے ہم گزرتے ہیں وہ پہلے سے تیار شدہ ہیں؟

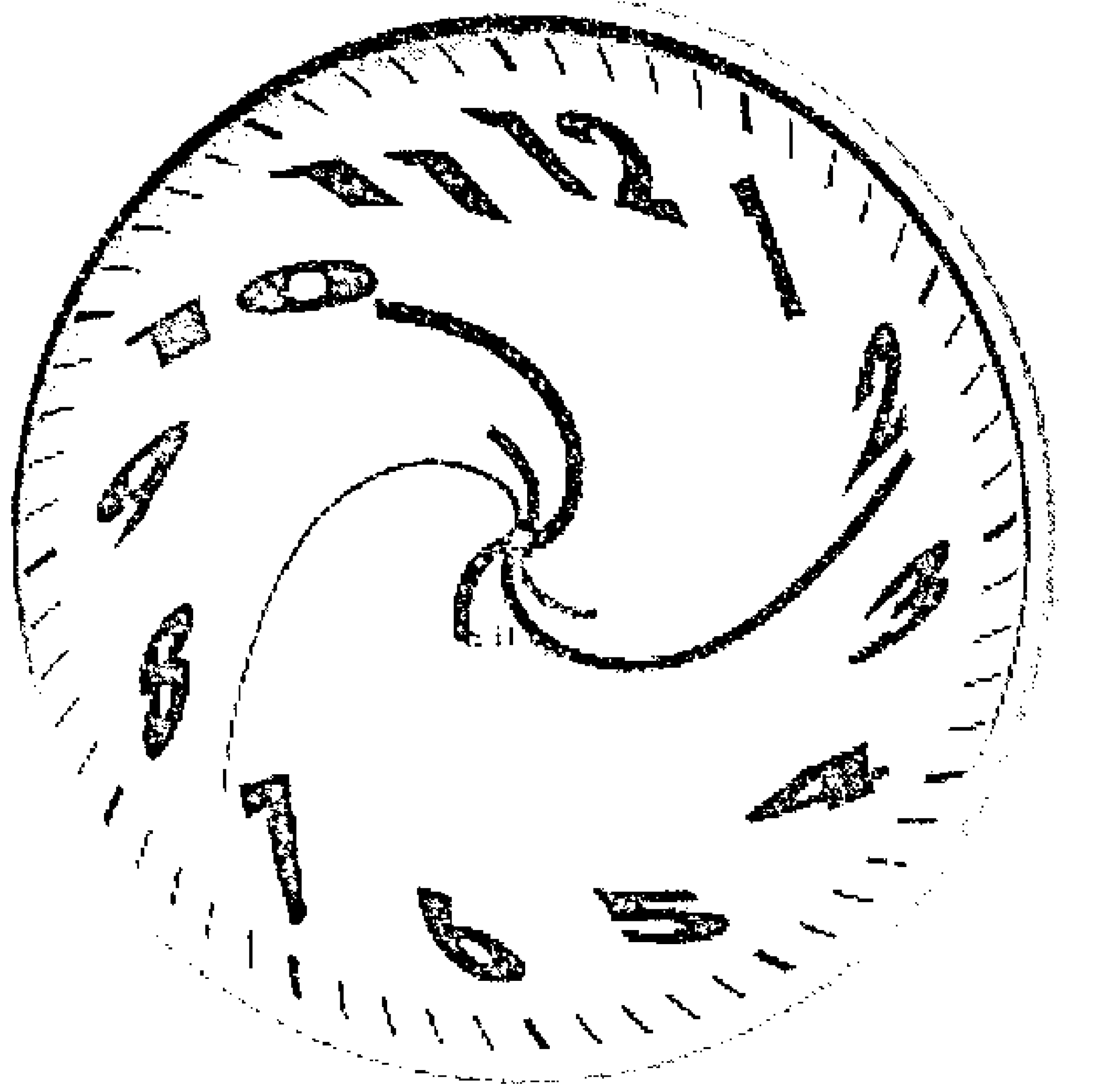

بعض لوگ کہتے ہیں کہ شاید ایسا ہی ہے کہ واقعات پہلے ہی سے مرتب اور منظم ہیں جن کے درمیان وقت کے متعیّن زمانے حائل ہیں یا پھر جیسا کہ کسی نے کہا کہ واقعات وقوع پذیر نہیں ہوتے بلکہ ہم ان میں سے گزرتے ہیں!

کچھ دوسرے فلسفیوں کا نظریہ یہ تھا کہ وقت ایسے چھوٹے چھوٹے ذرّات پر مشتمل ہے کہ جنہیں ہمارے حواسِ خمسہ محسوس نہیں کرپاتے۔ یہ ذرات مسلسل حرکت کر رہے ہیں یعنی ماضی سے مستقبل کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ یونانی فلسفیوں نے اس کے علاوہ وقت کی ایک اور قسم بھی متعارف کروائی جسے ابدیّت کا نام دیا گیا۔ ان فلسفیوں کے بقول غیر متحرک زمانہ مافوق الفطرت ہستیوں یا دیوتاؤں کا زمانہ ہے اور متحرک زمانہ مخلوقات کا زمانہ ہے تمام موجودات اور مخلوقات میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں اس لئے ان کا تعلق متحرک زمانے سے ہوتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کوئی مخلوق حرکت پذیر زمانے میں واقع ہونے والی تبدیلیوں کو روکنے پر قادر ہو جائے تو وہ بھی دیوتاؤں کے برابر ہو جائے گی۔

وقت کے بارے میں ارسطو کا نظریہ:

دوسری جانب مشہور یونانی مفکّر ارسطو متحرک یا غیر متحرک وقت کی بجائے مطلق وقت یا زمان غیر متغیر ABSOLUTE TIME پر یقین رکھتا تھا۔ اس کا اعتقاد تھا کہ دو واقعات کا درمیانی وقت بغیر کسی ابہام کے ماپا جاسکتا ہے۔ اور اسے کوئی بھی ماپے وہ سب کے لئے یکساں ہوگا۔

نیوٹن کا نظریہ:

1686ء میں نیوٹن SIR ISAAC NEWTON نے وقت کے اس نظریے کو اساس بناتے ہوئے اپنے نظریاتِ حرکت LAWS OF MOTION پیش کئے۔ نیوٹن کے نظریات کے مطابق وقت ہر آدمی کے لئے ایک ہی ہے بھلے سے کہیں بھی کیوں

Marfat.com

نہ ہو اور کسی بھی رفتار سے حرکت کر رہا ہو۔

بیسویں صدی عیسوی تک سائنسدان وقت کو مطلق ABSOLUTE گردانتے تھے۔ ان کے خیال میں وقت ایک ایسی ساکن چیز تھی جو کبھی تبدیل نہیں ہوتی اس کے علاوہ ان کی نظر میں وقت اپنی ذات میں مستقل تھا اور ایک منظم بہاؤ رکھتا تھا۔ اس وقت تک سائنسدان اس بات تک نہیں پہنچ پائے تھے کہ وقت سست یا تیز ہوتا ہے یا رُک بھی سکتا ہے۔

آئنسٹائن کا وقت کے بارے میں نظریہ:

بیسویں صدی کے آغاز تک طبیعات کی دنیا میں نیوٹن کے اصولوں کا راج تھا۔ آئنسٹائن ALBERT EINSTIEN وہ پہلی شخصیت تھی جس نے بتایا کہ مادہ اور توانائی دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ سکے کے دو رُخ ہیں اور مادہ اور توانائی ایک دوسرے میں ڈھل سکتے ہیں اور یہ بھی کہ زمان اور مکاں بھی ایک ہی حقیقت کے دو رُخ ہیں۔ جب آئنسٹائن نے یہ بات کہی اس وقت سائنسدانوں کی نظر میں زمان و مکان میں سفر ایک ناممکن اور غیر منطقی سی بات تھی لیکن آئنسٹائن نے یہ نظریہ پیش کیا کہ خلا اور وقت کا تانا بانا ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے جسے اس نے زمان و مکان کے پھیلاؤ کا نام دیا۔

آئنسٹائن کے اس نظریہ اضافت THEORY OF RELATIVITY نے سائنسدانوں کے لئے تحقیق کی کئی راہیں ہموار کیں۔ 1905ء میں آئنسٹائن کے پیش کردہ نظریہ اضافت کے مطابق وقت کی رفتار کی تبدیلی کا انحصار کسی مادی شے کی رفتار پر اور کسی میدان کشش ثقل میں اس کے محل پر ہوتا ہے۔ جیسے جیسے مادی شے کی رفتار بڑھتی جائے گی ویسے ویسے وقت کی رفتار کم ہوتی جائے گی اور یہ گھٹنے یا سکڑنے لگے گی۔ یہ نظریہ سائنسی دنیا میں ایک بڑے مدوجزر کا باعث بنا۔

نظریہ اضافت کے مطابق اگر کوئی شے روشنی کی رفتار سے سفر کرنے لگے تو وہ توانائی یا روشنی کی لہروں میں تبدیل ہو جائے گی اس بات سے ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتے ہیں کہ زمان در حقیقت روشنی ہے اور یہی مادہ یا میکانیت کی تخلیق کرتا ہے۔

1993ء میں آئی بی ایم ٹی جے واٹسن ریسرچ سینٹر نیو یارک کے طبیعات داں CHARLES BANETT اور ان کے ساتھی محققین نے اس امر کی تصدیق کی کہ روشنی کی رفتار سے سفر ممکن ہے اور اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوانٹم فزکس راستہ دی گئی۔

کوانٹم فزکس:

کوانٹم فزکس سائنس کی وہ شاخ ہے جس کے قوانین و نظریات کائنات کی باریک ترین جوہری ذرات کے اسرار و رموز کو جاننے اور ان کے قوانین اور اسرار و رموز کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ کوانٹم فزکس کے سائنسدانوں نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ انسانوں کو کائنات کے ایک گوشے سے کسی بھی دوسرے گوشے میں روشنی کی رفتار سے منتقل کیا جا سکے۔

Marfat.com

وقت کے بارے میں اسٹیفن ہاکنگ کی رائے:

موجودہ دور کے معروف سائنسدان اسٹیفن ہاکنگ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ مکان، زمان سے مکمل طور پر آزاد اور الگ نہیں ہے بلکہ وہ اس سے مل کر ایک اور شے بناتا ہے جسے زمان و مکان TIME AND SPACE کہتے ہیں چنانچہ زمان و مکان کی حقیقی حیثیت کے پیش نظر کہیں وقت مسلسل پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے تو کہیں وہ سکڑ کر محض چند ثانیوں میں سمٹ آتا ہے۔

نظریہ اضافت کے مطابق مطلق وقت ABSOLUTE TIME کچھ معنی نہیں رکھتا۔ ہر فرد اور شے کے لئے وقت کا ایک الگ پیمانہ ہوتا ہے جس کا انحصار اس حقیقت پر ہوتا ہے کہ وہ کس اسپیس میں کس طریقے سے محو حرکت ہے۔

ہم جس چیز کو وقت سمجھتے ہیں دراصل یہ ایک طریقہ ہے جس کے ذریعے ہم ایک لمحے کا موازنہ دوسرے لمحے سے کرتے ہیں۔

وقت الہامی کتابوں کے مطابق:

یہ تو تھی وقت کی سائنسی تشریح۔ اب الہامی راہنمائی DIVINE GUIDENCE کی طرف آتے ہیں۔ قرآن پاک سے وقت کی مختلف جہتوں اور زون کے بارے میں راہنمائی ملتی ہے۔ بعض آیات سے پتا چلتا ہے کہ وقت مختلف حالات میں مختلف رفتار سے بڑھتا ہے۔ کائنات کے مختلف خطوں میں وقت کی کیفیت و کمیت میں فرق ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ

وہی ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور کیا اور اس کے گھٹنے بڑھنے کے لئے منزلیں ٹھیک ٹھیک مقرر کیں تاکہ تم برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرو۔ (سورۃ یونس، پارہ 11، آیت 5)

اس آیت پر غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ چاند سورج اور زمین کی انفرادی حرکت اور ان میں روشنی حرارت اور کشش کے باہمی واقعاتی ربط سے وقت کا احساس پیدا ہوتا ہے جب اِنسان موت کے بعد اس دنیاوی زندگی کے زون سے نکل جائے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ اس کو بہت مختصر سی زندگی دی گئی ہے۔

یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا ۝

جس دن بروز قیامت وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی تعریف کے ساتھ جواب دوگے اور خیال کروگے کہ تم دنیا میں بہت کم مدت رہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل، پارہ 15، آیت 52)

قرآن کریم میں بے انتہا تیز رفتاری کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا ذکر بھی ملتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

وَلَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِۦ نَفْسُهُۥ
وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ ٱلْوَرِيدِ

AND WE HAVE ALREADY CREATED MAN AND KNOW WHAT HIS SOUL WHISPERS TO HIM, AND WE ARE CLOSER TO HIM THAN HIS JUGULAR VEIN.

QURAN 50:16

Marfat.com

وَ مَآ اَمۡرُنَآ اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمۡحٍۭ بِالۡبَصَرِ ﴿۵۰﴾

اور ہمارا حکم تو فقط یک بارگی واقع ہو جاتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا۔
(سورۃ قمر، پارہ 27، آیت 50)

کئی آیات سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ وقت مختلف حالات میں مختلف رفتار سے بڑھتا ہے۔

یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿۵﴾

وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ آسمان سے زمین تک پھر اسی کی طرف رجوع کرے گا اس دن کہ جس کی مقدار تمہارے حساب میں ایک ہزار برس ہے۔
(سورۃ سجدہ، پارہ 21، آیت 5)

وَ اِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿۴۷﴾

بے شک تمہارے پروردگار کے نزدیک ایک روز تمہارے حساب کے رو سے ہزار برس کے برابر ہے۔ (سورۃ حج، پارہ 17، آیت 47)

تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ ﴿۴﴾

جس کی طرف رُوح الامین اور فرشتے چڑھتے ہیں اس روز نازل ہو گا جس کا اندازہ پچاس ہزار برس کا ہو گا۔
(سورۃ معارج، پارہ 29، آیت 4)

واقعہ معراج وقت کے مختلف زون اور وقت کے مختلف اسرار کی طرف نوع انسانی کی رہنمائی کرتا ہے حضرت سلیمانؑ، حضرت عزیزؑ اور اصحاب کہف کے واقعات بھی وقت کے بارے میں انسان کو تحقیق کی دعوت دے رہے ہیں۔

مسلم مفکّرین کی وقت کے بارے میں رائے:

مسلم فلسفیوں فارابی، ابن رشد اور ابن سینا کے نظریات پر غزالی اور ابن رشد کے درمیان مباحث میں زماں کی ماہیت پر دلچسپ بحث ملتی ہے۔ اسی طرح ابن مسکویہ، رازی، رومی، شاہ ولی اللہ اور دیگر مسلم مفکّرین نے اس حوالے سے خیال افروز نکات بیان کئے جو اس مسئلے کی مختلف جہتوں کی جانب اشارے کرتے ہیں۔

اسلامی تصوّف میں زمان و مکان کے موضوع پر خالصتاً علمی نوعیت کی بحث کی گئی ہے اور ان کی تشریحات بھی عام لوگوں کی شعوری استعداد سے بہت بلند ہیں۔ اس لئے جہاں کہیں بھی ٹائم اینڈ اسپیس زمان و مکاں کا تذکرہ ہوتا ہے وہاں مسلم صوفیاء کے ارشادات کا تذکرہ خال خال ہی کیا جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان تمام افکار و مباحث کا جائزہ لے کر تجسس اور تحقیق کو آگے بڑھایا جائے۔

اہل رُوحانیت ان ٹائم زون کو درج ذیل تین حصوں میں متعارف کراتے ہیں۔

Marfat.com

1۔ زمانِ حقیقی REAL TIME

2۔ زمانِ غیر متواتر NON SERIAL TIME

3۔ زمانِ متواتر SERIAL TIME

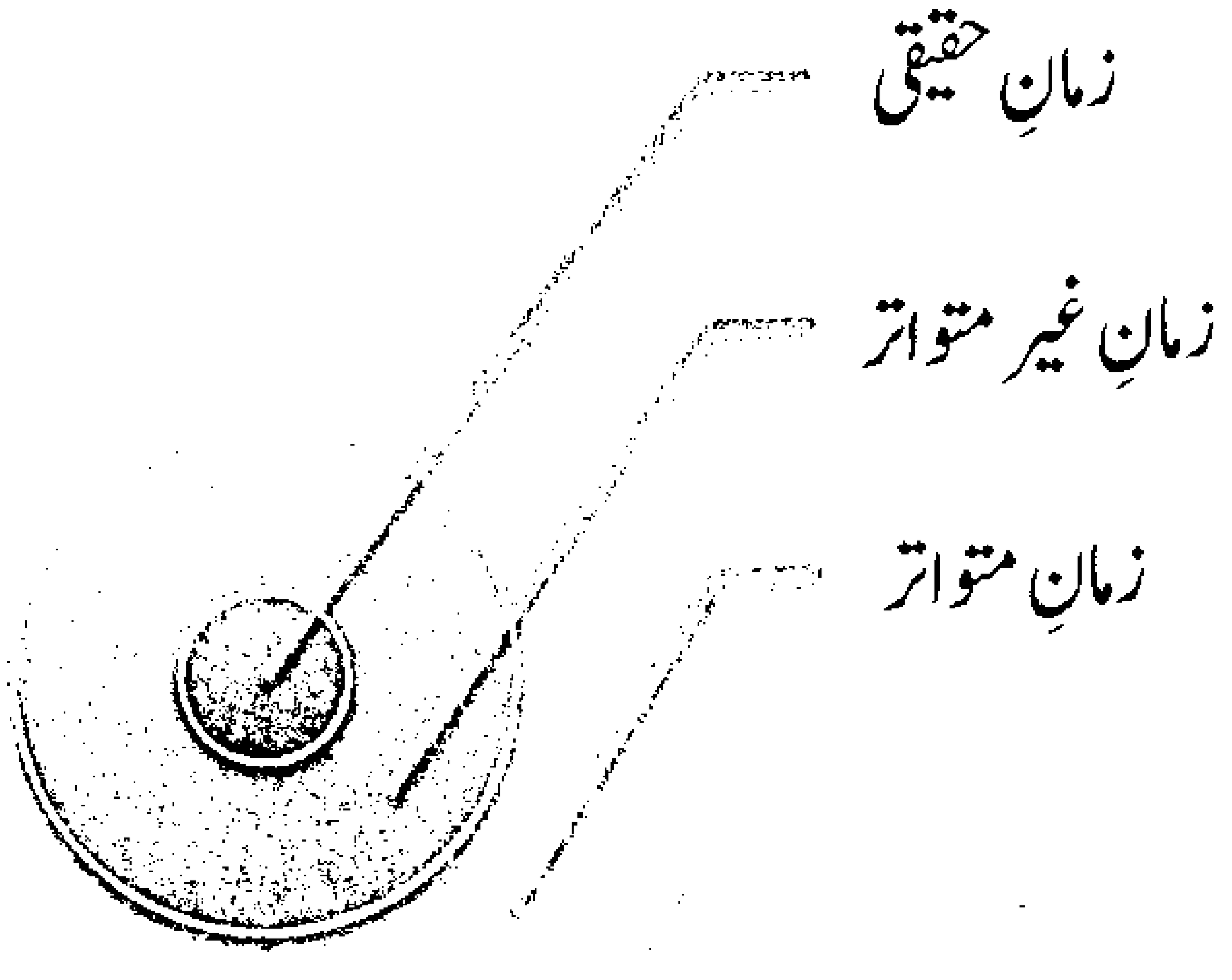

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی رائے:

شاہ ولی اللہؒ ان تین زمانوں کو زمان سرمدی، زمان دوہری اور زمان لیل ونہار کا نام دیتے ہیں۔

حضرت علامہ اقبالؒ کا نظریہ:

مشرق کے ممتاز فلسفی اور شاعر علامہ اقبالؒ نے بھی وقت کے اسرار ورموز پر غور کیا اقبالؒ کے کلام جاوید نامہ میں کئی فارسی اشعار وقت کے بارے میں علامہ اقبالؒ کے غور وفکر کی شہادت دے رہے ہیں۔ اقبالؒ نے اسرار خودی میں یہ بھی کہا کہ وقت گردش خورشید سے پیدا نہیں ہوتا کیونکہ خورشید فانی ہے اور وقت جاودانی ہے۔ وقت کے بارے میں اپنے ایک تصور کو علامہ اقبالؒ نے ان اشعار میں پیش کیا ہے۔

فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرّہ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروان وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شان وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوق پرواز ہے زندگی

پیمائشی ٹائم SERIAL TIME اور غیر پیمائشی ٹائم NON SERIAL TIME پر علامہ اقبالؒ کی سوچ کا اظہار ان اشعار میں ہو رہا ہے۔

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات

اس طرف اقبالؒ کا یہ شعر بھی ایک اشارہ ہے:

زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم

Marfat.com

زمان و مکان دو چیزیں نہیں ہیں۔ روشنی سے ملنے والی اطلاعات کی وہ سطح جو نظر سے اوجھل ہے اس کا نام زمان یا TIME ہے۔ اور جو سطح نظر کے سامنے ہے اس کا نام مکان یا SPACE ہے۔

اپنے تحقیقی مقالے میں اقبالؒ نے اس موضوع پر ان الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے:

"To exist in real time is not to be bound by the fetters of serial time, but to create it from moment to moment and to be absolutely free and original in creation, in fact all Creative activity as Free Activity" (The Reconstruction of Religious Thoughts in Islam)

ترجمہ: "خالص وقت میں رہنے کے معنی ہیں پیائشی وقت کی زنجیروں سے آزاد ہونا اور لحہ بہ لحہ تخلیق میں مصروف رہنا اور اپنی تخلیق میں آزاد اور تازہ کار ہونا۔ درحقیقت تمام تخلیقی عمل آزاد عمل ہے"۔

وقت کے بارے میں حضور قلندر بابا اولیاؒ کا نظریہ:

عصر حاضر کے عظیم صوفی بزرگ اور رُوحانی مفکّر حضرت محمد عظیم برخیا المعروف حضور قلندر بابا اولیاؒ نے اس موضوع پر نہایت آسان پیرائے میں اظہار خیال کیا ہے۔ قلندر باباؒ کے مطابق زمان و مکان حرکت کے دو رُخ ہیں۔ جس رُخ میں تغیر نہ ہو وہ زمان TIME ہے۔ جو رُخ متغیر ہو وہ مکاں SPACE ہے۔

آپؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وہ تمام صفات جو کسی ہستی، کردار یا زندگی کی اصلیں ہیں ان کا قیام زمان کے اندر ہے۔ ان اصلوں میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا کیوں کہ اس کا مستقر یا مرکز زمان ہے۔ جو غیر متغیر ہے حرکت کا وہ رُخ جو زمان کے برعکس ہے مکاں کہلاتا ہے۔ ہر قسم کا تغیر اس ہی رُخ میں ہوتا ہے"۔

قلندر بابا اولیاؒ نے اپنی کتاب لوح و قلم میں وقت کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے انہوں نے زمان کی تین اقسام بیان کی ہیں۔

1۔ زمان حقیقی REAL TIME

زمان حقیقی (غیب الغیب TIME LESSNESS نُور غیر متغیر) جس کا تعلق کائناتی شعور سے ہے۔

2۔ زمان غیر متواتر NON SERIAL TIME

زمان غیر متواتر (غیب NON SERIAL TIME نُور متغیر) ہم اس کا مشاہدہ عالم خواب میں کرتے ہیں۔

Marfat.com

3۔ زمان متواتر SERIAL TIME

زمان متواتر (عالم شہادت SERIAL TIME نسمہ) یہ عالم ناسوت یعنی مادی دنیا میں جاری و ساری رہتا ہے۔

قلندر بابا اولیاء فرماتے ہیں:

"زمان حقیقی اللہ تعالیٰ کا عِلم (علم حضوری) ہے۔ یہ وہ شعور ہے جو کائنات کے ہر ذرّہ میں کار فرما ہے۔ جب یہ شعور کائنات میں کام کرتا ہے۔ تو کائنات اس کو اپنا ذاتی شعور جانتی ہے۔ اور جب یہ شعور ذرّہ میں کام کرتا ہے تو ذرّہ اس کو اپنا انفرادی شعور سمجھتا ہے۔ جب تک یہ شعور کائنات سے ماوراء ہے زمان حقیقی ہے۔ جب کائنات میں سماجاتا ہے تو زمان غیر متواتر کہلاتا ہے اور جب ذرّہ کے اندر حرکت کرتا ہے تو زمان متواتر بن جاتا ہے"۔

دراصل زمان حقیقی اور زمان غیر متواتر دونوں ہمارے لاشعور میں موجود ہوتے ہیں قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

"زمان اور مکان کی بہت واضح مثال راستہ اور مسافر سے دی جاسکتی ہے۔ راستہ زمان اور مسافر مکان۔ اگرچہ مسافر کا انہماک خود میں یعنی اپنے آثار و احوال میں ہوتا ہے تاہم مسافر بغیر راستہ کے اپنی ہستی قائم نہیں رکھ سکتا وہ راستہ سے کتنا ہی غافل رہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ وہ راستہ سے لاتعلق ہو جائے۔ مسافر کی تمام حرکات و سکنات سارا کردار زندگی کی طرزیں اور فکریں راستہ کی حدود سے باہر نہیں جاسکتیں۔ اِنسانی زندگی میں راستہ لاشعور ہے اور مسافر شعور ہے۔"

ظاہری حواس میں اِنسان ایک لمحے میں ایک شے یا فعل کی جانب متوجہ ہو سکتا ہے۔ حواس کی یہ پابندی زمان متواتر یا SERIAL TIME کی تخلیق کرتی ہے زمان متواتر میں وہ تمام واقعات ایک تسلسل یعنی سیکنڈ، منٹ، گھنٹہ، دن وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ پیر کے بعد جمعرات کا دن اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک منگل اور بدھ نہ گزر جائیں۔

ظاہری حواس میں زمان متواتر کا لمحہ ہمارے لئے شعور میں ہوتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی زمان غیر متواتر NON SERIAL TIME میں اِنسان ترتیب کا پابند نہیں ہوتا مثلاً ہم دس سال پرانا کوئی واقعہ یاد کرنا چاہیں تو اس کے لئے ہمیں پورے دس سال کے واقعات ترتیب وار یاد کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بلکہ فوراً ہی اس واقعہ کا لمحہ ہمارے ذہن میں آجاتا ہے۔ زمان غیر متواتر کی ایک مثال خواب دیکھنا بھی ہے۔

اگر اِنسان خواب یا نیند کے حواس کو بیداری میں منتقل کرنا سیکھ لے تو وہ زمان متواتر SERIAL TIME کی قید سے آزاد ہو جائے گا اور اپنی خواہش کے مطابق زمان و مکان میں سفر کرے گا۔

نور کی لہریں جو ہمیں اطلاعات فراہم کرتی ہیں ظاہر میں مادی اشیاء کی تخلیق کرتی ہیں۔ مخلوقات کا آپس میں ربط اور تعلق برقرار رکھتی ہیں۔

Marfat.com

وقت کی زمینی اکائیاں:

آٹو سیکنڈ ATTOSECOND:

ایک سیکنڈ کے اگر ایک کروڑ حصے کئے جائیں تو جو ایک حصہ حاصل ہو اس کے بھی ایک کروڑ حصے کئے جائیں تو اس ایک حصے کو ایک ATTOSECOND کہیں گے۔ ایٹم کے اندر حرکت ATTOSECOND میں ہوتی ہے۔

پیکو سیکنڈ PICOSECOND:

ایک سیکنڈ کے اگر ایک کروڑ حصے کئے جائیں اور پھر جو ایک حصہ حاصل ہو اس کے مزید ایک ہزار حصے کئے جائیں تو ہزارویں حصے کو (یعنی ایک سیکنڈ کے 10 اربویں حصہ کو) PICOSECOND کہتے ہیں۔ ہائیڈروجن کا ایٹم دوسرے عناصر کے ساتھ مل کر جو مرکبات بناتا ہے اس میں چند PICOSECOND سیکنڈ لگتے ہیں۔

نینو سیکنڈ NANOSECOND:

ایک سیکنڈ کے ایک اربویں حصے کو کہتے ہیں۔

مائیکرو سیکنڈ MICROSECOND:

اگر ایک سیکنڈ کے 10 لاکھ حصے کئے جائیں تو ایک حصے کو MICROSECOND سیکنڈ کہتے ہیں۔

ملی سیکنڈ MILLISECOND:

ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کو MILLISECOND کہتے ہیں۔

ایک سیکنڈ:

انسانی دل ایک سیکنڈ میں تقریباً ایک مرتبہ دھڑکتا ہے۔ جتنی دیر میں دل ایک مرتبہ دھڑکتا ہے اتنے دیر میں چاند کی روشنی زمین تک پہنچتی ہے۔

ایک گھنٹہ HOUR :

60 سیکنڈ کو جمع کیا جائے ایک منٹ بنتا ہے۔ 60 منٹ کو جمع کریں تو اس وقفے کو ایک گھنٹہ کہتے ہیں۔

Marfat.com

دن SOLAR DAY :

زمین کو اپنے محور پر اپنا چکر پورا کرنے میں 23.934 گھنٹے یعنی 23 گھنٹے 56 منٹ اور 4 سیکنڈ لگتے ہیں۔

ہفتے WEEK:

7 دنوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اور مہینے میں 28 سے 31 دن ہوتے ہیں اور ایک سال میں 12 مہینے ہوتے ہیں۔ اس حساب سے ہر ماہ کی مدت 30.43 دن ہوتی ہے۔

سال SOLAR YEAR :

اِنسانی تحقیق کے مطابق ایک سال کی مدت 365.2425 دن ہے ایک عام سال 365 دن اور لیپ کا سال 366 دن کے برابر ہوتا ہے۔ سو سال کی ایک صدی اور ہزار سال کا ایک قرن یا MELLENIUM ہوتا ہے۔

زمان میں ردّوبدل:

غور کیا جائے تو یہ ظاہری زندگی کا عام مشاہدہ ہے کہ ہم زمان یا ٹائم کی گرفت کو اپنے اوپر سے توڑ بھی سکتے ہیں اور اپنے اوپر مسلّط بھی کر لیتے ہیں۔ مثلاً ہمیں کوئی کام کرنا ہے۔ اس کام کو اگر قاعدے اور طریقے سے کیا جائے تو وہ ایک گھنٹے میں پورا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ہم نہ چاہیں تو یہ ایک گھنٹے کا کام ہفتوں اور مہینوں میں بھی پورا نہیں ہوتا۔

ایک کام کرنا ہے اب سوچنا شروع کر دیجئے کہ یہ کام کرنا ہے۔ اس سوچ میں کہ یہ کام کرنا ہے، ہفتوں بھی لگ سکتے ہیں، مہینوں بھی لگ سکتے ہیں۔ سالوں بھی صرف ہو سکتے ہیں اور اگر ہم فوری طور پر کام شروع کر دیں تو یہ کام منٹوں، گھنٹوں یا دنوں میں پورا ہو جاتا ہے بات وہی ہے جو پہلے کہی جا چکی ہے زمان کا مختصر کرنا یا طویل کرنا انسان کا اپنا اختیاری عمل ہے۔

کہا جاتا ہے کہ زندگی کا وقت معیّن ہے۔ لیکن مشاہدات اور تجربات اس بات کا انکشاف کر رہے ہیں کہ زندگی کے ماہ و سال بھی آدمی اپنے اختیار اور ارادے سے گھٹا اور بڑھا سکتا ہے۔ ایک آدمی ان عوامل میں زندگی گزارتا ہے جن میں زندگی میں کام آنے والی طاقتوں اور صلاحیتوں کا اِسراف بے جا ہوتا ہے۔ وہ ایسی غذائیں استعمال کرتا ہے جن سے آدمی کی صحت متاثر ہوتی ہے۔ اس کے دماغ پر غم و فکر کے ایسے خیالات چھائے رہتے ہیں جن کے دباؤ سے اس کے اعصاب مضمحل اور ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، نتیجے میں ایسے آدمی کی عمر کم ہوتی ہے۔

اس کے برعکس ایک آدمی لوازمات زندگی کو بہت مختصر کر دیتا ہے۔ غم و آلام اور فکر کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیتا، ایسی

Marfat.com

غذائیں استعمال نہیں کرتا جو خون کو کمزور کرتی ہیں یعنی تمبا کو، منشیات وغیرہ ایسے صاف ستھرے ماحول میں رہتا ہے۔ جہاں فضا زہر آلود نہیں ہوتی نتیجے میں ایسے آدمی کی عمر بڑھ جاتی ہے۔

یہ وضاحت ہے اس بات کی کہ زمانیت کے بھی دو رخ ہیں۔ ایک رخ وہ ہے جس میں آدمی کے اندر کام کرنے والی انرجی (Energy) یعنی وہ صلاحیت، وہ طاقت یا وہ لہریں جو اس کی زندگی کو قائم رکھتی ہیں اتنی زیادہ خرچ ہوتی ہیں کہ آدمی اعصابی طور پر کمزور ہو جاتا ہے۔ اس کے اعصاب جواب دے جاتے ہیں اور وہ بالآخر مر جاتا ہے۔ زمانیت کا دوسرا رخ وہ ہے کہ جس رخ میں کام کرنے والی لہریں ضرورت کے مطابق خرچ ہوتی ہیں۔ اِسراف بے جا نہیں ہوتا چونکہ لہریں اعتدال میں خرچ ہوتی ہیں اس لئے ان کا ذخیرہ محفوظ رہتا ہے۔ ذخیرہ محفوظ رہنے سے آدمی کے اندر صلاحیتیں زیادہ طاقتور ہو جاتی ہیں اور وہ اس طاقت سے زمانیت کو مختصر اور بہت مختصر کر سکتا ہے۔

روحانیت میں مراقبہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ انسان کے اندر لہروں کا ذخیرہ زیادہ سے زیادہ حد تک محفوظ رہ سکے اور اس ذخیرے کی طاقت سے اس کا اپنا اختیار اور ارادہ اس طرف سفر کرنے لگے جہاں سکون اور راحت کی زندگی موجود ہے۔

ہم نے جس طاقت کو لہروں کا نام دیا ہے، سائنسدان ان لہروں کا نام (Calories) رکھتے ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ ماہنامہ "روحانی ڈائجسٹ"، شمارہ جنوری 2016

2۔ ماہنامہ "روحانی ڈائجسٹ"، شمارہ اپریل 2007

3۔ کتاب " روح کی پکار" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب زمان کی حدود، صفحہ نمبر 41 تا 42

Marfat.com

موضوع 84 / 57 — شک — THE DOUBT

سُوْرَةُ يُوْنُس (JONAH)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ

وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: یہ قرآن کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ کی وحی کے بغیر گھڑ لیا گیا ہو بلکہ یہ تو تصدیق ہے ان کی جو اس کے پہلے سے موجود ہیں اور یہ الکتاب کی تفصیل ہے۔ اس کے رب العالمین کی طرف سے ہونے میں کسی شک کی گنجائش موجود نہیں۔

And this Qur'an is not such as could ever be invented in despite of Allah; but it is a confirmation of that which was before it and an exposition of that which is decreed for mankind. Therein is no doubt from the Lord of the Worlds.

خیال، اطلاع اور وہم:

ہماری پوری زندگی خیال کے گرد گھومتی ہے۔ کائنات اور ہمارے درمیان جو مخفی رشتہ ہے وہ بھی خیال پر قائم ہے۔ رُوحانیت میں خیال اس اطلاع کا نام ہے جو ہر آن، ہر لمحہ ہمیں زندگی سے قریب کرتی ہے۔ پیدائش سے بڑھاپے تک زندگی کے سارے اعمال محض اطلاع کے دوش پر رواں دواں ہیں۔ کبھی ہمیں اطلاع ملتی ہے کہ ہم ایک بچہ ہیں۔ پھر ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ یہ دور جوانی کا ہے اور پھر یہی اطلاع بڑھاپے کا روپ دھار لیتی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ زندگی کو لحہ بہ لحہ فیڈ کرنے والی اطلاع یا خیالات کے اندر شکست وریخت کو کم سے کم کیا جائے۔ یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ قوت ارادی کی کمزوری کی سب سے بڑی وجہ دماغ میں شک کی موجودگی ہے۔ آدمی زندگی کے تمام مراحل وقت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں طے کرتا ہے یعنی ایک سیکنڈ کے بعد دوسرا سیکنڈ ایک منٹ کے بعد دوسرا منٹ وغیرہ۔

Marfat.com

وسوسوں اور شک کی بنیاد وہم اور یقین پر ہے۔ بہت سی باتیں ہیں جن کو آدمی دشواری، مشکل، پریشانی، بیماری، بیزاری، بے عملی، بے چینی وغیرہ وغیرہ کہتا ہے۔ دوسری طرف وہ ایک چیز کا نام رکھتا ہے۔ سکون، یہی وہ سکون ہے جس میں وہ ہر قسم کی آسانیاں تلاش کرتا ہے۔

آدمی کے دماغ کا محور وہم اور شک ہے۔ یہی وہ وہم اور شک ہے جو اس کے دماغ کے خلیوں میں ہر وقت عمل کرتا رہتا ہے۔ جس قدر اس شک کی زیادتی ہوگی اسی قدر دماغی خلیوں میں ٹوٹ پھوٹ واقع ہوگی۔ یہی وہ دماغی خلیے ہیں جن کے زیر اثر تمام اعصاب کام کرتے ہیں اور اعصاب کی تحریکات ہی زندگی ہیں۔ آدمی ہمیشہ اپنی کمزوریوں کو چھپاتا ہے اور ان کی جگہ مفروضہ خوبیاں بیان کرتا ہے۔ جو اس کے اندر موجود نہیں ہیں۔ اس قسم کی زندگی گزارنے میں اسے بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ ایسی مشکلات جن کا حل اس کے پاس نہیں ہے۔ اب قدم قدم پر اسے خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا عمل تلف ہو جائے گا اور بے نتیجہ ثابت ہوگا۔ بعض اوقات یہ شک یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی زندگی تلف ہو رہی ہے۔ اگر تلف نہیں ہو رہی تو سخت خطرے میں ہے اور یہ سب کچھ ان دماغی خلیوں کی وجہ سے ہے جن میں تیزی سے ٹوٹ پھوٹ واقع ہو رہی ہے۔

آدمی کے دماغ کی ساخت اس کے اختیار میں ہے۔ ساخت سے مراد دماغی خلیوں میں تیزی سے ٹوٹ پھوٹ ہونا ہے۔ یہ محض اتفاقیہ امر ہے کہ دماغی خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ کم سے کم ہو۔ جس کی وجہ سے یہ شک سے محفوظ رہتا ہے۔ لیکن جس قدر شک اور بے یقینی دماغ میں کم ہوگی اسی مناسبت سے آدمی کی زندگی کامیاب گزرے گی اور جس مناسبت سے بے یقینی اور شک زیادہ ہوگا۔ زندگی ناکامیوں میں بسر ہوگی۔

خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔ یہ روشنی اس روشنی سے جدا ہے جو ظاہری آنکھوں سے نظر آتی ہے۔ آدمی ان قاعدے قوانین کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوا جو روشنیوں کے خلط ملط سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر آدمی یہ طرز عمل اختیار کرتا تو اس کے دماغی خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ کم سے کم ہو سکتی تھی۔ اس حالت میں وہ زیادہ سے زیادہ یقین کی طرف قدم اٹھاتا۔۔ آدمی صرف مٹی کے پتلے سے واقف ہے۔ اس پتلے سے جس کے اندر اس کی اپنی کوئی زندگی موجود نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ہم نے اسے بجنی مٹی (خلاء) سے بنایا ہے۔

روشنیاں ہی اس کی زندگی ہیں اور اس کی حفاظت کرتی ہیں۔ روشنیوں کے عمل سے ناواقفیت اللہ تعالیٰ کے اس بیان سے منحرف ہونا ہے۔ جہاں تک انحراف واقع ہوتا ہے وہاں تک شک اور وہم بڑھتا ہے اور ایمان اور یقین ٹوٹ جاتا ہے۔ یاد رکھئے رُوحانیت اور دیگر تمام مخفی علوم میں یقین کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ ہر ارادے اور عمل کے ساتھ یقین کی روشنیاں بھی کام کرتی ہیں۔

رُوحانیت میں یقین کی تعریف یہ ہے:

Marfat.com

یقین وہ عقیدہ ہے جس میں شک نہ ہو۔

ارادہ یا یقین کی کمزوری دراصل شک کی وجہ سے جنم لیتی ہے۔ جب تک خیالات میں تذبذب رہے گا یقین میں کبھی بھی پختگی نہیں آئے گی۔ مظاہر اپنے وجود کے لئے یقین کے پابند ہیں۔ کیونکہ کوئی خیال یقین کی روشنیاں حاصل کر کے ہی مظہر بنتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

لاریب ہے یہ کتاب اور اس کو ہدایت دیتی ہے جس کا یقین غیب پر ہے۔ سورۃ البقرہ

یہاں اللہ تعالیٰ نے دو باتیں کہی ہیں۔

"لاریب" کہہ کر "ریب" یعنی شک کی نفی کر دی۔ اب صرف غیب باقی رہ گیا جس کو یقین کا درجہ حاصل ہے۔۔۔ اس کے معانی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ دماغ میں شک کو جگہ دینے کی اجازت نہیں دیتے۔ صرف یقین کو اس بات کی اجازت ہے کہ آدمی کے ذہن میں داخل ہو جائے۔ اسی کا نام ایمان بالغیب ہے جو ہدایت دیتا ہے۔

ماہرین رُوحانیت نے جو اسباق سالکوں کے لئے مرتب کئے ہیں ان سب کا منشاء دراصل یقین کو پختہ کرنا ہے۔ مسلسل ارتکاز توجہ اور مشق سے کسی ایک نقطہ پر خیالات کی روشنیاں اس حد تک مرکوز رہیں کہ شک اور بے یقینی یقین کی روشنیوں کا درجہ حاصل کر لیں تو خیال اور ارادہ کے تحت اس کا مظہر بنا ضروری ہو جاتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ کتاب "ذات کا عرفان" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب شک کیا ہے؟ صفحہ نمبر 177 تا 179

Marfat.com

قناعت اور استغناء

موضوع 84 / 58

THE CONTENTMENT

سُوْرَةُ يُوْنُس (JONAH)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

سنو اللہ کے دوستوں کے لیے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

Lo! verily the friends of Allah are (those) on whom fear (cometh) not, nor do they grieve.

اللہ کے دوست:

خدا وہ ہستی ہے جو سب کے دل میں موجود ہے جس طرح دل کی حرکت کے بغیر زندگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا اس طرح خدا کے بغیر دل کی حرکت کا تصور بے معنی ہے۔ خدا سب کا دوست ہے اور ایسا دوست ہے جو بار بار ہر ہر جنم میں، پنگوڑے میں، لڑکپن میں، جوانی میں، بڑھاپے میں ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ جہاں ایک فردِ واحد ہوتا ہے وہاں دوسری ہستی اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے اور جہاں ہم دو افراد ہوتے ہیں وہاں تیسری ہستی اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔

اللہ کے دوستوں کی تعریف یہ ہے کہ نہ ان کی زندگی میں خوف ہوتا ہے نہ حزن و ملال اور نہ غم ہوتا ہے۔ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں اگر تفکر کیا جائے تو ایک ہی بات سمجھ آتی ہے اور یہ بات ایسی ہے جس کو کوئی بڑے سے بڑا عالم دین، بڑے سے بڑا مسند نشین، گدی نشین، بڑے سے بڑا پیر رد نہیں کر سکتا۔ یہ کہ اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے نہ غم۔

جن لوگوں کے اندر غم ہوتا ہے اور خوف ہوتا ہے وہ اللہ کے دوست نہیں ہو سکتے اور جو اللہ کے دوست نہیں ہوتے جنت کی فضا انہیں قبول نہیں کرتی۔ وہ دوزخ کا ایندھن ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اگر کسی کے اندر غم اور خوف نہیں ہے تو اللہ کے بیان کردہ اصول کے مطابق وہ جنتی ہیں۔ رُوحانی قدروں میں کسی شاگرد یا راہ سلوک پر چلنے والے کی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ اس کے دل سے خوف اور غم نکل جاتا ہے۔ خوف اور غم اس وقت تک پیچھا نہیں چھوڑتے جب تک آدمی کے اندر قناعت اور استغنا موجود نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کوشش کرنے والے لوگوں کو عروج حاصل ہوتا ہے۔

استغناء THE CONTENTMENT:

استغناء ایک ایسی طرز فکر ہے جس میں آدمی فانی اور مادّی چیزوں سے ذہن ہٹا کر حقیقی اور لافانی چیزوں میں تفکر کرتا ہے۔ یہ تفکر جب قدم بہ قدم چل کر کسی بندے کو غیب میں داخل کر دیتا ہے تو سب سے پہلے اس کے اندر یقین پیدا ہوتا ہے جیسے ہی یقین کی کرن دماغ میں پھوٹتی ہے غیب کی دنیا آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

استغناء سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی روپے پیسے کی طرف سے بے نیاز ہو جائے۔ روپے پیسے اور خواہشات سے کوئی بندہ بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ضروریات زندگی اور متعلقین کی کفالت ایک لازمی امر ہے اور اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ استغناء سے مراد یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کرے اس عمل میں اس کے ساتھ اللہ کی خوشنودی ہو اور اس طرز فکر یا عمل سے اللہ کی مخلوق کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچے۔

عام حالات میں جب اِستغناء کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کس آدمی کو اللہ تعالیٰ کے اوپر کتنا توکّل اور بھروسہ ہے۔ توکّل اور بھروسہ کم و بیش ہر آدمی کی زندگی میں داخل ہے لیکن جب ہم توکّل اور بھروسہ کی تعریف بیان کرتے ہیں تو ہمیں بجز اس کے کچھ نظر نہیں آتا کہ ہماری دوسری عبادات کی طرح بھروسہ اور توکّل بھی دراصل لفظوں کا ایک خوش نما جال ہے۔

توکّل اور بھروسہ سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے لیکن جب ہم فی العمل زندگی کے حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ بات محض نعرہ اور غیر یقینی ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ ہر آدمی کی زندگی میں اس کا عمل دخل جاری و ساری ہے۔ مثلاً ایک آدمی کسی فرم میں ملازمت کرتا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ بات رہتی ہے کہ فرم کا مالک یا سیٹھ ساہوکار اگر مجھ سے ناراض ہو گیا تو ملازمت سے برخواست کر دیا جاؤں گا، یا میری ترقی نہیں ہوگی، یا ترقّی تنزلی میں بدل جائے گی۔ ظاہر ہے یہ بات بھروسہ اور توکّل کے سراسر خلاف ہے۔ اس کے برعکس ہم زندگی میں یہ بات بار بار دہراتے ہیں کہ اگر کوئی کام نہیں کریں گے تو کھائیں گے کہاں سے؟

یہ بات بھی ہمارے سامنے ہے کہ جب کسی کام کا نتیجہ اچھا مرتّب ہوتا ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ نتیجہ ہماری عقل اور ہماری فراست و فہم سے مرتّب ہوا ہے۔ اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ کے اوپر توکّل اور بھروسہ محض مفروضہ ہے۔ جس بندے کے اندر توکّل اور بھروسہ پیدا نہیں ہوتا، اس کے اندر اِستغناء بھی نہیں ہوتا۔

Marfat.com

اِستغناء سے مراد یہ ہے کہ ضروریات زندگی گزارنے میں بندے کا اپنا ذاتی اختیار شامل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اگر مرغی کھلاتے ہیں اس میں خوش رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اگر چٹنی سے روٹی دیتے ہیں اس میں بھی خوش رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر کھدّر کے کپڑے پہناتا ہے بندہ اس میں بھی خوش رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زندگی میں پیش آنے والے ہر عمل اور حرکت کو اللہ کی طرف موڑ دیا جاتا ہے۔ پہلے بندے کے اندر توکّل اور بھروسہ پیدا ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ استغنا کے دائرے میں قدم بڑھاتا ہے۔ توکّل اور بھروسہ دراصل ایک خاص تعلق ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان براہِ راست قائم ہے اور جس بندے کا اللہ کے ساتھ یہ رابطہ قائم ہو جاتا ہے اس بندے کے اندر سے دنیا کا تمام لالچ نکل جاتا ہے۔ ایسا بندہ دوسرے تمام بندوں کی امداد اور تعاون سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس بندے کی حیثیت ایسی ہو جاتی ہے کہ جس حیثیت کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اخلاص کی 5 آیتوں میں کیا ہے۔

> محدودیت (شعور) کا پردہ کتنا ہی موٹا اور دبیز ہو جائے لیکن سوچ اور فکر کی بساط لامحدود ہی رہتی ہے۔ کسی بھی لمحہ لامحدودیت سے رشتہ نہیں ٹوٹتا لیکن شعور لامحدودیت سے متصل نہیں ہونا چاہتا اور اس کے اوپر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ یہی وہ احساس ہے جسے ہم خوف کہتے ہیں اور یہی وہ خوف ہے جسے ہم موت کہتے ہیں۔ حالانکہ زمین پر پیدا ہونے والا کوئی فرد اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ وہ مرے گا نہیں۔

قناعت اور استغناء کوئی لفظی معمّہ نہیں ہے یا کوئی حساب کا ہیر پھیر نہیں ہے۔ استغناء ایک کیفیت ہے ایک حقیقت ہے، ایسی حقیقت جو حقیقت مطلق سے متصل ہے جب تک کوئی بندہ حقیقت سے متعارف نہیں ہوتا، مشاہدہ نہیں کر لیتا اس وقت تک اس کے اندر استغناء پیدا نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو وہ اتنا ہوتا ہے کہ محض اس کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔ جس آدمی کے اندر جس مناسبت سے قناعت اور استغناء موجود ہے اس آدمی کے اندر اسی مناسبت سے ڈر، خوف اور غم بھی کم ہوتا ہے۔ پیراسائیکولوجی ایسے اسباق کی دستاویز ہے جن اسباق میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ سکون کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر استغنا ہو، استغنا کے لئے ضروری ہے کہ قادر مطلق ہستی پر توکّل ہو۔ توکّل کو مستحکم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر ایمان ہو اور ایمان کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر غیب بین نظر متحرک ہو۔ بصورت دیگر بندے کو سکون میسّر نہیں آ سکتا۔

استغناء کے انسانی صحت پر اثرات:

انسان جس ماحول میں زندگی گزارتا ہے اس کے اثرات کا ذہن اور جسم پر مرتب ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اگر ماحول میں الجھاؤ نہیں ہے، ذہنی استقامت ہے تو انسان کے اندر روشنیوں کا ذخیرہ کم خرچ ہوتا ہے۔ یہ وہی روشنیاں ہیں جو لائف اسٹریم کی حیثیت سے ہر آدمی کے اندر ذخیرہ ہوتی ہیں۔ ان روشنیوں کا اعتدال سے خرچ ہونا ہی صحت بخش زندگی کی علامت ہے۔ سائنس بھی ہمیں بتاتی

Marfat.com

ہے کہ توانائی (کیلوریز) بنتی اور استعمال ہوتی رہتی ہے۔ آدمی کو اصولی طور پر اس دنیا میں بنیادی ضروریات کے علاوہ کچھ نہیں چاہئے۔ اب یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ خود کو کس حد تک دنیوی معاملات میں الجھالیتا ہے۔

مثلاً ایک کمرہ جس میں صرف ایک چارپائی بچھی ہوئی ہے اور ایک دوسرا کمرہ ہے جس میں صوفہ سیٹ، دیوان، میز، قالین وغیرہ ہیں۔ قانون یہ ہے کہ جب ہم کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یا اسے دیکھتے ہیں تو اس چیز کا عکس ہمارے دماغ کی اسکرین پر پڑتا ہے اور اس عمل میں کیلوریز خرچ ہوتی ہیں۔ جب ہم دوسرے کمرے میں موجود ہوتے ہیں تو اس وقت وہ انرجی جسے زندگی کا ایندھن بننا چاہئے، صوفہ سیٹ اور قالین وغیرہ کی نذر ہو جاتی ہے۔ علیٰ ہذاالقیاس، زندگی میں کام آنے والی انرجی بے شمار وسائل کے حصول، اس کی فکر، رکھ رکھاؤ اور اس کے استعمال میں خرچ ہو جاتی ہے اور ترقی اور اسٹیٹس کا عفریت آدمی کو نگل کر موت کے منہ میں ڈال دیتا ہے۔

خوش رہنے والے کا فارمولہ:

اگر اللہ چاہے تو آپ کی ایک لاکھ خواہشات روز پوری کر دے۔ اتنے بڑے اللہ میاں سے کوئی نہیں مانگتا۔ کوئی افسر سے خواہش کرتا ہے، کوئی اباّ سے توقعات وابستہ کرلیتا ہے اور کسی کو اپنا دوست نظر آتا ہے۔ خوش رہنے کا ایک ہی فارمولہ ہے کہ تمام خواہشات اور توقعات اللہ سے وابستہ کرلیں۔ اللہ ہی ہر چیز کا واحد کفیل ہے۔ اللہ ہی سے ہر چیز طلب کی جائے۔ آپ خوش بھی رہیں گے اور سکون کی دولت بھی میّسر آئے گی۔ اب یہ اللہ کی مصلحت، مرضی اور منشاء ہے کہ مطلوبہ چیز آپ کو عطا کرتا ہے یا کوئی دوسرا انتظام کر دیتا ہے۔ تمام پیغمبروں نے اسی بات کی تعلیم دی۔

غم اور خوف کا قانون:

قانون یہ ہے کہ ڈر اور خوف دو اِنسانوں کے درمیان، اِنسان اور درندوں کے درمیان، اِنسان اور سانپ کے درمیان دوری اور بُعد کی دیوار کھڑی کر دیتے ہیں۔ اس کے متضاد محبت سے قربت کا احساس وجود میں آتا ہے۔ اللہ، بھگوان، نروان، گاڈ GOD، ایل، ایلیا، ماوراء ہستی ہر خاص و عام کی سرپرست ہے، نگراں ہے، ابتدا ہے اور انتہا ہے۔ خوف بندہ کو عمیق سمندر میں پھینک دیتا ہے۔ محبت سے قربت کا احساس جنم لیتا ہے۔ ماوراء ہستی اللہ سے جتنی محبت کی جائے وہ ہستی اسی مناسبت سے دس گنا بندے کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ دوستی کا وصف قربت ہے نہ کہ دوری۔ دوست کو دوست سے نہ خوف ہوتا ہے اور نہ غم۔ آدم اور حواؑ کے بیٹوں اور بیٹیوں کو عہد کرنا چاہئے کہ ماوراء ہستی اللہ سے آج کے بعد ڈریں گے نہیں، اس سے محبت کریں گے اس لئے کہ ماوراء ہستی خود اعلان کر رہی ہے کہ:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾

اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے اور نہ غم ہوتا ہے۔

(سورۃ یونس، پارہ 11، آیت 62)

لوحِ محفوظ سے ایک نُور آتا ہے جو پوری کائنات میں پھیلتا ہے۔ اس میں ہر قسم کی اطلاعات ہوتی ہیں جو کائنات کے ذرّے

Marfat.com

ذرّے کو ملتی ہیں۔ ان اطلاعات میں چکھنا، سونگھنا، سننا، دیکھنا، محسوس کرنا، خیال کرنا، وہم وگمان وغیرہ اور زندگی کا ہر شعبہ، ہر حرکت، ہر کیفیت کامل طرزوں کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔ ان کو صحیح حالت میں وصول کرنے کا طریقہ صرف ایک ہے۔ اِنسان ہر معاملہ میں، ہر حالت میں کامل استغناء رکھتا ہو۔ مسخ کرنے والی اس کی اپنی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ جہاں مصلحت نہیں ہے وہاں استغناء ہے، غیر جانب داری ہے اور اللہ کا شعار ہے۔ رُوحانیت کے راستے پر سفر کرنے والے سالکین کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ رُوحانیت میں اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا مقصد، کوئی دوسری غرض وغایت شریک کرنا کفر ہے۔

رُوح کے تقاضے:

جسم کے تقاضوں کی طرح اِنسان کی رُوح کے بھی تقاضے ہوتے ہیں۔ روح کے تقاضے بھی اِنسانی شعور کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ ان تقاضوں کی تکمیل ہونی چاہئے۔ روحانی تقاضے اور ان کی تکمیل جسمانی تقاضوں سے زیادہ اہم اور نتیجہ خیز ہوتی ہیں۔ ان کے نتائج جسمانی تقاضوں کے مقابلے میں زیادہ مسلسل اور عظیم الشان ہوتے ہیں۔

روحانی تقاضوں میں سب سے اہم اور سب سے زیادہ بنیادی تقاضہ جو ہر اِنسان کے اندر پیدا ہوتا ہے وہ اِنسان کو احساس دلاتا ہے کہ اسے اپنے خالق سے رابطہ پیدا کرنا چاہئے اور اسے ان خوشیوں اور مسرّتوں سے بہرہ مند ہونا چاہئے جو کہ اس رابطے اور قربت کا لازمی نتیجہ ہے۔

جنّت کے باسی وہ لوگ ہیں جن کے سروں پر اللہ نے اپنا دستِ شفقت رکھ دیا ہے اور جن لوگوں پر اللہ نے اپنا دستِ شفقت رکھ دیا ہے وہ اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ خوف، غم، پریشانی سے بے نیاز ہے۔ اس لئے اللہ کے دوست میں اللہ کی صفت کا عکس نمایاں ہو جاتا ہے اور اسے نہ خوف ہوتا ہے، نہ غم ہوتا ہے اور جو لوگ اللہ کے دوست نہیں ہیں جنّت کی فضا انہیں کبھی قبول نہیں کرے گی۔ وہ دوزخ کا ایندھن ہونگے اگر کسی کے اندر خوف وغم ہے تو وہ اللہ کے بیان کردہ قانون کے مطابق اللہ کا دوست نہیں ہے۔ اور جو بندہ اللہ کا دوست نہیں ہے جنّت اسے رد کر دیتی ہے۔

مسرّت اور حزن کی کیفیات کا بغور جائزہ:

خوشی بھی محدود کیفیت کا نام ہے اور غم بھی محدود کیفیت کا نام ہے۔ اگر آپ محدود کیفیت سے باہر چلے جائیں، انفرادیت سے نکل کر اجتماعی ذہن حاصل کرلیں تو خوشی اور غم چونکہ دونوں کیفیتیں محدود ہیں اسکی گرفت آپ کے اوپر سے ٹوٹ جائے گی۔ اسی بات کو اللہ نے قُرآن پاک میں سورۃ یونس کی اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔

محدود دائرے میں رہنے والا آدمی اللہ کا دوست نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اللہ تو لامحدود ہے بلکہ لامتناہیت ہے۔ انفرادی سوچ سے نکلنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی خوشی اور غم دونوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کے اوپر ایک ایسی کیفیت طاری ہو جاتی

Marfat.com

ہے جس کو آپ سرور کہتے ہیں۔اس کا نام خوشی نہیں رکھ سکتے۔

اللہ کے قانون کے مطابق یہاں ہر چیز دوڑخوں پر قائم ہے جب تک آپ خوش ہیں غم اس کے ساتھ چپکا ہوا ہے۔جب تک آپ غمگین ہیں خوشی اس کے ساتھ ساتھ چپکی ہوتی ہے۔خوشی اور غم الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں یعنی ابھی خوشی ہے تو ابھی غم ہے۔

کبھی غم ہے تو کبھی خوشی ہے۔ بالکل اسی طرح رات اور دن الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں۔ ابھی دن ہے ابھی رات ہے۔ ابھی رات ہے تو ابھی دن ہے۔ اسی صورت سے خوشی اور غم ایک دوسرے سے ردوبدل ہو رہے ہیں اور ردوبدل کا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ آدمی کی سوچ محدود ہے۔ جب آدمی محدود سوچ سے آزاد ہو جاتا ہے تو اس کے اندر سے خوشی اور غم دونوں نکل جاتے ہیں۔ خوشی و غم نکلنے کے بعد ایک کیفیت ہوتی ہے جو اس کے اوپر طاری رہتی ہے اس کیفیت کا نام ہماری لغت میں لفظوں میں نہیں ہے۔ اس کو سرور کہنا اس لئے ٹھیک نہیں کہ سرور جب ٹوٹتا ہے تو اس کے اوپر اذیت ناک کیفیت ہوتی ہے۔

حضور قلندر باباؒ نے ایک دفعہ فرمایا کہ اس کو کیفیت بھی نہیں کہہ سکتے۔یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ خوشی و غم دونوں سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ اسے آپ لنگوٹی بندھوا دیں تو خوش ہے، اسے آپ اطلس و کمخواب کے کپڑے پہنا دیں تو ٹھیک ہے، اسے مرغی کھلا دیں تو ٹھیک ہے۔ اسے روکھی روٹی کھلا دیں تو تب بھی خوش ہے۔ اس لئے کہ وہ خوشی اور غم دونوں سے ماوراء کیفیت میں ہے۔ ایسے بندوں کو اللہ اپنے پاس سے کھلاتا ہے، اپنے پاس سے پہناتا ہے اور وسائل اس کے تابع کر دیتا ہے۔ بندہ وسائل کے تابع نہیں رہتا۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب " توجیہات " از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع اللہ کے دوست، صفحہ نمبت 134

2۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 260، صفحہ نمبر 177

3۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 230، صفحہ نمبر 162

4۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 146، صفحہ نمبر 120

5۔ کتاب "خطبات لاہور" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، صفحہ نمبر 169

6۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 16، صفحہ نمبر 29

7۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 33، صفحہ نمبر 46

8۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 85، صفحہ نمبر 90

9۔ کتاب " ذات کا عرفان" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع اپنی سوچ بدلیں، صفحہ نمبر 44 تا 45

10۔ کتاب " روح کی پکار" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع حقیقت مطلقہ کیا ہے، صفحہ نمبر 97 تا 99

Marfat.com

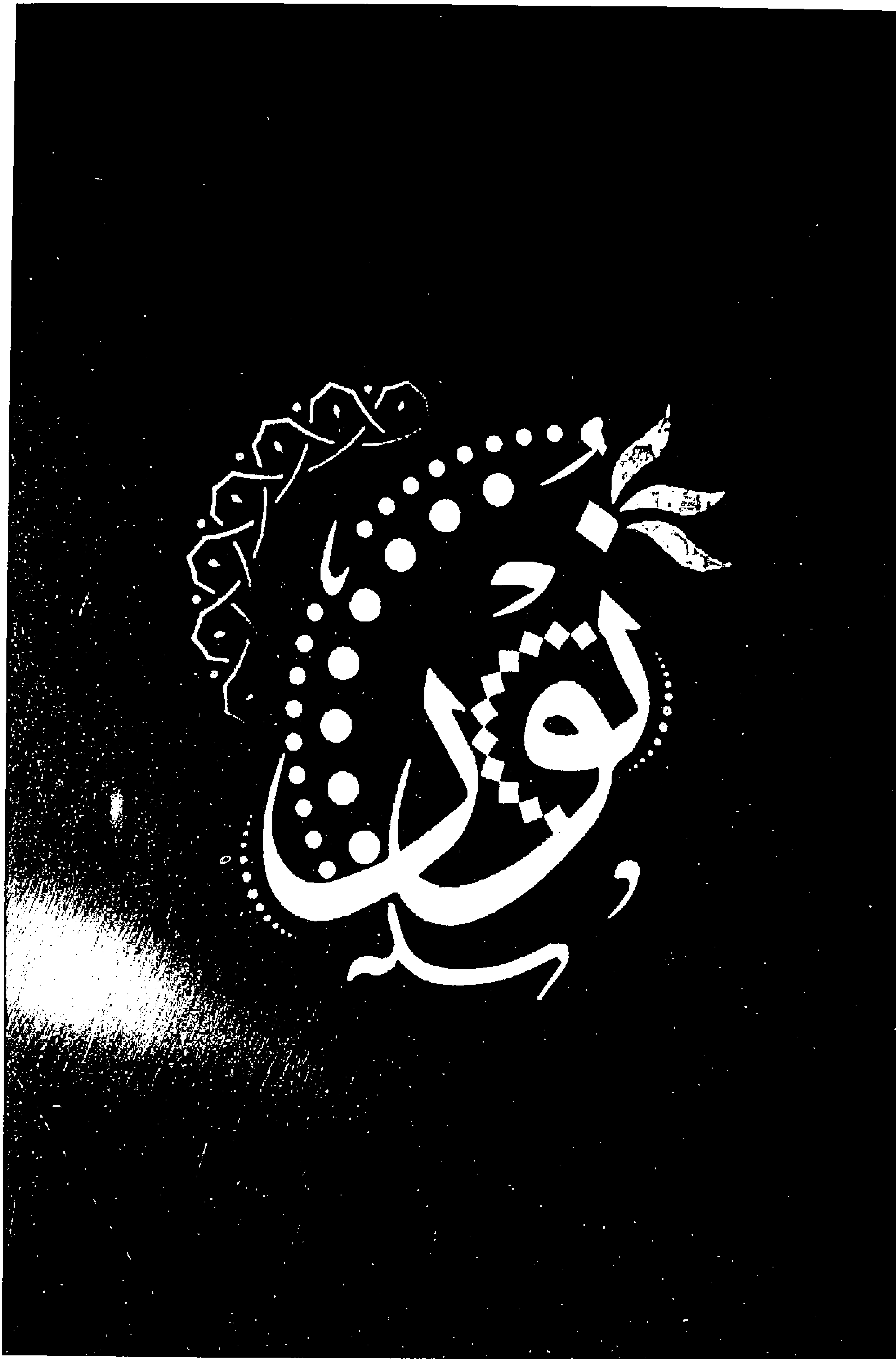

Marfat.com

یاقیوم

Marfat.com

کتاب المبین

موضوع 84/ 59

THE EVIDENT RECORD

سُوْرَةُ يُوسُفَ (JOSEPH)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۟﴿۱﴾

ترجمہ: الرٰیہ واضح کتاب کی آیات ہیں۔

Alif Laam Ra These are the verses of Clear Book.

کائنات:

کائنات ایک دنیا کا نام نہیں ہے بلکہ ہماری دنیا کی طرح اربوں دنیائیں ہیں۔

- ایک کتاب نہیں ہے۔
- قرآن کریم میں کتاب المبین کا تذکرہ اس طرح ہے۔

الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۟﴿۱﴾

پھر لوح محفوظ ہے۔

بَلۡ ہُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِیۡدٌ ﴿ۙ۲۱﴾ فِیۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ ﴿٪۲۲﴾ (سورۃ البروج پارہ 30- آیت 21 تا 22)

حضور نبی کریم ﷺ کے وارث اہل بیت اور علم الدنّی کے حامل اولیاء اللہ روحانی علوم کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

- ایک کتاب المبین میں ــــــ تیس کروڑ لوح محفوظ ہیں۔
- ہر لوح محفوظ میں اَسّی ہزار حضیرے ہیں۔
- ہر حضیرے میں ایک کھرب سے زائد مستقل آباد نظام اور بارہ کھرب غیر مستقل نظام ہیں۔
- ایک نظام کسی ایک سورج کا دائرہ وسعت ہوتا ہے۔ ہر سورج Star کے گرد نو، بارہ یا تیرہ سیارے گردش کرتے ہیں۔

Marfat.com

- سپر کمپیوٹر میں بھی حساب نہیں لگایا جا سکتا ایک کتاب المبین میں کل کتنی زمینیں۔۔۔۔ کہکشانی نظام۔۔۔ چاند اور سورج کی زندگیاں ہیں۔

امریکی خلائی ادارے ناسا NASA نے کروڑوں ڈالر کی لاگت سے ایک پروگرام شروع کیا ہے جس کے تحت کائنات میں پوشیدہ دوسری مخلوقات کو تلاش کیا جائے گا اس پروگرام کو SETI (SEARCH FOR EXTRA TERRESTRIAL INTELLIGENCE) کا نام دیا گیا ہے۔

کائنات کی ساخت

حوالہ کتاب قلندر شعور، تحریر خواجہ شمس الدین عظیمی، باب: پیش لفظ

Detail	Original Count	Count (Short Form)	Count (Short Form)
Open Book / Universe (کتاب المبین)	(ایک کتاب المبین) 1	1	کتاب المبین اللہ کے ذہن میں ہے
Total Guarded Tablets in Universe (کائنات میں الواحِ محفوظ کی کُل تعداد)	(30 کروڑ لوحِ محفوظ) 300,000,000	$3 X 10^8$	تمام لوحِ محفوظ اسی ایک کتاب المبین کے اندر بند ہیں
Total Galaxies in Universe (کائنات میں حضیروں کی کل تعداد)	(تعداد فی لوحِ محفوظ 80 ہزار) 24,000,000,000,000	$24 X 10^{12}$	تمام حضیرے اپنے اپنے لوحِ محفوظ میں بند ہیں
Minimum Number of Suns in Universe (کائنات میں سورجوں کی کم از کم تعداد)	(تعداد فی حضیرہ کم از کم 1 کھرب) 2,400,000,000,000,000,000,000,000	$24 X 10^{30}$	تمام سورج اپنے اپنے حضیروں میں قید ہیں
Minimum Number of Earths in Universe (کائنات میں آباد نظاموں / زمینوں کی کم از کم تعداد)	(تعداد فی حضیرہ کم از کم 1 کھرب) 2,400,000,000,000,000,000,000,000	$24 X 10^{30}$	تمام زمینیں اپنے اپنے سورجوں کے حصار میں گھوم رہی ہیں

ستمبر 2014ء میں واشنگٹن میں منعقدہ امریکی خلائی ادارے کی کانفرنس میں MASSACHUSETTS INSTITUTE OF TECHNOLOGY میساچوسیٹس انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی امریکہ کی پروفیسر SARA SEAGER نے انکشاف کیا کہ:

"ہماری کہکشاں میں تقریباً دس کروڑ ایسی دنیائیں موجود ہیں جہاں انسانی زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں"

کانفرنس میں موجود دنیا بھر کے ماہرین اور سائنسدانوں نے بتایا کہ اس کائنات میں ہم اکیلے نہیں ہیں اور آئندہ 20 سال کے اندر ہم خلاء میں موجود بہت سی دنیاؤں سے رابطہ کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

امریکہ کی نیشنل ریڈیو آسٹرانومی رصد گاہ کو قریب ترین سیاروں سے ایسے سگنل ملے ہیں جن کو کامیابی کی پہلی سیڑھی قرار دیا جا رہا ہے۔ ان سگنلز میں مردانہ اور زنانہ آوازوں میں عجیب زبانوں کی سرگوشیاں ملی ہیں۔ فلکیاتی ماہرین پروفیسر فرینک ڈریک FRANK DRAKE کے مطابق صرف ہماری کہکشاں ملکی وے میں سینکڑوں تہذیبیں ہمارے رابطے کا انتظار کر رہی ہیں انہوں نے 1961ء میں ایک فارمولا دیا تھا۔

$$N=R^*f_p.n_e.f_l.f_i.f_c.L$$

فرض کیا جائے کہ اگر صرف ہماری کہکشاں میں ہر سال ایک ستارہ پیدا ہوتا ہے۔ (R^*) اور ان میں 0.2 تا 0.5 فیصد ہی سیارے رکھتا ہو، یعنی سورج بنتا ہو (f_p) اور اس کے گرد اگر 1 سے 5 سیارے ہوں (n_e)۔ اور اگر ان میں سے ایک سیارے میں بھی زندگی

Marfat.com

موجود ہو(f_l)اور وہ ذہانت بھی رکھتی ہو(f_i)اور ان میں 0.2 فیصد بھی اس حد تک ترقی کر چکے ہوں کہ خلاء میں رابطے کے لئے سگنل بھیج سکتے ہوں(f_c) اور اس کے سگنل بھیجنے کے وقت کا دورانیہ(L) ہمارے وقت سے میل کھائے۔ تو بھی آباد سیاروں کی تعداد(N) ایک ہزار سے دس کروڑ ہو سکتی ہے۔

ان تمام عالمین میں اِنسانوں جیسی مخلوق بھی ہے جنّات اور دیگر مخلوقات بھی ہیں۔ کہیں مخلوق ٹرانسپیرنٹ ہے۔ کہیں سیاہ ہے اور کہیں نُورانی ہے۔ ہر آبادی میں زندگی کی طرزیں اسی طرح قائم ہیں جس طرح زمین پر موجود ہیں۔ بھوک، پیاس، خواب، بیداری، محبت، غصہ، جنس، افزائش نسل وغیرہ۔ زندگی کا تقاضہ، ہر جذبہ اور ہر طرز ہر سیارہ میں جاری و ساری ہے۔ ہر نظام میں الگ الگ سماوات، ارض، جبال، حیوانات، جمادات، نباتات وغیرہ اسی طرح موجود ہیں جس طرح ہم اپنے نظام میں دیکھتے ہیں۔

ان تمام عالمین میں جہاں کہیں بھی یہ بے شمار مخلوقات آباد ہیں وہاں حضور ﷺ رحمت اللعالمین ہیں۔ حضور ﷺ اس مادی دنیا میں بشر ہیں اور اس دنیا میں جہاں روشنی کی مخلوق آباد ہے۔ فرشتوں کی دنیا میں جہاں نُورانی مخلوق آباد ہے حضور ﷺ بحیثیت نور بشر کے ہیں۔ یعنی حضور ﷺ جس عالم میں ہیں چاہے وہ مادی عالم ہو، روشنی کا عالم ہو یا ٹرانسپیرنٹ عالم ہو، بحثیت بشر کے موجود ہیں اور ان عالمین میں اللہ کی ذات تجلیات و انوار مہیا کرنے کی حثییت سے نُور بھی ہیں۔ قُرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: "اے نبی کہو کہ اگر یہ سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں بلکہ اتنی ہی روشنائی ہم اور لے جائیں تو وہ بھی کفایت نہ کریں"

قُرآن پاک میں جو کتاب المبین کا تذکرہ ہے۔ کتاب المبین ازل تا ابد کی مکمل تصویر ہے۔ ازل سے ابد تک جتنا بھی ریکارڈ ہے وہ سب کتاب کتاب المبین میں محفوظ ہے۔ جب ہم کوئی لفظ زبان سے ادا کرتے ہیں تو یہ لفظ ازل سے ابد تک تمام تصورات کا مجموعہ ہے۔ لفظ ظہور ہے اور اس کے اندر مخفی تصورات غیب ہیں۔ لفظ ذہن کی ایک حرکت ہے۔ ہم آدمی کا نام لیتے ہیں تو آدمی ظہور ہے اور جب ہم آدمی کے اندر اس کی صلاحیتوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو یہ سب مخفی تصورات ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ ماہنامہ "روحانی ڈائجسٹ" شمارہ اگست 2015، باب دوسرے سیاروں پر زندگی افسانہ یا حقیقت، صفحہ نمبر 51 تا 54

2۔ کتاب "شرح لوح و قلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب لازمانی زاویے، لیکچر 36، صفحہ نمبر 311

Marfat.com

موضوع 84/ 60

حضرت یعقوب علیہ السلام

سُوْرَةُ یُوْسُفَ (JOSEPH)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ اَنۡفُسُکُمۡ اَمۡرًا ؕ فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ ؕ

وَاللّٰہُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: اس نے کہا نہیں بلکہ تم اپنے دل سے یہ بات بنالائے ہو اب صبر ہی بہتر ہے اور خدا ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بارے میں جو تم بیان کرتے ہو۔

He said: Nay, but your minds have beguiled you into something. (My course is) comely patience. And Allah it is whose help is to be sought in that (predicament) which ye describe.

حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے لیکن آپؑ کو حضرت یوسفؑ سے زیادہ محبت تھی۔ دوسرے بیٹے اس بات سے خوش نہیں تھے۔ سوتیلے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو ایک دن جنگل میں اندھے کنویں میں پھینک دیا اور روتے دھوتے واپس آکر حضرت یعقوبؑ سے کہا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے اس دکھ کو صبر وشکر سے برداشت کیا اور کہا!

قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ اَنۡفُسُکُمۡ اَمۡرًا ؕ فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ ؕ وَاللّٰہُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾ **نہیں بلکہ تم اپنے دل سے یہ بات بنالائے ہو اب صبر ہی بہتر ہے اور خدا ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بارے میں جو تم بیان کرتے ہو۔**

(سورۃ یوسف، پارہ 12، آیت 18)

آپؑ حضرت یوسفؑ کو یاد کر کے روتے رہتے تھے۔ روتے روتے آپؑ کی بینائی چلی گئی۔ دوسری طرف حضرت یوسفؑ کو ایک تجارتی قافلے نے کنویں میں سے نکالا اور اپنے ہمراہ مصر لے گئے۔ حالات نے آپؑ کو عزیز مصر کے محل میں پہنچا دیا۔ وہیں پل کر جوان ہوئے اور مصر کے فرمارواں بنے۔ حضرت یوسفؑ والی مصر مقرر ہوئے تو حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کی خواہش کے مطابق اپنے اہل خاندان کے ہمراہ جن کی تعداد ستر تھی مصر کی طرف ہجرت کی۔ اس وقت آپؑ کی عمر ایک سو تیس برس تھی۔ آپؑ ہجرت کے بعد سترہ برس زندہ رہے۔

Marfat.com

حضرت یعقوبؑ کی عمر ایک سو سینتالیس برس ہوئی۔ وفات سے قبل آپؑ نے اپنے بچوں کو نصیحت کی۔ حضرت یوسفؑ نے آپ کا جسد خاکی آپؑ کی وصیت کے مطابق کنعان لے جا کر حضرت سارہ حضرت رفقہ اور حضرت اسحٰقؑ کے پہلو میں دفن کیا۔

> صبر کرنے سے آدمی کے اندر نور کی مقدار یں داخل ہو جاتی ہیں جب بندہ صبر کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ بندہ کا رابطہ مستقل طور پر اللہ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے ایسے ہی لوگوں کو اللہ نے اولو العزم کہا ہے۔ ارشاد ہے:
>
> آپ ﷺ صبر کیجیے جس طرح اولو العزم رسولوں نے صبر کیا۔
>
> صبر آدمی کو اولوالعزم بناتا ہے جو پیغمبروں کی صفت ہے۔ صبر زندگی کے آداب سکھاتا ہے۔ صبر بندے کو اسفل سے علیین کی جانب لے جانے والی قوت ہے۔

حکمت:

قرآن کریم میں انبیاء علیہ السلام کے تذکرے ہمیں اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ ہم اللہ کے برگزیدہ بندوں کی طرز فکر سے وقوف حاصل کریں حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ سے منسوب واقعات کا بغور جائزہ لینے پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ انبیاء ایسے ذہن کے حامل ہوتے ہیں جن میں صبر اور شکر ادا کرنے کی طرزیں مستحکم ہوتی ہیں۔ وہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کے حامل ہونے پر شکر ادا کرتے ہیں اور کسی نعمت کے حاصل نہ ہونے پر اس حد تک ملول و غمگین نہیں ہوتے کہ اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ فرد بن جائیں۔

اختیارات کا استعمال یا عجز و انکساری:

انبیاء مشیت الٰہی کی تابع ہوتے ہیں اور مظاہر قدرت کے تحت ترتیب پانے والے واقعات میں رضائے الٰہی ان کے پیش نظر ہوتی ہے باوجود اس کے کہ وہ وسیع تر اختیارات کے حامل ہوتے ہیں، واقعات کو اپنے حق میں استوار کرنے کے لئے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و انکساری کا نذرانہ پیش کر کے التجا کرتے ہیں کہ اے رب کائنات! ثابت قدمی اور صبر و استقامت عطا فرما۔

حضرت یعقوبؑ نے اپنی پوری زندگی میں صبر و استقلال کا عظیم الشان مظاہرہ کیا۔ جب آپؑ کے فرزند اور جلیل القدر پیغمبر حضرت یوسفؑ اپنے بھائیوں کے حسد کا شکار ہو کر باپ سے جدا ہو گئے تو باوجود اس کے کہ حضرت یعقوبؑ اس حقیقت سے باخبر تھے مشیت الٰہی کے تحت خاموش ہو رہے اور انہوں نے اللہ کے بنائے ہوئے نظام کے تحت بیٹے سے ملنے کا انتظار کیا۔ بشری تقاضے کے تحت وہ بیٹے کی جدائی میں روتے رہے لیکن نافرمانی اور بے صبری کا ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکلا۔

استغناء کی تعریف:

قانون یہ ہے کی استغناء CONTENTMENT یقین کے بغیر پیدا نہیں ہوتا اور یقین کی تکمیل مشاہدے کے بغیر نہیں ہوتی اور جس آدمی کے اندر استغناء نہیں ہوتا اس کا تعلق مادہ دنیا (اسفل) سے زیادہ رہتا ہے اور جس بندے کے اندر استغناء نہیں ہوتا اس کا

Marfat.com

ذہن بے یقینی اور وسوسوں میں گھرا رہتا ہے اس کے اوپر مستقبل کا خوف طاری رہتا ہے جو نعمتیں اسے ماضی میں حاصل ہو رہی ہیں ان کی طرف ذہن جاتا ہی نہیں۔

مثال:

ایک بچہ پیدا ہوا ہے وہ اس حالت میں کہ نہ وہ کروٹ بدل سکتا ہے نہ ہاتھ سے کوئی چیز پکڑ سکتا ہے اور نہ پیروں سے چل سکتا ہے۔ اس کا ہر کام دوسرے لوگ کرتے ہیں۔ دودھ ماں پلاتی ہے، صفائی ستھرائی ماں کرتی ہے، کپڑے ماں تبدیل کرواتی ہے۔ اس طرح بچہ گھنٹوں، دنوں مہینوں اور سالوں کے زمانے کو عبور کرتا ہے۔ لڑکپن میں داخل ہوتا ہے۔ لڑکپن سے جوانی کا آغاز ہوتا ہے۔ پڑھتا لکھتا ہے۔ مزدوری کرتا ہے۔ کاروبار کرتا ہے۔ ایک دن کا بچہ جب جوان ہوتا ہے تو اس کی شادی ہو جاتی ہے شادی کے بعد بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔ بچوں کی تقریبات ہیں۔ بوڑھا ہو جاتا ہے۔ لیکن جب وہ مستقبل کے بارے میں سوچتا ہے تو فکر مندی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ ایک دن کی عمر ساٹھ سال سے یعنی اکیس ہزار نو سو دن تک سے ہر آسائش مہیاء کی گئی ہے۔ مزید عمر میں وہ اللہ کی نعمتوں سے کیسے محروم ہو سکتا ہے۔

استغناء کے حامل افراد میں یہ بات مستحکم ہوتی ہے کہ آدمی حالات کے ہاتھوں میں کھلونا ہے۔ حالات کھلونے میں جس طرح چابی بھرتے ہیں آدمی اسی طرح چلنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور کھلونے کی چابی کا رکھوالا، محافظ اور مطلق حاکم اللہ ہے۔

حوالہ جات:

1- کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ جلد سوم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب حضرت یعقوبؑ، صفحہ نمبر 175 تا 180

Marfat.com

قرآنی اعلان

موضوع 84/ 61

THE QURANIC ORDER

سُوْرَةُ الرَّعْدِ (THUNDER)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَابِاَنْفُسِہِمْ ط

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے رویے میں تبدیلی نہیں کر لیتی۔

Verily Allah will not change the good condition of the people as long as they do not change their state of goodness themselves.

جس قوم نے قرآنی اعلان پر تفکر کر کے کوشش اور جدوجہد کی وہ کامیاب ہوتی رہی اور آج بھی کامیاب ہے۔ اہل یورپ لوہے، تانبے اور زمین کے اندر خزانوں کی تلاش میں جب سرگرداں ہوئے تو قانون قدرت کے مطابق ان کے اوپر زمین کے خزانوں نے خود ہی اپنی افادیت ظاہر کرنا شروع کر دی اور انہوں نے لوہے، تانبے اور دیگر دھاتوں کے مرکب سے ایسی ایجادات میں کامیابی حاصل کر لی کہ وہ اقوام عالم میں ممتاز ہوگئے۔ ہواؤں میں اڑنا زندگی کا معمول بن گیا، سمندر اور دریا کی سطح پر تیرنا اور ہزاروں لاکھوں ٹن سامان ادھر سے ادھر پہنچانا ایک عام بات بن گئی۔ ان کی ذہنی کاوشوں سے زمین کے فاصلے سمٹ گئے۔ دنیا کی خبریں اس کونے سے دوسرے کونے تک پہنچنے لگیں۔ اسٹیم بھاپ کی دریافت سے ریل گاڑیوں کا نظام قائم ہوا۔ زمین کے اندر سے گیس اور پیٹرول نکلا تو موٹر کاریں زمین پر دوڑنے لگیں، لاسلکی نظام کے تحت دور دراز رہنے والے، رشتہ دار،

> ہر شخص روحانی علوم کے بارے میں یہ تصور رکھتا ہے کہ یہ پھونکوں کا علم ہے۔ پھونک ماردی اور دنیا روشن ہوگئی، پھونک ماردی اور آدمی گریجوایٹ ہوگیا۔ کسی بزرگ کی پھونک لگ گئی اور اس کے ہاتھ پی ایچ ڈی کی ڈگری آ گئی۔ سوال یہ ہے کہ جب آدمی پھونک سے میٹرک نہیں کر سکتا تو روحانی علوم کے بارے میں یہ خام خیالی کیوں کر رکھی گئی ہے؟ دنیا کا ہر کام محنت سے ہوتا ہے۔ آدمی جتنی بھی محنت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا صلہ عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،" اور وہ لوگ جو میرے لئے جدوجہد کرتے ہیں، میں ان کو راستوں کی ہدایت ضرور دیتا ہوں۔"

Marfat.com

پیارے دوست ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ انہوں نے بادوباراں کے نظام سے باخبر ہو کر ایسے انکشافات کئے کہ جن سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق حوادث سماوی سے محفوظ رہ سکے۔

یہ سب اس لئے ہوا کہ ان مفکّرین اور دانشوروں نے صحیفہء کائنات کے مطالعہ کے بعد اس کے قوانین اور آیات کو اپنی اور نوعِ انسانی کی بہتری کے لئے استعمال کیا۔

ایجادات و ترقی اور علم و ہنر کا سورج آج مغرب میں روشن ہے، کبھی مشرق میں چمکتا تھا اور جب مشرق اقوام نے بالعموم اور مسلمانوں نے بالخصوص علم و ہنر کے اس سورج سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا تو علم و ہنر نے بھی مسلمانوں سے اپنا رشتہ توڑ لیا۔ اللہ عجز و انکساری اور اطاعت پسند فرماتا ہے جبکہ تکبر اور نافرمانی اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ اعمال ہیں۔ ناپسندیدہ اعمال جب حد سے زیادہ بڑھ جاتے ہیں تو قانونِ قُدرت حرکت میں آ کر نافرمانوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ ؕ

اللہ کسی قوم کے حال نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔

(سورۃ الرعد، پارہ 13- آیت 11)

Marfat.com

اللہ کا ذکر

موضوع 62/84

REMEMBERENCE OF ALLAH

سُوْرَۃُ الرَّعْدِ (THUNDER)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ﴿۲۸﴾

ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ سن لو کہ اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

Those who believe and their hearts become calm and contented with the rememberence of Allah –know that it is the rememberence of Allah alone that brings calm to the hearts.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ اکرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"ہر ایک کے لئے صفائی کی ایک چیز ہوتی ہے اور دلوں کی صفائی کے لئے اللہ کا ذکر ہے۔" (مشکوٰۃ)

سکون اور خوشی کوئی خارجی شے نہیں ہے۔ یہ ایک اندرونی کیفیت ہے۔ اس اندرونی کیفیت سے جب ہم آشنا ہو جاتے ہیں تو سکون اور اطمینان کی بارش ہونے لگتی ہے۔ سکون آشنا زندگی سے واقف ہونے اور اطمینان قلب حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اپنے آپ سے واقف ہو۔ خود سے وقوف حاصل کرنا حقیقت پسندانہ عمل ہے۔ اور حقیقت سے فرار FICTION اور مفروضہ زندگی ہے۔ ہر آدمی اپنی جنّت اور دوزخ ساتھ لئے پھرتا ہے اور اس کا تعلق طرز فکر سے ہے۔ طرز فکر انبیائے اکرام علیہ السلام کے مطابق ہے تو آدمی کی ساری زندگی جنّت ہے، طرز فکر میں اگر ابلیسیت ہے تو تمام زندگی دوزخ ہے۔

ذکر کے لغوی معنی یاد کرنے کے ہیں۔ تذکرہ کرنے کو بھی ذکر کہتے ہیں اس لئے کہ تذکرہ کرنا کسی کو یاد کرنے کا اظہار ہے۔ آدمی جب کسی کا نام لیتا ہے اس کی صفت بیان کرتا ہے تو یہ عمل، اس کا ذہنی تعلق مذکورہ ہستی کے ساتھ قائم کر دیتا ہے۔

ذکرِ لسّانی:

ذکر کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ کے کسی اسم یا صفت کو زبان سے بار بار دہرایا جائے۔ جب تک کوئی انسان اس عمل میں مشغول

Marfat.com

رہتا ہے اس کا ذہن بھی کم و بیش اسی خیال پر قائم رہتا ہے۔ اگرچہ وقتی طور پر ذہن ذکر سے ہٹ بھی جاتا ہے۔ لیکن ذکر کی میکانکی حرکت غیر شعوری ارادے کو ذکر سے ہٹنے نہیں دیتی۔ اسے تصوف میں ذکرِ لسانی کہا جاتا ہے۔

ذکرِ قلبی:

کسی اسم کو مسلسل دہرانے سے ایک ہی خیال ذہن پر نقش ہوتا رہتا ہے۔ شعوری ارتکاز بڑھنے لگتا ہے اور ذہن کو ایک خیال پر قائم رہنے کی مشق ہو جاتی ہے جب ایسا ہوتا ہے تو ذاکر زبان سے الفاظ ادا کرنے میں بار محسوس کرتا ہے۔ اور عالم خیال میں اسے الفاظ ادا کرنے میں اسے سرور حاصل ہوتا ہے چنانچہ وہ ذکر لسانی سے ہٹ کر ذکر خفی کرنے لگتا ہے اس درجہ کو ذکرِ قلبی کہا جاتا ہے۔

مراقبہ MEDITATION:

پھر ایک موقع ایسا آتا ہے کہ آدمی عالم تصور میں پوری وجدانی کیفیت کے ساتھ اسم کے خیال میں ڈوب جاتا ہے۔ ذکر کا یہ مرتبہ یا طریقہ تصوف میں مراقبہ کہلاتا ہے۔

بے قراری، عدم سکون اور اضطراب سے رستگاری حاصل کرنے کے لئے اسلاف سے جو ہمیں ورثہ ملا ہے اس کا نام مراقبہ MEDITATION ہے۔ مراقبہ کے ذریعے ہم اپنے اندر مخفی صفات کو منظر عام پر لا سکتے ہیں۔ خوف و دہشت میں مبتلا، عدم تحفظ کے احساس میں سسکتی اور مصائب و آلام میں گرفتار نوع اِنسانی کے لئے مراقبہ ایک ایسا لائحہ عمل ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کر کے زندہ قوموں کی صفوں میں ممتاز مقام حاصل کر سکتے ہیں۔

مراقبہ ایک ایسی حالت کا نام ہے جس میں اِنسانی شعور آہستہ آہستہ لاشعوری واردات و کیفیات سے مغلوب ہو جاتا ہے اور لاشعور (روح کا شعور) متحرک ہو جاتا ہے۔ مختلف سلسلوں میں مختلف مشقوں کے ذریعہ اس حالت کو بیدار کیا جاتا ہے۔ مقصد سب سلسلوں کا ایک ہی ہے وہ یہ کہ ارادہ کے ساتھ نیّت بھی کام کرے اس لئے کہ بغیر نیّت کے ارادہ میں حرکت پیدا نہیں ہوتی۔

مراقبہ ایک ایسی کیفیت ہے جس میں زمان و مکاں کی LIMITATIONS حد بندیاں نہیں ہیں۔ زمان و مکان کی حد بندیاں اِنسانی ارادے اور نیّت میں خلل پیدا کرتی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہماری زندگی میں حد بندیاں کن حالات میں زیادہ اور شدید ہوتی ہیں اور وہ کونسی صورت ہے جس میں ہم ان حد بندیوں سے آزاد ہوتے ہیں۔

اِنسانی زندگی دو حصوں پر منقسم ہے۔ ایک حصّہ بیداری ہے اور دوسرا حصّہ خواب۔ بیداری میں اِنسان زمان و مکاں کا پابند ہے لیکن خواب میں اِنسان ان سے آزاد ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر جاگتے اِنسان کی نسبت سوتے اِنسان میں صلاحیتیں زیادہ بیدار ہوتی ہیں۔

مراقبہ کے ذریعہ خواب میں زمان و مکان سے آزاد کام کرنے والی صلاحیتیں بیداری میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ سب سے پہلے مراقبہ میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ اِنسان کے اوپر بیدار رہنے کی حالت میں ایسی کیفیت طاری ہو جائے جو خواب سے قریب

Marfat.com

ترین ہے۔ اس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ انسان اپنی نیت اور ارادے سے بیداری میں اپنے اوپر خواب کی زندگی طاری کر لے مثلاً یہ کہ اندھیرا ہو۔ آنکھیں بند ہوں۔ جسم ڈھیلا ہو۔ شعور بیداری کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہو اور لاشعوری کیفیات کو قبول کرتا ہو۔ ذہن کسی ایک نقطہ پر مرکوز کر لیا جائے جو بظاہر سامنے نہیں ہے یہ مشق آہستہ آہستہ انسان کو اس مقام پر لے آتی ہے جہاں وہ خواب کی واردات کو بیداری کے حواس میں محسوس کرتا ہے اور اس کا آخری درجہ یہ ہوتا ہے کہ لاشعوری تحریکات کو انسان اس طرح قبول کرنے لگتا ہے جس طرح وہ شعور کی تحریکات کو قبول کرتا ہے۔

اسفل کا دماغ:

اس ضمن میں یہ بتانا ضروری ہے کہ انسان کے اندر دو دماغ کام کرتے ہیں ایک دماغ وہ ہے جو آدم کے اندر اسفل السافلین میں پھینکے جانے سے پہلے کام کرتا تھا اور دوسرا دماغ وہ ہے جو اسفل میں بنا اور اسفل میں کام کرتا ہے لیکن وہ دماغ جو جنت میں کام کرتا تھا وہ ختم نہیں ہوا۔ ہوتا یہ ہے کہ اسفل کا دماغ غالب رہتا ہے اور جنت کا دماغ مغلوب۔ لیکن اس کی حرکات و سکنات ہر لمحہ اور ہر آن برقرار رہتی ہیں اور یہ حرکات و سکنات خواب میں سفر کرتی رہتی ہیں۔ لیکن مراقبہ کے ذریعے خواب کے حواس جب بیداری میں منتقل ہو جاتے ہیں تو صورت حال الٹ جاتی ہے یعنی اسفل کا دماغ مغلوب ہو جاتا ہے اور جنت کا دماغ غالب آ جاتا ہے۔ لیکن اگر اسفل کا دماغ معطل ہو جائے تو انسان کے اوپر جذب طاری ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس راستہ میں سفر کرنے والے سالک کو استاد کی ضرورت پیش آتی ہے ایسا استاد جو اس راہ میں سفر کر کے منزل رسیدہ ہو اور وہ اس بات سے کماحقہ واقف ہو کہ سالک کی ذہنی استعداد کیا ہے۔ اور وہ جنت کے دماغ کی تحریکات کو کس حد تک قبول کر سکتا ہے۔ اسی مناسبت سے وہ استاد ایسے اسباق تجویز کرتا ہے جو سالک کی ذہنی استعداد کے مطابق ہوں اور اس کی سکت کو بتدریج بڑھاتے رہیں۔ تصوف کی زبان میں اس استاد کا نام شیخ ہے۔

مراقبہ کے مدارج STAGES OF MEDITATTION:

جب مرید یا سالک آنکھیں بند کر کے [illegible]
ہے تو اس کے اندر شیخ کی طرز فکر منتقل [illegible]
ذخیرہ ہے جو حواس بناتی ہیں۔ [illegible]
اپنے ارادے کے تحت شیخ کی [illegible]
شیخ کے اندر کام کرنے والی انوار و تجلیات [illegible] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے
منتقل ہوتی ہیں ہمارے اندر منتقل ہو جاتی ہیں گی

مراقبہ کا سب سے آسان طریقہ تصور شیخ ہے۔ آنکھیں بند کر کے ذہن کی تمام صلاحیتوں کو اس بات میں استعمال کیا جائے کہ شیخ ہمارے سامنے ہے۔ اس سے پہلا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مرید چونکہ شیخ سے واقف ہے اور اس کے ذہن میں شیخ کی شکل و صورت اور سیرت کا ایک عکس بھی موجود ہے اس لئے تصور کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ جب ہم تصور شیخ کرتے ہیں تو خیالات کے ذریعے شیخ کی پاکیزگی ہمارے ذہن میں منتقل ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ اس پاکیزگی کا اتنا

Marfat.com

غلبہ ہو جاتا ہے کہ تاریکی اور کثافت چھٹ جاتی ہے۔ جب تک دماغ کی سطح پر تاریکی اور کثافت باقی رہے گی۔ کوئی سالک رُوحانی سفر میں قدم نہیں بڑھا سکتا۔

مراقبہ میں واردات وکیفیات:

مراقبہ کی تعریف ہو چکی اب دیکھیں کہ مراقبہ میں واردات وکیفیات کا نزول کس طرح ہوتا ہے۔ یہ دو طرح سے ہوتا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ آدمی آنکھیں بند کئے بیٹھا ہے اس کے اوپر آدھی نیند طاری ہو گئی جس کو ہم نیم غنودگی ABSORPTION کہہ سکتے ہیں اور اس حالت میں وہ غیب کی بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔

ورود، مکاشفہ اور مشاہدہ:

دوسری حالت میں وہ آنکھیں بند کئے بیٹھا ہے لیکن اس کے اوپر نیند طاری نہیں ہوتی۔ آنکھیں بند ہیں اور وہ غیب کی چیزوں کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اس کیفیت کا اصطلاحی نام ورود INFUSION ہے۔ جب کوئی شخص اس کیفیت سے پوری طرح آشنا ہو جاتا ہے تو پھر ورود کی حالت میں اس کی آنکھیں کھلنے لگتی ہیں اور کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر چیز بند آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ آنکھوں پر ایک دباؤ پڑا اور آنکھیں کھل گئیں۔ رفتہ رفتہ یہ حالت اسی درجہ غالب آجاتی ہے کہ اس کو آنکھیں بند کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی اور وہ اپنے ارادہ کے ساتھ جہاں دیکھنا چاہتا ہے دیکھ لیتا ہے۔ اس کیفیت کا اصطلاحی نام کشف یا مکاشفہ ہے۔ لیکن اس حالت میں اِنسانی شعور کافی حد تک معطل اور دبا ہوا رہتا ہے۔ یعنی جب اس کے اوپر یہ حالت وارد ہوتی ہے تو ماحول سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور جب اس کیفیت سے باہر آتا ہے تعلق بحال ہو جاتا ہے۔

مکاشفہ کی صلاحیت پوری طرح بیدار ہو جانے کے بعد ذہن ایک نئی کروٹ لیتا ہے اور اِنسان کھلی آنکھوں سے دور دراز اور پُس پردہ چیزوں کو دیکھنے پر قادر ہو جاتا ہے پس پردہ چیزیں بھی دیکھتا ہے اور شعوری حواس میں بھی رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ شعوری حواس میں وہ باتیں کر رہا ہے، کھا رہا ہے۔ چل رہا ہے اور مشاہدہ بھی کر رہا ہے۔ تصوّف میں اس کا نام مشاہدہ ہے، یہ مشاہدہ ہی ہے جو اِنسان کو درجہ بدرجہ وہاں لے جاتا ہے جہاں وہ عرفان صفات کے عِلم سے متصف ہو جاتا ہے۔

مشاہدہ میں اس بات کی مشق ہو جاتی ہے کہ اِنسان لاشعوری واردات وکیفیات میں جو دیکھتا ہے شعور اس کو نہ صرف محسوس کرتا ہے بلکہ اس کو ایک حقیقت جان کر اہمیت بھی دیتا ہے۔ نتیجہ میں لاشعوری اور شعوری کیفیات میں ایک توازن قائم ہو جاتا ہے۔ جب یہ کیفیت قائم ہو جاتی ہے تو کوئی سالک غیب اور ظاہر میں بیک وقت دیکھتا ہے، محسوس کرتا ہے اور عمل کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مشاہدہ بھی کرتا ہے اور دنیاوی کاموں میں بھی مصروف رہتا ہے، فرشتوں سے ہم کلام بھی ہوتا ہے اور اپنے دوستوں سے محو گفتگو بھی رہتا ہے۔ یعنی اس کے اوپر ایک ایسی حالت وارد ہو جاتی ہے جس کو ہم لاشعوری اور شعوری کیفیات کا ایک جگہ جمع ہونا اور بیک وقت عمل کرنا کہہ سکتے ہیں۔ وہ خود کو زمین پر بھی موجود دیکھتا ہے اور آسمانوں کی سیر میں بھی مصروف پاتا ہے۔

Marfat.com

آیئے !دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور اپنے محبوب ﷺ کے صدقے میں ہمیں توفیق عطا فرمائیں کہ ہم اس کے محبوب ﷺ کے نقش قدم پر چل کر اپنا عرفان حاصل کریں اور من عرف نفسہ فقد عرف ربہ یعنی جس نے خود کو پہچان لیا بیشک اس نے اپنے رب کو پہچان لیا کی وعید کے مطابق خود کو پہچانیں اور ذات باری تعالیٰ کا عرفان حاصل کر لیں۔ آمین یارب العالمین۔

حوالہ جات:

1۔ ماہنامہ "روحانی ڈائجسٹ" شمارہ اگست 2015، موضوع نُورِ الٰہی نُورِ نبوت، صفحہ نمبر 8

2۔ کتاب "کشکول"، از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 236، صفحہ نمبر 165

Marfat.com

موضوع 63/84

لوحِ محفوظ

سُوْرَةُ الرَّعْدِ (THUNDER)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: اللہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ ام الکتاب اسی کے پاس ہے۔

Allah effaceth what He will, and establisheth (what He will), and with Him is the source of ordinance.

جس چیز کو ہم جانتے ہیں اور جن جذبات احساسات سے ہم واقف ہیں اس کا نام شعور ہے۔ اور جن خیالات کو ہم نہیں جانتے ان کا نام لاشعور ہے۔ یہ جاننا اور نا جاننا دونوں اِنسان کے اندر موجود ہیں۔

عِلم لا اور اِلّا کی نفی:

ان طرزوں کو جو ہماری سمجھ میں ابھی تک نہیں آسکی ہیں "لا" کہا جاتا ہے۔ "لا" کی طرزوں میں داخل ہونے کے لئے اور لا کی طرزوں سے متعارف ہونے کے لئے ہمیں "اِلّا" کی نفی کرنی پڑتی ہے۔ مادی دنیا میں زمان و مکاں کی جس زندگی سے ہم لوگ واقف ہیں اور جو زندگی ہمارے اوپر مسلّط ہے اس کی نفی کر کے ہی ہم علم "لا" میں داخل ہو سکتے ہیں۔

القاء اور اس کی اقسام:

علم لا سے واقفیت "القاء" کہلاتی ہے۔ القاء کی چار اقسام ہیں جنہیں "تنزّلات" کہا جاتا ہے۔

کائنات کے چار تنزّلات:

تنزّل نمبر 1، عِلم القلم:

پہلا تنزّل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں کائنات جس طرح سے تھی اس کا مظاہرہ ہو گیا۔ یہ مظاہرہ "علم القلم" ہے۔

Marfat.com

تنزّل نمبر2، تجلّیات:

تنزّل دوم میں اللہ تعالیٰ کے اسرار و رموز تجلّیات میں ظاہر ہوتے ہیں یہ تجلّیات مشیت ایزدی کا مکمل احاطہ کر لیتی ہیں۔

تنزّل نمبر3، تقدیر مبرم:

تنزّل سوم میں اسرار و رموز لوح محفوظ کے نقش و نگار کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہی نقش و نگار تقدیر مبرم ہے۔

تنزّل نمبر4، عنصریت:

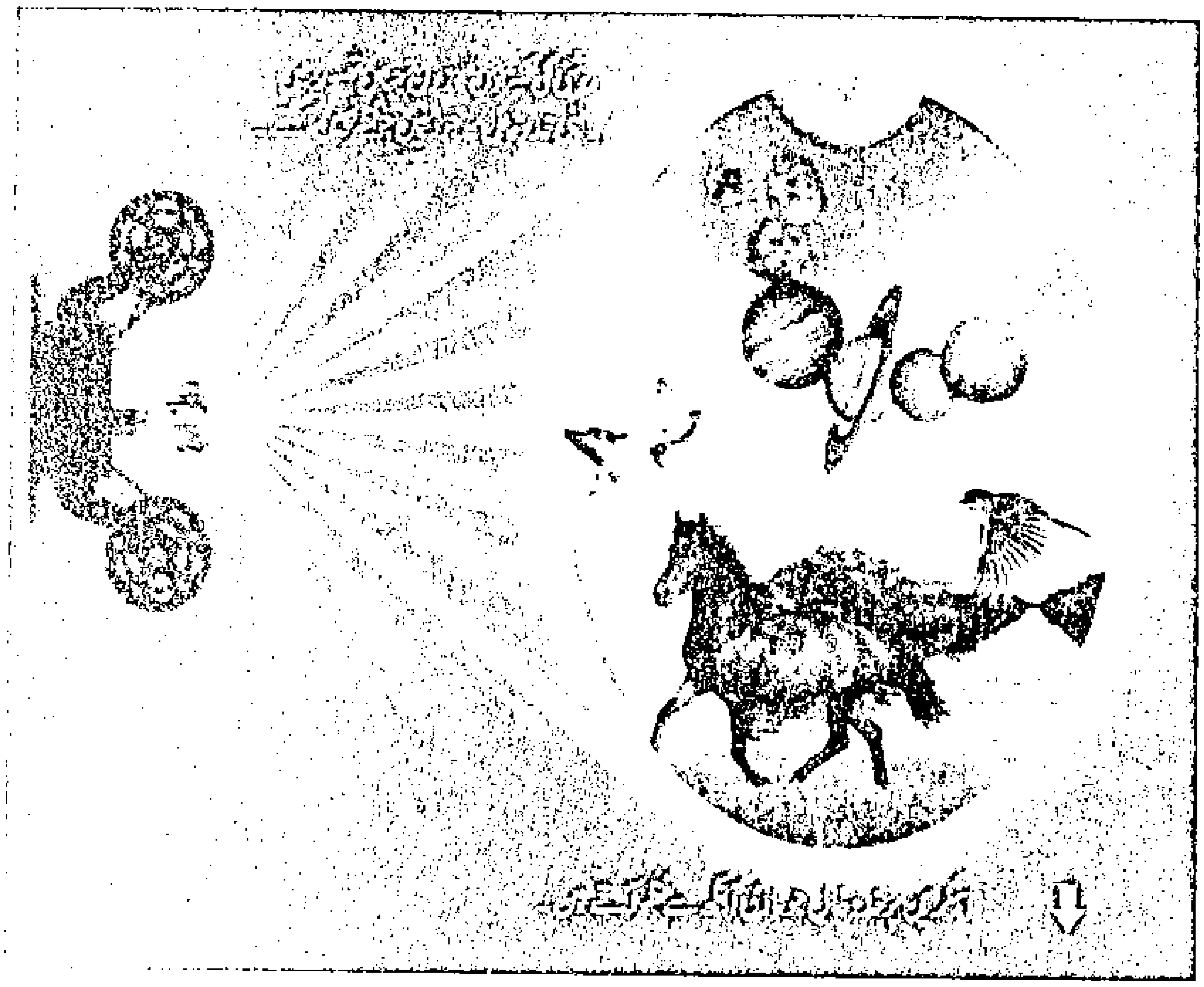

تیسرے تنزّل کے بعد جب کوئی شے عالم ناسوت کی حدود میں داخل ہو کر عنصریت کا لباس پہنتی ہے اور میکانیّت کی بنیاد پڑتی ہے تو اسے تنزل چہارم کہتے ہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر زمانے میں INVENTIONS AND INNOVATIONS اختراعات اور ایجادات کا سلسلہ دور ازلیہ سے قیامت تک اور قیامت سے ابد الآباد تک جو جو نئے اعمال پیش آتے رہیں گے، دور ازلیہ کی حدود سے باہر نہیں ہیں۔ ابد تک ممکنات کا ہر مظاہرہ ازل ہی کے احاطے میں مقید ہے اس ہی لئے علم القلم کا جو بھی تنزل پیش آ رہا ہے یا پیش آئے گا وہ علم القلم ہے۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتے ہیں:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿٣٩﴾

ہر وعدہ ہے لکھا ہوا، مٹاتا ہے اللہ جو چاہے اور رکھتا ہے جو چاہے اور اس کے پاس ہے اصل کتاب۔ (سورۃ رعد، پارہ13، آیت39)

Marfat.com

مثال:

ایک مشین ہے۔ مشین کو چلانے والا کوئی OPERATOR ہے۔ مشین کے اوپر ایک فلمی ریل ہے اس ریل کا عکس کئی LENSES سے گزر کر خلاء میں ہوتا ہوا ایک SCREEN یا پردے پر ظاہر ہوتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ آدمی سینما میں بیٹھا ہوا ہے۔ پردے کے اوپر متحرک تصویریں ہیں۔ اس کی نظر نہ تو خلاء میں ہوتی ہے اور نہ ہی مشین پر۔ نہ ان LENSES کو دیکھتا ہے جن سے گزر کر تصویریں پردے پر آ رہی ہیں نہ ہی اس کے سامنے مشین چلانے والا OPERATOR ہوتا ہے۔ لیکن پردے کے اوپر خدوخال کے ساتھ تصویریں متحرک ہوتی ہیں آنکھ ان تصاویر کو دیکھتی ہے۔

یوں سمجھئے کہ جب تک مخلوق اللہ کے ذہن میں تھی خدوخال نہیں تھے لیکن واجب کے LENS سے گزرنے کے بعد جیسے ہی لوح محفوظ میں قدم رکھا، حکم کے خدوخال مرتّب ہو گئے۔ پھر عالم تمثال میں یہ تصویریں وجود میں آ گئیں۔ لیکن ان تصویروں میں جسد خاکی کا لباس ظاہر نہیں ہوا جب تک خدوخال کے اوپر جسد خاکی یا جسمانی لباس نہیں آتا تصویر احساس سے روشناس نہیں ہوتی۔

1۔ القاء کی پہلی منزل میں موجودات اللہ کے علم میں موجود ہیں لیکن ان میں خدوخال نہیں بنے تھے۔

2۔ احکامات اور تصویروں نے اس وقت خدوخال اختیار کئے جب وہ لوح محفوظ پر نقش ہوئیں۔

3۔ اور جب احکامات لوح محفوظ سے گزر کر برزخ میں آئے تو روشنیوں کا جسم بن گیا۔

4۔ جب یہ تصویریں جسد خاکی کا لباس پہن لیتی ہیں ان میں مکانیّت اور زمانیّت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے وہ خود کو زمانیّت اور مکانیّت میں قید محسوس کرتی ہیں۔ یہی القاء کی چوتھی منزل ہے۔

لوحِ محفوظ تک رسائی:

مراقبہ کی بہت سی اقسام ہیں۔ براہِ راست مراقبہ یہ ہے کہ آدمی آنکھیں بند کر کے یہ تصوّر کرے کہ میں روشنی کا ایک نقطہ ہوں۔ یہ مراقبہ آدھی رات گزرنے کے بعد یا صبح صادق کے وقت شمال رُخ منہ کر کے آرام دہ نشست میں بیٹھ کر اس طرح کیا جاتا ہے کہ سالک اپنے دل کا تصوّر کرے اور دیکھے کہ دل کے اندر چھوٹا سا اک سیاہ رنگ نقطہ گردش کر رہا ہے۔ مراقبہ کی کامیابی اس بات کا مظہر بن جاتی ہے کہ آدمی اپنی زندگی کے آثار فنا ہوتے دیکھتا ہے اور خود کو صرف روشنی کا ایک نقطہ دیکھتا ہے۔ یہ نقطہ جب پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ تو نقطہ کی سیاہی چمک دمک میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ پھر اس نقطہ میں پھیلاؤ پیدا ہوتا ہے اور یہ پھیلاؤ سکرین بن جاتا ہے۔ ایسی سکرین جس کے اوپر کائنات کا پورا پروگرام نشر ہو رہا ہے یہ وہی سکرین ہے جس کو قرآن پاک نے لوحِ محفوظ کہا ہے۔

اِنسانی زندگی کے تمام دور بشمول ماضی اور مستقبل لوح محفوظ پر نقش ہیں۔ کائنات کا ہر ذرّہ اس نقش کی تفصیلی تصویر ہے۔ ہر ذرّے کے وجود کی گہرائی میں اسی نقش کا سراغ ملتا ہے۔ اسی طرح پتھر میں پتھر کے زمانے کی ساری فلم موجود ہے۔ یہ فلم پتھر کے اندر جھانکنے سے نظر آتی ہے۔ اسی ریکارڈ یا فلم کا مشاہدہ کر کے رُوحانی آدمی ماضی اور مستقبل کے تمام واقعات سے مطلع ہو جاتا ہے۔ آدم کی

Marfat.com

قل هو الله احد

Marfat.com

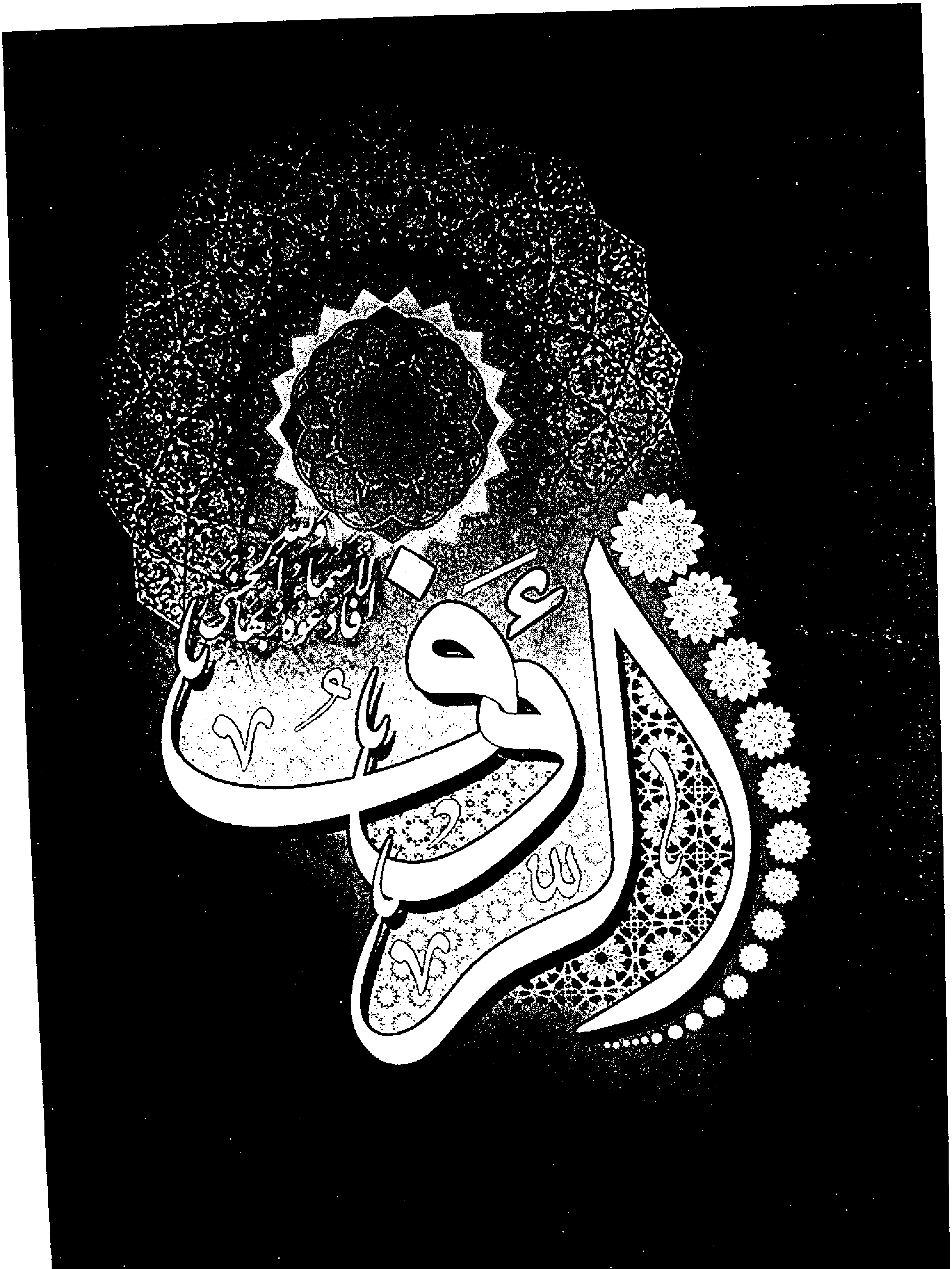

Marfat.com

تخلیق میں جو فارمولے کام کر رہے ہیں وہ ازل سے ایک ہی پیٹرن PATTERN یا طرز پر قائم ہیں۔ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان کی مظاہراتی طرزوں میں تغیر VARIATION تو رونما ہوتا رہتا ہے لیکن بنیادوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ انسانی طبیعت میں تقاضے، رنج و غضب، پیار، جنس، وغیرہ یکساں ہیں۔ البتہ ہر دور میں ان کی مظاہراتی صورتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔

لوحِ محفوظ پر تبدیلی:

ایک ولی سے ولایت چھن گئی جس کی وجہ سے لوگ اسے مردود کہنے لگے۔ بے شمار اولیاء اللہ نے اس کا نام لوحِ محفوظ پر اشقیاء کی فہرست میں لکھا ہوا دیکھا وہ بندہ نہایت سراسیمگی اور مایوسی کے عالم میں پیران پیر دستگیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رو رو کر اپنی کیفیت بیان کی۔ حضرت غوث پاکؒ نے اس کے لئے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی، "اسے میں نے تمہارے سپرد کیا، جو چاہے کرو۔ آپ نے اسے سر دھونے کا حکم دیا اور اس کا نام بدبختوں کی فہرست سے دھل گیا۔

اس کرامت کی توجیہہ یہ ہے:

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو حضور ﷺ سے وراثتاً علوم اور اختیارات منتقل ہوئے ہیں۔ یہ علوم اور اختیارات ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض ہوتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"میں اپنے بندے کو دوست رکھتا ہوں میں اس کے کان آنکھ زبان بن جاتا ہوں پھر وہ میرے ذریعے سنتا ہے میرے ذریعے بولتا ہے میرے ذریعے چیزیں پکڑتا ہے"۔

شیخ عبد القادر جیلانیؒ علم لدنی کے حامل بندے ہیں جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تو اس بندے کا نام اشقیاء کی فہرست سے نکل کر سعید رُوحوں میں درج ہو گیا۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "شرح لوح و قلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب لیکچر 13 قوت القاء، صفحہ نمبر 105 تا 107

2۔ ماہنامہ "قلندر شعور" شمارہ دسمبر 2014، باب شرح لوح و قلم، صفحہ نمبر 46

3۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع نمبر 26، صفحہ نمبر 39

Marfat.com

موضوع 64/84

زمین کے کنارے

THE REDUCING LAND

سُوْرَۃُ الرَّعْدِ (THUNDER)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُہَا مِنۡ اَطۡرَافِہَا ؕ

ترجمہ: کیا وہ نہیں دیکھتے؟ کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں۔

See they not how We visit the land, reducing it of its outlying parts?

ہماری یہ دنیا یہ کرہ ارض، جس پر ہم رہتے ہیں قدرت کا ایک عجوبہ اور انمول شاہکار ہے۔ جنت نظیر وادیاں، معدنی دولت کے انبار اپنے سینوں میں چھپائے، زندگی کے مختلف رنگ، شجر، حجر، معدنیات، ہوا، پانی، جنگلات، حیوانات، چرند و پرند اور خود انسان سبھی اس ماحول کا حصہ ہیں۔

لیکن یہ صرف زمین کی وہ تعریف ہے جو اس کی سطح کے متعلق ہے۔ سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ زمین کے اندر بھی ایک الگ سسٹم موجود ہے جو اس کی سطح زمین کی بنیاد ہے، جس کی وجہ سے ہماری دنیا اور اس میں بسنے والی تمام مخلوق میں اپنی تخلیق سے اب تک تبدیلیوں کا عمل لاکھوں کروڑوں سال سے جاری ساری ہے۔

جب سے ہماری زمین وجود میں آئی ہے تب ہی سے اس پر تبدیلیوں کا سلسلہ ایک ترتیب و تنظیم کے ساتھ جاری ہے، انہی تبدیلیوں کے نتیجے میں زمین کے بہت سے خشک حصے سمندر میں ڈوب جاتے ہیں اور بہت سے نئے جزائر سطح سمندر پر ابھر آتے ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہزاروں میل تک خشکی کا بڑا حصہ سمندر کی نذر ہو جاتا ہے۔ یا پھر سمندر کے پیچھے ہٹنے سے نئے ساحل ابھر آتے ہیں۔

کہا جاتا ہے آج جہاں عظیم الشان شہر آباد ہیں جنہوں نے انسانوں کے ٹھاٹھے مارتے سمندروں کو اپنے اندر سمو رکھا ہے وہاں کبھی حقیقی سمندروں کا راج ہوتا تھا اور جہاں کہیں پر شکوہ آبادیاں تھیں اب وہاں گہرے سمندروں کی حکمرانی ہے۔

گزرے زمانوں میں ہماری یہ زمین تبدیلیوں کے کتنے انقلابات سے گزر چکی ہے اس کا صحیح علم تو نہیں مگر عقل و شعور کی بدولت انسان نے بھی جو تحقیقات کی ہیں ان سے کئی سربستہ رازوں سے پردے اٹھ چکے ہیں۔

Marfat.com

بیسویں صدی کی ابتداء میں سائنسدان سمجھتے تھے کہ ساری زمین پانی پر کھڑی ہے اور وہ سات بڑی چٹانیں ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہیں جنہیں ہم براعظم کہتے ہیں لیکن جب سے علم ارضیات کے ضمن میں انقلابی جہتیں سامنے آئیں اور زمین کی طبعی تبدیلیوں کا جائزہ لیا گیا تو گذشتہ نصف صدی میں سائنسدان یہ جان کر حیران رہ گئے کہ ہماری زمین براعظموں پر نہیں بلکہ پندرہ چھوٹی بڑی مسطح چٹانوں پر کھڑی ہے یہ چٹانیں مسلسل سرک رہی ہیں۔ سرکنے کے اس عمل کا ہمیں ادراک نہیں ہو پاتا تاہم ان کے سرکنے سے ہونے والی ارضیاتی تبدیلیوں سے ہی براعظموں کی ہیئت اور ساخت میں تبدیلی ہوتی ہے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں ایک جرمن سائنسدان الفریڈ ویجزALFRED WEGES نے تاریخ میں پہلی بار یہ انکشاف کیا کہ ابتداء میں دنیا کے تمام براعظم ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے مگر بعد میں مختلف اطراف میں سرکتے سرکتے بالکل ہی جدا ہوگئے۔ماہرین علم الارض کو اس کی وفات کے تقریباً پچاس سال بعد 1960 کے عشرے میں اس کی بات کے درست ہونے پر یقین اس وقت آیا جب نظریہ ساختمائی ارضیات THEORY OF TECTONICS کی دریافت ہوئی۔

الفریڈ ویجز نے 1912 میں ایک مضمون لکھا جس میں انہوں نے لکھا کہ 50 کروڑ سال پہلے پورا خطہ زمین ایک عظیم براعظم "براعظم پنجیا" PANGAEA کی صورت میں قطب جنوبی میں موجود تھا۔ یہ مٹی کا دور تھا اس دور میں قطبین کا وجود نہیں تھا زمین پر شاذ ہی کبھی برف باری ہوتی تھی۔ خشکی کا سارا رقبہ گھنے جنگلوں پر مشتمل تھا۔بارش کثرت سے ہوتی تھی اس وقت اس واحد براعظم پر عظیم الجثہ دیو ہیکل جانوروں کی حکمرانی تھی جنہیں ہم ڈائنو سار کہتے ہیں۔ مٹی کے دور کے خاتمے کے ساتھ ہی زمین پر زبردست آتش فشانی دور شروع ہوا۔ جگہ جگہ آتش فشاں پھٹ پڑے۔ زیر زمین چٹانوں کی شکست وریخت سے زبردست ارضیاتی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ زلزلوں اور زمین طوفانوں سے نہ صرف یہ واحد براعظم تقسیم ہونا شروع ہوا بلکہ زیر سمندر آتش فشانی کے اس سلسلے نے سر اٹھایا تو اربوں کھربوں ٹن لاوا اگل کر سمندر پر جم گیا اور جگہ جگہ نئے نئے جزائر اور براعظم بننے لگے۔ براعظم کے بعض حصے سمندر کی نظر ہونے لگے اور ڈائنو سارس کا خاتمہ ہو گیا۔ اٹھارہ کروڑ سال پہلے یہ براعظم دو حصوں میں تقسیم ہو جانے کے بعد دو مختلف سمتوں میں حرکت کرنے لگا اس میں سے ایک بڑا گوندوانا GONDWANA تھا۔ جس میں افریقہ، آسٹریلیا، انٹارکٹکا اور انڈیا شامل تھے۔ دوسرا لاریشیا LAURASIA تھا جو یورپ، شمالی امریکہ، اور ایشیا ماسوائے انڈیا پر مشتمل تھا۔ اس علیحدگی کے پندرہ کروڑ سال بعد گوندوانا اور لاریشیا چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو گئے جو پنجیا کے ٹوٹنے کے بعد کرہ ارض پر مسلسل حرکت میں رہے ان کی یہ حرکت چند سینٹی میٹر فی سال کی شرح سے تھی اس عمل کے دوران سمندر بھی زمین کی نسبت سے اپنی شکل تبدیل کرتے ہیں۔ براعظموں کے الگ ہونے اور فضا میں تبدیلی سے برفانی دور کا آغاز ہوا۔ زمین کسی فریج کی طرح سرد اور سمندر منجمد ہو گئے برف نے براعظموں کو ڈھانپ دیا شمال اور جنوب میں قطبین تشکیل پاگئے۔ سمندر کا رقبہ کم ہو گیا۔

برسوں بعد زیر زمین آتش فشاں پھر سر اٹھانے لگے زمین کا ماحول کسی قدر گرم ہوا اس گلوبل وارمنگ سے کئی براعظموں کی

Marfat.com

برف پگھل گئی اور سمندر کے رقبہ میں اضافہ ہو گیا جگہ جگہ طوفان آئے جس سے کئی جزائر غرق ہو گئے۔

اس کے بعد زمین پر دوبارہ برفانی دور شروع ہو گیا۔ ابتداء میں اس کا دورانیہ چالیس سے پچاس ہزار سال کو ہوتا تھا۔ بعد میں اس کی رفتار میں تیزی آنے لگی اور پھر یہ برفانی دور ہر دس ہزار سال بعد آنے لگا۔ سائنسدانوں نے اس عمل کو TERMINATION کا نام دیا ہے۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ زمین پر کئی برفانی دور آ چکے ہیں آخری برفانی دور کا خاتمہ یا TERMINATION دس ہزار سال قبل ہوا تھا۔ جس میں اٹلانٹس، مو، لیموریا جیسے براعظم سمندر میں روپوش ہو گئے اور سمیر، مصر اور سندھ کی تہذیب اس آخری برفانی دور کے خاتمے کے بعد ہی وجود میں آئی۔

جب ہماری زمین کی اندرونی کرے میں موجود پگھلے ہوئے مادے میگما میں ہلچل پیدا ہوتی ہے تو یہ پلیٹس بھی اس جھٹکے سے متحرک ہونے لگتی ہیں۔ میگما ان پلیٹوں کی حرکت میں توانائی فراہم کرتا ہے۔ زمین پر موجود پہاڑ میگما کی ہلچل میں توازن رکھتے ہیں اور اس کے دباؤ کو روک لیتے ہیں۔ مسلسل تیرنے اور حرکت کرنے سے زمین میں ارضیاتی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ اگر اس دوران کبھی میگما کی طغیانی اچانک بڑھ جاتی تو جڑی ہوئی پلیٹیں آپس میں ٹکراتی ہیں اس باہمی ٹکراؤ سے زیر زمین غیر معمولی توانائی یا دباؤ پیدا ہوتا ہے جو ارد گرد کی چٹانوں کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے اور یہ توانائی زبردست دھماکوں اور خوفناک گڑگڑاہٹ کی صورت میں پلیٹوں کی دراڑوں پر آباد بستیوں پر زلزلے کی صورت اور سمندری سطح پر سونامی کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، اور کبھی کبھی میگما کو شدید دباؤ زمین کی پلیٹوں کی سطح بھی تبدیل کر دیتا ہے، جس سے اچانک ارضیاتی تبدیلیاں رونما ہو جاتی ہیں اور زمین میں مدوجزر پیدا ہو جاتا ہے۔ زمین کے بعض حصے ابھر کر نئے جزیرے بن جاتے ہیں اور بعض جزیرے سمندر میں غرق ہو جاتے ہیں۔ بعض براعظم ایک دوسرے کے قریب آ جاتے ہیں اور بعض دور ہو جاتے ہیں۔

زمین کی پلیٹوں میں یہ تبدیلی عموماً بیس لاکھ سالوں کے دورانیے پر مشتمل ہوتے ہیں لیکن مسلسل زلزلوں اور آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے سے یہ تبدیلی تیزی سے نمودار ہو رہی ہے ایسی ہی ارضیاتی تبدیلیوں کی حالیہ مثال بحرالکاہل اور قرنِ افریقہ میں پلیٹوں کی سطح میں ہونے والی تبدیلیاں ہیں!

بحرالکاہل اپنے ارضیاتی محل وقوع کے اعتبار سے ہمیشہ سے قدرتی آفات کی زد میں رہا ہے۔ ماہرین ارضیات کے مطابق بحرالکاہل میں واقع خطے صدیوں سے زلزلہ، سونامی اور آتش فشانوں کی تباہی کا شکار رہے۔ 1883ء میں کراکاٹو آتش فشاں کی تباہی اور 2004ء کی سونامی کی وجہ یہاں کے زیر سمندر متحرک فالٹ لائین اور اتش فشانی پہاڑی سلسلے موجود ہیں، جو ایک قوس کی شکل میں واقع ہے۔ دنیا بھر میں سب سے زیادہ آتش فشاں پہاڑ بھی اس خطے پر موجود ہیں۔

رواں برس اپریل میں بھی انڈونیشیا کے جزیرے سماٹرا کو 8 اعشاریہ 7 میگنی چوڈ کی شدت کا زلزلہ جھیلنا پڑا تھا جس نے دنیا بھر کے ماہرین کو پریشان کر دیا ہے اس زلزلے کے بعد خطے کی باریک بینی سے مطالعے اور جائزے کے بعد ماہرین اور سائنسدان نے انکشاف

Marfat.com

کیا ہے کہ زمین کی وہ پرت جسے اس خطے کی مناسبت سے انڈو آسٹریلین ٹیکٹونک پلیٹ کا نام دیا گیا ہے، بتدریج دو حصوں میں تقسیم ہو رہی ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ زمینی پرت کی اس نوعیت کی ٹوٹ پھوٹ کی ماضی میں کوئی مثال موجود نہیں اور یہی وجہ ہے کہ سماٹرا کو جس زلزلے نے نشانہ بنایا وہ عمودی نہیں بلکہ افقی صورت کا تھا اور اپنی نوعیت کا پہلا زلزلہ تھا۔

زلزلوں کے ماہرین کا کہنا ہے 11 اپریل 2012ء کو سماٹرا میں آنے والے زلزلے کے نتیجے میں بیک وقت چار فالٹ لائینز میں ٹوٹ پھوٹ ہوئی۔

اس موضوع پر کی جانے والی تحقیق کے مطابق انڈو آسٹریلین پلیٹ شمال کی جانب آگے سرک رہی ہے، لیکن اس کے مغرب میں ہمالیہ کا سلسلہ اس کے آگے بڑھنے کے لئے رکاوٹ ہے۔ زلزلہ کے نتیجے میں پلیٹ کے مرکزی علاقے میں انڈونیشیاء اور دیگر جزائر کی زمین سکڑ رہی ہے اور شدید زلزلہ کا دباؤ اس میں مزید کریکنگ کر سکتا ہے۔ اس بات کا غالب گمان موجود ہے کہ اگر انڈو آسٹریلین پلیٹ تقسیم ہوئی تو آنے والے وقتوں میں آسٹریلیا شمال کی جانب بڑھ سکتا ہے اور شاید مستقبل بعید میں جنوب مشرقی ایشیا کے جزائر انڈونیشیا، ملائیشیا، اور جاپان وغیرہ صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گے۔

ایک ایسا ہی دوسرا واقعہ گذشتہ برس افریقہ میں ہوا تھا جہاں ستمبر 2011ء میں آنے والے زلزلے کے بعد سات کلومیٹر لمبی دراڑ پڑ گئی تھی یہ دراڑ ایتھوپیا سے بحر احمر کے جنوبی کنارے تک پھیلی ہوئی ہے۔

سیٹلائیٹ سے حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق ایتھوپیا میں زمین کی سطح میں پڑنے والی گہری دراڑ صدیوں میں نہیں تو دہائیوں میں پڑنے والی سب سے بڑی دراڑ ہے۔ امید کی جا سکتی ہے کہ یہ دراڑ افریقہ میں ایک اور سمندر کا روپ دھار سکتی ہے۔ ماہرین ارضیات کے مطابق ایک سال پہلے پڑنے والی یہ دراڑ بحر احمر تک پہنچ سکتی ہے اور اس کی وجہ سے ایتھوپیا اور ایریٹیریا کا علاقہ جسے قرن افریقہ HORN OF AFRICA کہا جاتا ہے، باقی افریقہ سے الگ ہو جاتے ہیں۔

سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اگر ایسا ہوا تو زمین میں یہ خلیج ایک سمندر کی شکل اختیار کر لے گی۔ انہوں نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ صرف تین ہفتے میں سات کلومیٹر طویل یہ دراڑ بنتی ہی چلی گئی۔

تجزیاتی رپورٹوں کے مطابق یہ دراڑ اتنی تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ اس کی مثال پہلے نہیں ملتی اس دراڑ سے زمین کی گہرائی میں ہونے والی تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ جہاں پر افریقہ کی ٹیکٹونک پلیٹ عرب کی ٹیکٹونک پلیٹ سے دور ہٹ رہی ہے، جس کی وجہ سے زمین کی سطح پر کھچاؤ پیدا ہو رہا ہے اور وہ چوڑی ہو رہی ہے جیسے جیسے دراڑ نمودار ہو رہی ہے، پگھلا ہوا لاوا سطح کے نیچے سے ابل کر باہر آ رہا ہے اور سخت ہو کر سمندر کی سخت سطح میں تبدیل ہو رہا ہے۔

Marfat.com

آکسفورڈ یونیورسٹی کے ڈاکٹر ٹم رائیٹ کا کہنا ہے کہ اگر یہ دراڑ اسی طرح بڑھتی رہی تو ہارن آف افریقہ HORN OF AFRICA آہستہ آہستہ باقی براعظم سے الگ ہو جائے گا۔ اگر یہ عمل جاری رہا تو ایک نیا سمندر آہستہ آہستہ بن جائے گا۔ یہ بحیرہ احمر سے مل جائے گا اور اس کا پانی اس میں جائے گا۔

سائنسدان اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ اٹلانٹک جیسے بڑے بڑے موجود سمندر تب پیدا ہوئے تھے جب کروڑوں سال قبل ماضی میں بڑے براعظم ٹوٹ کر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے۔ بلکہ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ شمالی امریکہ اور یورپ کے بر اعظم اب بھی ایک دوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں ماہرین کے بقول گو کہ پلیٹ کی تقسیم کا عمل کئی ہزار سال میں مکمل ہوتا ہے اور ان کی رفتار کچھ اتنی سست ہوتی ہے جتنے کہ ناخن کے بڑھنے کی رفتار۔ یہ صرف ایک سال میں صرف چھ انچ (147 ملی میٹر) فاصلہ طے کرتے ہیں لیکن تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دوران زلزلوں اور مسلسل آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے سے یہ تبدیلی تیزی سے نمودار ہو رہی ہے۔

ارضیاتی تبدیلیوں کے ادارے انٹر گورنمنٹل پینل ان کلائمنٹل چینج IPCC کی سالانہ رپورٹ کے مطابق درجہ حرارت میں اضافہ، گلیشیر اور قطبین کی برف پگھلنے سے ان پلیٹوں کی حرکت میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے جس سے مجموعی طور پر دو سو ستاون سے نو سو ستر ملی میٹر سالانہ کی رفتار سے ساحلی زمین سمندر کی نظر ہو سکتی ہے۔

حوالہ جات:

1- ماہنامہ "روحانی ڈائجسٹ" شمارہ نومبر 2012 مضمون ابن وصی، صفحہ نمبر 24 تا 30

Marfat.com

موضوع 84/ 65

عِلم البروج

سُوْرَۃُ الْحِجْرِ (THE ROCKY TRACT)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ لَقَدۡ جَعَلۡنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّ زَیَّنّٰہَا لِلنّٰظِرِیۡنَ ﴿ۙ۱۶﴾

وَ حَفِظۡنٰہَا مِنۡ کُلِّ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ ﴿ۙ۱۷﴾

ترجمہ: اور ہم نے بنائے ہیں آسمان میں بروج اور زینت بخشی دیکھنے والوں کے لئے اور محفوظ کر لیا شیطان راندہ درگاہ سے۔

And verily in the heaven We have set mansions of the stars, and We have beautified it for beholders. And We have guarded it from every outcast devil,

عِلم البـروج:

آسمانوں کو زینت بخشی اہل نظر کے لئے اور جو لوگ اہل نظر نہیں ہیں ان سے اس زینت کو مخفی فرما دیا۔ قرآن پاک میں یہ بات بھی ارشاد ہوئی ہے کہ ہم کوئی نئی بات نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ جو بات پہلے کہی گئی ہے اس کا اعادہ کیا جا رہا ہے۔

قرآن پاک کی ان آیات سے نیتر نجات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ جوتش، نجوم بھی نیتر نجات کا ہی ایک حصّہ ہیں۔ نیتر نجات بروج سے متعلق مخفی علوم کا ذخیرہ ہے۔

موجودہ سائنس کی دنیا کہکشانی اور شمسی نظاموں سے کسی حد تک روشناس ہے۔ کہکشانی اور شمسی نظاموں کی روشنی سے ہماری زمین کا کیا تعلق ہے۔ اور ان نظاموں کی روشنی زمین کی نوعوں، انسان، حیوانات، نباتات، جمادات پر کیا اثر کرتی ہے یہ مرحلہ اب سائنس کے سامنے آچکا ہے۔ سائنسدانوں کو یہ سمجھنا پڑے گا کہ شمسی نظاموں کی روشنی انسان کے اندر، نباتات کے اندر، جمادات کے اندر کس طرح اور کیا عمل کرتی ہے۔ کس طرح جانوروں، انسانوں، نباتات اور جمادات کی کیفیات میں ردّوبدل کرتی ہے۔ سائنس کا عقیدہ یہ ہے کہ زمین پر موجود ہر شے کی بنیاد یا قیام صرف اور صرف لہر پر ہے۔ ایسی لہر جس کو روشنی کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

Marfat.com

عِلم البروج میں ایسے علوم سے بحث کی جاتی ہے جو حواس کے پس پردہ شعور میں چھپ کر کام کرتے ہیں یہ عِلم ہمیں بتاتا ہے کہ ہمارے حواس اور حواس کی گرفت محض ایک مفروضہ ہے۔

مثال:

ہم جب کسی سخت چیز کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس چیز کی سختی کا علم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے دماغ کے اوپر وہ سخت چیز نہیں ٹکراتی، سائنس کے نقطہ نظر اور مخفی علوم کی روشنی میں ہر شے دراصل شعاعوں یا لہروں کے مجموعے کا نام ہے، جب ہم لکڑی یا لوہے کی طرف کسی بھی طریقہ سے متوجہ ہوتے ہیں تو لکڑی یا لوہے کی شعاعیں ہمارے دماغ کو باخبر کر دیتی ہیں۔
غور طلب بات یہ ہے کہ شعاع یا لہر اپنے اندر نہ سختی رکھتی ہے نہ ہی وزن پھر ہمیں یہ علم کیسے ہو جاتا ہے کہ فلاں چیز سخت ہے اور فلاں چیز نرم؟ ہم پانی کو دیکھتے ہیں یا چھوتے ہیں تو فوراً ہمارے دماغ میں یہ بات آجاتی ہے کہ یہ پانی ہے حالانکہ ہمارے دماغ میں پانی کا کوئی اثر نہیں ہوتا یعنی دماغ بھیگتا نہیں ہے۔ جب ہمارا دماغ بھیگا نہیں تو ہم یہ بات کیسے کہہ دیتے ہیں کہ یہ پانی ہے؟ قرآن پاک سے بیان کردہ حقائق یہ ہیں کہ ہر شے الگ اور معیّن مقدار کے ساتھ وجود پزیر ہے۔ لہروں یا شعاعوں کی مقداریں ہی ہر شے کو ایک دوسرے سے الگ کرتی ہیں اور ہر شے کی لہریں یا شعاعیں ہمیں اپنے وجود کی اطلاع فراہم کرتی ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ ہر موجودہ شے دراصل لہروں یا شعاعوں کا دوسرا نام ہے۔ اور ہر شے کی لہریں یا شعاع ایک دوسرے سے الگ اور مختلف ہیں۔ عِلم البروج اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ لوہا، تانبا، سونا، لکڑی، اِنسان، حیوانات اور جمادات میں کس کس قسم کی لہر کام کرتی ہے اور ان لہروں میں کس طرح تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ عِلم البروج جو تقریباً 10000 سال سے کسی نہ کسی نام سے رائج ہے ہمیں اس بات کا عِلم دیتا ہے کہ شے کے اندر لہروں یا شعاعوں کا فارمولہ کیا ہے۔

سبعہ طلسم:

طلسم کا لفظ عام ہے۔ طلسم ایک حرکت ہے جس کے ذریعے ہر چیز کے اندر ردوبدل کیا جا سکتا ہے۔ اس زمین پر بسنے والی مخلوق کے لئے سات حرکات متعیّن ہیں جن کو عِلم البروج میں سبع طلسم کہتے ہیں ان سات طلسم یا حرکات کے ارد گرد ہی خیال و عمل گھومتے ہیں چنانچہ یہ حرکات بھی اشیاء میں تصرف کرتی ہیں۔

طلسم نمبر 1 (یاقوت) ■ :

یہ حرکت حیوانات سے متعلق تخلیقی فارمولہ ہے یعنی اس حرکت سے حیوانات کے حواس میں حسب دلخواہ تبدیلی کی جاسکتی ہے۔
حیوانات کی پانچ قسمیں ہیں۔ چرندے، پرندے، درندے، حشرات الارض اور اِنسان۔

Marfat.com

طلسم نمبر 2(تیلسان) O :

یہ حرکت نباتات میں تصرف کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے نباتات میں گھاس پھونس، جڑی بوٹی، پودا، بیل اور ہر قسم کے درختوں کا شمار ہوتا ہے۔ خواہ وہ خشکی پر ہوں یا سمندر اور دریا کی تہہ میں۔

طلسم نمبر 3 / :

اس حرکت کے تحت جمادات میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کیا جا سکتا ہے۔ جمادات میں چاندی، سونا، تانبا، ہیرا، زمرد، نیلم، عقیق، یاقوت ہر قسم کی دھات، پتھر اور کاغذ وغیرہ کی اشیاء شمار ہوتی ہیں۔

طلسم نمبر 4(حرز) > :

یہ فارمولہ مائع، بہنے والی اشیاء میں استعمال ہوتا ہے مثلاً پانی، لاوا اور دودھ وغیرہ

طلسم نمبر 5(موّاج) VVV :

یہ حرکت یا فارمولہ جنّات یا جنّات کی دنیا میں تصرف کی تشریح کرتا ہے۔

طلسم نمبر 6(ہلال) ∩ :

یہ نرم گیسوں میں تصرّف کا فارمولہ ہے گیسوں میں ہوا بھی شمار ہوتی ہے۔

طلسم نمبر 7(ہیکل) ⊙ :

اس حرکت کے ذریعے روشنیوں میں تصرّف کیا جاتا ہے۔

حوالہ جات:

1۔ کتابچہ "نیرنجات" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی

Marfat.com

موضوع 84/66

سبع مثانی

سُوْرَةُ الْحِجْرِ (THE ROCKY TRACT)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿٨٧﴾

ترجمہ: اور بے شک ہم نے آپ کو سات آیتیں (نور) عطا فرمائیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن۔

And We have certainly given you, [O Muhammad], seven of often repeated verses and the great Quran.

سات انوار کا بیان حسب ذیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں جو تمام آسمانی صحیفوں کی تمہید ہے اور قرآن پاک کا بھی دیباچہ ہے ارشاد فرمایا ہے...

1- اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وہی اللہ لائق حمد ہے جس کا نور کائنات کی پرورش کر رہا ہے۔ یہ پہلا نور ہے۔

2- الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جس کا نور رحم و کرم بن کر محیط ہے۔ یہ دوسرا نور ہے۔

3- مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

اس کا نور چھایا ہوا ہے ابتداء سے انتہا تک۔

4- اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

اس کا نور ہر بندے کا محافظ اور مددگار ہے۔ یہ چوتھا نور ہے۔

5- اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

اس کا نور ہی سیدھا راستہ ہے۔ یہ پانچواں نور ہے۔

Marfat.com

6- صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

اس کا نور ہی نور ہے۔ یہ چھٹا نور ہے۔

7- غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

اس کا نور ہی جلال بن کر کائنات کو تنبیہہ کرتا ہے۔ یہ ساتواں نور ہے۔

قرآن پاک کی زبان میں ساتوں نور مل کر سبع مثانی کہلاتے ہیں اور انہی کی ملاوٹ کا نام رُوح ہے جو قدم قدم پر اِنسان کو مطلع کرتی ہے ہر چیز فراہم کرتی ہے ہر بات بتاتی ہے۔ اس ہی رُوح کا نام "ورائے محسوسیت" ہے۔

حوالہ جات:

1- کتاب "یادِ عظیم" باب تفسیر عظیم

Marfat.com

موضوع 84/67

اپنے حبیب ﷺ کی دلجوئی

سُوْرَۃُ الْحِجْرِ (THE ROCKY TRACT)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾
الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ
يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾
وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

ترجمہ: (اے نبی ﷺ) جس چیز کا تمہیں حکم دے دیا گیا ہے اسے علی الاعلان کہہ دو ان مشرکین سے منہ پھیر لو۔ ہم تمہاری طرف سے ان مذاق اڑانے والوں سے نمٹنے کے لئے کافی ہیں۔ جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بھی شریک کرتے ہیں عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا (کہ رسول ﷺ کے مقابلے میں یہ سب مخالفین اسی دنیا میں تباہ و برباد ہو جائیں گے اور رسول ﷺ کے ساتھیوں کو اس سرزمین پر غلبہ حاصل ہو جائے گا)۔ (اے نبی ﷺ) ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ (تمہارے متعلق) بناتے ہیں ان سے تمہارے دل کو دکھ ہوتا ہے (ان باتوں کی کوئی پرواہ نہ کرو)۔ اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو سجدہ کرنے والوں میں سے بنو اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔ یہاں تک کہ وہ یقینی کام ہو جائے۔

So proclaim that which thou art commanded, and withdraw from the idolaters. Lo! We defend theefrom the scoffers, Who set some other god along with Allah. But they will come to know. Well know We that thy bosom is at times oppressed by what

Marfat.com

نبی کریم ﷺ نے فرمایا
"تکلیف دہ بات سن کر
اللہ سے زیادہ صبر کرنے والا
کوئی نہیں۔ کم بخت مشرک
کہتے ہیں، اللہ اولاد رکھتا ہے
پھر بھی
وہ انہیں معاف کرتا ہے اور
انہیں روزی دیتا ہے۔"
(صحیح بخاری)

they say, But hymm the praise of thy Lord, and be of those who make prostration and be (unto Him). And serve thy Lord till the inevitable cometh unto thee.

حضور ﷺ جب بھی گھر سے باہر نکلتے تو ام جمیل اور ابی لہب کے اکسانے پر گلی کوچوں کے بچے اور دوسرے آوارہ لوگ انہیں پتھروں کا نشانہ بناتے۔ جس سے حضور ﷺ کے چہرے اور سر سے خون بہنے لگتا تھا۔ حضور ﷺ اپنے دامن سے خون پونچھتے اور جب گھر واپس پہنچتے تو حضرت خدیجہ انہیں اس حال میں دیکھ کر دکھ بھرے لہجے میں پوچھتیں:

"یا محمد ﷺ کیا آج بہت رنج اٹھایا ہے؟"

حضور ﷺ جواب میں کہتے:

"اے خدیجہ جب اِنسان یہ جان لے کہ وہ کس مقصد کے لئے اور کس کی خاطر رنج اٹھا رہا ہے تو اسے دکھ اور درد کا احساس نہیں رہتا۔"

ابی لہب کی بیوی حضور ﷺ کی راہ میں نوکیلے کانٹے بچھاتی تھی تاکہ وہ ان کے پاؤں میں چبھ جائیں۔ اور جب حضور ﷺ گھر پہنچ کر اپنے پاؤں سے کانٹے نکالتے تو خون جاری ہو جاتا تھا حضور ﷺ کے خاندان والوں نے انہیں اتنی تکالیف پہنچائیں کہ ایک دن دلبرداشتہ ہو کر خدا کے حضور عرض کیا:

"اے اللہ تو بہتر جانتا ہے ان میں سے کوئی بھی تیرے دین کو قبول کرنے پر تیار نہیں"۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی دلجوئی کی:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ

(اے نبی ﷺ) جس چیز کا تمہیں حکم دے دیا گیا ہے اسے علی الاعلان کہہ دو ان مشرکین سے منہ پھیر لو۔ ہم تمہاری طرف سے **ان مذاق اڑانے والوں سے نمٹنے کے لئے کافی ہیں۔** جو اللہ کے **ساتھ دوسرے معبود بھی شریک کرتے ہیں عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا (کہ رسول ﷺ کے مقابلے میں یہ سب مخالفین اسی دنیا میں تباہ و برباد ہو جائیں گے اور رسول ﷺ کے ساتھیوں کو اس سرزمین پر غلبہ حاصل ہو جائے گا)۔ (اے نبی ﷺ) ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ (تمہارے متعلق) بناتے ہیں ان**

Marfat.com

مِنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾
وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾

سے تمہارے دل کو دکھ ہوتا ہے (ان باتوں کی کوئی پرواہ نہ کرو)۔ اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو سجدہ کرنے والوں میں سے بنو اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔ یہاں تک کہ وہ یقینی کام ہو جائے۔ (سورۃ حجر، پارہ 14، آیت 94 تا 99)

ابی لہب نے جب یہ دیکھا کہ سیّدنا حضور ﷺ حق بات کہنے سے نہیں رکتے تو اس نے کمینگی کی انتہا کر دی۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ جلد اوّل" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب دعوتِ حق، صفحہ نمبر 34 تا 35

Marfat.com

موضوع 84/68 ساۓ SHADES

سُوۡرَۃُ النَّحۡلِ (THE BEE)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡجِبَالِ اَکۡنَانًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ
سَرَابِیۡلَ تَقِیۡکُمُ الۡحَرَّ وَ سَرَابِیۡلَ تَقِیۡکُمۡ بَاۡسَکُمۡ ؕ
کَذٰلِکَ یُتِمُّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: اسی اللہ نے اپنی پیدا کی ہوئی بہت سی چیزوں سے تمہارے لئے سائے کا انتظام کیا تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں تمہیں گرمی سے بچانے والے لباس بخشے اور ایسے لباس بھی جو جنگ کے دوران تمہیں محفوظ رکھتے ہیں اسی طرح تم پر اللہ اپنی نعمت پوری کرتا ہے تاکہ تم اس کے فرمانبردار بنو۔

And Allah has made for you out of that which He has created shades, and has made for you places of refuge in the mountains, and has made for you the garments to protect you from the heat (and cold) and coats of mail to protect you from your violence. Thus does He perfect His favour unto you, that you may submit yourselves to His Will.

لاشعور کے ACTIVE ہونے سے لطافت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور زیادہ اضافہ سے انسان کسی بھی میڈیم سے عارضی لباس کے ساتھ گزر جاتا ہے۔ کائنات میں موجود ہر شے حواس رکھتی ہے اگر انسان ان اشیاء کے لاشعور سے واقف ہو جائے تو ان سے بات بھی کر سکتا ہے۔

حضرت بابا تاج الدینؒ فرماتے ہیں:

"مظاہر جتنے بھی ہیں ان سب کا سایہ ہے اور یہ سب حواس رکھتے ہیں۔"

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

Marfat.com

اَوَلَمۡ يَرَوۡا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَالشَّمَآٮِٕلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمۡ دٰخِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾

کیا ان لوگوں نے اللہ کی مخلوقات میں سے ایسی چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سائے دائیں سے (بائیں کو) اور بائیں سے (دائیں کو) جھک جھک کر اللہ کے سامنے سربسجود ہوتے اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ (سورۃ نحل، پارہ 14، آیت 48)

قُدرت نے ان سایوں کے ذریعے اِنسان سمیت تمام مخلوقات کو سکون بخشا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنَ الۡجِبَالِ اَكۡنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمۡ سَرَابِيۡلَ تَقِيۡكُمُ الۡحَـرَّ وَسَرَابِيۡلَ تَقِيۡكُمۡ بَاۡسَكُمۡ‌ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۱﴾

اور اللہ ہی نے تمہارے آرام کے لئے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے اور پہاڑوں میں غار بنائے اور تمہارے لئے کُرتے بنائے جو تم کو گرمی سے بچائیں۔ اور ایسے کُرتے بھی جو تم کو اسلحہ جنگ کے ضرر سے محفوظ رکھیں۔ اسی طرح اللہ اپنا احسان تم پر پورا کرتا ہے تاکہ تم فرمانبردار بنو۔

(سورۃ نحل، پارہ 14، آیت 81)

سورج کے بڑھنے اور گھٹنے کے ساتھ ساتھ سائے بھی گھٹتے اور بڑھتے ہیں اس کا مشاہدہ ہم اس طرح کر سکتے ہیں کہ ایک عمارت کا سایہ ایک وقت میں جتنا ہوتا ہے سورج کے گھٹنے کے ساتھ اس کا سایہ بھی مختلف ہو جاتا ہے اس طرح تمام مظاہر بشمول آدمی کے سائے کی بھی یہی حالت ہوتی ہے رات میں چاندنی کی روشنی اور مصنوعی روشنی میں بھی سائے بنتے ہیں بہر حال سورج ایک روشن دلیل ہے جس کی وجہ سے سائے حرکت میں رہتے ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے:

اَلَمۡ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيۡفَ مَدَّ الظِّلَّ‌ ۚ وَلَوۡ شَآءَ لَجَـعَلَهٗ سَاكِنًا‌ ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَيۡهِ دَلِيۡلًا ۙ﴿۴۵﴾

تب بھلا تم نے اپنے پروردگار (کی قُدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ سائے کو کس طرح دراز کر کے پھیلا دیتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اس کو (بے حرکت) ٹھہرائے رکھتا پھر ہم نے سورج کو اس کا رہنما (اس پر دلیل) بنایا۔" (سورۃ فرقان، پارہ 19، آیت 45)

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے اندھیرے کو بھی روشنی فرمایا ہے۔ اگر اندھیرا روشنی نہ ہو تو رات میں فعال ہونے والے حیوانات نہ دیکھ پائیں۔

Marfat.com

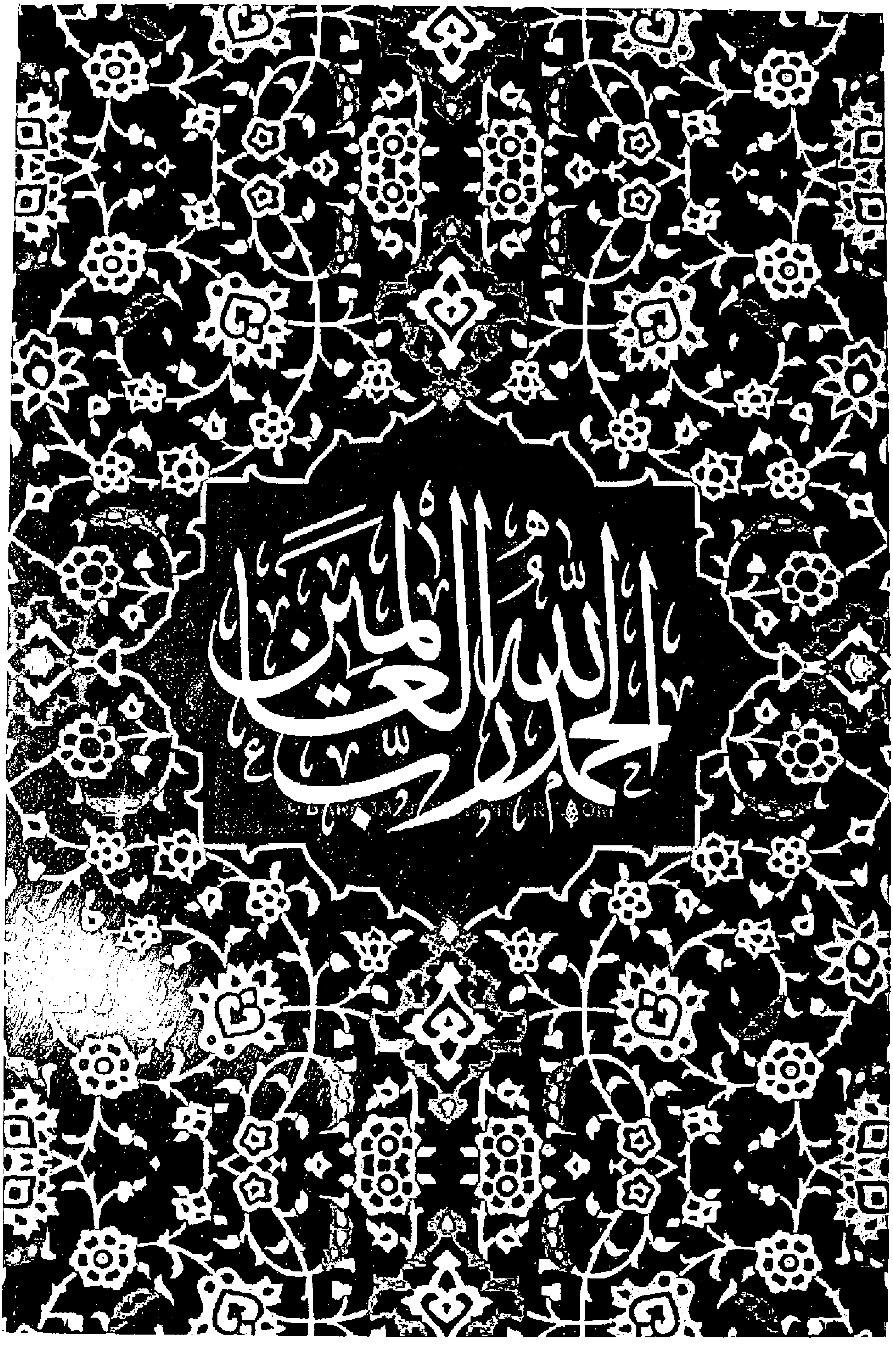

Marfat.com

ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها

المحيي المميت

Marfat.com

سائے SHADOW کا بننا:

سورج کی کرنوں کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ PHOTON فوٹان ہے جس میں SPACE نہیں ہوتی کسی عنصر سے فوٹان کا ٹکراؤ اسے اسپیس دیتا ہے۔ اسپیس کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے کو ELECTRON کہتے ہیں۔ جہاں فوٹان اور الیکٹران دونوں ٹکراتے ہیں وہیں سے نگاہ دیکھنا شروع کرتی ہے۔ یعنی جب تک فوٹان کسی حلقے سے نہیں ٹکراتا سایہ نہیں بنتا۔

فضاء دراصل گیسوں کا ایک آمیزہ ہے جس میں گیسوں کے سائے ہوتے ہیں اگر رنگ کے سائے نہ ہوں تو آپ کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ اس کا مطلب ہے دیکھنا، رنگ، روشنی، اندھیرا یہ ایک درجہ بندی ہے، فارمولا ہے۔ اگر کسی بھی صورت آدمی اس فارمولے سے واقف ہو جائے تو اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا ہے۔

Marfat.com

موضوع 84/ 69 الوان THE COLORS

سُوْرَةُ النَّحْلِ (THE BEE)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: بہت سی چیزیں طرح طرح کے رنگ کی اس نے تمہارے لئے زمین پر پھیلا رکھی ہیں۔ بے شک نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے اس میں بڑی بھاری نشانی ہے۔

And [He has subjected] whatever He multiplied for you on the earth of varying colors. Indeed in that is a sign for people who remember.

دنیا کی ہر شے یعنی جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان روشنی سے متاثر ہوتے ہیں۔ ہم جب کسی بھی دھات کو دھوپ میں رکھتے ہیں تو اس کا رنگ بدل جاتا ہے۔ کسی دھات پر جلد اثر ہوتا ہے تو کچھ دھاتیں دیر سے متاثر ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ سونا بھی ایک عرصے کے بعد تھوڑا بہت ضرور بدرنگ ہو جاتا ہے۔ ہر جاندار کی کھال بھی روشنی کو جذب کرتی ہے۔

آنکھ دو مختلف کام سرانجام دیتی ہے۔ آنکھ کے بصری اعصاب OPTIC NERVE کے ذریعے ہم دیکھتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ آنکھ کا RETINA روشنی کی ترسیل کے ساتھ ایک ایسے نظام سے بھی وابستہ ہے جس کا نظر سے کوئی تعلق نہیں۔ دماغ کے نچلے حصے میں یہ روشنی کرنٹ کی صورت میں پہنچتی ہے۔ جو نظام جسم کو کنٹرول کرنے والے غدود کو فعال بناتی ہے۔

جب ہم روشنی کو آنکھ یا کھال کے ذریعے وصول کرتے ہیں تو ہم غیر ارادی طور پر اس کو استعمال میں لاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم اس کا صحیح استعمال کرتے ہیں یا غلط، روشنی ہماری صحت پر بہت گہرے اثرات مرتب کرتی ہے اور جسم کی گہرائیوں میں جو کچھ واقع ہوتا ہے اسے کنٹرول کرتی ہے۔

رنگ صرف آرائش اور آنکھوں کی فرحت بخشنے کا ذریعہ نہیں ہیں۔ یہ درحقیقت روشنی کے ٹوٹنے اور مختلف پیمائش کی لہروں میں تقسیم ہونے کا نام ہے۔ وہ شے سیاہ کہلاتی ہے جو روشنی کی تمام لہروں کو جذب کرے اور کسی ایک لہر کو بھی منعکس نہ ہونے دے اور سفید اس شے کو کہتے ہیں جو روشنی کی کسی بھی لہر کو جذب نہ کرے اور تمام لہروں کو منعکس کر دے۔ ہم سرخ رنگ اس وقت دیکھتے ہیں جب کوئی شے سرخ رنگ کے علاوہ SPECTRUM کے دیگر تمام رنگوں کو جذب کر لے۔

Marfat.com

تمام رنگ ارتعاش کی کم یا زیادہ لہریں خارج کرتے ہیں جو کسی سے ٹکرانے کے بعد گرمی یا ٹھنڈک کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ سرخ رنگ کا طول موج WAVE LENGTH طویل ترین ہے چنانچہ کم ترین FREQUENCY ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔ بنفشی رنگ کا طول موج مختصر ترین ہے چنانچہ تیز ترین ارتعاش کا حامل ہے۔ لوگوں کی توقعات کے بر خلاف نیلے رنگ اونچے درجہ کی ارتعاشی ٹھنڈک کا احساس دلاتے ہیں۔ جبکہ سرخ رنگ نچلے درجے کی ارتعاشی حدت کا احساس پیدا کرتے ہیں۔ یہ ایسا تضاد ہے جو سائنسدان بڑی مشکل سے ماننے کو تیار ہونگے۔

دراصل سرخ رنگ کا بھاری پن DENSITY اس کی حرکت اور شرح ارتعاش کو محدود کرتا ہے۔ بر خلاف اس کے نیلا رنگ ماحول میں وسعت کا احساس دلاتا ہے۔

مختلف رنگ مختلف احساس پیدا کرتے ہیں مثلاً سرخ رنگ سے جلن، نارنجی سے گرمی، زرد سے معمولی گرمی، سبز سے نہ گرمی نہ سردی اور عنابی سے ٹھنڈک کے ساتھ چبھن کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

ہم میں سے بیشتر لوگ رنگ کے بارے میں زیادہ نہیں سوچتے۔ ہم تصاویر میں رنگوں کے امتزاج کو دیکھتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ کار خریدتے وقت رنگ زیر بحث آتے ہیں۔ لیکن ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ رنگوں کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ ہے۔

مصر، یونان، چین اور تبت کی پرانی تہذیبیں رنگوں کے باطنی اثرات سے واقف تھیں۔ مثال کے طور پر مصری ایسی عبادت گاہیں تعمیر کرتے تھے جہاں رنگ و روشنی سے استفادہ کیا جاتا تھا۔ عبادت خانوں میں ایک حصہ ضرور اس کام کے لئے مختص کیا جاتا تھا۔

ایک محقق نے حال ہی میں یہ بیان کیا ہے کہ ایک خاص قسم کے گلابی رنگ سے جارحانہ اور متکبرانہ جذبات منٹوں میں مغلوب ہو جاتے ہیں۔ گلابی رنگ کو رگ پٹھوں پر اثرات، جنسی اور خاندانی معاملات، جیل خانوں کی اصلاحات اور کاروباری معاملات میں بھی استعمال کیا جارہا ہے۔ بات یہ ہے کہ گلابی رنگ کے ماحول میں رہتے ہوئے کوئی شخص غصہ کرنا چاہے تو چاہتے ہوئے بھی نہیں کر سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ اس رنگ کے زیر اثر پٹھوں میں تیزی پیدا نہیں ہو پاتی۔

بچوں کے کلاس رومز میں ان کی عمر کے مطابق رنگوں کے استعمال میں بچوں کی ذہنی نشوونما میں نمایاں فرق پڑتا ہے۔ پہلی کلاس کے بچوں کے لئے سرخ رنگ بہترین ثابت ہوا ہے۔ جیسے جیسے بچے بڑے ہوتے جائیں ان کے کلاس روموں کا رنگ بھی تبدیل ہونا چاہئے۔ ساتھ ہی یہ بھی ہونا چاہئے کہ پوری کلاس کا رنگ ایک جیسا نہ ہو یعنی اس میں گولائی یا دیگر انداز شامل کر دیئے جائیں مقصد یہ کہ جب ان پر روشنی پڑے تو مختلف شیڈز کا احساس ہو۔

وجہ یہ ہے کہ صبح سے شام تک روشنی یکساں نہیں رہتی اس میں ہمہ وقت تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ علی الصبح فضا گہری، عنابی رنگ میں نہائی ہوئی ملتی ہے آہستہ آہستہ اس کا رنگ ہلکا ہونا شروع ہو جاتا ہے حتیٰ کہ سورج نکلنے سے پہلے ہلکا نیلا ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن ہم اس رنگ کو سورج کی چکا چوند کی وجہ سے محسوس نہیں کر پاتے۔ شام کے قریب روشنی دور ہو جاتی ہے اور جب سورج غروب ہو جاتا

Marfat.com

ہے قدرت کی خوبصورت سرخ رنگ پوری فضا پر چھا جاتا ہے۔

دنیا میں ہر سمت روشنی کی تدریں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ ہمارا جسم روشنی کی تبدیلی سے، یا پھر ایک یا ایک جیسی یکساں روشنی سے مانوس ہے۔ چنانچہ جب ہم اپنا بنایا ہوا روشنی کا نہ تبدیل ہونے والا نظام لمبے عرصے کے لئے استعمال کرتے ہیں تو گویا ہم خود کو قدرت کی ہم آہنگی سے دور کر لیتے ہیں۔ چنانچہ قدرتی روشنی کی کمی اور دیگر روشنی کے زیادہ سے زیادہ استعمال سے جسمانی اور ذہنی امراض میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اب ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ زندگی روشنی سے شروع ہوتی ہے۔ اور روشنی ہی زندگی برقرار رکھتی ہے۔ اس لئے ہماری جسمانی اور ذہنی صحت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ہم رنگوں کے توازن کو برقرار رکھیں۔ رنگوں میں جو مختلف ارتعاش پائے جاتے ہیں ان کے ذریعے ہم اپنے ذاتی ارتعاشات کو صحیح سمت پر لا سکتے ہیں جو غلط طرز زندگی سوچ اور حسیات کی وجہ سے ہم آہنگی کھو دیتے ہیں۔

فی زمانہ ہم اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ ہماری جسمانی یا ظاہری آنکھ اور تیسری یا باطنی آنکھ کے درمیان، گوشت پوست کے جسم اور جسم مثالی کے درمیان جسم کے غدودی نظام اور نظر نہ آنے والی قوت حیات کے درمیان تعلق قائم ہے۔ ان تمام تعلقات کے مظہر کا نام رنگ ہے۔

ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود کائنات کا عکس ہے چنانچہ تمام مخلوق جس طرح اللہ کے ارادے میں محفوظ تھی اب بھی اسی طرح محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود کائنات کا عکس مختلف رنگ و روپ اور شکل و صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ کائنات کا نقش اللہ تعالیٰ کے ذہن سے منعکس ہو رہا ہے اس عکس کے معین وجود ہیں۔

1۔ پہلے وجود کا قیام لوحِ محفوظ ہے۔

2۔ دوسرے وجود کا قیام عالم تمثال میں ہے۔

3۔ تیسرے وجود کا عکس عالم رنگ ہے۔

عالم رنگ سے مراد کائنات کے مادی اجسام ہیں جو رنگوں کی اجتماعیت ہیں۔ کائنات میں جو کچھ ہے موجودات میں جتنے اجسام ہیں ان کی حیثیت نوع ملائکہ کی ہو نوع جنات کی ہو نوع انسان کی ہو یا اجرام سماوی کی ہو سیاروں ستاروں چاند اور سورج کی ہو سب رنگوں کا مجموعہ ہیں۔ اور یہ رنگ مخصوص حرکات سے وجود میں آتے ہیں۔

نسمہ کی ایک حرکت ایک رنگ ہے۔ مثلاً اگر نسمے کی طوالت، حرکت کا عددی مجموعہ "A" گلاب کے لئے مخصوص ہے تو اس مجموعے سے ہمیشہ گلاب ہی وجود میں آئے گا کوئی اور شے وجود میں نہیں آئے گی۔ اگر آدمی کی تخلیق رنگوں کی "C" تعداد سے ہوتی ہے تو اس طوالت حرکت سے دوسرا کوئی حیوان نہیں بنے گا۔ صرف نوع انسانی کے افراد ہی وجود میں آئیں گے۔ اسی طرح اگر ملائکہ کے نوع کے افراد کا مجموعہ "B" ہے تو اس عددی مجموعے سے ہمیشہ فرشتوں ہی کی تخلیق ہوگی کسی اور شے کی تخلیق نہیں ہوگی۔ ہر نوع کے

Marfat.com

لئے الگ الگ رنگ معیّن ہے۔ یہ معیّن رنگ جس طرح طوالت میں حرکت کرتے ہیں اسی مناسبت سے نوع میں لاشمار افراد تخلیق ہوتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ

اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اختیار کئے رہو اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔

(سورہ روم، آیت 30)

فطرت سے مراد

اول: نسمہ کی حرکت کا طول

دوم: نسمہ کی حرکت کی رفتار

سوم: نسمہ کا ہجوم ہے۔

نسمے کی حرکت کا طول ہی کائنات میں رنگ بن کر تخلیقی عوامل پورے کرتا ہے۔ عالم رنگ میں جتنی اشیاء پائی جاتی ہیں وہ سب رنگین روشنیوں کا مجموعہ ہیں۔ ان ہی رنگوں کے ہجوم سے مادی اشیاء وجود میں آتی ہیں۔

اگر مادے کی شکست و ریخت انتہائی قدروں تک منتشر کر دیا جائے تو محض رنگوں کی جداگانہ شعاعیں باقی رہ جائیں گی۔ اگر بہت سے رنگ لے کر پانی میں تحلیل کر دیئے جائیں تو ایک خاکی مرکب بن جائے گا، جس کو ہم مٹی کہتے ہیں۔ یہ بات عام مشاہدے میں ہے کہ زمین ایک ہے خاکی مرکب ایک ہے اس خاکی مرکب زمین میں مختلف پھل پھول اگتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ہر درخت کی شکل وصورت ہر درخت کا رنگ، پھولوں اور پھلوں کا رنگ مختلف اور ذائقے الگ الگ ہوتے ہیں۔

جب ہم کسی درخت کو یا گھاس کو زمین میں بوتے ہیں تو بے شمار رنگوں کے تحلیل شدہ مرکب (مادہ) جز کو پکڑ لیتے ہیں اور پانی کی مدد سے مٹی کے ذرات رنگوں میں تبدیل ہو کر درختوں کے اندر خون بن کر دوڑتے ہیں۔ ذرات کی یہ شکست و ریخت ہی نوع کو الگ الگ رنگ منتقل کرتی ہے۔ جس جس طرح رنگ درخت میں دور کرتے ہیں اسی مناسبت سے پتیوں، پھولوں اور پھلوں میں رنگ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ جس طرح گھاس پودے درخت اور پھول میں رنگ نمایاں ہو کر مظہر بنتے ہیں اسی طرح مخلوقات کی زندگی بھی یہی عمل پر قائم ہے۔ نسمے کی حرکت داخل کی زندگی سے خارج تک عمل کرتی ہے۔ اور خارج کی زندگی کو مظہر بناتی ہے۔ اصول یہ بنا کہ ہر شکل و صورت دراصل رنگوں کی اجتماعیت ہے۔ اور یہ رنگ نسمے کی وہ حرکت ہے جو طوالت میں سفر کرتی ہے۔ نسمے کے اندر دو قسم کے مظاہر ہوتے ہیں۔

1۔ اوّل حرکت کا طول (مکانیت) SPACE

2۔ دوئم حرکت کی رفتار (زمانیت) TIME

Marfat.com

پھول اگر رنگین ہے تو درخت کا پھول الگ رنگ لئے ہوئے ہے۔ اس کی رنگ سازی کا عالم یہ ہے کہ کوئی پھول اس قدر سرخ ہوتا ہے کہ نوعِ انسانی کا اس قدر سرخ رنگ بنانا آسان نہیں۔ پھول کے رنگوں میں کہیں سفید کہیں سبز اور کہیں اُودا (جامنی)۔ مطلب یہ ہے کہ بے شمار رنگ زمین سے پھوٹتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی شان بھی کیسی شان ہے کہ زمین ایک ہے، ہوا بھی ایک ہے، سورج کی روشنی بھی ایک ہے، پانی بھی ایک ہے، پیدائش کا طریقہ بھی ایک ہے لیکن ہر چیز دوسرے سے مختلف ہے!

اور دوسری بات جو بہت زیادہ توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ ہر پیدا ہونے والی شئے میں کسی نہ کسی رنگ کا غلبہ ضرور رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو بے رنگ ہو۔ یہ بے رنگ اور رنگ دراصل خالق اور تخلیق کے درمیان ایک پردہ ہے۔ خالق سے مخلوق کو جو چیز الگ اور ممتاز کرتی ہے وہ رنگ ہے۔

انسان کے اندر جب تخلیقی صفات کا مظاہرہ ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے اندر تخلیقی صلاحیتوں کا علم بیدار کر دیتے ہیں تو اس کے اوپر یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ تخلیق کا مطلب ہی یہ ہے کہ کوئی خیال ہے بے رنگ خیال جب رنگین ہو جاتا ہے تو تخلیق بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بحیثیت خالق کے جو کچھ بھی ہیں اس کا الفاظ میں احاطہ ممکن نہیں ہے۔ جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ بحیثیت خالق کے ظاہر ہو گئے ہیں ان کا ارشاد بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ایسی ماوراء ہستی ہیں کہ جو تمام مخلوقات سے الگ اور ممتاز ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے "لوح قلم" میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو ورائے بے رنگ فرمایا ہے۔ یعنی:

1. رنگ
2. بے رنگ، اور
3. ورائے بے رنگ۔

اللہ تعالیٰ نے جب کائنات کو بنانے کا ارادہ فرمایا تو جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود تھا اس کا ارادہ کیا اور فرمایا کُن اور وہ چیز وجود میں آ گئی یعنی ورائے بے رنگ سے نزول کر کے اللہ تعالیٰ کے خیال نے ایک رنگ اختیار کیا۔ جس کو سمجھنے کے لئے تصوف نے بے رنگی کا نام دیا۔ یعنی ایسا رنگ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا اور جس کی الفاظ میں تشریح نہیں کی جا سکتی۔

پھر اس بے رنگی میں حرکت پیدا ہوئی تو رنگین وجود تخلیق میں آ گیا اور یہی وجود مختلف صورتوں میں اور مختلف رنگوں میں اور مختلف صلاحیتوں کے ساتھ مجسم اور متشکّل ہو گیا۔ اس بات سے یہ پتہ چلا کہ کائنات کی تخلیق میں بنیادی عنصر یا بنیادی مسالہ رنگ ہے۔

Marfat.com

انسانی زندگی پر رنگوں کے اثرات:

مظاہر قدرت پر نظر ڈالئے بہت سے پودے، پھول اور پھل نظر آئیں گے۔ آپ دیکھیں گے کہ درختوں کے سب کے سب پتے سبز ہوتے ہیں۔ لیکن غور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے۔ اس طرح پھولوں میں بھی ہوتا ہے۔ بظاہر ایک ہی رنگ جسے آپ سرخ کہتے ہیں، سبز کہتے ہیں یا کسی اور رنگ کا نام دیتے ہیں، نظر آتا ہے لیکن بغور دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ہر رنگ کی الگ الگ بہت قسمیں ہیں۔ قدرت کی طرف سے رنگ کا جو قانون ہماری زمین پر جاری و ساری ہے اس کا اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ جو رنگ انسان کے ظاہری روپ، چہرے پر اثر ڈالتا ہے۔ وہ شخصیت پر بھی گہرا اثر رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کی شخصیت رنگوں کے اجزاء کا مجموعہ ہوتی ہے۔ رنگ خواہ شیشے کا ہو یا جواہرات کا ہو یا لباس کا ہو، شخصیت کی تعمیر یا تخریب میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ بات صرف رنگوں کی فطرت جاننے والے ہی سمجھتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے کون سا رنگ تعمیری ہے اور کون سا تخریبی۔ ایک چھوٹے سے نگینے میں رنگین لہروں کا بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے جو نگینے سے مسلسل خارج ہوتی رہتی ہیں اور انسان کے جسم میں دور کرتی رہتی ہیں۔

روحانی علم کا باب ''انسان کی زندگی پر رنگوں کا اثر'' ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کے اندر ہمہ وقت بے شمار رنگوں کی لہریں دوڑتی رہتی ہیں۔ ان بے شمار لہروں میں سے تقریباً ساٹھ رنگ سائنس نے دریافت کر لئے ہیں۔ اندر کا آدمی (روحانی انسان) اس بات کو جانتا اور سمجھتا ہے کہ رنگین لہروں کی کمی بیشی سے فہم و فراست، صحت اور بیماری کا براہ راست تعلق ہے۔ اگر رنگوں میں اعتدال باقی نہ رہے تو آدمی بیمار ہو جاتا ہے اور اس کے فیصلے صحیح نہیں ہوتے۔ کوئی نگینہ یا پتھر مخصوص رنگ کی کمی کو دور کر کے رنگوں کو اعتدال میں لے آتا ہے۔

حوالہ جات:

1۔ ماہنامہ قلندر شعور

2۔ کتاب "شرح لوح و قلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب خلق اور امر، صفحہ نمبر 217 تا 219

3۔ کتاب "روح کی پکار" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب کائنات کا بنیادی مسالہ، صفحہ نمبر 203 تا 204

4۔ کتاب "روح کی پکار" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب کون سا رنگ کون سا پتھر، صفحہ نمبر 194 تا 195

Marfat.com

موضوع 70 / 84

حضرت عمّار بن یاسرؓ

سُوْرَةُ النَّحْلِ (THE BEE)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ: جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد پھر حق کا انکار کرے گا اگر وہ مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو تب تو خیر لیکن جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے آخرت میں دردناک سزا ہے۔

Whoso disbelieveth in Allah after his belief save him who is forced thereto and whose heart is still content with Faith but whoso findeth ease in disbelief: On them is wrath from Allah. Theirs will be an awful doom.

حضرت عمار بن یاسرؓ بنو مخذوم کے غلام تھے۔ انہوں نے اور ان کے والدین نے اسلام قبول کیا تو کفار نے اس قدر ظلم کیا کہ وہ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سخت دھوپ کے وقت انہیں پتھریلی زمین پر لٹا کر سینے پر سرخ پتھر رکھ دیتے تھے اور کبھی پانی میں ڈبویا جاتا تھا۔ مشرکین ان سے اس بات کا مطالبہ کرتے کہ جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو برا بھلا نہیں کہو گے یا لات و عزیٰ کے بارے میں کلمہ خیر نہ کہو گے ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت عمارؓ ان کی بات ماننے پر مجبور ہو گئے روتے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۰۶﴾

جو شخص بھی ایمان لانے کے بعد پھر حق کا انکار کرے گا اگر وہ مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو تب تو خیر لیکن جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے آخرت میں دردناک سزا ہے۔

(سورۃ نحل، پارہ 14، آیت 106)

حوالہ جات:

1۔ کتاب "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد اوّل" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب کفار اور رفقائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ نمبر 55

Marfat.com

موضوع 84/ 71

معراج

سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (THE NIGHT JOURNEY)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝۱

ترجمہ: اللہ کی ذات نقص و عیب سے پاک ہے وہی اللہ ایک رات اپنے بندے یعنی نبی ﷺ کو مسجد حرام سے اس دور والی مسجد تک لے گیا جس کے ماحول کو اللہ تعالیٰ نے برکت بخشی تا کہ حضور ﷺ کو اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے یقیناً وہی اللہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

Glorified be He Who carried His servant by night from the Inviolable Place of Worship to the Far Distant Place of Worship the neighbourhood whereof We have blessed, that We might show him of Our tokens! Lo! He, only He, is the Nearer, the Seer.

جبرائیل امین علیہ السلام:

رجب کی ستائیسویں شب کو سیّدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی چچا زاد بہن ام ہانیؓ بنت ابو طالب کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آرام فرما رہے تھے کہ گھر کی چھت شق ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا جبرئیل امینؑ فرشتوں کے ہمراہ تشریف لائے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زم زم کے کنوئیں کے پاس لے گئے۔ وہاں جبرائیلؑ نے سینہ مبارک کھول کر دل نکالا اور آب زم زم سے دھونے کے بعد دوبارہ سینے میں رکھ دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام براق پر سوار جبرائیلؑ کے ساتھ بیت المقدس تشریف لے گئے۔ مسجد اقصیٰ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انبیائے اکرام علیہم السلام کی امامت فرمائی۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں دودھ اور شراب کے پیالے پیش کئے گئے۔ آپ نے دودھ پسند فرمایا۔ اس پر جبرائیلؑ نے فرمایا:

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فطرت کو پسند فرمایا۔"

Marfat.com

انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقات:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیت المقدس سے عالم بالا کی طرف لے جایا گیا۔ آسمانوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جلیل القدر پیغمبروں سے ملاقات کی۔ پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا استقبال کیا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہاں حضرت یحییٰ بن ذکریا اور حضرت عیسیٰؑ کو دیکھا۔ دونوں سے ملاقات کی اور سلام عرض کیا دونوں نے سلام کا جواب دیا اور مبارکباد دی۔

> انبیاء کے بارے میں مراتب کا جو تعین کیا جاتا ہے کہ فلاں نبی کا مقام وہ آسمان ہے اور فلاں نبی کا مقام وہ آسمان ہے یہ لاشعور کے متعارف مراتب کا تذکرہ ہے۔ تمام آسمانی حدیں کسی فصل یا کسی سمت کی بناء پر متعین نہیں بلکہ لاشعور کی بناء پر متعین ہیں۔
> (اقتباس کتاب "لوح وقلم از قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ)

تیسرے آسمان پر آپ ﷺ کو حضرت یوسفؑ سے ملے پھر چوتھے آسمان پر لے جایا گیا وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ادریسؑ کو دیکھا اور سلام کیا۔ پھر پانچویں آسمان پر لے جایا گیا وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ہارونؑ بن عمران کو دیکھا اور سلام کیا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھٹے آسمان پر لے جایا گیا وہاں حضور ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰؑ سے ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلام کیا انہوں نے مرحبا کہا اور اقرار نبوت کیا۔

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات حضرت ابراہیمؑ سے ہوئی انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خوش آمدید کہا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا اقرار کیا۔ وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت المعمور دیکھا۔ ساتویں آسمان کے بعد سدرۃ المنتہیٰ تک حضرت جبرائیلؑ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہے اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خالق کائنات کی تسبیح اور تقدیس فرمائی۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معراج میں بھی رات کا تذکرہ ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا

پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ (سورۃ بنی اسرائیل، پارہ 15، آیت 1)

مطلب وہی ہے کہ سیّدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوپر غیب کی دنیا کا انکشاف ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت عطا فرمائی تو وہ بھی رات کے حواس تھے۔

Marfat.com

مراقبہ شب معراج:

اس رات ادب واحترام سے تمام آداب کے ساتھ زیادہ سے زیادہ یاحی یاقیوم اور درود شریف پڑھنا چاہیئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے روضہ اقدس کا مراقبہ کریں یارسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور کر کے مراقبہ کریں اور جس طرح واقعہ معراج بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے۔ تمام انبیاء نے آپ ﷺ کی اقتداء میں صلوٰۃ قائم کی اور پھر آپ ﷺ آسمان پر تشریف لے گئے۔ جس طرح بھی سمجھ آئے آنکھیں بند کر کے اس واقعہ کو اپنے دماغ میں دہرائیں اور نوافل پڑھیں۔

مسلمانوں کو بطور حضور کے اُمتی ہونے کے حضور ﷺ کی نسبت حاصل ہے۔ اس سعادت اور نسبت کو ذہن میں رکھتے ہوئے معراج کے واقعہ کا تصور کریں کہ رسول ﷺ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے اور وہاں تمام انبیاء جمع ہیں۔ حضور ﷺ نے امامت کرائی اور پھر آسمانوں سے گزر کر حق تعالیٰ کے پاس تشریف لے گئے۔ جنّت و دوزخ ملاحظہ فرمائی اور پھر واپس تشریف لائے۔ فلم کی طرح اس واقعہ کو ذہن میں دہرانے سے دماغ یکسو ہو جاتا ہے اور اللہ کی قربت کا احساس ہونے لگتا ہے۔

حضور ﷺ کو نوافل ادا کرنے کا بہت شوق تھا۔ آپ ﷺ آپ اتنی لمبی لمبی رکعت ادا کرتے تھے کہ آپ کے پاؤں مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ شب معراج میں حسب استطاعت زیادہ سے زیادہ نوافل قائم کریں۔ جب مومن پوری ذہنی یکسوئی کے ساتھ صلوٰۃ قائم کرتا ہے تو غیب اس کے مشاہدہ میں آجاتا ہے۔ معراج میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بشری لباس میں اپنا دیدار کرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں رسول اللہ ﷺ کے بشری تعارف کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے اور سب سے آخر میں سیّدنا حضور ﷺ اس دنیا میں بشری صورت میں تشریف لائے واقعہ معراج میں اللہ نے آپ ﷺ کو اسی صورت میں اپنا دیدار کرایا۔

ہمیں حضور ﷺ کی محبت اپنی زندگی میں داخل کرنی چاہیے شب معراج بڑی بابرکت گھڑی ہے اس ساعت اپنے گناہوں کی سیاہ بختی دور کر کے اس پردہ کو ہٹانا چاہیئے جو محدودیت اور شقاوت کا باعث بن گیا ہے کلمہ گو مسلمان کی حیثیت سے ہر ایک نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی شہادت دی ہے مسلمانوں کا یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رحمت اور اکرام ہم پر محیط ہیں۔ اس نسبت سے ہمارے اندر موجود نُور نبوت میں ضیاءپاش ہو جائے تو ہماری رُوح معراج کے انوارات سے منّور ہو جائے گی۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "شرح لوح وقلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، لیکچر 7 نیابت وخلافت

2۔ کتاب "اللہ کے محبوب" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع مراقبہ شب معراج، صفحہ نمبر 235 تا 237

Marfat.com

موضوع 72/84

نبی اور رسول

سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (THE NIGHT JOURNEY)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ہم صرف اس وقت سزا دینے والے بنتے ہیں جب ایک رسول اس گروہ پر بھیج دیں۔

And We never punish until We have sent a messenger (to give warning)

پیغمبر-غیب کا نمائندہ:

پیغمبر انسان کو اپنے اصل ORIGIN سے متعارف کرواتا ہے اور وہ اصل صرف اور صرف غیب ہے۔ غیب کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ پیغمبر صرف اور صرف غیب کا نمائندہ ہوتا ہے۔

غیب کے نمائندے بھی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک نبی کہلاتا ہے اور ایک رسول کہلاتا ہے۔ ان کا کام ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ کوئی پیغمبر نبی ہو۔ اور ضروری نہیں کہ کوئی پیغمبر نبی بھی ہو اور رسول بھی۔

نبی-غیب بین:

نبی کا مطلب ہے غیب بین۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ نبی ایسے اِنسان کو کہتے ہیں جو غیب کو دیکھتا ہو، غیب کا مشاہدہ کرتا ہو اور غیب کے اندر تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہو۔ نبی کی تعلیمات یہ ہوتی ہیں کہ کسی طرح اِنسان کو غیب میں داخل کر دیا جائے۔ نبی کا کام یہ ہوتا ہے کہ اِنسان کو وہ علوم سکھائے جائیں جن کے حصول کے لئے مادی حواس کی نفی کرنا پڑتی ہے۔ اور روح کی صلاحیتوں کو عروج دے کر درجہ بدرجہ اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔

رسول-غیب کا قاصد:

جبکہ رسول کہتے ہیں غیب کے قاصد کو۔ اللہ اور مخلوق کے درمیان وہ ایک رابطے کا باعث ہوتے ہیں۔ کچھ پیغمبر ایسے ہوتے ہیں جو صرف رسول ہیں جبکہ چند پیغمبر ایسے ہیں جو نبی بھی ہیں اور رسول بھی۔ رسول شریعت نافذ کرتا ہے اور شریعت کی انتہا معاشرتی

Marfat.com

نظم وضبط ہے شریعت وہ علم ہے جس کے ذریعے معاشرے میں معاملات احسن طریقے سے انجام پائے جائیں یعنی زندگی کا وہ حصہ جس میں آپ کا ظاہر INVOLVE ہے اور آپ ایک دوسرے سے روابط رکھے ہوئے ہیں یہ شریعت ہے۔ شریعت کے علم کی حیثیت یہ ہے کہ معاشرہ کس حد تک آرام وسکون سے مطمئن طریقے سے رہ سکتا ہے۔

Marfat.com

موضوع 84/ 73

مقام حیرت

سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (THE NIGHT JOURNEY)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ وَسَعٰی لَھَا سَعْیَھَا وَ ھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُھُمْ مَّشْکُوْرًا ﴿۱۹﴾

ترجمہ: جس کا ارادہ آخرت کا ہو اور جیسی کوشش اس کے لئے ہونی چاہیئے، وہ کرتا بھی ہو اور وہ باایمان بھی ہو بس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی اللہ کے ہاں پوری قدردانی کی جائے گی۔

But whoever desires the Hereafter and exerts the effort due to it while he is a believer. it is those whose effort is ever appreciated [by Allah].

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت یعنی عالم بالا کے لئے جو شخص جتنی کوشش کرتا ہے اسی کے مطابق اسے کامیابیاں عطا کی جاتی ہیں۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ جہاد سے واپس آرہے تھے تو لوگوں سے فرمایا کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف جارہے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا جہاد اکبر کیا ہے؟ فرمایا" اپنے نفس سے جہاد"۔

مقام حیرت:

اس حدیث میں واضح نشاندہی موجود ہے کہ نفسانی کمزوریوں کو دور کرنا جہاد اکبر ہے۔ رُوحانی علوم کی تدریس میں نفسانی خرابیوں کو دور کر کے پیغمبرانہ طرز فکر کا بیج بویا جاتا ہے۔ اور اس عمل کے دوران جن کیفیات سے آدمی گزرتا ہے اسے مقام حیرت کہا جاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں ایک حدیث بیان کی ہے۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا، " اپنے شکموں کو بھوکا رکھو پھر اس کو چھوڑ دو، آرزو کم کر دو، اپنے آپ کو پیاسا رکھو تا کہ اللہ کو اپنے دل سے دیکھ سکو"۔ حدیث مبارکہ سے واضح ہے کہ اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے بعض تجرباتی مشقوں سے گزرنا ضروری ہے۔

Marfat.com

ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حضرت حارثہؓ اس حالت میں آئے کہ جسم کمزور اور نحیف تھا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا،" اے حارثہ تم نے صبح کیسے کی؟"۔ انہوں نے کہا: "میں نے صبح ایسے حال میں کی کہ میں اللہ پر سچا ایمان رکھنے والا ہوں "حضور ﷺ نے فرمایا: "اے حارثہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہے یہ بتاؤ کہ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟" انہوں نے عرض کیا: " میں نے اپنے نفس کو دنیا سے الگ کر لیا۔ اس لئے اب میرے نزدیک سونا چاندی اور مٹی کا ڈھیلا سب برابر ہیں۔ بس رات کو بیدار اور دن کو بھوکا پیاسا رہا۔ یہاں تک کہ میری یہ حالت ہو گئی کہ میں اپنے رب کے عرش کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں اہل جنّت کو دیکھتا ہوں کہ وہ آپس میں ملاقات کر رہے ہیں۔ اور اہل جہنم کو دیکھتا ہوں کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے ہیں" ۔ حضور ﷺ نے فرمایا،"تم نے اپنے رب کو خوب پہچانا اب اسی عرفان کو اپنے اوپر لازم کر لو"۔

اصحاب صفہؓ نے خود کو معرفت الٰہی کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اور وہ مجاہدے کی کیفیت میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ان صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:" میری اُمّت میں جو شخص اس صفت پر قائم رہے جس پر تم ہو بشر طیکہ کہ تم اس حالت پر راضی ہو، میرے رفقاء میں سے ہو گا"۔

یہ پاکیزہ افراد سخت کسمپرسی میں رہا کرتے اکثر کے پاس مناسب لباس تک نہیں تھا۔ ایک صحابی کا نام دو چادروں والا پڑ گیا تھا کیونکہ ان کے پاس ان چادروں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ حالانکہ اس سے قبل وہ اتنے نفاست پسند تھے کہ لباس پر لگی خوشبو آپ کے جانے کے بعد تک آتی رہتی تھی۔ اتنے خوبصورت تھے کہ عرب کی دوشیزائیں فریفتہ ہو جاتی تھیں۔ اس لئے چہرہ ڈھانک کر چلتے تھے۔ لیکن جب راہ سلوک پر قدم رکھا تو ساری شان وشوکت کو چھوڑ دیا۔

اصحابِ صفہؓ کی رُوحانی تربیّت:

مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ اصحاب صفہؓ کی تعداد کم و بیش ہوتی رہتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نفس کشی ان کی پوری زندگی پر محیط نہیں تھی۔ جب تحصیل علم ہو جاتی تو رسول ﷺ انہیں واپس میدان عمل میں بھیج دیتے۔ بعد میں اصحاب صفہؓ مختلف صوبوں کے گورنر، جج اور دیگر اہم ذمہ داریوں پر معمور ہوتے۔ یعنی یہ سخت مجاہدے انہوں نے تمام عمر اختیار نہیں کئے۔ یہ ایک مختصر دورانیہ تھا جب رسولؐ ان کی رُوحانی تربیت فرماتے تھے۔ حضرت بلالؓ بھی اصحاب صفہ میں شامل تھے۔ آپؓ نے صفہ میں قیام کے دوران نہایت سخت و دشوار حالات کا مقابلہ کیا۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت کا ایک واقعہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے حبشہ کے تمام وظائف حضرت بلالؓ کے نام جاری کئے۔ تو آپ نے حضرت ابو رویحہؓ کو بھی اس فنڈ میں شامل کر لیا کیونکہ ابو رویحہؓ کو حضورؐ نے مواخات میں حضرت بلالؓ کا بھائی بنایا تھا۔ حبشہ کے وظائف کوئی سو پچاس روپے نہیں ہونگے بلکہ یہ زبردست مال و دولت کا ذخیرہ تھا۔ جو ہر سال حضرت بلالؓ کو ملتا تھا۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ مخصوص تربیتی دور گزرنے کے بعد جب صحابہ کرامؓ کو عرفان الٰہی حاصل ہو گیا تو وہ اپنی ذمّہ داریوں میں سرگرم عمل ہو گئے اور دنیاوی لحاظ سے بھی ترقی کی لیکن ان کی طرز فکر میں یہ بات شامل ہو گئی تھی کہ یہ مال و

Marfat.com

اسباب صرف اور صرف اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ کے سوا یہاں کچھ نہیں۔

ہمارے جذبات اور احساسات کا بھی وزن ہوتا ہے مثلاً کسی شخص نے گالی دی تو مخاطب پر اس کا اثر وزن کی صورت میں پڑتا ہے۔ فرض کریں اس کا وزن 50 گرام ہے تو مقام حیرت میں اس کا وزن دگنا کر دیا جاتا ہے۔ یعنی مبتدی کو کوئی گالی دے تو اس کا وزن 100 گرام محسوس ہوتا ہے۔ جب وہ 100 گرام وزن برداشت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ تو اسے 200 گرام کر دیا جاتا ہے۔ جب اس کا عادی ہو جاتا ہے تو اسے بھی دگنا کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ دگنا کرتے کرتے ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ اس پر گھن برسائے جاتے ہیں۔ آدمی کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس پر پہاڑ آگرا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ چوٹیں لگائی کیوں جاتی ہیں؟

سلاسلِ طریقت میں تربیّت:

جب کوئی اس راستے پر قدم رکھتا ہے تو اگر وہ دو روٹیاں کھاتا ہے تو اس کی آدھی روٹی چھین لی جاتی ہے۔ اور وہ ڈیڑھ روٹی کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جب وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے تو وہ آدھی روٹی مزید چھین لی جاتی ہے۔ اور وہ ایک روٹی کھانے لگتا ہے۔ جب وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کی مقدار مزید کم کر کے آدھی روٹی کر دی جاتی ہے پھر یہ آدھی روٹی بھی اس سے چھین لی جاتی ہے۔ اور اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ دین و دنیا اس کے لئے اندھیر ہو جاتی ہے۔ زمین اس کے لئے تنگ ہو جاتی ہے اور وہ خود کو کائنات میں بے یار و مددگار محسوس کرتا ہے۔ جب وہ ہر طرف سے مایوس ہو جاتا ہے۔ تو مرشد کریم اس کے اندر معرفت الٰہی کی شمع روشن کر دیتے ہیں اور وہ جان لیتا ہے کہ کائنات میں اگر کوئی مددگار اور حامی و ناصر ہے تو وہ صرف اللہ ہے۔ اللہ کی مرضی اور منشا کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

واقف اسرار و رموز، حامل علم لدنی حضور قلندر بابا اولیاءؒ رُوحانی تربیّت کے اس پراسس کو جامع الفاظ میں سمیٹتے ہیں:" ذہن لوہے کی چادر کی طرح ہے اس میں چھید ہو گئے یا خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ ان کو مٹانے یا دور کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ پہلے اس چادر کو گرم کیا جائے۔ پھر اس پر گھن مارے جائیں اور جب چھید بند ہو جائیں یا خرابی دور ہو جائے تب اس چادر سے جو چاہیں بنا لیں۔ ایسا کرنے سے ذہن پر چوٹیں پڑتی ہیں مگر ایسا کرنا ناگزیر ہے۔ لوہار لوہے کی موٹی سلاخوں کو گرم کر کے گھن مارتا ہے اور وہ ٹیڑھی ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس سونے چاندی کے ورق بنانے والا سونے چاندی کے ٹکڑوں پر بار بار آہستہ آہستہ چوٹیں مارتا ہے تب اس کا ورق بنتا ہے۔ لوہے کے گھن سے لوہا اتنا نہیں پھیلتا جتنا چاندی سونا ہلکی چوٹ سے۔ اگر ذہن پر کوئی گھن لگ جائے تو اس کا اثر اتنا نہیں ہوتا جتنا لگاتار اور مسلسل باریک چوٹیں پڑنے سے ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کے ذہن کی ٹریننگ ہوتی ہے۔ اس کی کثافت دور کر کے اس پر پالش کر کے چمکا دیا جاتا ہے"۔

حوالہ جات:

۱۔ کتاب "راہِ سلوک" از میاں مشتاق احمد عظیمی، باب مقام حیرت اور راہِ سلوک، صفحہ نمبر 337

Marfat.com

Marfat.com

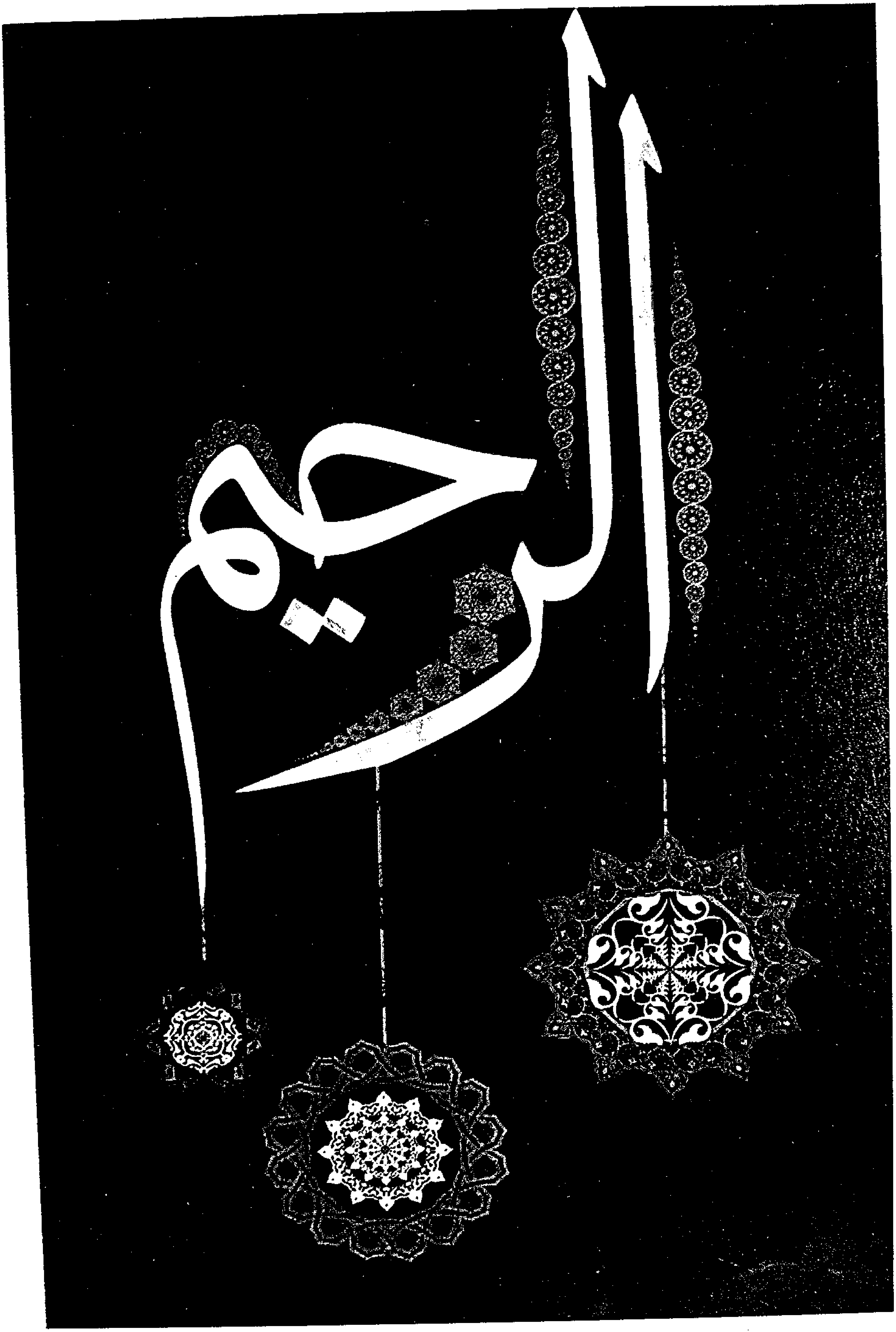

Marfat.com

عمدہ ضابطہ حیات

موضوع 84/ 74

CODE OF CONDUCT

سُوْرَةُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (THE NIGHT JOURNEY)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ
اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا
﴿٢٣﴾ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ
صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾ؕ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ
لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿٢٥﴾ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا
تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ
لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿٢٧﴾ وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ
لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿٢٨﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ
الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿٢٩﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿٣٠﴾ؑ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ

Marfat.com

إِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ؕ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيرًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا
الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ
إِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي
الْقَتْلِ ؕ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ﴿٣٣﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ
حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ﴿٣٤﴾ وَأَوْفُوا
الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ؕ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ
تَأْوِيلًا ﴿٣٥﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ؕ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ
أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿٣٦﴾ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ
الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا۔ اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگا جیسا انہوں نے بچپن میں (شفقت سے) پرورش کیا ہے تو بھی ان (کے حال) پر رحمت فرما۔ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تمہارا پروردگار اس سے بخوبی واقف ہے اگر تم نیک ہو گے تو وہ رجوع لانے والوں کو بخش دینے والا ہے۔ اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا ہے۔ اور اگر تم نے اپنے پروردگار کی رحمت کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہو ان (مستحقین) کی طرف توجہ نہ کر سکو ان سے نرمی سے بات

Marfat.com

کہہ دیا کرو۔اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کرلو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ بالکل کھول ہی دو (کہ سب ہی دے ڈالو کہ انجام یہ ہو) کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کے بیٹھ جاؤ۔ بے شک تمہارا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے۔اور (جس کی روزی چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے اور وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے اور (ان کو) دیکھ رہا ہے۔اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا (کیونکہ) ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بہت سخت گناہ ہے۔اور زنا کے بھی پاس نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔اور جس جاندار کا مارنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے تو اس کو چاہیئے کہ قتل میں زیادتی نہ کرے کہ وہ منصور و فتح یاب ہے۔اور یتیم کے مال کے پاس نہ پھٹکنا مگر ایسے طریق سے کہ بہت بہتر ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی۔اور جب کوئی چیز (ناپ کر) دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور (جب تول کر دو تو) ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو یہ بہت اچھی بات اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت بہتر ہے۔اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب سے ضرور باز پرس ہوگی۔اور زمین پر اکڑ کر مت چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں (کی چوٹی) تک پہنچ جائے گا۔

And your Lord has decreed that you worship none but Him. And that you be dutiful to your parents. If one of them or both of them attain old age in your life , say not to them a word of disrespect, nor shout at them but address them in term of honour. And lower unto them a wing of submission and humility through mercy, and say: My Lord! Bestow on them Your mercy as they did bring me up when I was young. Your Lord knows best what is in your innerselves. If you are righteous, then, verily He is Ever More Forgiving to those who turn unto Him again and again in obedience, and in repentance. And give to the kinsman his due and to the Miskin (poor) and to the wayfarer. But spend not wastefully (your wealth) in the manner of a spendthrift. Verily spendthrifts are brothers of the Shayatin (devils), and the (Devil Satan) is ever ungrateful to his Lord.And if You (O Muhammad Sallalla ho Alaihy Wasallam) turn away from them(kindered, poor. Whom We have ordered you to give their rights, but if you have no money at the time they ask you for it) and you are awaiting a mercy from your Lord for which you hope, then, speak unto them a soft, kind Word. And let

Marfat.com

not your hand be tied (like a miser) to your neck nor stretch it forth to its utmost reach (like a spendthrift), so that you become blameworthy and in severe poverty. Truly your Lord enlarges the provisions for whom He will straitens. Verily He is Ever All Knower, All seer of His slaves. And kill not your children for fear of poverty. We shall provide for them as well as for you. Surely the killing of them is a great sin.And come not near to the unlawful sex. Verily it is Fahishah, and an evil way. And do not kill anyone whose killing Allah has forbidden, except for a just cause. And whoever is killed wrongfully, We have given his heir the authority, But let him not exceed limits in the matter of taking life. And come not near to the orphan's property except to improve it until he attains the age of full strength. And fulfil (every) covenant. Verily! The covenant, will be questioned about And give full measure when you measure, and weigh with a balance that is straight. That is good (advantageous) and better in the end And follow not that of which you have no knowledge. Verily The hearing, and the sight, and the heart, of which of those ones will be questioned. And walk not on the earth with conceit and arrogance. Verily you can neither rend nor penetrate the earth nor can you attain stature like the mountains in height.

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝١ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝٢ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝٣ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝٤ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝٥ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۝٦ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝٧ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝٨ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝٩ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝١٠ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝١١ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝١٢

قسم ہے تارے کی جب وہ غروب ہوا۔ تمہارا رفیق نہ بہکا ہے نہ بھٹکا ہے۔ وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے، اسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے جو بڑا صاحبِ حکمت ہے وہ سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ جبکہ وہ افق اعلیٰ پر تھا پھر قریب آیا اور اوپر معلّق ہو گیا یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا تب اس نے اللہ تعالیٰ کے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی وحی اسے پہنچانی تھی۔ نظر نے جو دیکھا دل نے اس میں جھوٹ نہ ملایا۔ اب کیا تم اس چیز پر اس سے جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

(سورۃ نجم، پارہ 27، آیت 1 تا 12)

Marfat.com

معراج میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے زمین پر سینکڑوں میل کا فاصلہ طے کیا اور لاکھوں نوری سالوں کے فاصلے پر آسمان کی حدود میں داخل ہوئے۔ فرشتوں کی حد سے آگے تشریف لے گئے اور خدائے کریم سے ہم کلام ہوئے۔

سولہ احکام:

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر سولہ احکام نازل فرمائے جو انتہائی جامع ہیں اور نہایت عمدہ ضابطہ حیات کی عکاسی کرتے ہیں۔

1۔ تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اسی کی۔

2۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اگر تمہارے پاس اُن دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہوں تو انہیں اف تک نہ کہو نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان کے ساتھ احترام سے بات کرو اور نرمی اور رحم سے ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت اور شفقت سے مجھے بچپن میں پالا تھا۔

3۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے۔ اگر تم صالحین بن کر رہو تو ایسا بندہ سب کے لئے درگزر کرنے والا ہوتا ہے۔ ایسا بندہ اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر بندگی کی طرف پلٹ آتا ہے۔

4۔ رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو۔

5۔ فضول خرچی نہ کرو فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

6۔ اگر تم حاجت مند، رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کی حاجت پوری نہیں کر سکتے تو انہیں نرمی سے جواب دو۔

7۔ نہ اپنے ہاتھ گردن سے باندھ کر رکھو اور نہ بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔

8۔ تیرا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔

9۔ اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی دراصل ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔

10۔ زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ وہ بہت برا فعل ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔

> ہم اپنے افکار کو جتنا محدود کرتے چلے جائیں گے اتنا ہی کائنات کے رازوں سے لاتعلق ہوتے چلے جائیں گے۔ نوع انسانی کی یہ روش کتنی حیرت ناک ہے کہ وہ اپنے ہاتھ اپنی ہی تباہی کے درپے رہتی ہے اور وہ اعلیٰ اوصاف جو اسے قدرت کے نقش قدم پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں کھو بیٹھتی ہے۔ ایک طرف پابہ گل ہو کر خود کو ناکام اور مجبور پاتی ہے اور دوسری طرف آئندہ نسلوں کے لئے زندگی کو رائیگاں کرنے والا ورثہ چھوڑ جاتی ہے۔ کتنی اندوہناک طرز ہے کہ انسان اپنی صحیح زندگی بیان کرنے کی جرات نہیں رکھتا۔ یہ نوع انسانی کی موروثی زندگی کا معمول ہے۔

Marfat.com

11- قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو، اس کے ولی کے لئے ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق دیا ہے پس چاہئے کہ وہ قتل میں حد سے نہ گزرے اس کی مدد کی جائے۔

12- یتیم کے مال کے پاس نہ پھٹکو مگر احسن طریقے سے یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائے۔

13- عہد کی پابندی کرو، بیشک عہد کے بارے میں تم کو جواب دہی کرنی ہوگی۔

14- پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو یہ اچھا طریقہ ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

15- کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ کان اور دل سب کی باز پُرس ہوگی۔

16- زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔ تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ یہ کوشش فرمائی ہے کہ سارے مسلمان بھائی بھائی بن کر رہیں اور آپس میں نہ لڑیں، ایک دوسرے کی حق تلفی نہ کریں بلکہ ایک دوسرے سے پیار محبت سے رہیں اور ایک دوسرے کے دُکھ میں شریک ہوں۔ بلاشبہ حضور ﷺ کا یہی مشن ہے۔ مسلمان کو مسلمان سے لڑانا، مسلمانوں کو آپس میں دست و گریباں کر کے فساد و خون خرابہ کرنا شیطان کا مشن ہے۔ اگر کوئی شیطانی خصلتوں یعنی تعصب، نفرت، حقارت اور تفرقہ کو اپناتا ہے تو وہ ایسے راستے پر چل پڑا جو شیطان کا پسندیدہ ہے۔

بارگاہ ربُّ العزّت سے عطیات:

معراج شریف میں بارگاہ ربُّ العزت سے انعامات اور عطیات مرحمت کئے گئے۔ مفسرین نے تین اِکرامات کا بطور خاص تذکرہ کیا ہے۔

1- سورہ بقرہ کی آخری آیات جن میں اِسلام کے رہنما اصول بیان کئے گئے ہیں۔

2- اُمت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بخشش کا وعدہ مگر جو لوگ شرک کے مرتکب ہوں گے وہ اس انعام سے محروم ہوں گے۔

3- پانچ وقت فرض نماز کی تاکید۔

Marfat.com

موضوع 75/84 رُوح THE SOUL

سُوْرَةُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (THE NIGHT JOURNEY)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾

ترجمہ: اے نبی ﷺ یہ لوگ تم سے رُوح کے متعلق سوال کرتے ہیں ان سے کہو روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں تو بس تھوڑا سا علم عطا ہوا ہے۔

They will ask thee concerning the Spirit. Say: The Spirit is by command of my Lord, and of knowledge ye have been vouchsafed but little.

بات روشن ہے کہ "رُوح کا قلیل علم دیا گیا ہے"۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ جس قلیل علم کا تذکرہ کیا جارہا ہے وہ اللہ کا علم ہے اور اللہ کے تمام علوم لامتناہی ہیں۔ لامتناہی کا قلیل علم بھی لامتناہی ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رُوح کا جو علم عطا کیا ہے وہ اللہ کے علوم کے مقابلے میں قلیل ہے۔ یہ نہیں کہا جارہا کہ رُوح کا علم کسی کو حاصل ہی نہیں ہے یا کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ — آپ فرما دیجئے کہ رُوح میرے رب کے امر سے ہے۔

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ — امر رب یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنسان ناقابلِ تذکرہ شے تھا ہم نے اس کے اندر اپنی رُوح پھونک دی۔ یہی بات اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے بھی فرمائی:

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ اَنِّیْ قَدْ — اور عیسیٰ بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر ہو کر جائیں گے اور کہیں گے

Marfat.com

جِئۡتُكُم بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ۙ اَنِّىۡۤ اَخۡلُقُ لَـكُمۡ مِّنَ الطِّيۡنِ كَهَيۡـــَٔةِ الطَّيۡرِ فَاَنۡفُخُ فِيۡهِ فَيَكُوۡنُ طَيۡرًاۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ وَاُحۡىِ الۡمَوۡتٰى بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا تَاۡكُلُوۡنَ وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِىۡ بُيُوۡتِكُمۡ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيَةً لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ‏

کہ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ وہ یہ کہ تمہارے سامنے مٹّی سے پرندے کی صُورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے سچ مچ پرندہ ہو جاتا ہے۔ اور پیدائشی اندھے اور اَبرَص کو تندرست کر دیتا ہوں۔ اور اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں۔ اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو سب تم کو بتا دیتا ہوں اگر تم صاحب ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لئے نشانی ہے"۔

(سورہ آل عمران، پارہ3، آیت49)

کہ جب تو بناتا ہے مٹّی سے جانور کی صورت میرے حکم سے یعنی میری مرضی اور میرے دیے ہوئے علوم سے پھر اس میں پھونک مارتا تو ہو جاتا وہ جانور۔ مفہوم یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ تخلیقی فارمولے کے تحت یا اسمِ رحیم کی صفت کے تحت مٹّی کے جانور میں پھونک مارتے تھے تو وہ اڑ جاتا تھا۔ پیدائشی اندھے اور کوڑھی کے اوپر دم کرتے تھے تو بھلا چنگا ہو جاتا تھا۔

قرآن پاک میں ارشاد ہوا:

وَ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّىۡ

اے رسول ﷺ! آپ سے سوال کرتے ہیں کہ رُوح کیا ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ رُوح میرے رب کا امر ہے۔

(سورہ بنی اسرائیل، پارہ15، آیت85)

اب دیکھئے! قرآن پاک امر کی تعریف کن الفاظ میں کرتا ہے۔

"اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ (امر) کسی چیز کو وجود میں لانے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے "کُن" وجود میں آجا، "فیکون" وہ وجود میں آجاتی ہے"

اس کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے:

بشر پتلا ہے، پتلا خلاء ہے، خلاء یا بشر میں اللہ تعالیٰ کا امر (رُوح) ہے جس کو اللہ تعالیٰ آدم فرماتے ہیں، رُوح اللہ کا امر ہے

ذاتِ انسانی یا نفس جس کو روح بھی کہتے ہیں روشنی کا ایک ہیولیٰ ہے جو ایک طرف اپنی اصل کے ساتھ اور دوسری طرف اپنی نوع کے ساتھ منسلک ہے۔ اس کی اصل صفاتِ الٰہیہ کا وہ مجموعہ ہے جس کے ذریعے تمام کائنات کے حواس ایک رشتہ میں بندھے ہوئے ہیں۔

(حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ)

Marfat.com

اور اللہ کا اَمر یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کے تخلیق کرنے کا اِرادہ کرتا ہے تو کہتا ہے۔ عدم سے وجود میں آ جا اور وہ ہو جاتی ہے۔

جسمانی وجود کا انحصار رُوح پر ہے۔ رُوح کا انحصار جسمانی وجود پر نہیں ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ رُوح کے بغیر آدمی کی حیثیت ایک لاش کے علاوہ کچھ نہیں۔ جب تک رُوح گوشت پوست کے وجود سے تعلق قائم رکھتی ہے۔ گوشت پوست کے وجود میں حرکت موجود رہتی ہے۔ یہ گوشت پوست کا وجود دیکھتا بھی ہے، سنتا بھی ہے، چھوتا بھی ہے، بولتا بھی ہے، تپش اور ٹھنڈک کی لہروں کو محسوس بھی کرتا ہے لیکن اگر رُوح اس گوشت پوست کے وجود سے اپنا رشتہ توڑ لیتی ہے تو یہ جسمانی وجود نہ سنتا ہے، نہ بولتا ہے، نہ محسوس کرتا ہے۔ رُوح کی عدم موجودگی میں کسی تیز دھار والے ہتھیار کی مدد سے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ دیا جائے، الگ کر دیا جائے تو وجود کچھ بھی محسوس نہیں کرتا اور نہ اس کے اندر کوئی قوتِ مدافعت ہوتی ہے۔

زندگی کے اس عمل سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اِنسان کی اصل رُوح ہے، گوشت پوست کا وجود نہیں ہے۔ اگر کوئی بندہ اپنے من، اپنی رُوح سے واقف ہے تو وہ اپنا دوست ہے اور اس کے برعکس اگر کوئی بندہ صرف اپنے گوشت پوست کے وجود کو سب کچھ سمجھتا ہے تو وہ اپنا دشمن ہے۔ جس شخص کے اندر رُوحانی زندگی کا کوئی تصور موجود نہ ہو تو یہ بات اپنے من سے دشمنی مول لینے کے مترادف ہے۔ اگر کوئی بندہ من سے کوئی کثیف کام لینا چاہتا ہے تو من اس کی خدمت کرنے سے انکار نہیں کرتا۔ وہ اسے مادیت اور ٹائم اسپیس کے جال میں جکڑ دیتا ہے اور اگر بندہ من سے رُوح کا سراغ چاہتا ہے تو من اسے ایک اچھے اور مخلص دوست کی طرح رُوحانی رشتوں سے متعارف کرا دیتا ہے اور من اُسے نہ صرف بتا دیتا ہے بلکہ دکھا بھی دیتا ہے کہ رُوح پاک ہے۔

> روح کو سمجھنے، جاننے اور پہچاننے کے لئے اگر کوئی معتبر اور حقیقی ذریعہ ہے تو وہ علم حضوری ہے۔ علم حصولی سے روح کا سراغ نہیں ملتا۔ اگر کوئی آدمی علم حصولی کے ذریعے روح کو سمجھنا چاہتا ہے تو وہ عقلی اور منطقی دلیلوں میں اُلجھ کر راستہ بھٹک جاتا ہے۔ ہر انسان اپنی فکر کے مطابق روح کے بارے میں قیاس آرائیاں کرتا ہے۔ مثلاً کوئی کہتا ہے انسان پہلے بندر رھتا۔ کسی نے کہا انسان سورج کا بیٹا ہے۔ کوئی انسان کی تخلیق کو مچھلی کی تخلیق کے ساتھ وابستہ کرتا ہے اور زیادہ سوجھ بوجھ کے لوگ، جب انہیں روح کے بارے میں کوئی حقیقی بات معلوم نہیں ہوتی تو روح سے قطع نظر کر کے مادی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔

مقاماتِ رُوح:

رُوح کے چھ شعبے ہیں۔ دو شعبے باطنی ہیں اور چار شعبے ظاہری ہیں۔ باطنی شعبوں سے مراد تجلّی مطلق ہے اور ظاہری شعبوں سے مراد حرکت اور نقش و نگار ہیں۔

تجلّی کی پہلی رو کا نام نہر تسوید ہے یعنی تجلّی کا پہلا نزول جہاں ہوتا ہے اس کا نام نہر تسوید ہے۔ اس کے بعد تجلّی کا نزول جہاں ہوتا

Marfat.com

ہے اس کا نام نہر تجرید ہے۔ تجلّی کا جب مزید نزول ہوتا ہے تو اس تیسری رو کا نام نہر تشہید اور چوتھی رو کا نام نہر تظہیر ہے۔

رُوحِ انسانی کا پہلا شعبہ سرّی ہے اس مقام سے وسوسوں کی ابتداء ہوتی ہے۔ اخفیٰ، خفی، سرّ، رُوح، قلب اور نفس یہ سب چھ لطائف ہوئے۔ دراصل یہ چھ حرکتوں کے نام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حرکت ہر نوع میں ایک طول رکھتی ہے۔ ان چھ حرکات میں سے تین حرکات نزولی ہوتی ہیں اور تین صعودی ہوتی ہیں۔ تین نزولی حرکات کے مقابل دوسرے رُخ پر تین صعودی حرکات بیک وقت وقوع میں آتی ہیں۔

مادی دنیا کی دوئی:

جسم کی ساری خوشیاں جسم کی طرح عارضی ہیں اور رُوح چونکہ خود مستقل خوشی ہے اس لئے رُوحانی لوگ خوش رہتے ہیں۔ یہ مادی دنیا اور گوشت پوست کے جسم کی دنیا دوئی کی دنیا ہے۔ ابھی ہم سکھی ہیں اور چند لمحوں بعد ہم دکھی ہوتے ہیں۔ جو بات ہمارے لئے عزت کا باعث ہے وہی بات لمحہ بھر بعد ہمارے لئے بے عزتی بن جاتی ہے۔ دوئی کی اس مادی دنیا میں کسی چیز کو سمجھنا اسی وقت ممکن ہے جب ہم سکھ، دکھ، عزت، بے عزتی، سردی اور گرمی کے تضاد کو سمجھ لیں۔ اس تضاد سے گزرنے کے لئے مادی دنیا کی دوئی سے خود کو آزاد کرنا ہوگا۔ جب کوئی شخص مادی دنیا کی اس دوئی سے گزر کر خودشناسی کا طالب بن جاتا ہے تو ہر چیز کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے۔ خواہ وہ کنکر ہو، پتھر ہو یا سونا ہو۔ اور جب تک کوئی بندہ خودشناسی کے علم سے ناواقف رہتا ہے اس کا من بے چین اور بے قرار رہتا ہے۔ من کی بے چینی اور بے قراری دور کرنے کے لئے ایک مخصوص طرزِ فکر کو اپنانا ضروری ہے اور یہ طرزِ فکر آزاد طرزِ فکر ہے۔

قلندر شعور NEUTRAL THINKING:

یہ آزاد طرزِ فکر دراصل قلندر شعور ہے۔ من سے دوستی کا رشتہ مستحکم کرنے کے لئے قلندر شعور ہمیں راستہ دکھاتا ہے اور وہ راستہ یہ ہے کہ یہاں ہمارا نہ کوئی دشمن ہے نہ کوئی دوست ہے۔ ہم خود ہی اپنے دوست ہیں، خود ہی اپنے دشمن ہیں۔ قلندر شعور جب حرکت میں آجاتا ہے تو بندہ یہ دیکھتا ہے کہ ساری کائنات ایک اسٹیج ہے، ڈرامہ ہے۔ اس اسٹیج پر کوئی باپ ہے، کوئی ماں ہے، کوئی بچہ ہے، کوئی دوست ہے، کوئی دشمن ہے، کوئی گناہگار ہے، کوئی پاکباز ہے۔ جب اسٹیج پر کام کرنے والے کردار اسٹیج سے اتر جاتے ہیں تو سب ایک ہو جاتے ہیں اور ان کے اوپر سے دنیا کی دوئی کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔

خلاء اور رُوح:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے انسان کو خلاء سے بنایا ہے اور اس کی کھوپڑی کے اندر، ناک، حلق، منہ، ہونٹ، ڈھانچہ اور دل میں خلاء ہے۔ پھیپھڑے تو سارا کا سارا ہی خلاء کا نظام ہے سوراخ ہی سوراخ ہیں۔ گردوں میں خلاء، مثانوں میں خلاء نہیں ہوتا تو اس کے اندر انرجی کیسے دوڑتی ہے۔ وریدیں، شریانیں نہ ہوتیں تو خون کیسے دوڑتا۔ انسانی جسم میں خلاء کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ پنڈلی کی

Marfat.com

ہڈی اس میں بھی خلاء ہے۔ پسلی میں بھی خلاء، آنکھ کے اندر خلاء ہے۔

کوئی چیز آپ ایسی نہیں بتا سکتے جس میں خلاء یا سوراخ نہ ہوں۔ زمین بھی خلاء ہے۔ اگر زمین کے اندر خلاء نہ ہو تو ہل نہیں چل سکتا۔ بیج ہی نہیں اُگیں گے۔ درختوں کی نشوونما نہیں ہو گی۔

اس خلاء کو کون چلا رہا ہے؟ یہ خلاء متحرک کیوں ہے؟ حقیقی بات یہ ہے کہ اس خلاء کو رُوح نے اپنا مسکن بنایا ہوا ہے۔ جب تک رُوح اس خلاء کے اندر رہتی ہے۔ یہ خلاء چلتا پھرتا ہے۔ گھومتا، بولتا، ہنستا، روتا رہتا ہے۔ اور جب خلاء سے رُوح رشتہ منقطع کر دیتی ہے تو خلاء ہنستا ہے نہ بولتا ہے۔ ایک بیکار شئے ہو جاتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ میرا چلنا سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا اس لئے ہے کہ میرے اندر اللہ کی رُوح یعنی اللہ کا نُور کام کر رہا ہے۔ میری زندگی کا ضامن نُور ہے۔ نُور مجھے بھوک پیاس لگا رہا ہے۔ نُور میری پیاس بجھا رہا ہے۔ ہائے افسوس میں نے کبھی نُور کی طرف توجہ نہیں دی اور روٹی میرے لئے اتنی اہم بن گئی کہ میں اس کے لئے دین و دنیا بیچ سکتا ہوں۔ خود کو بھی فروخت کر سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے انعام و اکرام اِنسان کے اوپر نازل کئے ہیں اور تسلسل کے ساتھ نازل ہو رہے ہیں۔ آنے والی کل بھی نازل ہوتے رہیں گے اور گذشتہ کل بھی نازل ہو رہے تھے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک اور جب تک قیامت آئے گی۔ انعام و اکرام کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہو گا۔

یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ اس لئے ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ انسان اپنی رُوح کی طرف متوجہ ہو۔

جب اِنسان کا ذہن اپنی رُوح کی طرف متوجہ ہو گا تو خود بخود اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور اگر اِنسان اپنے اندر اور اپنی رُوح کے اندر متوجہ نہیں ہو گا تو کبھی بھی اسے اللہ کی قُربت نصیب نہیں ہو گی۔ رُوح اللہ کی جان ہے۔ جان سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

رُوح میں سے رُوح:

قُرآن میں ہے۔

وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ

اور ہم نے اپنی رُوح میں سے رُوح ڈال دی۔

(سورۃ الحجر، پارہ 14، آیت 29)

مثال سے سمجھئے!

سمندر کا ایک قطرہ سمندر کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سمندر کا قطرہ سمندر بن گیا۔ اسی طرح جب اللہ کی رُوح یعنی اللہ کی جان جسم میں ڈالنے کا تذکرہ ہو گا تو یہ مفہوم نہیں نکلے گا کہ اِنسان نعوذ باللہ خدا بن گیا۔ یا اس کے اندر وہ تمام صفات پیدا ہو گئیں جو اللہ کی ذاتی صفات ہیں۔ اِنسان کے اندر وہی صفات منتقل ہوئی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اِنسان کے اندر منتقل کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

Marfat.com

"میں نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔" صحیح بخاری 6227

اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی طرح ہیں۔ انسانوں کی طرح ان کی آنکھیں ہیں۔ کان ہیں۔ اگر صورت سے مراد انسانی صورت لے لی جائے تو یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ سوتے ہیں، جاگتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ کو کوئی احتیاج نہیں ہے۔ اللہ ہر چیز سے بے نیاز و بے احتیاج ہے۔

صورت پر تخلیق کرنے کا مفہوم:

صورت پر تخلیق کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے اپنی لامحدود صفات میں سے تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار صفات انسان کے اندر منتقل کر دی ہیں اور ہر صلاحیت سمندر کی طرح محدود تو ہے لیکن لامحدود بھی ہے۔ لامحدود کو کتنا بھی محدود کر دیا جائے۔ اس کی اصل لامحدود ہی رہتی ہے مرد اور عورت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی جان یعنی روح ہے۔ جب تک روح انسان کے اندر رہتی ہے۔ جسم میں حرکت رہتی ہے اور جیسے ہی روح اس مادی جسم کو چھوڑ دیتی ہے۔ یہ جسم بے جان ہو جاتا ہے۔ عورت اور مرد دراصل ایک کھلونا ہے جو چابی سے چلتا ہے۔ جب تک کھلونے کے اندر چابی رہتی ہے کھلونا چلتا رہتا ہے اور جب چابی ختم ہو جاتی ہے تو کھلونا نہیں چلتا۔ ایک مردہ جسم کی حیثیت ایسے کھلونے کی ہے جس میں روح نہ ہو۔ انسان کی مشینری اور مشینری کے کل پرزے دماغ، دل، گردے اور پھیپھڑے اس وقت تک قابل ذکر ہیں جب تک ان کے اندر روح ہے۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں اور ان کے فیض یافتہ اولیاء اللہ نے ایک ہی بات بتائی ہے کہ مادی جسم روح کا لباس ہے۔ اصل انسان روح ہے۔ مادی جسم کی حفاظت اس لئے کرو کہ مادی جسم روح کے لئے پردہ ہے۔ اس لباس کو زندگی کا مقصد نہ بناؤ۔ یہ جسم گھٹنے بڑھنے والی چیز ہے۔ آدمی ہر روز پیدا ہوتا ہے ہر روز مرتا ہے۔ ایک دن کے بچہ پر موت وارد نہ ہو وہ دو دن کا بچہ نہیں ہو سکتا۔ ایک سال کے بچے پر فنائیت غالب نہ آئے تو وہ دو سال کا نہیں ہو سکتا۔ اگر جوانی کو بڑھاپا نہ نگل لے تو کوئی آدمی بوڑھا نہیں ہو سکتا۔ ہر چیز فنا ہو رہی ہے۔ موت زندگی کو کھا رہی ہے۔ اور زندگی موت کو کھا رہی ہے۔ یہاں کا ہر لمحہ موت و زیست کے دوش پر رقصاں ہے۔ اگر روح سے واقفیت نہیں ہوئی تو ساری زندگی گھاٹے اور خسارے کی زندگی ہے۔

BUILT IN کمپیوٹر:

جب ہم زندگی کا تجزیہ کرتے ہیں تو ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ انسان کے اندر کوئی کمپیوٹر نصب ہے جو انسان کو زندگی کی اطلاعات فراہم کر رہا ہے۔ کبھی وہ ایسی اطلاع دیتا ہے کہ آدمی رنجیدہ ہو جاتا ہے اور کبھی ایسی اطلاع دیتا ہے کہ وہ خوش ہو جاتا ہے اور کبھی ایسی اطلاع دیتا ہے اور انسان اس اطلاع پر عمل کرتا ہے اور کھانا کھاتا ہے کبھی پانی کی اطلاع دیتا ہے اور انسان پانی پی کر پیاس بجھاتا ہے۔ کبھی کمپیوٹر ایسی اطلاع دیتا ہے کہ اب اعصاب میں مزید عمل کرنے کی صلاحیت موجود نہیں سو جاؤ۔ پھر یہ اطلاع ملتی ہے کہ اب مزید چارپائی پر لیٹے رہنے اور شعوری حواس میں داخل نہ ہونے سے اعصاب مضمحل ہو جائیں گے اور آدمی اس اطلاع کو قبول کر کے بیدار ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

غرضیکہ جب تک دماغ کے اندر نصب شدہ BUILT IN کمپیوٹر کوئی اطلاع نہیں دیتا آدمی یا کوئی بھی ذی روح کوئی کام نہیں کر سکتا۔ ذی روح میں انسان بھیڑ، بکری، چرند، پرند، درند، نباتات، جمادات سب شامل ہیں۔ سب کے اندر یہ اطلاع دینے والی مشین نصب ہے یہ مشین وہی اطلاع فراہم کرتی ہے جس کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کمپیوٹر آدمی کی روح ہے۔ موجودات میں جتنی ذی روح اور غیر ذی روح ہیں ان سب میں ایک ہی طرح کا کمپیوٹر نصب ہے یعنی ان کی زندگی کے لئے اطلاعات کا منبع ایک ہی ہے۔ کوئی مخلوق اس کمپیوٹر کے علم سے واقف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف انسان کو اس کمپیوٹر یعنی روح کا علم سکھایا ہے۔ اسی علم کا آدم اور فرشتوں کے قصے میں بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ

میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا۔ یہ تو فساد برپا کرے گا اور ہم آپ کی تسبیح اور تقدیس کے لئے کافی ہیں۔ اللہ نے فرمایا۔ ہم جو جانتے ہیں وہ تم نہیں جانتے۔ فرشتوں کو یہ بات سمجھانے کے لئے آدم علیہ السلام کو عِلم الاسماء سکھادیا اور آدم علیہ السلام سے کہا۔ "اس عِلم کو ظاہر کرو۔" اور فرشتوں سے کہا۔ "اگر تم سمجھتے ہو تو اس عِلم کے بارے میں بتاؤ۔ فرشتوں نے عرض کیا۔ ہم تو صرف وہی جانتے ہیں جو آپ نے ہمیں سکھادیا ہے۔ (سورۃ بقرۃ، پارہ1، آیت30تا32)

آدم علیہ السلام کی اولاد بحیثیت آدم کے اس بات کا مشاہدہ کرتی ہے جن مشاہدات سے آدم علیہ السلام گزرے ہیں اگر کوئی آدم زاد اس بات کا مشاہدہ نہ کر سکے جس کا مشاہدہ آدم علیہ السلام نے کیا یعنی خود کو فرشتوں کو مسجود دیکھنا اللہ اور فرشتوں کے درمیان مکالمہ ہونا، اللہ کا یہ کہنا کہ "ہم نے آدم کو اپنی صفات کا علم سکھادیا۔" اور فرشتوں کا یہ کہنا کہ "ہم صرف اس حد تک واقفیت [illegible] تک آپ نے علم عطا فرمادیا ہے۔" تو وہ ہرگز آدم علیہ السلام کی اولاد کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔ اس کی حیثیت [illegible] آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ یہ میرا نائب اور خلیفہ ہے۔

اس گفتگو کا اجمال یہ ہوا کہ آدم زاد اگر ازل میں دی گئی نیابت سے واقف نہیں ہے اور ان واقعات کو اس نے دنیاوی زندگی میں نہیں دیکھا تو وہ آدم علیہ السلام کی باسعادت اولاد نہیں ہے۔ محض شکل و صورت کی بنا پر اس کو آدم زاد کہہ دیا جائے تو اس کو ناخلف اولاد سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے کہ اگر کوئی بندہ اللہ کے اسماء کا علم نہیں جانتا تو وہ اللہ کا نائب نہیں ہے۔ آدم زاد کو دوسری مخلوقات پر صرف اس لئے شرف حاصل ہے کہ وہ اسمائے الٰہیہ کا علم رکھتا ہے۔

Marfat.com

سلسلہ عظیمیہ کا پیغام:

سلسلہ عظیمیہ کا یہ پیغام ہے کہ نوع اِنسانی کو یہ بتادیا جائے کہ مادی زندگی عارضی زندگی ہے۔ مادی زندگی فکشن زندگی، تراش ہے، خراش ہے۔ ڈسٹربنس ہے، پریشانی ہے، اضطراب ہے، بے چینی ہے، بے قراری ہے۔ رد عمل ہے اور رُوحانی زندگی میں رد عمل نہیں ہے۔ بے چینی نہیں ہے۔ بے قراری نہیں ہے۔ اضطراب نہیں ہے۔ خوف نہیں ہے۔ غم نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہاں کوئی اِنسان مادی وجود میں اصل اِنسان نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں ہر مادی وجود اس لئے قائم ہے کہ اس کے اندر رُوح موجود ہے۔

اسوہ محمدی ﷺ یا اسوہ حسنہ ﷺ سے اس وقت مسلمان قوم فائدہ اٹھا سکتی ہے جب وہ اس بات کی تمیز کرے گی کہ:

رُوح کیا ہے؟ اور جسم کیا ہے؟

جسم محض خاک ہے مٹی ہے اور اصل اِنسان جو ہے وہ اس کی رُوح ہے۔ سلسلہ عظیمیہ کے کارکنان کی یہ کوشش ہے کہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے جس طرح اپنے شاگردوں کو ان کی رُوح سے واقف کرادیا۔ اسی طرح ہم بھی اپنی بہنوں اور اپنے بھائیوں کو بلا تخصیص مذہب وملت رُوح سے متعارف کرادیں۔ آمین یارب العالمین۔

حوالہ جات:

1- کتاب " شرح لوح وقلم " از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب تدلی صفحہ نمبر 73

2- کتاب " ذات کا عرفان " از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع رُوح کی تعریف، صفحہ نمبر 134

3- کتاب " ذات کا عرفان " از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع رُوح اور جسم، صفحہ نمبر 11 تا 12

4- کتاب " ذات کا عرفان " از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع ذات، رُوح اور جسم، صفحہ نمبر 12

5- کتاب " ذات کا عرفان " از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع اللہ کی جان، موضوع 118 تا 119

6- کتاب " ذات کا عرفان " از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع اللہ کی جان، صفحہ نمبر 123

Marfat.com

اصحابِ کہف

موضوع 76/84

PEOPLE OF THE CAVE

سُوْرَةُ الْكَهْفِ (THE CAVE)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِیْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ۝٩ اِذْ اَوَى
الْفِتْیَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا
رَشَدًا ۝١٠ فَضَرَبْنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا ۝١١ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ
اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ۝١٢ ع

ترجمہ: کیا تم کہف اور رقیم والوں کو ہماری نشانیوں میں سے بہت عجیب خیال کرتے ہو جبکہ وہ چند نوجوان غار میں پناہ گزین ہوئے اور دعا کی: اے ہمارے رب ہمیں اپنی خاص رحمت سے نواز دے اور ہمارے (اس) معاملے میں ہمارے لئے رہنمائی کا سامان کر دے۔ چنانچہ ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر تھپکی دی اور انہیں کئی برس کے لئے سلا دیا۔ پھر ہم نے ان کو بیدار کیا، تاکہ دیکھیں کہ ان کے دو گروہوں میں سے کون ٹھیک شمار کرنے والا نکلتا ہے۔

Or deemest thou that the People of the Cave and the Inscription are a wonder among Our portents? When the young men Red for refuge to the Cave and said: Our Lord! Give us mercy from Thy presence and shape for us right conduct in our plight. Then We sealed up their hearing in the Cave for a number of years. And afterward We raised them up that We might knowwhich of the two parties would best calculate the time that they had tarried.

Marfat.com

مکہ کے مشرکین (عیسائی اور یہود) نے حضور اکرم ﷺ کا امتحان لینے کے لئے تین سوال کئے:

1۔ اصحاب کہف کون تھے؟

2۔ خضر علیہ السلام کی کیا حقیقت ہے؟

3۔ آپ کو ذوالقرنین کا قصہ معلوم ہے؟

ان قصوں کا تعلق عیسائیوں اور یہود کی تاریخ سے تھا لیکن عرب میں ان کا چرچا عام نہ تھا۔ یہ سوال کرنے سے اہل کتاب حضرات کا منشا یہ تھا کہ وہ معلوم کریں کہ رسول اکرم ﷺ غیبی علوم جانتے ہیں۔

روم کا شہر افیسس EPHEUSUS جس میں اصحاب کہف کا واقعہ پیش آیا تقریباً گیارہویں صدی قبل مسیح میں تعمیر ہوا تھا۔ بعد میں یہ بت پرستی کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ لوگ DAYANA ڈائنا نامی دیوی کی پوجا کرتے تھے۔ جس کی شہرت پوری دنیا میں تھی۔ دور دور سے لوگ اس کی پوجا کے لئے آتے تھے۔ شہر کے جادوگر، عامل، فال گر اور تعویز نویس دنیا بھر میں مشہور تھے۔ شام و فلسطین اور مصر تک ان کا فسوں چلتا تھا۔ اس کاروبار میں یہودیوں کا بھی بڑا حصہ تھا۔ جو اپنے علم کو حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ شرک اور اوہام پرستی پورے ماحول میں رچی بسی ہوئی تھی۔ عربی میں کہف وسیع غار کو کہتے ہیں۔

روایت ہے کہ ملک روم میں ایک بادشاہ تھا۔ جس کا نام دقیہ نوس تھا اس کی بہت وسیع سلطنت تھی۔ فوج اور لشکر کی تعداد کثیر تھی۔ ایک مرتبہ دوسرے ملک کے بادشاہ نے اس کے ملک پر چڑھائی کر دی۔ دقیہ نوس نے دشمن کا مقابلہ کیا۔ اور اسے فتح حاصل ہو گئی۔ دشمن بادشاہ مارا گیا۔ اس کے بیٹے گرفتار کر لئے گئے۔ بعض مؤرخین کے مطابق اس بادشاہ کے چھ بیٹے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں پانچ بیٹے تھے۔ بادشاہ روم نے ان سب کو اپنی خدمت میں رکھ لیا۔

قیصر روم خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔ سب سے اپنے آپ کو سجدہ کرواتا تھا۔ ایک روز رات کو سب بھائی مل کر بیٹھے اور صلاح و مشورہ کرنے لگے۔ بڑا بھائی بولا یہ ملعون ہمیں روز تنگ کرتا ہے۔ اور سجدہ بھی کرواتا ہے۔ ہم کو واجب ہے کہ اس کی خدمت سے باز رہیں۔ اور یہاں سے نکل جائیں اور اپنے خالق ارض و سما کی خدمت کریں جو آخرت میں ہمارے کام آئے۔ سب بھائیوں نے اس بات کو بسر و چشم قبول کیا۔ ایک بھائی بولا اب کسی صورت و تدبیر سے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ ایک بھائی نے تجویز دی۔ کہ جب بادشاہ چوغان کھیلنے جائے گا۔ تو میں چوغان میدان سے باہر پھینک دوں گا۔ جب میں اس کو لینے میدان سے باہر جاؤں تو تم لوگ بھی میرے پیچھے میدان سے باہر نکل آنا۔ اور کوئی پرانے کپڑے پہن لینا۔ سب اس تجویز پر متفق ہو گئے۔

دوسرے دن بادشاہ چوغان کھیلنے گیا اور ان لوگوں کو بھی ساتھ لے گیا۔ شام ہوئی کھیل ختم ہونے کے بعد تمام بھائیوں نے تجویز پر عمل درآمد کیا۔ اور آہستہ آہستہ دور ہوتے چلے گئے۔ اور بادشاہ کی حدود سے باہر چلے گئے۔

Marfat.com

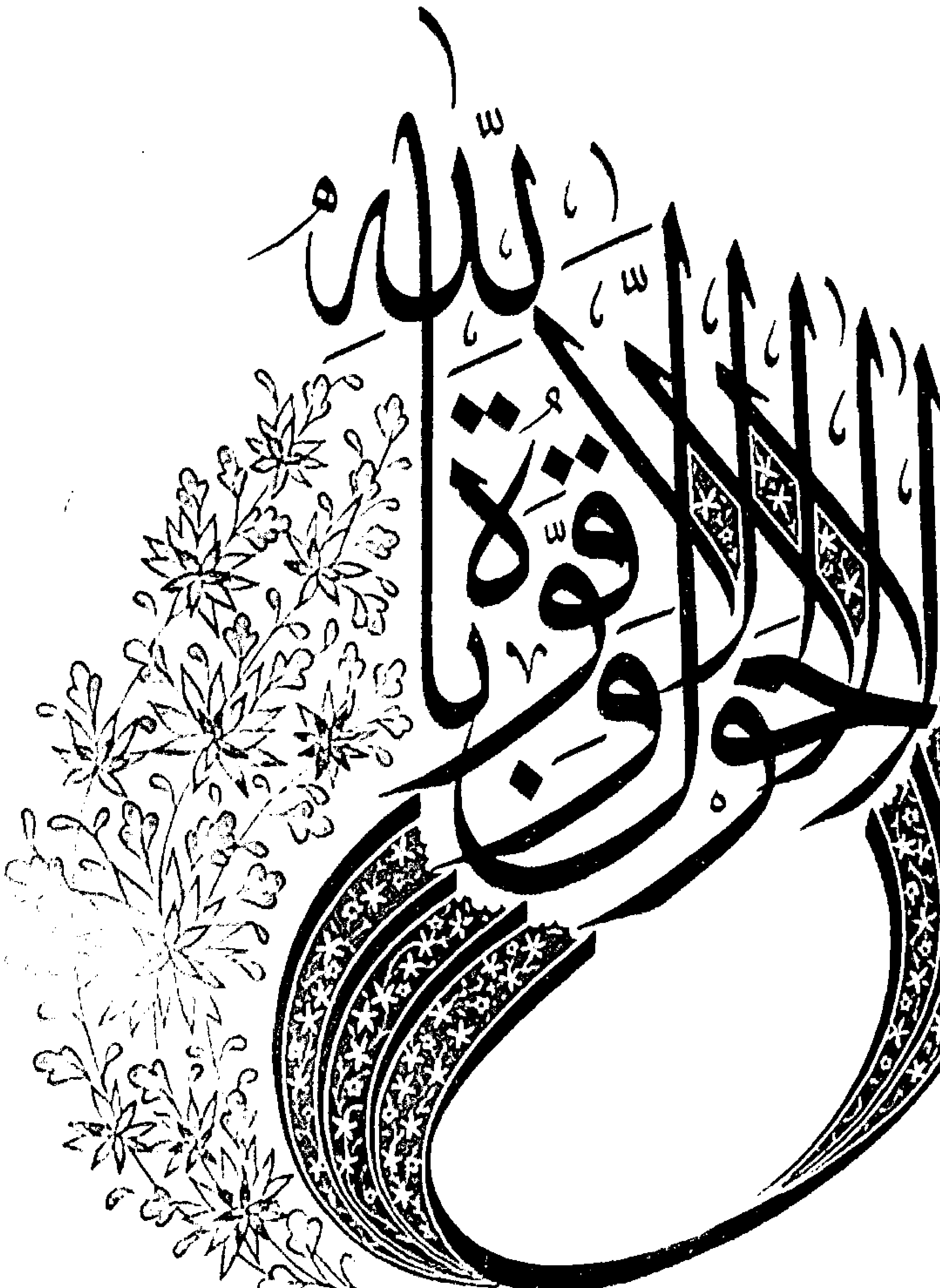

Marfat.com

Marfat.com

مسیح روایات کا خلاصہ:

گریگری آف ٹارس GREGORY OF TOURUS نے اپنی کتاب MERACULORUM LIBER میں اس قصے کی جو تفصیلات مسیح روایات کے مطابق جمع کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے بعد جب مسیحی دعوت رومی سلطنت میں پہنچنی شروع ہوئی تو اس شہر کے چند نوجوان بھی شرک سے تائب ہو کر خدائے واحد پر ایمان لے آئے۔

یہ سات نوجوان تھے ان کے مذہب کے تبدیل کرنے کی خبر سن کر قیصر ڈیسس نے ان کو طلب کیا اور پوچھا: تمہارا مذہب کیا ہے؟ انہیں معلوم تھا کہ قیصر پیروان مسیح کے خون کا پیاسا ہے۔ مگر انہوں نے بغیر کسی خوف کے کہا ہمارا رب وہ ہے جو زمین آسمان کا رب ہے اس کے سوا ہم کسی معبود کو نہیں مانتے اگر ہم ایسا کریں تو بہت بڑا گناہ کریں گے۔ قیصر یہ سن کر مشتعل ہو گیا اور غصہ سے بولا: "اپنی زبان بند کرو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ ابھی تم بچے ہو۔ میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اس مدت کے دوران اگر تم نے اپنا رویہ بدل لیا۔ اور اپنی قوم کی طرف پلٹ آئے تو خیر ورنہ تمہاری گردن مار دی جائے گی۔"

اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر یہ نوجوان شہر سے بھاگ نکلے اور پہاڑوں کی طرف چل نکلے تا کہ کسی غار میں چھپ جائیں راستے میں ایک کتا ان کے ساتھ ہو لیا۔ ایک بڑے غار کو اچھی جائے پناہ دیکھ کر اس میں چھپ گئے۔ کتا غار کے دہانے پر جا کے بیٹھ گیا۔ وہ تھکے ماندے تھے اس لئے فوراً سو گئے، قرآن کریم میں اس کا تذکرہ یوں ہے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾

کیا تم سمجھتے ہو کہ غار اور کھوہ والے ہماری کوئی بڑی عجیب نشانیوں میں سے تھے جب وہ چند نوجوان غار میں پناہ گزیں ہوئے اور انہوں نے کہا اے پروردگار ہم کو اپنی رحمت خاص سے نواز اور ہمارا معاملہ درست کر دے۔ تو ہم نے انہیں اسی غار میں تھپک کر سالہا سال کے لئے گہری نیند سلا دیا۔

(سورۃ کہف، پارہ 15، آیت 9 تا 11)

دقیہ نوس کو جب معلوم ہوا کہ یہ لوگ اس غار کے اندر چھپے ہوئے ہیں تو اس نے حکم دیا کہ اس غار کو ایک دیوار بنا کر بند کر دیا جائے تا کہ وہ اس میں مر جائیں اور غار ان کی قبر بن جائے۔ یہی ان کی سزا ہے۔

کچھ عرصہ بعد دقیہ نوس مر گیا زمانے گزرے سلطنتیں تبدیل ہو گئیں یہاں تک کہ ایک نیک بادشاہ فرمانروا ہوا۔ اس کا نام

Marfat.com

بیدروس تھا۔ اس نے 68 سال حکومت کی ملک میں جب حیات و ممات کے فلسفے پر فرقے بن گئے تو بعض لوگ مرنے کے بعد جی اٹھنے کے منکر ہو گئے۔ بادشاہ بہت فکر مند تھا وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کے دلوں میں موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا یقین پیدا ہو جائے اس نے گریہ زاری سے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی۔

"یارب کوئی ایسی نشانی ظاہر فرما جس سے تیری مخلوق کو مرنے کے بعد جی اٹھنے اور قیامت آنے کا یقین آجائے۔"

ایک شخص نے اپنی بکریوں کے لئے آرام کی جگہ حاصل کرنے کے لئے اسی غار کو منتخب کیا اور دیوار گرادی۔

دیوار گرانے والوں پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ بھاگ نکلے۔

لَوِاطَّلَعۡتَ عَلَيۡهِمۡ لَوَلَّيۡتَ مِنۡهُمۡ فِرَارًا وَّ لَمُلِئۡتَ مِنۡهُمۡ رُعۡبًا ﴿۱۸﴾

اگر تم کہیں جھانک کر انہیں دیکھتے تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور تم پر ان کے نظارے سے دہشت بیٹھ جاتی۔

(سورۃ کہف، پارہ 15، آیت 18)

اصحاب کہف بحکم الٰہی فرحاں اور شاداں اٹھے چہرے شگفتہ، طبیعتیں خوش، زندگی کی تروتازگی موجود۔ ایک نے دوسرے کو سلام کیا نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ فارغ ہو کر آپس میں پوچھنے لگے۔ ایک بولا کتنی دیر سوتے رہے؟ کسی نے کہا ہم سوتے رہے ایک دن یا اس سے کم۔

وَ لَبِثُوۡا فِیۡ كَهۡفِهِمۡ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيۡنَ وَازۡدَادُوۡا تِسۡعًا ﴿۲۵﴾

اور اصحاب کہف اپنے غار میں نو اوپر تین سو سال رہے"۔

(سورۃ کہف، پارہ 15، آیت 25)

اس کے بعد انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو چاندی کے چند سکے دے کر کھانا لانے کے لئے شہر بھیجا اور کہا ذرا احتیاط سے کام لینا کہیں لوگ تمہیں پہچان نہ جائیں۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر لوگوں کو پتہ چل گیا تو وہ ہمیں پکڑ لیں گے۔

وَ كَذٰلِكَ بَعَثۡنٰهُمۡ لِيَتَسَآءَلُوۡا بَيۡنَهُمۡ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ ؕ قَالُوۡا رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثۡتُمۡ ؕ فَابۡعَثُوۡۤا اَحَدَكُمۡ بِوَرِقِكُمۡ هٰذِهٖۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ فَلۡيَنۡظُرۡ اَيُّهَاۤ اَزۡكٰى طَعَامًا فَلۡيَاۡتِكُمۡ بِرِزۡقٍ مِّنۡهُ وَلۡيَتَلَطَّفۡ وَلَا

اب اپنے میں سے کسی کو چاندی کا یہ سکّہ دے کر شہر بھیجیں اور وہ دیکھے کہ سب سے اچھا کھانا کہاں ملتا ہے وہاں سے وہ کچھ کھانے کیلئے لائے اور چاہیئے کہ ذرا ہوشیاری سے کام کرے ایسا نہ ہو کہ وہ کسی کو ہمارے یہاں ہونے سے خبر دار کر بیٹھے۔ اگر کہیں ان لوگوں کا ہاتھ ہم پر پڑ گیا تو بس سنگسار ہی کر ڈالیں گے یا پھر زبردستی ہمیں اپنی ملت میں واپس لے جائیں گے اور ایسا ہوا تو ہم کبھی فلاح نہ پا سکیں گے۔

(سورۃ کہف، پارہ 15، آیت 19، 20)

Marfat.com

يُشۡعِرَنَّ بِكُمۡ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمۡ اِنۡ يَّظۡهَرُوۡا
عَلَيۡكُمۡ يَرۡجُمُوۡكُمۡ اَوۡ يُعِيۡدُوۡكُمۡ فِىۡ
مِلَّتِهِمۡ وَلَنۡ تُفۡلِحُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾

وہ شہر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دنیا ہی بدلی ہوئی ہے، سب لوگ مسیح ہو گئے ہیں اور ڈانا کو پوجنے والا کوئی نہیں ہے۔

کوتوال شہر:

ایک دکان پر پہنچ کر اس نے روٹیاں خریدیں اور دکاندار کو چاندی کا ایک سکّہ دیا جس پر دقیانوس کی تصویر تھی دکاندار یہ سکّہ دیکھ کر حیران ہو گیا پوچھا، تمہیں یہ سکّہ کہاں سے ملا۔ یمیلخا نے کہا، یہ میرا اپنا مال ہے دونوں میں تکرار ہونے لگی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ معاملہ کوتوال شہر تک جا پہنچا۔ کوتوال نے یمیلخا سے کہا، مجھے وہ دفینا بتاو جہاں سے تم یہ سکہ لائے۔ یہ صدیوں پرانا سکہ ہے تم تو ابھی جوان لڑکے ہو ہمارے بڑے بوڑھوں نے بھی کبھی یہ سکہ نہیں دیکھا۔ یہ ضرور کوئی راز ہے۔ یمیلخا نے جب یہ سنا کہ قیصر ڈیسیس کو مرے ہوئے زمانہ گزر چکا ہے تو وہ حیرت زدہ ہو گیا۔ اور کچھ دیر تک وہ دم بخود رہ گیا۔ پھر اسے ہوش آیا اس نے کہا کل ہی تو میں اور میرے ساتھی اس شہر سے بھاگ کر گئے تھے۔ اور ایک غار میں ہم نے پناہ لی تھی۔ تا کہ ڈیسیس کے ظلم سے بچے رہیں۔ میرے ساتھی قریب کے پہاڑ میں ایک غار کے اندر پناہ گزین ہیں۔ چلو میں تمہاری ان سے ملاقات کروادوں۔ حاکم شہر کے عمائدین اور ایک خلقت ان کے ہمراہ غار پر پہنچی۔

اصحاب کہف کے نام:

اصحاب کہف ساتھی کے انتظار میں تھے بہت بڑے ہجوم کو دیکھ کر وہ سمجھے کہ یمیلخا پکڑا گیا۔ اور دقیانوسی فوج ہماری تلاش میں آرہی ہے۔ وہاں پہنچ کر یہ امر پوری طرح تحقیق ہو گیا کہ یہ واقعی قیصر ڈیسیس کے زمانے کے لوگ ہیں اور اللہ کے حکم سے اتنی طویل مدت تک سوتے رہے اور اب اس لئے اٹھائے گئے ہیں کہ لوگوں کے لئے موت کے بعد زندگی کی دلیل بن جائیں حاکم نے تانبے کا صندوق دیکھا۔ اس کو کھولا تو ایک تختی برآمد ہوئی۔ اس تختی میں ان اصحاب کے اسماء اور ان کے کتے کا نام لکھا تھا جو یہ ہیں۔

مکسلمینا، یمیلخا، مرطونس، بینونس، ساربنونس، زونونس، کشفیط، طنونس اور ان کے کتے کا نام کتمیر تھا۔

یہ جماعت اپنے دین کی حفاظت کے لئے دقیانوس کے ڈر سے اس غار میں پناہ گزین ہوئی۔ دقیانوس نے خبر پا کر ایک دیوار سے انہیں غار میں بند کر دینے کا حکم دیا۔

[اصحاب کہف کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بعض لوگ کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ پانچ ہیں اور چھٹا ان کا کتا ہے اور بعض لوگ کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔ آپ ﷺ کہ

Marfat.com

دیجئے کہ میرا رب ان کا شمار خوب جانتا ہے۔اس ارشاد کے بعد اصحاب کہف کے ناموں کی تعداد متعیّن کرنا قرآن پاک کے مطابق نہیں ہے۔]

یہ لوح پڑھ کر سب کو تعجب ہوا اور لوگ اللہ کی حمد و ثنا بجالائے۔کہ اس نے ایسی نشانی ظاہر فرمادی جس سے موت کے بعد اٹھنے کا یقین حاصل ہوتا ہے۔حاکم نے اپنے بادشاہ بیدروس کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔امراء و عمائدین کو لے کر غار پر حاضر ہوا اور سجدہ شکر بجالایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی۔اصحاب کہف نے بادشاہ سے ملاقات کی اور اپنی خواب گاہ کی طرف چلے گئے۔

حکمت:

اس زمانے میں قیامت اور آخرت کے مسئلے پر زور و شور سے بحث جاری تھی یہودیوں کا ایک فرقہ "صدوقی" کھلم کھلا آخرت کا منکر تھا۔صدوقی توریت کی ایسی دلیلیں پیش کرتے تھے۔جن سے آخرت کی زندگی مشکوک ہو جاتی تھی۔اس کے ساتھ ساتھ عیسائی علماء کے پاس کوئی وزنی اور حتمی دلیل نہیں تھی۔جس سے وہ ثابت کر دیتے کہ اس دنیا کے بعد آخرت کی زندگی بھی ہے۔صدوقیوں کے شعور اتنے پست تھے کہ ان کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے بعد حساب کتاب کا عمل شروع ہو گا۔اس بحث و تمحیص میں منکرین آخرت کا پلّہ بھاری تھا۔اللہ تعالیٰ نے اس گمراہی کو ختم کرنے کے لئے اصحابِ کہف کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے کہ وہ کسی کو300 سال یا اس سے زیادہ سلا کر دوبارہ بیدار کر دے اور اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اس شخص یا اشخاص کی شکل و صورت میں کوئی تغیّر نہ ہو۔اللہ تعالیٰ جب اور جہاں چاہے غیر معمولی مظاہر عام ہو جاتے ہیں۔

حوالہ جات

1- کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ جلد سوم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب تین سوال، صفحہ نمبر212 تا218

Marfat.com

موضوع 84/ 77

اللہ کے دوست

سُوْرَۃُ الْکَہْفِ (THE CAVE)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ وَ
لَا تَعۡدُ عَيۡنٰكَ عَنۡهُمۡ‌ۚ تُرِيۡدُ زِيۡنَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا‌ۚ وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ
عَنۡ ذِكۡرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰٮهُ وَكَانَ اَمۡرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ: اور جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں۔ ان کے ساتھ صبر کرتے رہو اور تمہاری نگاہیں ان میں (گزر کر اور طرف) نہ دوڑیں کہ تم آرائش زندگانی دنیا کے خواستگار ہو جاؤ اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے۔

And keep yourself patiently with those who call on their Lord morning and afternoon seeking His Face; and let not your eyes overlook them, desiring the pomp and glitter of the life of the world; and obey not him whose heart We have made heedless of Our Rememberence, and who follows his own lusts and whose affairs has been lost.

حضرت غوث علی شاہ صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ گروہ کاملین تین قسموں پر منقسم ہے۔ کامل، اکمل اور مکمل۔

کامل:

کامل اس کو کہتے ہیں جو خود تو صاحب کمال ہو مگر کسی کو فیض اور فائدہ نہ پہنچا سکے۔

اکمل:

اکمل وہ ہے جو خود بھی صاحب کمال ہو اور فیضان باطنی اور ہدایت ظاہری سے اور اوروں کو فائدہ پہنچائے۔ یہ شخص اوّل سے بدرجہا بزرگ ہوتا ہے۔

Marfat.com

مکمل:

مکمل اس کو کہتے ہیں کہ اوروں کو مشیّتِ ایزدی اور تقدیرِ الٰہی کے موافق خواہ گھنٹہ میں خواہ مہینہ میں خواہ سال میں کامل اور مکمل بنادے اور جو کرامات اور مکاشفات اپنی ذات میں رکھتاہے مرید کو عطافرمادے اور ایسا شخص مذکورہ بالاسے بھی نہایت معظم اور مکرم ہوتاہے۔

گروہ مکمل کی تعلیم و تلقین کا طریقہ یہ ہے کہ اوّل طالب کو خاندان کے موافق بیعت کر کے ذکر ارشاد فرماتے ہیں خواہ اسم ذات خواہ نفی اثبات مگر اس زمانے کے مشائخین کی طرح سامنے بٹھا کر توجہ نہیں دیتے البتہ قلبی توجہ دیتے ہیں جہاں کہیں مرید ہو چاہے ہزار فرلانگ چاہے چند میل اس توجہ کا اثر طالب کے دل سے زائل نہیں ہوتا۔

حضور قلندر بابااولیاءؒ فرماتے ہیں:

"اولیاء اللہ کے دل ہدایت خلوص ایثار محبت اور عشق کے چراغ ہیں۔ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ایسے دوست ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ عزیز رکھتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اللہ کے دوستوں کا دشمن خدا اور اس کے رسول کا دشمن ہے۔ فرمایا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو شخص کہ دشمنی رکھے خدا کے کسی دوست کے ساتھ بے شک اس نے اللہ کے ساتھ لڑائی کا ارادہ کیا۔ تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے ایسے برگزیدہ پوشیدہ حال بندوں کو جن کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔

ایک روز امرائے عرب میں سے کچھ لوگ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوں لیکن یہ شکستہ حال اصحاب آپ کے ہم نشین ہیں اگر ہمیں تنہائی فراہم کر دی جائے تو ہم آپ سے دینی مسائل حاصل کر لیا کریں گے۔"

اللہ تعالیٰ دانا اور علیم و خبیر ہے جیسے ہی یہ بات ان کے منہ سے نکلی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ کریں جو اپنے رب کو صبح شام پکارتے ہیں اور اس کی دید کے متمنی رہتے ہیں آپ پر نہیں ہے ان کے حساب سے کچھ اور نہ آپ کے حساب میں سے ان پر ہے کچھ کہ آپ ان کو دور کرنے لگیں"۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اگر ان فقراء کو تھوڑی دیر کے لئے ہٹا دیا جاتا تو عرب کے بڑے بڑے امراء مسلمان ہو جاتے لیکن اللہ کی غیرت نے اس کو پسند نہیں کیا کہ اس کے دوستوں کو کوئی حقارت سے دیکھے۔

ایمان ایک ایسا جوہر ہے جس کی چاشنی اور حلاوت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ہے مگر یہ حلاوت اور چاشنی اسی بندے کو حاصل ہوتی ہے جو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اللہ کو دوست اور محبوب رکھتا ہے۔ وہ بندہ جو اللہ سے زیادہ دوسری چیزوں کو عزیز رکھتا ہے، اللہ کا سچا بندہ نہیں ہے۔ جب ہم دوستی اور محبت کا تذکرہ کرتے ہیں تو دوستی ہم سے کچھ تقاضے کرتی ہے اور وہ تقاضہ یہ ہے کہ دوستی ہمیشہ قربانی

Marfat.com

چاہتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ دوستی ایک ایسی قلبی کیفیت کا نام ہے جو ظاہراً آنکھوں سے نظر نہیں آتی۔ لیکن اِنسان کا عمل اس بات کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ اس کے اندر دوستی اور محبت کا سمندر موجزن ہے یا نہیں۔ ایک آدمی زبانی طور پر اگر اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے دوست سے دوستی یا محبت کرتا ہوں لیکن جب ایثار اور قربانی کا وقت آتا ہے تو وہ اپنے قول میں سچا ثابت نہیں ہوتا، بلاشبہ اس کی دوستی قابل تسلیم نہیں سمجھی جائے گی۔

اگر آپ اپنے اللہ، اپنے خالق سے متعارف ہو کر اس کی قربت اختیار کر کے کائنات پر اپنی حاکمیت قائم کرنا چاہتے ہیں تو اللہ کی مخلوق کی خدمت کو اپنا شعار بنا لیجئے۔ بلاشبہ اللہ کی مخلوق سے محبت رکھنے والے لوگ اللہ کے دوست ہیں اور دوست پر دوست کی نوازشات و کرامات کی ہمیشہ بارش ہوتی رہتی ہے۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 45، صفحہ نمبر 58

2۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 263، صفحہ نمبر 178

Marfat.com

موضوع 78/84

صاحب باطن

سُوْرَةُ الْكَهْفِ (THE CAVE)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِىَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا

حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾.........فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ

اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾

ترجمہ: جب تک دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں ہٹنے کا نہیں خواہ برسوں چلتا رہوں۔ جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے تو اس نے دریا میں سرنگ کی طرح رستہ بنالیا۔۔۔۔۔۔۔ پھر دونوں ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جس کو ہم نے اپنی خاص رحمت سے نوازا تھا اور جس کو اپنی طرف سے خاص علم عطا کیا تھا۔

I will not give up until I reach the point where the two rivers meet, though I march on for ages. And when they reached the point where the two met, they forgot their fish, and it took its way into the waters, being free ---------------Then found they one of Our slaves, unto whom We had given mercy from Us, and had taught him knowledge from Our presence.

صاحب باطن:

حضرت موسیٰؑ کے واقعات میں سے ایک اہم واقعہ اس ملاقات کا ہے جو ان کے اور ایک صاحب باطن کے درمیان ہوئی۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے:

"ایک روز حضرت موسیٰؑ تبلیغ کر رہے تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا اس زمانے میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا:

Marfat.com

"اللہ تعالٰی نے مجھے سب سے زیادہ علم عطا کیا ہے۔"

اللہ تعالٰی جَلَّ جَلَالُہٗ نے فرمایا:

"اے موسیٰ جہاں دو سمندر مجمع البحرین ملتے ہیں وہاں ہمارا ایک بندہ ہے جو بعض امور میں تم سے زیادہ عالم و دانا ہے۔"

حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا:

پروردگار اس بندے تک پہنچنے کا طریقہ کیا ہے؟

اللہ تعالٰی نے فرمایا:

مچھلی کو توشہ دان میں رکھ لو جس مقام پر مچھلی گم ہو جائے اسی جگہ وہ شخص ملے گا۔

حضرت موسیٰؑ نے مچھلی کو توشہ دان میں رکھا اور حضرت یوشعؑ کو ساتھ لے کر مَردِ صالح کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔

اس صاحب باطن سے ملاقات کے بعد حضرت موسیٰؑ اور وہ بندہ کشتی میں بیٹھے بندے نے کشتی میں سوراخ کر دیا پھر ایک گھر میں مہمان رہے اور ایک بچے کو قتل کر دیا۔ دیوار گرنے لگی تو بغیر معاوضے کے جبکہ وہ بھوکے پیاسے تھے اس دیوار کو بنا دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے جب اس بات پر اعتراض کیا تو اس بندے نے کہا کہ میں نے جو بھی کچھ کیا ہے اپنے رب کے حکم سے کیا ہے۔ اور پھر اس بندے اور حضرت موسیٰؑ میں جدائی ہو گئی اور حضرت موسیٰؑ نے اس بندے سے اقرار کیا۔ بے شک میں اپنی بات پر قائم نہیں رہ سکا۔

حضرت موسیٰؑ کا علم اس طرز سے وابستہ ہے جس طرز پر اچھائی اور برائی کا تصوّر قائم ہے اور اس بندے کا علم اس طرز سے وابستہ ہے جس طرز پر اللہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہاں یہ بتانا ہرگز مقصود نہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی حیثیت کم تھی یا اس بندے کی حیثیت زیادہ تھی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ تلاش کرتے ہوئے اس بندے تک پہنچے۔ جبکہ وہ بندہ حضرت موسیٰؑ تک نہیں آیا۔

اللہ تعالٰی بڑے قانون دان ہیں جس بندے کا ذہن مشیّت کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے وہ بجائے خود قانون بن جاتا ہے اور قانون پر عمل درآمد کرنا ہر بندے کے اوپر اور پوری کائنات کے اوپر واجب ہے۔

صاحبِ تکوین:

اس بندے نے گفتگو کے دوران یہ بھی بتایا کہ یہ اللہ کی حکمت ہے کہ اس نے مجھے یہ علم (تکوین) عطا فرمایا۔

صاحبِ ارشاد:

اور آپ کو یعنی حضرت موسیٰؑ کو وہ علم یعنی (ارشاد کا) علم عطا فرمایا ہے۔

Marfat.com

موضوع 79/84 **کُن فیکون** BE! AND IT IS

سُوْرَۃُ مَرْیَمَ (MARY)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

When He decreeth a thing, He saith unto it only: Be! and it is.

آغازِ کائنات:

کائنات کا یکجائی پروگرام اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ اللہ کے علم میں کائنات کے خدوخال جس طرح موجود ہیں ان کا مظاہرہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے "کُن" فرمایا اور کائنات بن گئی۔ جب کائنات بن گئی تو کائنات کو صرف اپنے وجود کا علم تھا۔ کائنات کے افراد یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کون ہیں؟ کیوں ہیں؟ اور ان کو تخلیق کرنے والی ہستی کون ہے؟ اس جمود کو توڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ خود کائنات کے سامنے آ گئے۔ اور کہا، "میں ہوں تمہارا رب" کائنات کے افراد کو سب سے پہلے جس چیز کا علم ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی آواز تھی۔ کائنات جب اس آواز کی طرف متوجہ ہوئی تو اس نے دیکھا کہ ایک ہستی ہے جو رب کی حیثیت سے اپنا تعارف کرا رہی ہے۔ یعنی ایک ایسی ہستی جس نے تمہیں پیدا کیا تمہیں علم بخشا تمہیں سماعت اور نگاہ منتقل کی اور تمہارے لئے وسائل پیدا کئے۔

جب ہم انسان کا تذکرہ اس وقت کے حالات میں کرتے ہیں جب اسے سماعت اور نگاہ نہیں منتقل ہوئی تھی تو ہم اسے صرف احساس کا نام دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کا اعلان کیا اور کائنات نے یہ آواز سن کر اللہ تعالیٰ کی طرف نگاہ اٹھائی اور اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر اس کی ربوبیت کا اقرار کیا تو اسے اپنے ہونے کا ادراک مل گیا۔ لیکن رمز کی بات یہ ہے کہ انسان کو سب سے پہلے نگاہ منتقل ہوئی یعنی انسان نگاہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اسی بات کو مولانا روم رحمۃ اللہ نے اس طرح فرمایا ہے کہ آدمی نگاہ ہے۔ اس کے علاوہ باقی سب فکشن ہے۔ اور نگاہ یہ ہے کہ آدمی اس بات سے واقف ہے کہ میں مخلوق ہوں اور میرا بنانے والا اللہ ہے۔ جب آدم کی نظر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے اوپر نہیں ٹھہری اس کی حیثیت صرف ایک احساس کی تھی اور جب اس کی نگاہ اللہ تعالیٰ کے اوپر ٹھہر گئی تو اس کی حیثیت علم کی بن گئی اور اس کے اندر سننے دیکھنے کے حواس پیدا ہو گئے۔

Marfat.com

کُن فیکوُن کی تشریح:

کن فیکون کی مختصر تشریح اس طرح ہے:

1۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ چیز ہو چکی اور ماضی میں چلی گئی۔

2۔ نہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز ہو رہی ہے اور نا مکمل ہے۔

3۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کہ وہ چیز نافذُ العمل ہے اور مکمل ہے یعنی مکمل صورت میں نافذ العمل ہے۔وضاحت اس کی یہ ہوئی کہ وہ چیز لازمانیّت میں مکمل ہو چکی اور زمانیّت میں نافذ العمل ہے۔

4۔ صرف ایک سیکنڈ (وقفہ کا چھوٹے سے چھوٹا یونٹ) ہے جو حقیقی ہے اور اس ایک سیکنڈ کی تقسیم سے اَزلُ تا اَبدَ کا وجود صادر ہوا ہے یعنی وہ ایک حقیقی سیکنڈ تقسیم ہو کر وقت کے لامتناہی یونٹوں میں رونما ہو رہا ہے۔

5۔ اس ایک سیکنڈ کے تکوینی مراحل کا اظہار اس عمل پر ہے کہ اس کی تقسیم لامتناہی یونٹوں کی شکل و صورت اختیار کرلے۔اس شکل و صورت کا نام مظاہر کائنات یا عالم ناسوت، جبروت اور لاہوت ہے۔

کُن اور کائنات کی تخلیق:

کائنات کی تخلیق اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر جب ہم غور کرتے ہیں، جس ارشاد کی بنا پر کائنات اپنے تمام تخلیقی اجزاء اور عناصر کے ساتھ موجود ہوگئی تو ہم اس کے علاوہ دوسری کوئی بات نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم کائنات کی صورت میں وجود پذیر ہو گیا۔ جس حکم کی بنا پر وسیع و عریض اور لامتناہی کائنات، کھربوں کہکشانی نظام، سنکھوں کی تعداد میں سیارگان اور کروڑوں کی تعداد میں ستارے یا STARS وجود میں آنے کا سبب صرف اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ہے اور وہ حکم کیا ہے، "کُن" ۔

کُن کا مطلب ہے "ہو جا"۔ جب ہم اِس "ہو جا" کے اوپر غور کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ "ہو جا" کہنے والی ہستی کے ذہن میں کوئی ایسا پروگرام ہے جس پروگرام کے تحت وہ کسی چیز کو نہ صرف یہ کہ وجود میں لانا چاہتا ہے بلکہ اسے قائم رکھنے کے لئے وسائل بھی فراہم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ کیا ہو جا، صرف یہ فرمایا "کن" یعنی ہو جا۔ کیا ہو جا؟ یہ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذہن اللہ تعالیٰ کا عِلم ہے اور اللہ تعالیٰ کا تمام کا تمام عِلم اللہ تعالیٰ کی صِفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب کُن فرمایا تو کائنات موجود ہونے کے ساتھ ساتھ کائنات کے اندر وہ تمام صفات بھی موجود ہو گئیں۔ جن صفات کے اوپر اللہ تعالیٰ نے کائنات کو تخلیق کیا ہے۔ پھر اس تخلیق میں ایک نئی بات پیدا ہوئی۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بنائی ہوئی تخلیق کو نظر عطا کی اور نظر فعال اور متحرک بنانے کے لئے ارشاد فرمایا۔ "اَلَستُ بِرَبِّکُم" میں ہوں، میں تمہارا رب۔

اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمایا کہ میں تمہارا رب ہوں تو کائنات میں موجود تمام تخلیقات، بشمول فرشتے، اِنسان اور جنّات، سب نے برملا یہ کہا۔ "جی ہاں ! ہم یہ بات جانتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں۔ " اللہ تعالیٰ کے یہ فرمانے سے پہلے کہ میں تمہارا رب ہوں کائنات

Marfat.com

کی حیثیت ایک گونگی، بہری شے کی تھی۔ اس کو اپنا ادراک تو تھا لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ میں کیا ہوں، کیوں ہوں، کون ہوں اور میرا بنانے والا کون ہے؟ یہ نہ جاننا کہ میں کون ہوں، کیوں ہوں اور میرا بنانے والا کون ہے۔ اس بات کی علامت ہے کہ کائنات کو ابھی نظر نہیں ملی تھی۔ اس کائنات میں چونکہ بنیادی حیثیت اِنسان کی ہے اس لئے ہم کائنات کی بجائے اِنسان کا تذکرہ کرینگے۔ کسی جگہ بے شمار اِنسان موجود ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ ہم کون ہیں؟ کیا ہیں، کیوں ہیں اور ہمارا بنانے والا کون ہے؟ اس لاعلمی کو علم سے بدلنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ اقدس کو کائنات کے سامنے پیش کیا اور با آواز بلند فرمایا۔ "میں تمہارا رب ہوں۔" کائنات یا اِنسان اس آواز کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا اعتراف کیا۔ اب اس بات کو اس طرح کہا جائے گا کہ نظر کا پہلا ٹارگٹ یا مرکزیت اللہ ہوا۔ اللہ کو دیکھنے کے بعد اللہ کا عکس دماغ کے اوپر منتقل ہوا۔

یہی نظر کا قانون ہے یعنی آنکھ کسی عکس کو قبول کر کے دماغ کی سکرین پر منتقل کرتی ہے۔ یہ منتقلی پندرہ سیکنڈ ہلکی گہری قائم رہ کر تبدیل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے پیش نظر ہم یہ جانتے ہیں کہ نظر اس وقت کام کرتی ہے۔ جب نظر کے لئے کوئی مرکزیت ہو، اِنسان کی نظر کی پہلی مرکزیت اللہ ہے۔ اس دنیا میں آنے کے بعد مرکزیت میں تبدیلی واقع ہوئی۔ ہم علم حضوری سے ہٹ کر ہم علم حصولی کے جال میں بند ہو گئے۔ نتیجے میں ہماری نگاہ کی مرکزیت مفروضہ اور فکشن حواس بن گئے۔ لیکن قانون اپنی جگہ بحال رہا جس طرح حقیقت دماغ کی سکرین پر منتقل ہوتی ہے اسی طرح فکشن حواس بھی دماغ کی سکرین پر منتقل ہوتے ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے فکشن حواس کی منتقلی ہمیں پابند حواس میں قید رکھتی ہے اور غیر فکشن حواس کی منتقلی ہمیں آزاد حواس سے روشناس کراتی ہے۔

نسبت اور طرزِ فکر:

رُوحانی سلسلوں، اسباق، قواعد وضوابط، اعمال واشغال، تفکّر، مراقبہ، تصورِ شیخ ان تمام باتوں کو بہ نظر غائر دیکھا جائے تو ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ کسی ہستی کو مرکزیت بنا کر بار بار دماغ کی سکرین پر منتقل کیا جائے۔ جتنا زیادہ ایک خیال یا ایک مرکزیت دماغ کی سکرین پر منعکس ہوتی ہے اسی مناسبت سے دماغ کا ایک پیٹرن بن جاتا ہے اور یہی پیٹرن تصوف کی اصطلاح میں طرزِ فکر ہے۔ ہم جب استاد، پیرو مرشد یا شیخ کا تصور کرتے ہیں تو ازلی قانون کے مطابق شیخ کے اندر کام کرنے والی اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم بار بار ہمارے دماغ کے اوپر وارد ہوتا ہے اور جیسے جیسے شیخ کے اندر کام کرنے والی روشنیاں سالک کے اندر منتقل ہوتی ہیں۔ اسی مناسبت سے سالک کا ذہن شیخ کی روشنیوں کو قبول کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ شیخ اور مرید کا ذہن ایک نقطہ پر قائم ہو جاتا ہے۔

اسی کو تصوف کی اصطلاح میں نسبت قرار دیا گیا ہے۔ رُوحانیت میں نسبت حاصل کرنے کا اہم ذریعہ اپنے مرشد سے قربت کا حاصل ہونا ہے۔ جُوں جُوں اس قُربت میں اضافہ ہوتا ہے مرید میں محبت وعشق کی لہریں موجزن ہوتی ہیں اسی مناسبت سے شیخ کا ذہن منتقل ہوتا رہتا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ شیخ کے اندر کام کرنے والی روشنیاں اور انوار بلکہ اللہ تعالیٰ کی تجلّیات بھی سالک کو حاصل

Marfat.com

ہو جاتی ہیں یا سالک ان انوار اور تجلّیات سے متعارف ہو جاتا ہے۔

اس صورت کا نام تصوّف میں "فنافی الشیخ" ہے۔ شیخ کی روشنیاں اور شیخ کے اندر کام کرنے والے انوار اور تجلّیات بھی شیخ کا اپنا ذاتی وصف نہیں ہیں۔ جس طرح ایک سالک نے اپنی تمام تر توجہ اور ذہنی ارتکاز کے ساتھ شیخ کے علم اور شیخ کی صفات کو اپنے اندر منتقل کیا ہے اسی طرح شیخ نے اپنی تمام تر توجہ کے ساتھ سیّدنا حضور ﷺ کے علم اور صفات کو اپنے اندر منتقل کیا ہے۔ فنافی الشیخ کے بعد شیخ کے اندر کام کرنے والی وہ صلاحیتیں سالک کے اندر بیدار اور متحرک ہو جاتی ہیں جن صلاحیتوں کی بنیاد پر شیخ نے سیّدنا حضور ﷺ کی نسبت حاصل کی ہے۔ اس مقام کو تصوّف میں "فنافی الرسول" کہا جاتا ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ اتنی بات ضرور ہے کہ میرے اوپر وحی آتی ہے۔ بشریت کے دائرے سے باہر ہو کر دیکھا جائے تو حضور ختم المرسلین ﷺ کی فضیلت یہ ہے کہ ان کے اوپر وحی نازل ہوتی ہے اور وحی خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے یعنی سیّدنا حضور ﷺ کے ذہن مبارک پر اللہ تعالیٰ کے علوم، اللہ تعالیٰ کے انوار اور اللہ تعالیٰ کی تجلّیات منعکس ہوتی ہیں۔ فنافی الرسول کے بعد کوئی سالک قدم بقدم محبت و عشق اور گداز کے ساتھ حضور ﷺ کے علوم کا عارف ہوتا رہتا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ حضور ﷺ کے علوم سالک کو اس کی استطاعت کے مطابق حاصل ہو جاتے ہیں۔ جتنی استطاعت کسی سالک کے اندر موجود ہے اور جس مناسبت سے حضور ﷺ کے علوم اسے منتقل ہوئے اسی مناسبت سے وہ حضور ﷺ کی نسبت سے فائز ہوا۔ تصوّف میں اس نسبت کو نسبت محمدی ﷺ کہا جاتا ہے۔ نسبت محمدی ﷺ حاصل ہونے کے بعد سالک کا ذہن اللہ تعالیٰ کی صفات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور بالآخر وہ حضور ﷺ کی نسبت اور ہمت کے وسیلے سے اس مقام پہ جا ٹھہرتا ہے جس مقام پہ رہتے ہوئے اس نے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ جی ہاں! آپ ہمارے رب ہیں۔ اس نسبت کو تصوّف میں نسبت وحدت کہا جاتا ہے اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ فضل فرمائیں تو وہ مقامات کھلتے ہیں جن کے بارے میں لکھنا یا بتانا، شعوری سکت سے باہر ہے۔ مقصد اس تمام گفتگو کا یہ ہے کہ اِنسان کے اندر دماغ ایک ایسی سکرین ہے جس پہ عکس مسلسل اور متواتر بغیر وقفہ کے منتقل ہوتا رہتا ہے یہ الگ بات ہے کہ عکس کی معنویت جدا جدا ہے اگر عکس کی یہ منتقلی علمِ حصولی کے دائرہ کار میں ہے تو اس علم کی تمام معنویت مفروضہ اور فکشن ہے اور اگر اس عکس کی منتقلی علمِ حضوری کے دائرہ کار میں ہے تو عکس کے اندر موجود تمام علوم حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں لیکن قانون تو اپنی جگہ قانون ہے۔ جب تک ذہنِ اِنسانی پر کوئی عکس منتقل نہیں ہوتا۔ اِنسان کی نظر کام نہیں کرتی۔ یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ آدمی اندھا ہے، اس کی آنکھیں نہیں ہیں۔ وہ بھی دوسری چیزوں کو محسوس کرتا ہے سمجھتا ہے، ان کی علمی حیثیت کو جانتا ہے۔ ہم یہ بتا چکے ہیں کہ دیکھنے کا عمل ڈیلوں کی حرکت اور پلک جھپکنے پر قائم ہے۔

اس ساری گفتگو کا لب لباب یہ ہوا کہ رُوحانی علوم حاصل کرنے کے لئے نسبت حاصل ہونا ضروری ہے۔ نسبت سے مراد دراصل اس استاد یا پیرو مرشد کی طرز فکر ہے جس سے رُوحانی علوم منتقل ہوتے ہیں۔ رُوحانی علوم منتقل ہونے سے مراد ہے کہ یہ ایک

Marfat.com

قسم کا ایسا ورثہ ہے جو شیخ کی رُوحانی اولاد کو منتقل ہوتا ہے۔ جس طرح ایک باپ کی دنیاوی دولت اولاد میں تقسیم ہوتی ہے۔ نسبت یا طرز فکر کے دو رُخ ہیں ایک رُخ یہ کہ ایسے بندے کی طرز فکر منتقل ہو جس کے ذہن میں دنیاوی جاہ و جال، عزّت و شہرت کی اہمیت ہو۔

دوسری نسبت یہ ہے کہ ایسے استاد کی طرز فکر منتقل ہو جس کی طرز فکر میں اور جس کے ذہن میں دنیاوی جاہ و جلال کی کوئی خاص وقعت نہ ہو۔ اس حد تک وہ دنیا سے متعلق ہو کہ اس کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ ضروریات کے سلسلے میں بھی اس کی طرز فکر میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بنیادی طور پر دنیاوی ضروریات کم سے کم ہونی چاہئیں۔

موجودات کی حیثیت علم کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ علم حقیقت ہے اور لاعلمی لاموجود ہے۔ علم کی حیثیت اور علم کی تفصیلات ہمیں اللہ تعالیٰ کے اسماء سے منتقل ہوتی ہیں یہ وہی علم ہے جو اللہ نے آدم کو سکھایا ہے۔

علم کی درجہ بندی چار درجوں میں قائم ہے۔ صفت کی پہلی موجودگی کا نام "اطلاق" ہے۔ دوسری موجودگی کا نام "عین" ہے۔ تیسری موجودگی کا نام "کون" ہے اور تینوں موجودگیوں کی یکجائی کا نام "مظہر" ہے۔

1۔ "اطلاق" صفت کی پہلی موجودگی

2۔ "عین" صفت کی دوسری موجودگی

3۔ "کون" صفت کی تیسری موجودگی

4۔ "مظہر" تین صفات کا یکجا ہونا

اگر ہم اللہ تعالیٰ کے ذہنی پروگرام کو ایک فلم کا نام دے دیں اور اس فلم کو نشر کرنے والی روشنیوں کو "کُن" قیاس کر لیں تو بات آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود کائنات کی فلم اس وقت نشر ہوئی جب "کُن" سے سوئچ آن ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا اپنا ذاتی علم اللہ تعالیٰ کے اپنے ارادے کے ساتھ حرکت میں آگیا۔ یعنی کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کے علم کا مظاہرہ ہے۔ زندگی کی ہر حس اور زندگی میں کام آنے والے تمام حواس علم کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "شرح لوح و قلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب کثرت کا اجمال، صفحہ نمبر 47 تا 48

2۔ کتاب "توجیہات" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب حقیقت پسندانہ طرزِ فکر" صفحہ نمبر 96 تا 101

3۔ کتاب "شرح لوح و قلم" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب علم لدنی صفحہ نمبر 77 تا 78

Marfat.com

موضوع 80/84 **دوست احباب کے آداب**

سُوۡرَۃُ مَرۡیَمَ (MARY)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾

ترجمہ: جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عملِ صالح کر رہے ہیں ان کے لئے رحمٰن عنقریب لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔

Verily, those who believe and work deeds of righteousness, the most gracious (Allah) will bestow love for them (in the hearts of beleivers)

جن لوگوں کا کردار اچھا ہوتا ہے حق تعالیٰ ان کو دوست بنا لیتے ہیں یا انہیں دوستی کے قابل بنا دیتے ہیں اس لئے کہ وہ حقوق پورے کرتے ہیں۔ سالکین کو چاہئے کہ وہ کسی کے ساتھ محبت محض اللہ تعالیٰ کے لئے کریں نہ کہ نفسانی خواہش اور کسی غرض اور کسی مراد کے حصول کے لئے۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے:

"ہر شخص اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر ایک کو سوچنا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔"

سالکین کے لئے ضروری ہے کہ وہ نیک لوگوں کو ساتھ میل جول رکھیں اور ان لوگوں کے ساتھ میل جول رکھیں جن کو اِس سے کوئی فائدہ حاصل ہو۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"کمال تقویٰ یہ ہے کہ تُو اسے دین کا علم سکھائے جو کچھ نہیں جانتا۔"

اِنسان وہی دین وراستہ اختیار کرتا ہے جس پر اس کے دوست گامزن ہوتے ہیں۔ اگر نیک لوگوں سے صحبت ہوگی تو خود اگرچہ برا ہی کیوں نہ ہو نیکی کی طرف آئے گا اور ان کی صحبت انہیں نیک کر دے گی اور اگر برے لوگوں کے ساتھ صحبت رکھتا ہے تو اگرچہ خود نیک ہو بالآخر خود بھی برا ہو جائے گا۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

Marfat.com

"اِنسان جب کسی کوئلے کی دُکان جا کر بیٹھتا ہے اور کچھ دیر بیٹھنے کے بعد جب وہ وہاں سے واپس آتا ہے تو وہ اپنے کپڑوں پر ان کوئلوں کی سیاہی دیکھے گا اگرچہ کہ اس نے کاروبار نہ ہی کیا ہو۔ اور اِنسان جب کسی عطر فروش کی دکان پر بیٹھتا ہے اور کچھ دیر کے بعد واپس جاتا ہے تو اس کے کپڑوں سے عطر کی خوشبو آئے گی حالانکہ اس نے عطر کا کاروبار نہیں کیا۔"

دوسروں کی صحبت بڑا اثر رکھتی ہے اِنسان دوسروں سے شعوری اور لاشعوری طور پر متاثر ہوتا ہے۔ اہل طریقت کے نزدیک محبت ایک فریضہ کا درجہ رکھتی ہے۔

دوستوں کی صحبت میں بیٹھ کر وہی رجحانات اور خیالات پیدا ہوتے ہیں جو دوستوں میں کام کر رہے ہیں۔ قلبی لگاؤ اسی سے بڑھانا چاہیئے جس کا ذوق، افکار وخیالات اور دوڑ دھوپ اسوہ حسنہ کے مطابق ہو۔ دوستوں پر اعتماد کیجیئے، انہیں افسردہ نہ کیجیئے۔ ان کے درمیان ہشاش بشاش رہیئے۔ دوستی کی بنیاد خلوص، محبت اور رضائے الٰہی پر ہونی چاہیئے نہ کہ ذاتی اغراض پر۔ ایسا رویہ اپنائیے کہ دوست آپ کے پاس بیٹھ کر مسرت، زندگی اور کشش محسوس کرے۔

دوستوں کے انتخاب میں اس بات کو پیش نظر رکھیئے کہ جس سے آپ تعلق بڑھا رہے ہیں اس کے رجحانات اور اس کی سوچ کیسی ہے؟ اس کے خیالات صحت مند اور سوچ تعمیری ہے یا نہیں؟ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ اور رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے معاملے میں اس کے اندر کتنا ایثار ہے۔

دوستوں سے ربط اور تعاون بالخصوص اور دیگر لوگوں سے محبت بالعموم اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی رضا کے لئے رکھیئے۔ اس میں منفعت اور غرض کا پہلو ہرگز نہ ڈھونڈیے۔

حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے:

"قیامت میں خدا فرمائے گا وہ لوگ کہاں ہیں جو صرف میرے لئے لوگوں سے محبت کیا کرتے تھے۔ آج میں ان کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا۔"

اپنی اور اپنے دوستوں کی مصروفیات میں اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے معاملات کو مرکزی حیثیت دیجیئے۔

حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مجھ پر واجب ہے کہ میں ان لوگوں سے محبت کروں جو لوگ میری خاطر آپس میں محبت اور دوستی کرتے ہیں اور میرا ذکر کرنے کے لئے ایک جگہ جمع ہو کر بیٹھتے ہیں اور میری محبت کے سبب ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور میری خوشنودی چاہنے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں"۔

Marfat.com

Marfat.com

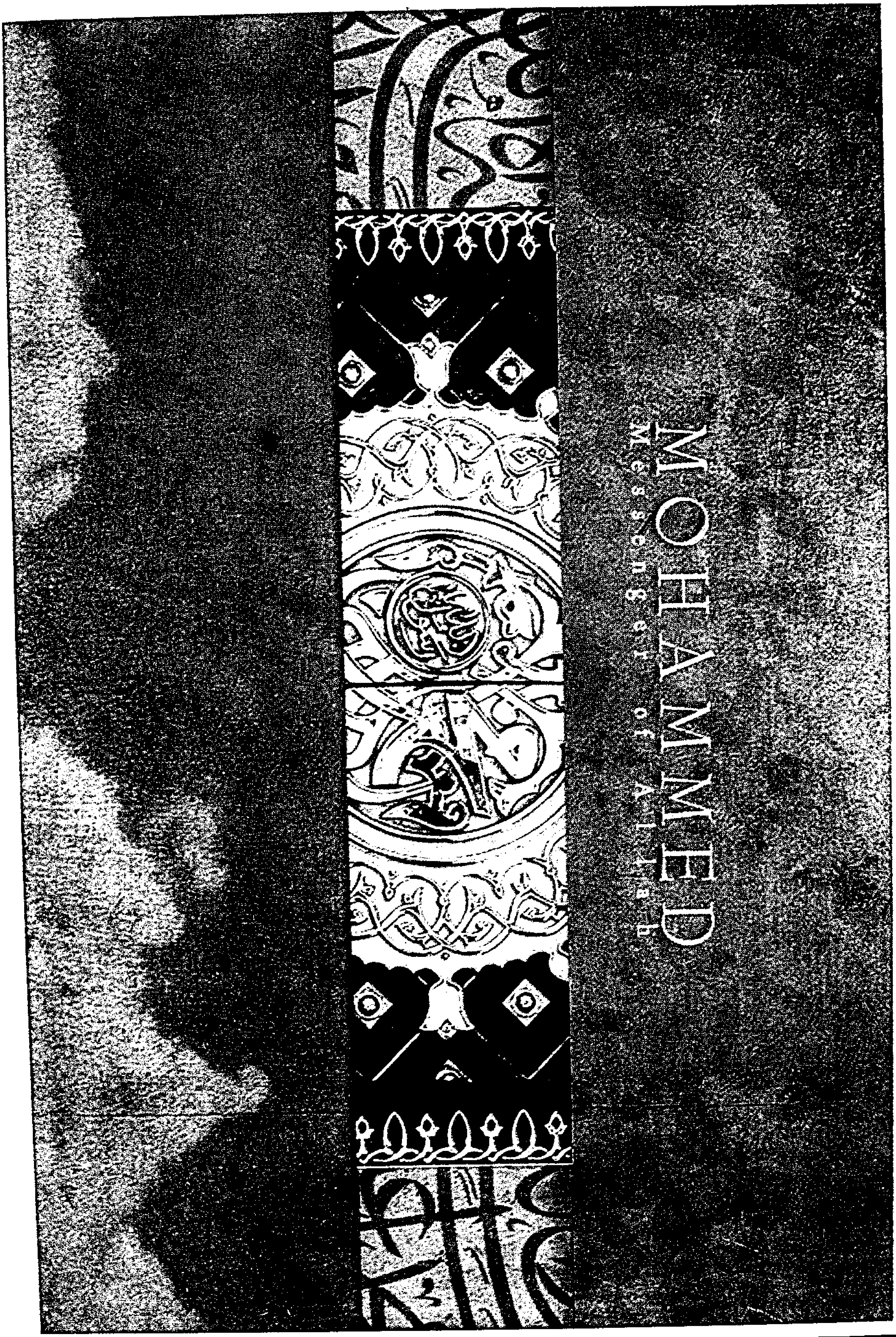

Marfat.com

موضوع 84 / 81 — **حضرت ادریسؑ**

سُوْرَةُ مَرْيَمَ (MARY)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝

ترجمہ: اس مقدس کتاب (قرآن مجید) میں ادریس کا ذکر کیجیے بلاشبہ وہ بھی نہایت سچے نبی تھے۔ اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھالیا تھا۔

And mention in the Book (Al Quran) Idris. Verily, He was a man of truth, (and) a Prophet. And We raised him to a high station.

نام ونسب اور جائے پیدائش:

حضرت ادریسؑ مصر کے شہر "منفیس" یعنی "منف" میں پیدا ہوئے۔ لوگ انہیں "ہرمس الہرامسہ" کہتے تھے یہ سریانی زبان کا ایک لفظ ہے۔ "ہرموس" کا معنی ہے "تجربہ کار، مضبوط رائے والا"۔ بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ آپ بابل شہر میں پیدا ہوئے۔ پھر ہجرت کر کے مصر پہنچے۔

علمِ انساب کے اکثر علماء کے مطابق حضرت ادریس علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے سلسلہ نسب میں شامل ہیں۔ آدم علیہ السلام اور شیث علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے انہیں نبوت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کا نام قرآن میں دو مقامات پر آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝

اس مقدس کتاب (قرآن مجید) میں ادریس کا ذکر کیجیے بلاشبہ وہ بھی نہایت سچے نبی تھے۔ اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھالیا تھا۔
(سورۃ مریم، پارہ 16، آیت 56، 57)

Marfat.com

وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِدۡرِیۡسَ وَ ذَا الۡکِفۡلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿ۚۖ۸۵﴾ وَ اَدۡخَلۡنٰہُمۡ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّہُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۸۶﴾

اور (اے نبی) اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل کا ذکر کیجیے۔ یہ سب صابر لوگ تھے۔ ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمایا۔ بلاشبہ یہ نیک لوگ تھے۔ (سورۃ الانبیا، پارہ 17، آیت 85،86)

سورہ مریم کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے انہیں نبی اور راست باز قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

وَّ رَفَعۡنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا

اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھالیا تھا۔

صحیحین میں مذکور معراج کی احادیث سے ہوتی ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ چوتھے آسمان پر ان سے رسول ﷺ کی ملاقات ہوئی تھی۔ [حوالہ: صحیح البخاری، الصلاۃ باب کیف فرضت الصلوۃ فی الاسراء، حدیث149 صحیح مسلم الایمان باب الاسرا برسول اللہ ﷺ ۔۔۔ الحدیث164]

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ الیاس علیہ السلام اور ادریس علیہ اسلام ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ [صحیح البخاری، احادیث الانبیا، حدیث 3342] اس کی تائید میں حضرت انس سے مروی معراج کی حدیث پیش کی جاتی ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ جب نبی ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے آپ ﷺ کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا تھا: "نیک بھائی اور نیک نبی کو خوش آمدید"۔

جبکہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ اسلام نے فرمایا تھا: "نیک نبی اور نیک بیٹے کو خوش آمدید"۔ اگر ادریس علیہ السلام آپ کے اجداد میں سے ہوتے تو وہ ان دونوں کی طرح آپ کو بیٹا کہتے۔

لیکن یہ استدلال ایسا نہیں کہ جس کا جواب نہ دیا جاسکے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ راوی کو الفاظ اچھی طرح سے یاد نہ رہے ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسر نفسی کرتے ہوئے خود کو باپ کے بجائے بھائی کہا ہو۔ آدم علیہ السلام تو تمام انسانوں کے باپ ہیں۔ اس لئے ان کا نبی کو بیٹا کہنا ہی مناسب تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں۔ جو اولوالعزم پیغمبروں میں نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان سب حضرات پر درود و سلام نازل ہو۔

قلم کے موجد:

امام بن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام ہی نے سب سے پہلے قلم سے لکھا۔ ان کی پیدائش کے وقت حضرت آدم علیہ السلام حیات تھے۔ اور آدم علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کی عمر 308 سال تھی۔ [حوالہ: البدایۃ والنہایہ: 1/ 92]

Marfat.com

حضرت عمرؓ کا قبول اِسلام

موضوع 84/ 82

HAZRAT UMAR'S ACCEPTENCE OF ISLAM

سُوْرَةُ طٰهٰ (TAHA)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰهٰ ۚ ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۳﴾
تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿۴﴾ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى
﴿۵﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾ وَاِنْ
تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿۷﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ
الْحُسْنٰى ﴿۸﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۹﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ
اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿۱۰﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا
نُوْدِىَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّىْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾
وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِىْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِىْ ۙ
وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: طٰہٰ - اے نبی ہم نے یہ قرآن تم پر اس لئے نہیں نازل کیا ہے کہ تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ- یہ تو ایک نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ سے ڈریں- یہ (قرآن) نہایت اہتمام کے ساتھ اس ذات کی طرف سے اتارا گیا ہے جس نے زمین اور بلند

Marfat.com

آسمان کو پیدا کیا ہے۔ وہی رحمٰن سلطنت کے تخت پر قائم ہے۔ اسی کے اختیار میں ہے وہ سب کچھ جو زمین و آسمان اور ان کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے۔ چاہے تم اپنی کوئی بات بلند آواز سے کہو (یا چپکے سے) وہ اعلانیہ اور پوشیدہ سب کو جانتا ہے۔ اللہ ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور تمام اچھی صفتیں اسی کے لئے ہیں۔ کیا موسیٰؑ کی سرگزشت تمہارے علم میں آئی ہے (یہ اس وقت کی بات ہے) جب اس نے ایک شعلہ دیکھا تو اس نے اپنے خاندان والوں سے کہا: ذرا ٹھہرو، مجھے آگ نظر آئی ہے۔ (میں وہاں چلتا ہوں) تا کہ اس میں سے تمہارے لئے ایک انگارہ لے آؤں یا ممکن ہے کہ مجھے وہاں راستے کا کچھ سراغ مل جائے۔ جب وہ وہاں پہنچا تو اس کو آواز آئی: اے موسیٰؑ میں ہی تمہارا رب ہوں جوتیاں اتار دو کیونکہ تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔ میں نے تم کو پیغمبری کے لئے چن لیا ہے۔ (اب) جو وحی تم پر کی جارہی ہے اسے غور سے سنو۔ بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں اس لئے تم میری بندگی کرو اور میری یاد کے لئے نماز کا اہتمام کرو۔

Ta. Ha. We have not revealed unto thee (Muhammad) this Qur'an that thou shouldst be distressed, But as a reminder unto him who feareth, A revelation from Him Who created the earth and the high heavens, The Beneficent One, Who is established on the Throne Unto Him belongeth whatsoever is in the heavens and whatsoever is in the earth, and whatsoever is between them, and whatsoever is beneath the sod. And if thou speakest aloud, then Lo! He knoweth the secret (thought) and (that which is yet) more hidden. Allah! There is no God save Him. His are the most beautiful names. Hath there come unto thee the story of Moses? When he saw a fire and said unto his folk; Wait! I see a fire afar off. Peradventure I may bring you a brand therefrom or may find guidance at the fire. And when he reached it, he was called by name: O Moses! Lo! I, even I, am thy Lord. So take off thy shoes, for Lo! thou art in the holy valley of Tuwa. And I have chosen thee, so hearken unto that which is inspired. Lo! I, even I, am Allah. There is no God save Me. serve Me and establish worship for My remembrance.

حضرت سعید بن زیدؓ کی تلاوت:

حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہو جانے کے بعد کچھ اور لوگ بھی مسلمان ہو گئے اور یوں مسلمانوں کی تعداد تیس سے زیادہ ہو گئی مکہ کے رہنے والے اور خاص طور پر قبیلہ قریش کے افراد اسلام کو پھیلتا دیکھ کر مزید تشویش میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے دارالندوۃ میں جمع ہو کر مشورہ کرنا شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) کے دین کو کس طرح نابود کیا جا سکتا ہے۔ لیکن وہ لوگ اپنے مذاکرات سے کوئی خاص نتیجہ اخذ نہیں کر سکے۔ جب دارالندوۃ کا اجلاس ختم ہوا تو عمر بن خطاب نے یہ اعلان کر دیا کہ میں خود ہی

Marfat.com

محمد (ﷺ) کو قتل کر کے اہل مکہ کو اِس مشکل سے نجات دلا دوں گا۔ راستے میں نعیم بن عبد اللہؓ نے عمر کو تیز تیز قدموں سے جاتے دیکھا تو پوچھا اے عمر کہاں جارہے ہو۔ عمر نے کہا کسی نے ہمارے اجداد کی اتنی توہین نہیں کی جتنی محمد (ﷺ) کرتا ہے۔ اس شخص نے اپنے نئے دین کی وجہ سے تمام اہل مکہ کا چین و آرام ختم کر دیا ہے۔ ہمارے بزرگوں کے دین کو باطل قرار دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ ہمیں اپنے خداؤں کی پرستش چھوڑ دینی چاہئے۔ میں جارہا ہوں کہ اسے موت کے گھاٹ اُتار دوں۔ نعیم نے کہا یا عمر تمہارے دو قریبی عزیز بھی مسلمان ہیں ان میں سے ایک تمہاری بہن فاطمہؓ اور دوسرا اس کا شوہر سعید بن زیدؓ ہے۔ جب عمر گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی بہن فاطمہؓ ان کے شوہر سعید بن زیدؓ اور ایک دوسرے مسلمان حضرت خبابؓ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔ عمر غصہ میں لال بھبھوکے ہو گئے اور اپنی بہن اور ان کے خاوند پر اتنے کوڑے برسائے کہ جسم میں جگہ جگہ سے خون بہنے لگا۔ عمر نے اپنی بہن کو حکم دیا کہ محمد (ﷺ) کا دین چھوڑ دے۔ فاطمہؓ نے جواب دیا کہ اگر تم مجھ پر اتنے کوڑے برساؤ کہ میری جان نکل جائے تو بھی میں محمد ﷺ کے دین کو نہیں چھوڑوں گی۔ اور اگر تم بھی قرآن کی تلاوت کرو تو جان جاؤ گے کہ یہ دین سچا اور برحق ہے۔ عمر نے اپنی بہن کے خاوند کو کہا کہ وہ قرآن سنائیں۔ سورۃ طٰہٰ کی چند آیات تلاوت کی گئیں:

طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِىَ

طٰہٰ۔ اے نبی ہم نے یہ قرآن تم پر اس لئے نہیں نازل کیا ہے کہ تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ۔ یہ تو ایک نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ سے ڈریں۔ یہ (قرآن) نہایت اہتمام کے ساتھ اس ذات کی طرف سے اتارا گیا ہے جس نے زمین اور بلند آسمان کو پیدا کیا ہے۔ وہی رحمان سلطنت کے تخت پر قائم ہے۔ اسی کے اختیار میں ہے وہ سب کچھ جو زمین و آسمان اور ان کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے۔ چاہے تم اپنی کوئی بات بلند آواز سے کہو (یا چپکے سے) وہ اعلانیہ اور پوشیدہ سب کو جانتا ہے۔ اللہ ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور تمام اچھی صفتیں اسی کے لئے ہیں۔ کیا موسیٰؑ کی سرگزشت تمہارے علم میں آئی ہے (یہ اس وقت کی بات ہے) جب اس نے ایک شعلہ دیکھا تو اس نے اپنے خاندان والوں سے کہا: ذرا ٹھہرو، مجھے آگ نظر آئی ہے۔ (میں وہاں چلتا ہوں) تاکہ اس میں سے تمہارے لئے ایک انگارہ لے آؤں یا ممکن ہے کہ مجھے وہاں راستے کا کچھ سراغ مل جائے۔ جب

Marfat.com

يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّىْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِىْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِىْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ ﴿۱۴﴾	وہ وہاں پہنچا تو اس کو آواز آئی: اے موسیٰ میں ہی تمہارا رب ہوں جوتیاں اتار دو کیونکہ تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔ میں نے تم کو پیغمبری کے لئے چن لیا ہے۔ (اب) جو وحی تم پر کی جارہی ہے اسے غور سے سنو۔ بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں اس لئے تم میری بندگی کرو اور میری یاد کے لئے نماز کا اہتمام کرو۔ (سورۃ طٰہٰ، پارہ16، آیت 1 تا 14)

حضرت عمرؓ قرآن سن کر غور و فکر میں ڈوب گئے۔ پھر گویا ہوئے۔ مجھے محمد ﷺ کے پاس لے چلو۔ میں بھی مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ جلد اوّل" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب پاک باطن لوگ، صفحہ نمبر 71 تا 74

Marfat.com

موضوع 83 /84

ذاتِ مُطلق کی روشنی

سُوْرَۃُ طٰهٰ (TAHA)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝٩ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا
لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝١٠ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى
۝١١ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝١٢ وَ اَنَا
اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝١٣

ترجمہ: کیا موسیٰؑ کی سرگزشت تمہارے علم میں آئی ہے۔(یہ اس وقت کی بات ہے) جب اُس نے ایک شعلہ دیکھا تو اُس نے اپنے خاندان والوں سے کہا: ذرا ٹھہرو، مجھے آگ نظر آئی ہے۔(میں وہاں چلتا ہوں) تاکہ اس میں سے تمہارے لئے ایک انگارہ لے آؤں یا ممکن ہے کہ مجھے وہاں راستے کا کچھ سراغ مل جائے۔جب وہ وہاں پہنچا تو اس کو آواز آئی: اے موسیٰ میں ہی تمہارا رب ہوں جوتیاں اتار دو کیونکہ تم طویٰ کی مقدّس وادی میں ہو۔میں نے تم کو پیغمبری کے لئے چُن لیا ہے۔(اب) جو وحی تم پر کی جارہی ہے اسے غور سے سنو۔

Hath there come unto thee the story of Moses? When he saw a fire and said unto his folk: Wait! I see a fire afar off. Peradventure I may bring you a brand therefrom or may find guidance at the fire. And when he reached it, he was called by name: O Moses! Lo! I, even I, am thy Lord. So take off thy shoes, for Lo! thou art in the holy valley of Tuwa. And I have chosen thee, so hearken unto that which is inspired.

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب کوہ طور پر روشنی دیکھ کر سوال کیا:

کون؟

Marfat.com

خالق کائنات جَلَّ جَلَالُہٗ نے جواب دیا۔

میں ہوں تیرا رب۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو روشنی دیکھی وہ روشنی امر رب تھی۔ وہ روشنی کس کی تھی؟

وہ روشنی ذات مطلق کی تھی۔ اس واقعہ سے ذات مطلق اور ذات امر کی حدود کا تعین ہو جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام ذات امر ہے۔ خالق کائنات ذات مطلق ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ذات امر ہونے کے باوجود امر کو روشنی میں مشاہدہ کر کے یہ سوال کیا کہ کون؟ یعنی امر نے اس بات کی احتیاج محسوس کی کہ وہ ذات مطلق کو پہچانے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روشنی دیکھ کر یہ جان لیا کہ یہ میرا رب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کی احتیاج ہوئی کہ روشنی امر سے اپنا تعارف کرائے۔

امر ذات مطلق کا محتاج ہے اور ذات مطلق کسی چیز کی محتاج نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے ذات مطلق کو حقیقت مطلقہ کہا اور امر مطلق کو کائنات کہا ہے۔ یہ طرزِ بیان ان لوگوں کا ہے جن لوگوں کی طرز تلاش یہ ہے کہ وہ پہلے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور ظاہر جس باطن پر قائم ہے اس کو تلاش کرتے ہیں اور اس تلاش سے کسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات میں بے شمار لامحدود چیزیں ایسی ہیں جو ظاہر نہیں ہیں۔

(آج کے سائنسی دور میں ایسی چیزوں کا انکشاف ہوا ہے اور ہو رہا ہے جو چیزیں آنکھ نے نہیں دیکھی تھیں)۔

سائنسدان جن چیزوں کی علامتیں خارج میں نہیں دیکھتے ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان کے اس عمل سے کائنات کے اندر مخفی حقائق زیادہ سے زیادہ تر انجانے رہ جاتے ہیں۔ سائنسدانوں کے برعکس انبیاء کا عمل حقیقت پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ وہ ظاہر سے باطن کو تلاش نہیں کرتے بلکہ باطن سے ظاہر کو تلاش کرتے ہیں۔ وہ ذات مطلق کے ذریعے امر مطلق کو تلاش کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی فکر ایسے اجزاء کو پالیتی ہے جو مظاہر کے پابند نہیں ہیں۔ انبیاء مظاہر کو نظر انداز نہیں کرتے تاہم وہ مظاہر کو اصل قرار دے کر صرف مظاہر کی روشنی میں گم نہیں ہو جاتے۔

وہ مظاہر کو بھی اتنی اہمیت دیتے ہیں جتنی مظاہر کی اصلوں کو۔ انبیاء کی فکر میں ذات مطلق ہی حیات ہے۔ اس لئے وہ حیات کو ابدی قرار دیتے ہیں اور کائنات کو ثانوی درجہ دیتے ہیں۔ انبیاء کہتے ہیں کہ پہلے حیات ہے پھر کائنات ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ پہلے کائنات پھر حیات ہو۔ حیات ہے تو کائنات ہے۔ اس کے برخلاف مظاہر کو اولیت دینے والے سائنسدان اس لئے حیات کی پنہائیوں اور گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکتے کہ وہ پہلے کائنات کو اہمیت دیتے ہیں پھر حیات کو اہمیت دیتے ہیں۔ انبیاء نے یہ بات اپنی طرز فکر سے تحقیق کی ہے کہ فکر انسانی میں ایسی روشنی موجود ہے جو کسی ظاہر کے باطن کا کسی حاضر کے غیب کا مشاہدہ کر سکتی ہے۔

بالفاظ دیگر انسانی ذہن پر یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ حیات کی ابتداء کہاں سے ہوئی ہے؟ اور انتہا کہاں تک ہے؟۔ جب ہم ابتداء اور انتہا پر تفکر کرتے ہیں تو منکشف ہوتا ہے کہ ہر ابتداء انتہا تک پہنچنے کے لئے قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام موت کے

Marfat.com

بعد کی زندگی کو سمجھنے پر زور دیتے ہیں۔ آخری نبی محمد الرسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: **"مر جاؤ مرنے سے پہلے۔"**

حوالہ جات:

1۔ کتاب "ذات کا عرفان" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، باب ذات مطلق کی شناخت، صفحہ 87 تا 89

Marfat.com

موضوع 84 /84 جسمِ مثالی ASTRAL BODY

سُوۡرَۃُ طٰهٰ (TAHA)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِیۡهَا نُعِیۡدُكُمۡ وَ مِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰی ﴿۵۵﴾

ترجمہ: اِسی زمین میں سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اِسی میں ہم تمہیں واپس بھیجیں گے اور اِسی زمین سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔

Thereof We created you, and thereunto we return you and thence We bring you forth a second time.

جسم اِنسانی کے اوپر ایک اور اِنسان ہے جو روشنیوں کا بنا ہوا ہے جتنی بیماریاں، اُلجھنیں اور پریشانیاں اِنسان کے اوپر آتی ہیں، روشنیوں کے اِنسان میں آتی ہیں۔ گوشت پوست کے خاکی جسم میں نہیں ہوتیں۔ جسم دراصل ایک اسکرین ہے اور روشنیوں کا اِنسان فلم ہے۔ فلم میں سے اگر داغ دھبوں کو دور کر دیا جائے تو اسکرین واضح اور صاف نظر آتی ہے۔ بالفاظ دیگر روشنیوں کے اِنسان میں سے بیماریوں کو نکال دیا جائے تو جسم خود بخود صحت مند ہو جاتا ہے۔

مرشد کریم الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے درج ذیل خط رئیس امروہی صاحب کے ایک کالم کے جواب میں تحریر کیا تھا۔ اِس مکتوبِ گرامی میں جسم مثالی پر بحث کی گئی ہے۔

محترم بندہ، مشفق اور محب، کرم فرما بزرگ رئیس امروہی صاحب،

السلام علیکم،

13 اور 20 اکتوبر 1968ء کو مضمون بعنوان "سائنس جنّات کی روشنی میں اور جنّات سائنس کی روشنی میں" نظر نواز ہوا۔ چند معروضات پیش ہیں اگر قبول فرمائیں تو عزت افزائی ہو گی۔

بھوت، پریت، آسیب، ڈائن وغیرہ کے الفاظ عام طور پر بولے جاتے ہیں۔ لیکن اس کی تحقیق کی طرف کسی نے دھیان نہیں دیا کہ یہ سب آخر ہیں کیا؟

آپ نے قبرستان میں دیکھا ہو گا کہ جب قبر تختوں سے بند کر دی جاتی ہے تو میّت کے ساتھ جانے والے سوگوار ہاتھوں میں مٹی لے کر قبر کے اندر ڈالتے ہیں۔ مذہب کا کوئی بھی عمل لایعنی اور زائد نہیں ہو سکتا مٹّی ڈالتے وقت جو آیت تلاوت کی جاتی ہے وہ بھی اپنے مفہوم کے اعتبار سے انتہائی توجہ طلب ہے۔

Marfat.com

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِيۡهَا نُعِيۡدُ كُمۡ وَ مِنۡهَا نُخۡرِ جُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى ۝٥٥

ترجمہ: اِسی زمین میں سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اِسی میں ہم تمہیں واپس بھیجیں گے اور اِسی زمین سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔

(سورۃ طٰہٰ، پارہ16، آیت55)

اِنسان تین پرَت LAYERS کا مجموعہ ہے۔ ہر پرَت متعیّن صفات رکھتا ہے۔ ہم ان پرَتوں میں سے ایک پرَت کو ہمزاد، ہیولیٰ، سایہ، جسمِ مثالی، اور نسمہ AURA کہتے ہیں۔ جس وقت گوشت پوست کے آدمی کو قبر میں اتارا جاتا ہے۔ نسمہ بھی اس کے ساتھ چپکا ہوتا ہے۔ کیونکہ باصلاحیت، باشعور اور بااختیار ہوتا ہے اس وجہ سے فرشتے ایک انتظام کے تحت اس بات کی نگرانی کرتے ہیں کہ وہ نسمہ راہِ فرار نہ اختیار کرلے۔ بعض اِنسان (نسمہ) اتنے چالاک ہوتے ہیں کہ وہ فرشتوں کو چکمہ دے کر اطراف کی حد بندیوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اس عمل سے ان کی کوئی جائے قیام متعیّن نہیں ہوتی اب وہ آوارہ اور دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ طبیعت میں شرارت کی وجہ سے لوگوں کو پریشان اور ہراساں کر کے خوش ہوتے ہیں ان کو ہمیشہ ایسے لوگوں کی تلاش ہوتی ہے۔ جو دماغ سے کمزور ہوتے ہیں۔ جب یہ دیکھتے ہیں کہ کسی آدمی کے نسمہ میں قوتِ مدافعت نہ ہونے کے برابر ہے تو یہ اس کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں۔ دماغی عارضہ، مالیخولیا، وغیرہ بھی نسمہ میں قوتِ مدافعت نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن ان بیماریوں کا سایہ یا آسیب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عرض یہ کرنا ہے کہ نوعِ اِنسانی میں نادیدہ مخلوق جنّات کو بدنام کرنے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا گیا ہے۔ کہ اِنسان کے اوپر جن سوار ہو جاتا ہے۔ اِنسان کے اوپر جن نہیں بلکہ خود اِنسان (بھٹکا ہوا نسمہ) سوار ہوتا ہے۔

نوعِ اجنہ کے حق میں اِنسان کی یہ بہت بڑی زیادتی ہے، اور ظلم ہے کہ بغیر کسی تحقیق اور تدقیق کے پوری نوع کے اوپر الزام تراشی کی جائے۔ میں نوعِ اجنہ سے واقفیت کی بنیاد پر یہ بات یقین کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ جنّات ہم اِنسانوں سے زیادہ سنجیدہ، رحمدل، ہمدرد، ایثار کرنے والے اور غم خوار ہوتے ہیں۔ جنّات کے بارے میں اس قسم کی جتنی بھی کہانیاں مشہور ہیں ان سب کا مخزن ایسے اِنسان ہیں جو احساسِ کمتری میں مبتلا ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ جب ہم کسی مسئلے کو حل نہیں کرسکتے تو اس کے لئے قیاس کو استعمال کر کے غلط فیصلہ صادر کر دیتے ہیں۔

عرفِ عام میں جس کو مرنا یا مُردہ ہو جانا کہتے ہیں اس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اِنسان مرنے کے بعد اپنی صلاحیتوں کو کھو بیٹھتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے واقعہ یہ ہے کہ اِنسان کی وہ صلاحیتیں جن کی وجہ سے اس کو اشرف المخلوقات کہا گیا ہے، بیدار نہیں ہوتیں۔

موت بظاہر بھیانک لیکن باطن میں اس قدر خوشنما اور حسین شے ہے جس کے اوپر ہزاروں جانیں قربان کی جاسکتی ہیں۔ انسانی زندگی میں موت ہی ایسا عمل ہے جس کو حاصل زندگی قرار دیا جاسکتا ہے۔ مرنے کے بعد اِنسان زمان و مکان کی قید و بند سے آزاد ہو کر تصور اور خیال کی رفتار سے سفر کرتا ہے۔ اس کو نہ ہوائی جہاز کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ اسپیس شپ کی۔ اس کی وہ خفیہ صلاحیتیں جو بیداری میں متحرک نہیں ہوتیں وہ سب کی سب بیدار ہو جاتی ہیں۔

اگر کسی اِنسان میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ ایک ٹن وزن اٹھا سکتا ہے تو وہ اس عالم آب و گل میں مہینوں اور برسوں ریاضت اور مجاہدہ کر کے اس پر دسترس حاصل کرتا ہے اور اس کے لئے بھی ہرگز یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مستقل ہے۔ اگر کوئی اِنسان قوتِ ارادی کی مشقوں پر عبور حاصل کر لینے کے بعد کسی آدمی کو متاثر کر سکتا ہے تو اس کے لئے کم و بیش تین سال کا کورس مقرر ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کی وہ ہر آدمی کو متاثر ہی کر سکے۔ اگر کوئی عامل عمل کے نتیجہ میں کسی فرد کو اپنا معمول بنا لیتا ہے تو اس بات کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی کہ نوع کا ہر ذی نفس اس کا معمول بن جائیگا۔ برخلاف اس کے مُردہ جسم گوشت پوست کا جسم نہیں لیکن اس میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے کہ بغیر کسی مشق اور عمل کے، کسی بھی شخص یا حیوان کو متاثر کر سکتا ہے۔ لیکن معمول وہی حضرات بنتے ہیں جو دماغی اعتبار سے کمزور اور کند ذہن ہوتے ہیں۔

Marfat.com

ارشادِ ربانی ہے:

"ہم زندگی کو موت سے نکالتے ہیں۔"

مفہوم بالکل صاف ہے موت اور زندگی ایک الگ شے نہیں ہے موت اور زندگی نام ہے انسانی صلاحیتوں اور اوصاف کا۔ ایک وصف زندگی ہے اور ایک وصف موت ہے۔ زندگی سے پہلے ہم جہاں بھی تھے اس کا نام موت کے علاوہ کچھ بھی نہیں رکھا جا سکتا اس زندگی کو گزار کر دوسری زندگی کو اپنانے کا نام بھی موت ہے۔

انسانی زندگی کا وصف جس کا نام موت ہے سب کا سب غیب ہے یہ وصف انسان کو مکانی اور زمانی قید سے آزاد کر کے ایسی زندگی سے روشناس کرتا ہے جہاں انسان کا ارادہ حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسان کی خواہش اگر یہ ہے کہ وہ سیب کھائے تو اس کے لئے صرف سیب کھانے کا ارادہ کر لینا ہی سیب کی موجودگی کا سبب بن جاتا ہے۔ موت کی دنیا میں مظاہر وسائل کے پابند نہیں ہوتے۔ عالم قید و بند دنیا میں کوئی انسان اس وقت تک سیب نہیں کھا سکتا جب تک سیب کو وجود میں لانے والے پورے وسائل بروئے کار نہ آ جائیں۔

یہاں سیب کے لئے تخم ریزی سے پھل بننے تک کے پورے مراحل سے گزرنا ضروری ہے۔ ان طویل اور تکلیف دہ مراحل کا انتظار اگر محسوس کیا جائے کتنا صبر آزما اور کس قدر شدید ہے۔ سیب کے حصول کے لئے ہمیں اتنا وقت گزارنا لازمی ہے جو سیب کی موجودگی کے لئے متعین ہے۔

اگر ہم کسی طریقے سے مرنے کے بعد کی زندگی کا سراغ لگالیں، تو ہم زندگی میں بھی صبر آزما اور ہمت شکن انتظار سے نجات پا سکتے ہیں۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ نے اسی زندگی کو اپنانے کے لئے فرمایا ہے:

موتو قبل انت موتو

ترجمہ: مر جاؤ مرنے سے پہلے

یعنی اسی زندگی میں موت کے بعد کی زندگی حاصل کر کے اپنے اوپر سے قید و بند کی تہہ در تہہ اور دبیز چادر کو اتار پھینکیں۔

حضور سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس حکم پر عمل کرنے والے ہر زمانے میں موجود رہتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دماغ پس پردہ عمل میں آنے والے مناظر کو براہ راست دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ ان کا ذہن خیال اور تصور کے اندر بھی قدرت کے اشارے تلاش کر لیتا ہے۔ ایسے حضرات کے اندر غیر معمولی صلاحیتیں کام کرتی ہیں۔ اتنی غیر معمولی کہ جو چیزیں سامنے نہیں ہوتیں ان کو بھی سامنے لے آتے ہیں۔ مرنے سے پہلے مر جانے والے یعنی اس دنیا میں موت کی زندگی سے روشناس اور متعارف لوگ اتنی زبردست صلاحیت اور قوت کے مالک ہو جاتے ہیں کہ کائنات میں موجود ہر شے ان کے ذہن کے ساتھ حرکت کرتی ہے۔ فی الواقع یہ صلاحیتیں حیرت انگیز نہیں ہیں۔ البتہ ان کا تلاش کرنا بڑا اور بہت بڑا کارنامہ ہے۔

بات جنات سے شروع ہوئی تھی۔ جنات، آسیب، بھوت، پریت کا عقیدہ اس لئے چیستاں ہے کہ ہم نے اس زندگی سے راہ فرار اختیار کر رکھی ہے جو اس قسم کے تمام معاملوں کو حل کرتی ہے۔ یہ زندگی جو ہماری زندگی کا نصف حصہ ہے لاشعوری زندگی ہے۔

جسم مثالی اور معنویت:

قرآن پاک میں تفکر کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کھانا جنت میں بھی میسر ہے اور کھانا دوزخ میں بھی میسر ہے۔ جنت کا کھانا دودھ، پھل، فروٹ اور شہد ہے۔ اور دوزخ کا کھانا زقوم، تھوہر اور ایسی غذائیں ہیں جن سے آدمی کے اندر کراہت پیدا ہوتی ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ کھانے کا علم دونوں جگہ موجود ہے۔ کھانے کے اسباب اور سامان بھی دونوں جگہ موجود ہیں۔ لیکن دونوں کی معنویت

Marfat.com

الگ الگ ہے۔ جنّت کا کھانا اس لئے اچھا ہے کہ اس کی معنویت اچھی ہے۔ بھوک کا جو علم ہے اس علم کے اندر جو مفہوم ہے وہ آرام و آسائش کا ہے۔ علیٰ ہذ القیاس دوزخ کے اندر بھوک کا جو علم ہے اس کے اندر کراہت، پریشانی، تکلیف اور آہ و بکا ہے۔ مختصر طور پر اس بات کو اس طرح کہا جائے گا کہ یہ ساری کائنات دراصل ایک علم ہے۔ علم کی طرزیں یہ ہیں کہ اس میں معنی پہنائے جاتے ہیں۔ جسم مثالی ایک ایسی ایجنسی ہے جو علم میں معنی پہناتی ہے جب آدمی عالم ارواح سے نزول کر کے اس دنیا میں وارد ہوتا ہے تو تو جسم مثالی اس عالم کے اندر ایسے معنی و مفہوم اخذ کرتا ہے جس میں آدمی قید ہے، بند ہے، گرفتار ہے، ہر ہر قدم پر قید و بند میں بندھا ہوا ہے۔ جسم مثالی جب عالم ناسوت سے باالفاظ دیگر اس گوشت پوشت کے جسم سے اپنا رشتہ منقطع کر کے دوسرے عالم میں جاتا ہے، وہاں کی فضاء اور ماحول سے اپنے لئے ایک نیا لباس بناتا ہے تو اس کے معانی و مفاہیم بدل جاتے ہیں۔

آسیب زدہ شخصیت :

دیکھا گیا ہے کہ زیادہ تر عورتوں اور کسی حد تک مردوں پر جب جن آتا ہے تو ان کی شخصیت میں حیرت انگیز تبدیلی واقع ہو جاتی ہے، آواز بدل جاتی ہے۔ حیرت ناک قوت کا مظاہرہ ہوتا ہے بعض اوقات آسیب زدہ یا جن زدہ ایسی زبان بولتا ہے جو وہ خود نہیں جانتا، وہ شخص اپنا تعارف بھی ایک جن کی حیثیت سے کراتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کی علمی توجیہہ اس طرح سے ہے کہ پوری نوع انسانی میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کو کبھی کبھی ایسی صلاحیتوں کا تجربہ نہ ہوا ہو چاہے بیداری میں یا خواب میں۔ انسانی حواس دو طرح کام کرتے ہیں۔ براہ راست اور بالواسطہ، بالواسطہ کام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم آنکھوں سے دیکھتے، کانوں سے سنتے، ہاتھوں سے پکڑتے اور پیروں سے چلتے ہیں۔ حواس کے اِس براہِ راست کام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم بغیر جسمانی نظام کی مدد کے خواب میں خود کو چلتے پھرتے غرض ہر وہ کام کرتے دیکھتے ہیں جو بیداری میں ہم سے سرزد ہوتا ہے۔ حالانکہ ہمارا جسم بالکل مُعطّل ہے۔

کبھی کبھی بیداری میں بھی حواس براہ راست کام کرنے لگتے ہیں اور اعصابی نظام بالکل معطل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ حافظہ بھی کام نہیں کرتا مرض" کابوس" اس کی مثال ہے۔ سوال مرض کا نہیں۔ حواس کے براہ راست کام کرنے کا ہے "کابوس" کی حالت میں آدمی اپنے بستر سے اٹھتا ہے، کپڑے بدل کر دفتر جاتا ہے، وہاں کام کرتا ہے، واپس آ کر کپڑے بدل کر سو جاتا ہے لیکن اسے یہ قطعی یاد نہیں رہتا میں نے سونے کی حالت میں کیا عمل کیا ہے؟ یہ بھی حواس کے براہ راست استعمال ہونے کی ایک طرز ہے۔ یہی کابوس کی کیفیت ہپناٹزم کے ذریعے اِنسان پر مُسلّط کر دی جاتی ہے۔ تو اس وقت بھی وہ بالکل بے ارادہ ہو کر عامل کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ بیداری میں یہ کیفیت بعض اوقات از خود مُسلّط ہو جاتی ہے۔ کوئی دوسرا شخص اسے ہپناٹائز نہیں کرتا بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ کو ہپناٹائز کر لیتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کسی جذبہ رجحان یا تقاضہ میں اتنی شدت پیدا ہو جائے کہ یہ شدت اعصاب کو مفلوج کر دے جیسے ہی اعصاب مفلوج ہوتے ہیں حواس کا براہ راست استعمال شروع ہو جاتا ہے۔ شدت کی وجہ سے حواس کا رویّہ معاندانہ ہوتا ہے۔ اعصاب کے مفلوج ہو جانے سے جن خلیوں میں یادداشت کا ریکارڈر رہتا ہے وہ اپنا عمل ترک کر دیتے ہیں اور یادداشت کی ترتیب ختم ہو

Marfat.com

جاتی ہے۔اب حواس اس عادت کی بناء پر ایک کہانی بنالیتے ہیں اور اپنے ہی جسم پر وہ کہانی عملاً استعمال کرتے ہیں کہتے ہیں کہ فلاں جن ہوں، میرا نام یہ ہے، میں چڑیل ہوں، میں فلاں ہوں وغیرہ وغیرہ۔

براہ راست فعل کی وجہ سے حواس بہت سی ایسی باتوں کا بھی انکشاف کر دیتے ہیں جو پس پردہ ہوتی ہیں۔

نسمہ اور نمک:

قانون یہ ہے کہ ہر آدمی روشنیوں کے تین پَرت LAYERS سے مُرکّب ہے۔سب سے پہلے پَرت کو عرف عام میں ہیولیٰ یا سائنسی زبان میں AURA کہتے ہیں یہ ہر آدمی کے جسم سے 9 انچ اوپر روشنی کا بناہوا مکمل اور مجسم آدمی ہوتا ہے اور یہ جسم یا پَرت خاکی جسم کو متحرک رکھتا ہے یایوں سمجھیئے کہ یہ جسم رُوح اور گوشت پوست کے بنے ہوئے جسم کے درمیان میڈیم ہے۔قلندر باباؒ اولیاءؒ نے اس جسم کو نسمہ کہا ہے اور بہت سے لوگ اسے جسم مثالی بھی کہتے ہیں یہی ہمزاد بھی کہلاتا ہے۔ جسم مثالی کی تحریکات اور جسم مثالی کے خیالات و تصورات ہی دراصل آدمی کی زندگی قرار پاتے ہیں اگر جسم مثالی کے اندر تحریکات تعمیر سے متعلق ہیں تو آدمی تعمیری زندگی بسر کرتا ہے اور اگر جسم مثالی میں تخریبی طرزیں ہیں تو آدمی تخریب کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

اگر جسم مثالی متحرّک ہو جاتا ہے یا اس کی طاقت بڑھ جاتی ہے تو ایسی باتیں سرزد ہونے لگتی ہیں جو عقل و فہم میں نہیں آتیں۔ اگر کسی گھر میں موجود صاحب یا صاحبہ کا جسم مثالی متحرک ہو گیا ہو اور ان سے جسمانی طرز پر بھی تخریبی اعمال سرزد ہو رہے ہوں تو جسم مثالی متحرک ہو جانے کی وجہ سے بھی براہ راست ایسے اعمال سرزد ہونے لگتے ہیں جن میں تخریب ہے۔

جسم مثالی متحرک ہونے کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ایک کسی عامل کی نگرانی کے بغیر بہت زیادہ وظائف پڑھنا اور دوسرے کھانوں میں مٹھاس کی نسبت نمک کا زیادہ استعمال ہونا۔اگر پہلی وجہ ہے تو وظائف کو فوراً ترک کر دینا چاہیئے گھر میں اگر پسا ہوا نمک استعمال ہوتا ہو تو اس کو ترک کر دینا چاہیئے کیونکہ اس میں جپسم کی ملاوٹ ہوتی ہے اس کے ساتھ ساتھ کھانوں میں نمک کم کر کے چوتھائی کر دیں اور نسبتاً میٹھا زیادہ استعمال کریں جلد ہی مٹھاس اور نمک کا توازن اعتدال پر آجائے گا۔

حوالہ جات:

1۔ کتاب "کشکول" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع 239، صفحہ نمبر 167

2۔ کتاب "رُوحانی ڈاک" از الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی، موضوع بھوت، صفحہ نمبر 72

Marfat.com

ماخذ کتب کے حوالہ جات

نمبر شمار	مصنف	کتب
1	خواجہ شمس الدین عظیمی	1۔ محمد رسول اللہ ﷺ جلد اول
		2۔ محمد رسول اللہ ﷺ جلد دوم
		3۔ محمد رسول اللہ ﷺ جلد سوم
		4۔ ذات کا عرفان
		5۔ توجیہات
		6۔ روحانی ڈاک
		7۔ روح کی پکار
		8۔ شرح لوح و قلم
		9۔ روحانی نماز
		10۔ کشکول
		11۔ خطبات لاہور
		12۔ تجلیات
		13۔ کتابچہ نیرنجات
		14۔ اللہ کے محبوب
		15۔ احسان و تصوف
		16۔ آگہی
		17۔ خواب اور تعبیر
		18۔ باران رحمت
		19۔ صدائے جرس
		20۔ نظریہ رنگ و نور
		21۔ روحانی ڈاک جلد اول، دوم، سوم، چہارم
		22۔ خطبات ملتان
		23۔ قلندر شعور
		24۔ شرح رباعیات
		25۔ شرح لوح و قلم

Marfat.com

2 میاں مشتاق احمد عظیمی

3 سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی

26۔ رُوحانی نماز

27۔ 101 اولیاءاللہ خواتین

28۔ اسم اعظم

29۔ آواز دوست

30۔ ماہنامہ رُوحانی ڈائجسٹ

31۔ ماہنامہ قلندر شعور

32۔ آداب مریدین

33۔ خانقاہی نظام

34۔ یہ تیرے بندے

35۔ معرفت عشق

Marfat.com

Marfat.com

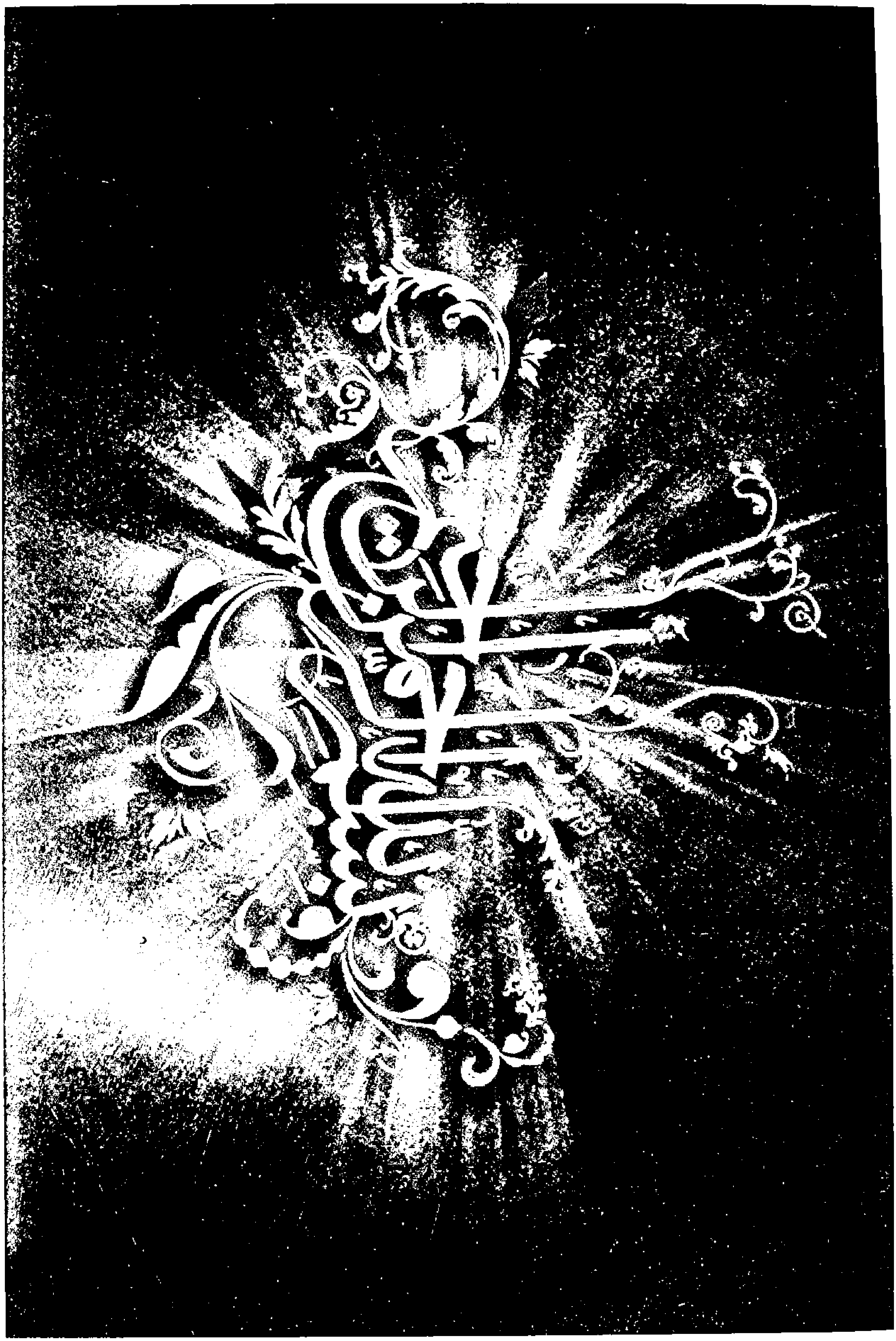

Marfat.com